پائیلٹ سیرون

آئینۂ اردو

برائے انٹرمیڈیٹ



وخالد صدیقی
وطاہر صدیقی

خالد بک ڈپو - ۴۰ اردو بازار - لاہور

بورڈز آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن لاہور، ملتان، سرگودھا، راولپنڈی، آزاد کشمیر، کوئٹہ، بہاولپور
گوجرانوالہ اور فیڈرل گورنمنٹ بورڈز، اسلام آباد وغیرہ کے

جدید ترین نصاب کے عین مطابق

پائلٹ سپر ون نوٹس

آئینہ اردو (لازمی)

(پرچہ الف)

انٹرمیڈیٹ، آرٹس، سائنس اور کامرس
کے طلبہ و طالبات کیلئے

مؤلفین

ابوخالد صدیقی ، ابوطاہر صدیقی

خالد بک ڈپو ۴۰۔ اردو بازار لاہور فون ۳۲۲۶۷۳ / ۲۲۳۸۸۱

مغل بک ڈپو، گڑھی شاہو۔ لاہور

جدید ترین نصابِ اُردو

پرچہ الف : کل نمبر ۱۰۰

حصہ نثر

۱۔ سیاق و سباق کے حوالہ سے عبارت کی تشریح	۲۵ نمبر
۲۔ کہانی کا خلاصہ	۱۵ نمبر
۳۔ اسباق پر سوالات	۱۰ نمبر

حصّہ نظم

۱۔ نظم اور غزلیات کے اشعار کی تشریح	۲۵ نمبر
۲۔ نظم کا خلاصہ	۱۵ نمبر
۳ اصناف نظم و نثر کا تعارف	۱۰ نمبر

اصناف نظم و نثر میں مندرجہ ذیل اسلوب شامل ہیں :۔

۱۔ ناول	۲۔ ڈرامہ
۳۔ افسانہ	۴۔ خاکہ
۵۔ مضمون	۶۔ نظم
۷۔ آزاد نظم	۸۔ مرثیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

گیسوئے اُردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے ؛ شمع یہ سودائی دلسوزیٔ پروانہ ہے (اقبالؔ)

آج کل کتابیں لکھنے کا کچھ رواج سا ہو گیا ہے اور اس سلسلے میں زیادہ تر کاروباری ذہنیت کارفرما ہوتی ہے حالانکہ کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ یہ صحیح معنوں میں افادیت کی حامل ہو اور اس سے طلبہ وطالبات کی حقیقی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہو۔ زیرِ نظر کتاب اسی مقصد کے تحت لکھی گئی ہے۔ یہ مقصد کہاں تک پورا ہوا ہے، اس کا فیصلہ کرنا اساتذہ اور طلبہ کا کام ہے۔

یہ کتاب انٹرمیڈیٹ کی لازمی اردو کی درسی کتاب "مرقع ادب" کی تشریحات اور مطالب پر مشتمل ہے۔

حصّہ نثر اور حصّہ نظم کی تشریح معیاری انداز میں کی گئی ہے۔ حصّہ نثر کے اسباق کا خلاصہ ایک نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے یعنی خلاصہ جات نہایت مفصل اور جامع انداز میں عنوانات کے تحت دیئے گئے ہیں جس سے طلبہ وطالبات بآسانی انہیں ذہن نشین کر سکتے ہیں۔ پھر اسباق کا مرکزی خیال جامع انداز میں دیا گیا ہے۔ نثر پاروں کی معیاری تشریح کے لیے جامع اصول وضوابط پیش کیے گئے ہیں اور اہم نثر پاروں کی سیاق وسباق کے لحاظ سے نہایت معیاری مفصل اور جامع تشریح کر دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اسباق کے اہم مطالب سوال وجواب کے ذریعے واضح کیے گئے ہیں اور مشکل الفاظ کی مناسب تشریح کر دی گئی ہے نثر نگاروں اور ادبا کی جامع انداز میں خصوصیاتِ کلام بھی شامل کر دی گئی ہیں۔

حصّہ نظم کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ نظموں کی معیاری تشریح کے لیے جامع اصول وضوابط دیئے گئے ہیں اور نظموں کی مکمل تشریح برائے مفصل اور جامع انداز میں کی گئی ہے۔ نظموں کا خلاصہ اور مرکزی خیال جامع انداز میں دیا گیا ہے۔ غزل کا مفہوم واضح کیا گیا ہے اور اس کی معیاری تشریح کے لیے اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں۔ شعرا کی جامع خصوصیاتِ کلام بھی شامل کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں اصنافِ نثر ونظم کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔

حصہ نثر کی طرح حصّہ نظم میں بھی طلبہ وطالبات میں ادبی اور دینی ذوق ابھارنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے کتاب کا عمومی انداز ادبی، اسلامی اور ملّی نقطۂ نظر کی عکاسی کرتا ہے۔ آخر میں بورڈ کے کچھ سابقہ پرچے بھی بطور نمونہ شامل کر دیئے گئے ہیں۔

ع گر قبول افتد زہے عزّ وشرف۔

(مؤلف)

فہرست

نثر پاروں کی تشریح کا طریقہ

تشریح کیسے کی جائے:- کسی نثر پارے کی سلیس و تشریح کے لیے مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیئے:-

۱- **حوالۂ متن:-** متن کے معنی ہیں اصل عبارت۔ اس لحاظ سے حوالۂ متن سے مراد ہے کہ دی ہوئی عبارت کس مضمون سے لی گئی ہے اور اس مضمون کا مصنف یعنی لکھنے والا کون ہے؟ امتحان میں حوالۂ متن لازماً پوچھا جاتا ہے اور اس کے مقررہ نمبر ہیں۔

۲- **سیاق و سباق:-** سیاق کے معنی ہیں مضمون کا ڈھنگ یا طرز اور سباق کے معنی ہیں ربط یا تعلق گویا سیاق و سباق کا مطلب یہ ہے کہ عبارت کا مضمون سے کیا ربط یا کیا تعلق ہے؟ اسے ہم موقع محل بھی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی اس میں بتایا جاتا ہے کہ عبارت کس موقع سے لی گئی ہے؟ اور اس سے پہلے کیا بات چل رہی ہے؟ اگر عبارت کسی کہانی سے لی گئی ہے تو بتانا ہوگا کہ کہانی کے آغاز سے یہ عبارت لی گئی ہے یا کہانی کے نقطۂ عروج و درمیان یا انجام و آخر میں سے لی گئی ہے۔ مختصر طور پر یوں سمجھ لیں کہ سیاق و سباق میں ہمیں متعلقہ مضمون یا کہانی کا مختصر سا خلاصہ، تعارف یا مرکزی خیال پیش کرنا ہوتا ہے جب تک یہ تعارف یا مرکزی خیال پیش نہ کیا جائے دی ہوئی عبارت کا مطلب واضح نہیں ہو سکتا۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ عبارت یا نثر پارہ گویا جزو ہے اور سبق کل۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک کل واضح نہ ہو جزو کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ آپ ٹی وی پر کسی ڈرامے کا سین یا منظر دیکھتے ہیں اب ظاہر ہے کہ آپ محض اس ایک منظر کو دیکھ کر پورے ڈرامہ یا کہانی کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ منظر ایک جزو ہے اور ڈرامہ کل۔ اس لیے اس منظر کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ متعلقہ ڈرامے یا کہانی کے خاکے سے واقف ہوں اور آپ کو اس ڈرامے کا صحیح تعارف حاصل ہو۔ جب تک آپ کو اس ڈرامے کا خلاصہ یا مرکزی خیال نہ بتایا جائے آپ اکیلے منظر یا سین کا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔

اگر عبارت کسی کہانی کی بجائے سنجیدہ قسم کے مضمون سے لی گئی ہے تو اس کا موقع محل بتانا ضروری نہیں بس اس مضمون کا مختصر سا خلاصہ، تعارف یا مرکزی خیال پیش کر دیں اس سیاق و سباق کے بھی باقاعدہ نمبر مقرر ہیں۔

۳- **حل لغت یا مشکل الفاظ کے معنی:-** اس عنوان کے تحت آپ کو دی ہوئی عبارت میں جو مشکل الفاظ آئے ہیں ان کے معنی بتانے ہیں اور تشریح کرنی ہے بعض اوقات امتحان میں پوچھ لیا جاتا ہے کہ خط کشیدہ الفاظ کے معنی بتائیں اور تشریح کریں۔ بالفرض اگر ایسا نہ بھی پوچھا گیا ہو تو بھی مشکل الفاظ کے معنی دے دینے چاہئیں۔ کیونکہ یہ بھی بہر حال تشریح ہی کا ایک حصہ ہے۔

سلیس و تشریح:- یہ حصہ بہت اہم ہے بلکہ اسے ہی اصل حصہ سمجھنا چاہیئے۔ اس حصے میں ہمیں مضمون کی روشنی میں دی ہوئی عبارت کو آسان الفاظ میں پیش کرنا ہے اور اس کی خوب تشریح اور وضاحت کرنی ہے۔ عبارت میں اگر کسی تلمیح یا تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے تو اس کی پوری وضاحت کر دیں۔ مثلاً اگر کوہِ طور کا ذکر آیا ہے تو بتانا ہوگا کہ یہ وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہم کلام ہوتے تھے اور یہیں آپؑ نے دیدارِ الٰہی کا تقاضا کیا تھا وغیرہ اسی طرح اگر یدِ بیضا کا ذکر آیا ہے تو آپ کو بتانا چاہیئے کہ یہ حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ کا معجزہ ہے کہ جب آپ اللہ کے حکم سے اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر نکالتے تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگتا تھا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مجمل یا مختصر بات بیان ہوئی ہے تو اس کی وضاحت کر دیں۔ اسی طرح آپ کو چاہیئے کہ عبارت کے مفہوم و مطلب کی مناسبت سے ہم مضمون آیات قرآنی (یا ان کا ترجمہ) احادیث، اشعار و اقوال وغیرہ کا حوالہ بھی دیں تاکہ ان حوالوں کی روشنی میں عبارت کا مفہوم خوب واضح ہو جائے۔ اسی طرح آپ کسی تاریخی واقعہ، مثال یا اپنے تجربے اور مشاہدے کا حوالہ بھی دے سکتے ہیں۔

تبصرہ:- اگرچہ یہ حصہ امتحان میں مطلوب تو نہیں، تاہم اسے شامل کیا جا سکتا ہے یا کم از کم تشریح والے حصے ہی میں لایا جا سکتا ہے۔ اس میں آپ اپنی رائے دے سکتے ہیں کہ زبان اور معنی و خیال کیسے ہیں؟ آپ عبارت کے ادبی محاسن پیش کر سکتے ہیں اور تنقید کرتے ہوئے کسی خامی کی نشاندہی بھی کر سکتے ہیں دوسرے لفظوں میں آپ اس حصے میں عبارت کی خوبیاں اور خامیاں بیان کر سکتے ہیں۔

مولوی نذیر احمد دہلوی
۱۸۳۶ء ——— تا ——— ۱۹۱۲ء

مولوی نذیر احمد علم و ادب کی دنیا میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اصلاحی ناول لکھے۔ انہیں زبان و بیان پر مکمل عبور حاصل ہے۔ ان کی نثر نگاری کی نمایاں خصوصیات مقصدیت، کردار نگاری، مکالمہ، مزاح کی چاشنی، خطیبانہ رنگ، جزئیات نگاری اور عربی فارسی الفاظ و محاورات کا استعمال ہیں۔

مشکل الفاظ کے معانی:۔ ماما عظمت

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اعتدال	میانہ روی	نند	خاوند کی بہن	ھگارنا	تڑوکا لگانا
دخیل	دخل دینے والی	گرفت	پکڑ	موقوف ہوئی	ہٹا دی گئی برطرف کر دی گئی
کنجڑا	سبزی فروش	اچاپت	سودے کا ادھار	اینٹ سے اینٹ بجانا	مکمل طور پر تباہ کر دینا
تذکرہ	ذکر	"	لین دین	کم التفاتی	بے توجہی
مکدر	ناخوش، ملول	ماجرا	قصہ	بے مروت	بدلحاظ
ساکھ	عزت، اعتبار	تکرار	جھگڑا	فضیحت کرنا	بدنام کرنا، رسوا کرنا
ساجھی	شریک	نالش کرنا	مقدمہ کرنا،	تردد	فکر، اندیشہ
اثاثہ	سامان، سرمایہ	"	دعوی کرنا	بالفعل	اس وقت، فی الحال
گروی رکھنا	رہن رکھنا	بدذوقی	بدمزگی، بداخلاقی	بدروئیں	گندے پانی کی نالیاں
سبیل	تدبیر	مذکور نہ تھا	ذکر نہ تھا	دل جمعی	اطمینان
آبدیدہ ہونا	آنکھوں میں آنسو آنا	سمدھن	دلہا یا دلہن کی ماں	مصلحت	بہتری
علی الحساب	چلتے ہوتے حساب میں	بٹھکل حساب	چھوٹا موٹا متفرق	نین سکھ	ایک قسم کا کپڑا
"	پیشگی طور پر	"	حساب	درحیش	ایک قسم کی چھینٹ
اور اقند	ایک قسم کا کپڑا	جوشن	بازو پر باندھنے	اٹکل سے	اندازے سے
حجت	تکرار، جھگڑا	"	کا زیور	آنکنا	قیمت لگانا۔

خلاصہ

ماما عظمت کے کرتوت:۔ ماما عظمت کی حقیقت یوں ہے کہ یہ عورت پچیس برس سے اس گھر میں تھی اور ہمیشہ لوٹنے پر تیار، ایک دن کی بات نہیں آئے دن اس پر شبہ ہوتا رہتا تھا مگر وہ بہت چالاک تھی۔ گرفت میں نہیں آتی تھی کئی مرتبہ نکالی گئی، جب ہٹائی جاتی دکاندار حساب چکانے آجاتے اس ڈر سے پھر بلائی جاتی تھی یوں چوری

اور سینہ زوری اس کی تقدیر میں لکھی تھی۔ گھر میں آمدنی کم اور عادتیں بگڑی ہوئیں۔ کھلے بندوں کہتی کہ میرا نکلنا آسان نہیں گھر نیلام کرا کے نکلوں گی، جب اصغری نے حساب کتاب میں روک ٹوک شروع کی تو ماما عظمت اصغری کی جانی دشمن بن گئی اور بدلہ لینے کی تدبیریں سوچنے لگی وہ اس فکر میں ہوئی کہ اصغری کو اسکے شوہر محمد کامل اور اسکی ساس کی نظر میں سے گرایا جائے۔ اصغری نے جب دیکھا کہ ماما گھر کی مختار کل ہے تو اپنے دل میں کہا کہ اس جھک جھک سے کیا فائدہ؟ اس نے باورچی خانہ میں جانا بند کر دیا۔ اب گھر والوں کو کھانے میں مزہ نہ آتا تھا۔

ماما عظمت کی سازشیں:۔ ایک دن برسات کے موسم میں بادل گھرا ہوا تھا محمد کامل نے کڑاہی کی فرمائش کی لیکن شرط یہ لگائی کہ تمیز دار بہو یہ اہتمام کرے۔ اصغری کوٹھے پر رہا کرتی تھی اسے کچھ خبر نہ تھی۔ ماما عظمت کڑاہی کا سامان لے آئی اور جھوٹ موٹ اصغری کو بلانے چلی گئی۔ کوٹھے پر گئی تو اصغری سے کچھ کڑاہی کا ذکر تک نہ کیا اور واپس آکر یہ جھوٹ جڑ دیا کہ اصغری کہتی ہے کہ میرے سر میں درد ہے ماما عظمت سے معمولی کھانا تو پک نہیں سکتا تھا، کڑاہی کا ستیاناس کر دیا۔ محمد کامل بہت بدمزہ ہوا کوٹھے پر گیا تو بی بی کو دیکھا کہ اپنا پاجامہ سی رہی ہیں۔ جی ہی جی میں ناخوش ہوا کہ اس سینے کو سر میں درد نہیں اور کڑاہی کے لیے بہانہ کر دیا۔ یہ پہلی ناخوشی محمد کامل کو اصغری سے پیدا ہوئی۔ اسی طرح سے میاں بیوی میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اگر محمد کامل اپنی غلط فہمی رفع کر لیتا تو اسطرح بدگمانی پیدا نہ ہوتی۔ لیکن وہ خاموش رہا اور دل میں دفتر شکایت لکھ چلا۔ اصغری نے محسوس کیا کہ میاں کچھ بے توجہی برت رہے ہیں اسے کھٹکا ہوا کہ لڑائی کا آغاز نظر آتا ہے۔ ساس کو دیکھا تو ان کو بھی ناخوش پایا اسے تعجب ہوا کہ قصہ کیا ہے؟ ابھی یہ بات طے نہیں ہوئی تھی کہ ماما عظمت نے ایک اور شرارت کی۔ رمضان المبارک قریب تھا محمد کامل کی ماں نے ماما عظمت سے کہا کہ رمضان آتا ہے ابھی سے تیاری کرنی چاہیے۔ برتن قلعی کروانے ہیں مکان میں سفیدی کروانی ہے۔ لالہ ہزاری سے پچاس روپے ادھار لاؤ۔ ماما عظمت نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ تمیز دار بہو تو اپنی ماں کے یہاں جانے والی ہے اس اہتمام کا کیا فائدہ؟ پھر لالہ ہزاری بھی قرض نہیں دے گا اس سے اصغری کی ساس بدگمان ہوئی، حالانکہ اصغری کا ایسا کوئی پروگرام نہ تھا

ماما عظمت کی شرارت:۔ ماما عظمت کی شامت سر پر سوار تھی تیسرا وار اصغری پر اور صحیح کیا ہزاری مل کی عادت تھی کہ جب کبھی ماما عظمت کو دیکھتا تو حساب کتاب بے باق کرنے کو کہتا پہلے تو ماما ٹالتی رہی پھر اس نے ایک اسکیم سوچی وہ گھر گئی اور بی بی سے کہا کہ ہزاری نے اسے بہت رسوا کیا ہے اور دعویٰ کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ محمد کامل کی ماں بہت فکرمند ہوئی آخر وہ سوار ہو کر اپنی بہن کے ہاں سدھاریں کہ کچھ بندوبست کریں۔ ان کی غیر حاضری میں ماما نے ایک اور شرارت کی۔ اِن دنوں لاٹ صاحب کی آمد آمد تھی، شہر کی صفائی کے واسطے حاکم کی طرف سے بہت تاکید ہوئی، جگہ جگہ اس غرض کے لیے اشتہار لگائے گئے۔ ایک اشتہار اس محلے کے پھاٹک پر بھی لگا دیا گیا۔ ماما عظمت نے وہ اشتہار اکھاڑ کر چپکے سے اپنے دروازے پر لگا دیا۔ پھر

دوڑتی ہوئی محمد کامل کی ماں کے پاس جاکر یہ جھوٹی خبر دی کہ ہزاری مل نے مقدمہ کر دیا ہے۔ بی بی مکان پر پہنچی تو اشتہار دیکھ کر رنجیدہ ہو گئی۔ اصغری نے سبب پوچھا تو اسے نالش کے بارے میں بتایا۔ اصغری نے تسلی دی لیکن وہ حیران تھی کہ یہ قصہ کیا ہے؟ اس نے محمودہ کو اشتہار لانے کو کہا۔ اسے پڑھا تو صفائی کا حکم تھا مقدمے کا کوئی ذکر نہ تھا سمجھ گئی کہ یہ بھی ماما کی شرارت ہے۔ اصغری نے اپنی ساس کا اچھا طرح اطمینان کر دیا کہ نالش کا کوئی کھٹکا نہیں۔

حساب کتاب میں ہیر پھیر:۔ شب برات کے بعد اصغری کے باپ کی آمد ہوئی اصغری اپنے باپ سے ملی وہ شفقت سے پیش آئے۔ اصغری اپنے باپ سے رخصت ہو کر اپنے گھر پہنچی اگلے دن کھانے کے وقت مولوی محمد فاضل محمد کامل کے باپ بھی آ پہنچے انہوں نے اصغری کو دعائیں دیں اور کہا کہ تمہاری رائے کے موافق سب انتظام ہوگا مولوی فاضل نے کہا کہ دکانداروں کا حساب بے باق کیا جائے۔ ماما عظمت گھبرا گئی۔ اس نے کہا کہ مجھے رقم دیں میں کچھ حساب بیباق کر دونگی اور باقی کی قسط بندی کر دی جائے لیکن اصغری نے یہ بات نہ مانی اور ماما سے کہا کہ دکانداروں کو گھر بلا دو تاکہ ان سے اصل حساب معلوم ہو سکے۔ ماما انہیں باری باری بلاتی گئی سب سے پہلے حلوائی آیا اس نے بہت لمبا چوڑا بل پیش کیا، حالانکہ اتنی چیزیں ہرگز نہ خریدی گئی تھیں یہ ماما عظمت کی زیادتی تھی کہ اسطرح زائد رقم حاصل کر کے خود ہضم کرتی تھی پھر کنجڑا آیا اس کا بھی یہی معاملہ تھا۔ قصائی اور بنیے کا حساب ہوا تو اسمیں بھی ہزاروں فریب نکلے اب بزاز اور ہزاری مل باقی رہے۔ گھر والوں پر راز کھل چکا تھا کہ ماما عظمت پکی چور ہے۔

ماما عظمت کی رسوائی:۔ اب ماما عظمت کی کڑی نگرانی ہونے لگی وہ باری باری تمام دکانداروں سے ملی اور ان سے منت سماجت کی کہ کچھ دے دلا کر معاملہ رفع دفع ہو جائے گھر والوں کو اس سازباز کا بھی علم ہو گیا جب بزاز اور ہزاری مل طلب ہوئے تو حساب میں کچھ حجت ہونے لگی۔ ماما چڑھ چڑھ کر بولتی تھی لیکن دکانداروں نے ماما کی سازش میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور اس کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ ماما کی بہت رسوائی جب حساب طے ہو گیا اور مولوی صاحب نے دینے کو روپیہ نکالا تو جتنا واجبی تھا آدھا سب کا دے دیا اور باقی کا وعدہ کر لیا۔ ماما پر بھی کچھ تاوان ڈالا گیا اور سب اس پر لعنت ملامت کرنے لگے اصغری نے کہا یہ چوری بھی کرتی تھی اور گھر میں فساد بھی ڈلواتی تھی لگائی بجھائی اس کی عادت تھی اصغری نے کڑاہی اور اشتہار والے واقعات بتائے اور ماما کو جھوٹا ثابت کیا پہلے ماما کو کوتوالی میں لے جانے لگے لیکن پھر اصغری کی سفارش پر وہاں نہ بھیجا گیا البتہ گھر سے نکال دیا گیا۔

عظمت کا انجام:۔ غرض ماما عظمت اپنے کرتوتوں کے پیچھے گھر سے نکالی گئی۔ گھر پہنچی تو بیٹی بلا کی طرح لپٹی اور اسے خوب کوسا اور کہا کہ سو دن چور کا ایک دن بادشاہ کا۔ اب سسرال میں میرا نام تو بدنام مت کرو جہاں تمہارا خدا لے جائے چلی جاؤ میرے گھر میں تمہارا کام نہیں۔ اس طور پر خدا خدا کر کے اصغری نے اپنے دشمن کو نکال پایا اور گھر کو عذاب سے نجات دی۔

مرکزی خیال:- اس کہانی کا مرکزی خیال ہے یہ کہ برائی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے انسان کو اپنے کرتوتوں کی سزا لازماً بھگتنا پڑتی ہے اور وہ آخر کار ذلیل وخوار ہو کر رہ جاتا ہے۔ ماما عظمت گھر کے سودا سلف میں چوری اور بددیانتی کرتی تھی۔ وہ بڑی مکار، دغاباز اور فتنہ جو عورت تھی اس کے علاوہ وہ گھر میں لگائی بجھائی کر کے فساد ڈلواتی تھی اور آخر کار اس کا بھانڈا پھوٹ کر رہا اور وہ اس قدر ذلیل و رسوا ہوئی کہ نہ صرف مولوی صاحب کے گھر سے نکلی بلکہ اسکی اپنی بیٹی نے بھی اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔

پیروں کی تشریح

پیرا نمبر ا:- اصغری نے جو حساب کتاب میں روک ٹوک شروع کی تو ماما عظمت اصغری کی جانی دشمن بن گئی اور اپنے بچاؤ کے لیے بدلہ لینے کی نظر سے تدبیریں سوچنے لگی! اور اس فکر میں ہوئی کہ محمد کامل اور اس کی ماں سے اصغری کو بُرا بنائے۔ اصغری نے جب دیکھا کہ ماما گھر کی مختار کل ہے تو جی میں کہا "پھر ناحق کی جھک جھک سے کیا فائدہ؟ باورچی خانے کا جانا اور کھانے میں دخل دینا بالکل موقوف کیا۔ گھر والوں کو اصغری کے ہاتھ کی چاٹ لگ گئی تھی۔ پہلے ہی وقت سے منہ بنانے لگے۔

حوالہ متن:- یہ عبارت شمس العلماء مولوی نذیر احمد کی کہانی "ماما عظمت" جو ان کے ناول "مراۃ العروس" سے ماخوذ ہے سے لی گئی ہے۔

سیاق وسباق:- اصغری ایک ہنرمند اور سلیقہ مند لڑکی تھی اس کی شادی محمد عاقل سے ہوئی وہ سسرال پہنچی تو اپنی خوبیوں سے سب کو متاثر کیا اس نے اپنی نند محمودہ سے رابطہ بڑھایا اور اس طرح گھر کے معاملات سے باخبر رہنے لگی۔ جلد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ ماما عظمت اس گھر کے ہر کام میں دخل دیتی ہے اور سخت بددیانت عورت ہے چنانچہ اس نے ارادہ کر لیا کہ اس عذاب سے گھر کو بچایا جائے۔ اصغری کو یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عورت لگائی بجھائی کر کے گھر میں فساد ڈلواتی ہے ماما پر کئی بار شبہ ہوا۔ کئی مرتبہ نکالی گئی۔ پھر حساب کتاب بے باق کرنے کے تقاضے سے ڈر کر بلائی جاتی اس طرح چوری اور سینہ زوری ماما عظمت کی تقدیر میں لکھی تھی وہ برملا کہتی کہ میرا نکالنا آسان نہیں۔

تشریح:- جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ماما عظمت اس گھر کے ہر کام میں دخل دیتی تھی گویا وہ اس گھر کی مختار کل بنی ہوئی تھی وہ جو چاہتی تھی کرتی تھی کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہ تھا وہ سخت بددیانت اور مکار اور چالاک عورت تھی۔ وہ جو سودا سلف بازار سے لاتی تھی، اس میں گڑبڑ کر کے پیسے اپنی جیب میں ڈالتی تھی اس طرح اس نے کافی رقم جوڑ لی تھی اسکے علاوہ گھر میں فتنہ وفساد بھی ڈلواتی تھی۔ گویا وہ شیطانی کردار ادا کر رہی تھی وہ قرآن مجید کے مطابق الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ کی تصویر بھی یعنی "جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔" اس کے برعکس اصغری ایک نہایت ہنرمند، سلیقہ مند اور عقلمند لڑکی تھی پہلے تو وہ خاموشی سے ماما عظمت کی حرکتیں دیکھتی رہی پھر اس نے رقع پاکر حساب کتاب کی پڑتال شروع کر دی تو ماما عظمت اصغری کی جان کی دشمن بن گئی۔ وہ اسے اپنے راستے کا کانٹا سمجھتی تھی

اب ایک طرف تو وہ اپنے آپ کو بچانا چاہتی تھی اور دوسری طرف وہ اصغری سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ چنانچہ وہ اس کے مختلف طریقے سوچنے لگی۔ سب سے پہلے وہ یہ چال چلی کہ محمد کامل اور اس کی ماں کے دل میں اصغری کے لیے نفرت پیدا کی جائے۔ وہ انہیں اصغری کے بارے میں بدظن کرنا چاہتی تھی۔ اصغری سمجھ دار لڑکی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ ماما نے گھر کا پورا انتظام اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے تو اس نے اپنے دل میں سوچا کہ پھر مجھے بلا وجہ اپنا سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے چنانچہ اس نے باورچی خانے میں جانا بند کر دیا۔ اب وہ کھانا پکانے میں بالکل دخل نہ دیتی تھی۔ لیکن گھر والے تو اصغری کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے ہی پسند کرتے تھے پہلے ہی وقت ماما نے ایسے بدمزہ کھانے پکائے کہ سب بے مزہ ہو گئے۔

پیرا نمبر ۲:۔ یہ پہلی ناخوشی محمد کامل کو اصغری سے پیدا ہوئی اور دستور ہے کہ میاں بیوی میں بگاڑ اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے پیدا ہوتا ہے اگر محمد کامل بی بی سے بطور شکایت پوچھتا کہ کیوں صاحب! ذرا سا کام نہ ہو سکا تو تم سے، اور درد سر کا بہانہ کر دیا اس وقت دو چار باتوں میں معاملہ طے ہو جاتا اور ماما عظمت کی فطرت کھل پڑتی لیکن محمد کامل نے منہ پر تو لگائی مہر اور دل میں دفتر شکایت لکھ چلا۔ اصغری کو محمد کامل کی کم التفاتی سے کھٹکا ہوا اور سمجھی کہ خدا خیر کرے۔ لڑائی کا آغاز نظر آتا ہے ساس کو دیکھا تو ان کو بھی کسی قدر متحدر پایا حیرت میں تھی الٰہی کیا ماجرا ہے۔

حوالہ متن:۔ یہ عبارت شمس العلماء مولوی نذیر احمد کی کہانی "ماما عظمت" جو ان کے ناول "مراۃ العروس" سے ماخوذ ہے سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق:۔ ایک دن برسات کے موسم میں بادل گھرا ہوا تھا ننھی ننھی پھوار پڑ رہی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی محمد کامل نے کڑاہی کی فرمائش کی۔ بشرطیکہ تمیز دار بہو اصغری اس کا اہتمام کرے اصغری کوٹھے پر رہا کرتی تھی۔ اسے خبر نہ تھی کہ محمد کامل نے کڑاہی کی فرمائش کی ہے ماما عظمت کڑاہی کا سامان لے آئی۔ کوٹھے پر اصغری کو بلانے گئی، لیکن اس سے کڑاہی کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اسی طرح الٹے پاؤں واپس آ گئی۔ اور جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ بہو کہتی ہے میرے سر میں درد ہے۔ اب کڑاہی ماما عظمت نے بنائی اور اس کا ستیاناس کر دیا۔ محمد کامل پکوان کھا کر اداس ہو گیا کوٹھے پر گیا تو بی بی کو دیکھا، بیٹھی ہوئی اپنا پاجامہ سی رہی ہیں۔ جی ہی جی میں ناخوش ہوا کہ اس سینے کو سر میں درد نہیں اور ذرا کڑاہی کو کہا تو درد سر کا بہانہ کر دیا۔

تشریح:۔ اس طرح یہ پہلی ناراضگی اور ناخوشی تھی جو محمد کامل کے دل میں اپنی بیوی اصغری کے بارے میں پیدا ہوئی۔ یہ اس کی بدگمانی تھی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا عام قاعدہ اور اصول ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں سے بگاڑ اور فساد پیدا ہوتا ہے اور معاملہ طول پکڑ جاتا ہے۔ مرزا داغ نے کیا خوب کہا ہے ؎

ذرا سی بات پہ اے داغ تم ان سے بگڑ بیٹھے ؛؛ اسی کا نام الفت ہے؟ محبت ایسی ہوتی ہے

اگر محمد کامل اپنی بیوی سے شکایت کے طور پر پوچھ لیتا کہ کیوں جی! ہماری ذرا سی فرمائش پوری نہ ہو سکی تم سے! اور بہانہ کر دیا کہ سر میں درد ہے تو اسطرح دو چار باتوں میں معاملہ صاف ہو جاتا اور دلوں میں رنجش پیدا نہ ہوتی اور ماما عظمت کی بری عادت کا بھید کھل جاتا لیکن محمد کامل نے بالکل خاموشی اختیار کر لی اور مہر

سے کچھ نہ بولا اور دل میں شکایت کا انبار لگا لیا۔ اصغری کے دل میں اپنے خاوند محمد کامل کی بے توجہی سے اندیشہ پیدا ہوا اور سوچنے لگی کہ اللہ خیر کرے، آثار اچھے نہیں ہیں لڑائی شروع ہوتی نظر آتی ہے وہ بہت پریشان ہوئی ادھر ساس کو دیکھا تو انہیں بھی ناراض اور ناخوش پایا۔ وہ حیران اور پریشان تھی کہ اے خدا! یہ کیا قصہ ہے؟ یہ لوگ کیوں بدلے بدلے نظر آتے ہیں؟

پیرا نمبر ۳:۔ ماما عظمت نے بیٹھے بٹھائے ایک بد ذوقی اور کی ان دنوں لاٹ صاحب کی آمد آمد تھی، شہر کی صفائی کے واسطے حاکم کی طرف سے بہت تاکید ہوتی۔ ہر محلے اور ہر کوچے میں اشتہار لگائے گئے کہ سب لوگ اپنی اپنی گلیاں اور کوچے صاف کریں۔ دروازے پر سفیدی کرالیں اور بدروئیں صاف رکھیں۔ اگر کسی جگہ کوڑا پڑا ملے گا تو جرمانہ کیا جائے گا۔ اسی مضمون کا ایک اشتہار اس محلے کے پھاٹک پر بھی لگایا گیا۔ ماما عظمت جا کر محلے کے اس پھاٹک سے وہ اشتہار اکھاڑ لائی اور چپکے سے اپنے دروازے پر لگا دیا۔ پھر اندھیرے منہ خانم کے بازار میں محمد کامل کی ماں سے خبر کرنے دوڑی گئی۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس شمس العلما مولوی نذیر احمد کی کہانی "ماما عظمت" جو ان کے ناول "مراۃ العروس" سے ماخوذ ہے سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق:۔ ماما عظمت مولوی صاحب کے گھر میں بگاڑ اور فساد پیدا کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اس نے محمد کامل کی ماں کو بتایا کہ ہزاری مل کا ایک نیا ساجھی ہے وہ بہت سخت ہے۔ سب سے سختی سے اپنے پیسے وصول کر رہا ہے جس نے نہیں دیا، نالش کر دیا۔ نالش کا سن کر بی بی بہت پریشان ہوئی ماما نے کہا تمیز دار بہو سے کڑے لے کر حساب چکا دیے جائیں۔ لیکن اس تجویز کو بی بی نے سخت ناپسند کیا۔ اس کی بجائے وہ خانم بازار اپنی بہن کے پاس چلی گئیں کہ کچھ رقم کا بندوبست ہو جائے۔ ان کی غیر حاضری میں ماما نے یہ شرارت کی۔

تشریح:۔ ماما عظمت ایک مکار اور فریبی عورت تھی جب محمد کامل کی ماں اپنی بہن کے پاس گئی ہوئی تھی تو اس نے ایک اور شرارت کی۔ ایک اور بدتمیزی کی۔ ان دنوں لاٹ صاحب کی آمد کی خبر مشہور تھی، شہر کی صفائی کے لیے شہر کے حاکم اور افسر کی طرف سے بہت تاکید ہو رہی تھی کہ صفائی کا خاص اہتمام کیا جائے۔ ہر محلے اور ہر گلی میں اس قسم کے اشتہار لگائے گئے کہ سب لوگ اپنے اپنے کوچے، بازار اور گلیاں صاف کریں۔ کہیں کوئی گندگی نظر نہ آئے۔ صفائی بہت ضروری ہے جیسا کہ ایک مقولہ ہے۔

صفائی پارسائی کے دوسرے درجے پر ہے۔

یہ حکم بھی دیا گیا کہ تمام لوگ اپنے دروازوں پر سفیدی کرالیں اور گندی نالیاں صاف کرلیں۔ لوگوں کو تنبیہ کی گئی کہ اگر کسی جگہ کوڑا کرکٹ ملا تو اسے سزا دی جائے گی یعنی جرمانہ کیا جائے گا۔ اسی قسم کا ایک

ایک اشتہار اس محلے کے بڑے دروازے پر لگا گیا۔ اب ماما عظمت نے یہ شرارت کی اور محلے کے بڑے دروازے سے وہ اشتہار اتار لائی اور خاموشی سے اپنے دروازے پر لگا دیا۔ اس نے ظاہر یہ کیا کہ یہ ہزاری مل کی طرف سے نالش دائر کی گئی ہے۔ پھر جب اندھیرا چھا گیا تو ماما عظمت خانم کے بازار میں گئی تاکہ محمد کامل کی ماں کو اطلاع دے وہ دوڑتی ہوئی گئی تاکہ ایک نئی سازش کا بیج بو سکے۔ اس کی فطرت ہی ایسی تھی۔

سوالات

سوال نمبر ۱:۔ ماما عظمت کے کردار پر روشنی ڈالیے؟

جواب : ماما عظمت مولوی صاحب کے گھر کی ملازمہ تھی۔ وہ بچپن سے اس گھر میں ملازمت کر رہی تھی۔ وہ انتہائی چالاک، دغاباز، بد دیانت اور لگائی بجھائی کر کے فساد ڈلوانے والی عورت تھی۔ جھوٹ بولنا اس کی فطرت میں شامل تھا۔ وہ سازشیں اور جوڑ توڑ کرنے میں بہت ماہر تھی جب اس نے دیکھا کہ اصغری ایک راست باز عورت ہے اور وہ اس کی نگرانی کرتی ہے تو اس نے اصغری کے خلاف سازشیں کرنی شروع کر دیں اس نے ایسے حربے اختیار کئے جن کے نتیجے میں وہ اصغری کو اس کے شوہر محمد کامل اور اس کی ساس کی نظروں میں گرا سکے کڑاہی والے واقعہ میں اس نے اصغری سے متعلق محمد کامل سے یہ جھوٹ جڑ دیا کہ وہ کہتی ہے کہ میرے سر میں درد ہے اس لیے کڑاہی نہیں بنا سکتی اس سے محمد کامل کے دل میں بدگمانی گھر کر گئی۔ پھر اس نے ایک اور جھوٹ یہ بولا کہ اصغری اپنی ماں کے ہاں جانیوالی ہے اس لیے سفیدی نہیں کروا سکتی۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔

ماما عظمت بہت چالاک عورت تھی کئی مرتبہ نکالی گئی لیکن پھر حساب کتاب کے ڈر سے بلائی جاتی تھی یوں چوری اور سینہ زوری اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ کہتی تھی کہ میرا نکلنا آسان کام نہیں، گھر نیلام کر کے نکلوں گی۔ وہ اصغری کے خلاف سخت کدورت رکھتی تھی حالانکہ وہ بڑی نیک عورت تھی۔

ماما عظمت نے ایک شرارت یہ کی کہ ہزاری مل کی طرف سے ایک فرضی نالش کا افسانہ کھڑا کر دیا۔ اس نے صفائی کا اشتہار پھاٹک سے اتار کر اپنے دروازے پر لگا لیا اور ظاہر یہ کیا کہ یہی نالش کا نوٹس ہے۔ جب دکانداروں کو حساب کتاب کے لیے بلایا گیا تو ان کے حساب کتاب میں بہت ہیر پھیر نکلا۔ یہ سب عظمت کی کارستانی تھی آخر اس کا پول کھل گیا اور ماما عظمت بہت ذلیل و رسوا ہوئی عظمت کو گھر سے نکال دیا گیا اور جب وہ اپنی بیٹی کے ہاں پہنچی تو اس نے بھی اسے ذلیل و رسوا کر کے اپنے گھر سے نکال دیا۔

سوال نمبر ۲:۔ اصغری کے کردار پر روشنی ڈالیے؟

جواب : اصغری کا کردار ماما عظمت کے کردار کے بالکل الٹ تھا۔ وہ ایک سمجھدار، عقلمند، سلیقہ مند اور سگھڑ عورت تھی۔ اس کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ اس کی عادتیں پسندیدہ تھیں، وہ صحیح معنوں میں ایک وفادار بیوی اور فرمانبردار بہو تھی۔ وہ نہایت عقلمند اور زیرک تھی اس پر جب یہ حقیقت کھل گئی کہ ماما عظمت ایک مکار اور بددیانت عورت ہے

تو اس نے اس کی باقاعدہ تحقیق اور جانچ پڑتال کی۔ اس نے محض عظمت پر الزام ہی نہیں لگایا بلکہ حقیقت میں اس کا جرم ثابت کیا۔ مولوی نذیر احمد نے اصغری کو ایک مثالی لڑکی اور عورت کے روپ میں پیش کیا ہے اس کا کردار عام بچیوں کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے جس پر عمل کر کے وہ اپنی زندگیوں کو کامیاب اور خوشگوار بنا سکتی ہیں۔ ماما عظمت نے اصغری کو ذلیل کرنا چاہا لیکن وہ خود ذلیل ہوئی اس نے اسے اس کے شوہر محمد کامل اور اس کی ساس کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی لیکن وہ خود ان کی نظروں سے گر گئی۔ ماما عظمت کی بدنامی و رسوائی ہوتی جبکہ اصغری کی نیک نامی ہوئی اور اس کی عزت و وقار میں اضافہ ہوا۔

خواجہ حسن نظامی ۱۸۷۳ء — تا — ۱۹۵۵ء

خواجہ حسن نظامی صوفی اور درویش منش انسان تھے۔ آپ کی نثر سادگی اور پرکاری کا بہترین مرقع ہے۔ خیال سے خیال اور بات سے بات پیدا کرتے ہیں روانی اور سلاست ان کی تحریر کے خاص جوہر ہیں ان کا یہ رنگ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے عبرتناک واقعات بیان کرنے میں نمایاں ہے

بنت بہادر شاہ

مشکل الفاظ کے معانی :

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بِنت	بیٹی	بِپتا	مصیبت	صاحبزادی	بیٹی
کہرام مچنا	ماتم ہونا، رونا پیٹنا	حسرت	ناکام آرزو، افسوس	اُجلے اُجلے	سفید سفید
بلکتی تھی	روتی تھی	انّا	دودھ پلانے والی عورت	یاس وہراس	ناامیدی و خوف
عالم	حالت	"	خادمہ	ظلِ سبحانی	خدا کا سایہ، مراد بادشاہ
خواجہ سرا	ہیجڑا، محل سراؤں کا	سنّاٹا	خاموشی	مجرا بجالانا	حکم بجالانا، جھک
"	خدمت گذار	شفقت	محبت، پیار	"	کر سلام کرنا
اوجھل	پوشیدہ	اندیشہ	فکر	رعشہ	بدن کانپنے کا مرض
تیمور	نامور فاتح و حکمران	آبرو	عزت	اعمال کی شامت	گناہوں کی سزا
سمدھن	سمدھی کی مونث، دولہا	رتھ	ایک قسم کی چار پہیوں	چھاچھ	لسی
	اور دلہن کی مائیں آپس میں	"	والی گاڑی	بریانی	ایک قسم کا پلاؤ
"	سمدھن کہلاتی ہیں	متنجن	زردہ، رنگین چاول	گرد و نواح	آس پاس
مراسم	تعلقات	بے مروّتی	بدلحاظی	لہنگا	گھنگرا
کانوں پر ہاتھ رکھنا	مکر جانا، لاعلمی ظاہر کرنا	بے سروسامانی	خالی ہاتھ ہونا، غریبی	ناگہانی طور پر	اچانک
برہنہ سر	ننگے سر	حواس باختہ	حواس اڑے ہوئے	دِقّت	مشکل

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
غشی کا عالم	بیہوشی کی حالت	گدائی	فقیری	طوق	حلقہ۔ پٹا
مخمل	ریشم	فرنگی	انگریز	بوا	بہن
بنیا	آٹا دال بیچنے والا	بقال	سبزی بیچنے والا	تکان	تھکاوٹ
ایکا ایکی	یکایک، اچانک	بے کلی	بیقراری	بے غل وغش	بے دھڑک
آخر تابکے	آخر کب تک	"	بے چینی	حیلہ	بہانہ
خوشنویس	کاتب	خط ریحان	رسم الخط کی ایک قسم	ہدیہ کرنا	تحفہ دینا۔ بیچنا
کمتی بڑھتی	کم یا زیادہ	عتاب	غصہ، غضب	اسی اثنا میں	اسی دوران
تصور کرنا	خیال کرنا	میانہ	ایک قسم کی پالکی،	مسند	تکیہ لگا کر بیٹھنے کی جگہ
گدی	تخت	"	زنانہ سواری	زرنگار	وہ چیز جس پر سونے کا کام کیا ہوا ہو
مگس رانی کرنا	مکھیاں اڑانا،	تابوت بوریا	ثابت چٹائی	"	
"	پنکھا جھلنا	باغ باغ ہونا	بہت خوش ہونا	القصہ	المختصر
رفیق	ساتھی، دوست	پنتھ	مذہب	گرو	ہندوؤں کا مذہبی پیشوا
درشن	زیارت، دیدار	بے محابانہ	کسی جھجک کے بغیر	مقیم رہے	ٹھہرے رہے
معاوضہ	بدلہ	مجال	طاقت	-	

خلاصہ

مغل بادشاہت کا خاتمہ: آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی بیٹی کلثوم زمانی بیگم اپنی آپ بیتی یوں بیان کرتی ہے کہ "جس وقت میرے والد کی بادشاہت ختم ہوئی اور تاج وتخت لٹنے کا وقت قریب آیا تو دہلی کے لال قلعہ میں کہرام مچا ہوا تھا در ودیوار پر حسرت برس رہی تھی اجلے اجلے سنگ مرمر کے مکان کالے سیاہ نظر آنے لگے تین وقت سے کسی نے کچھ نہ کھایا تھا، میری ڈھائی سالہ بچی زینب دودھ کے لیے بلکتی تھی۔ ہم سب خوف اور مایوسی کے عالم میں بیٹھے تھے کہ بادشاہ سلامت نے ہمیں بلا بھیجا۔ آدھی رات کا وقت تھا، سناٹے کا عالم تھا، گولوں کی گرج سے دل سہمے جاتے تھے مگر بادشاہ سلامت کا حکم تھا، اس لیے ہم لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ میں جھک کر آداب بجالائی۔ حضور نے نہایت شفقت سے قریب بلایا اور فرمانے لگے: "کلثوم! میں نے تمہیں خدا کو سونپا، تم اپنے خاوند کو لیکر فوراً چلی جاؤ۔ ساتھ رکھنے میں تمہاری بربادی کا اندیشہ ہے، الگ رہو گی تو شاید خدا کوئی بہتری کا سامان پیدا کر دے۔

لال قلعہ سے روانگی :- پھر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر میرے لیے اور تمام رعایا کے لیے دعا مانگی۔ ان کے ہاتھ رعشے کے سبب کانپ رہے تھے اس کے بعد میرے سَر پر ہاتھ رکھا، زینب کو پیار کیا اور میرے خاوند مرزا ضیاالدین کو کچھ جواہرات عنایت کر کے نور محل صاحبہ کو ہمراہ کر دیا۔ جو حضور کی بیگم تھی، پچھلی رات کو ہمارا قافلہ قلعے سے رتھ پر سوار ہو کر نکلا اس قافلے میں دو مرد اور تین عورتیں تھیں جس وقت ہم لوگ رتھ میں سوار ہوئے، فجر کا تارا جھلملا رہا تھا۔ ہم نے اپنے بھرے پُرے گھر پر اور سلطانی محلوں پر آخری نظر ڈالی تو دل بھر آیا۔ آخر قلعے سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو کر کورالی گاؤں میں پہنچے اور وہاں اپنے رتھ بان کے مکان پر قیام کیا۔ باجرے کی روٹی اور چھاچھ کھانے کو میسر آئی۔ ایک دن تو امن سے بسر ہوا مگر دوسرے دن آس پاس کے جاٹ گوجر لوٹنے کو چڑھ آئے اس لوٹ کے بعد ہمارے پاس اتنا بھی باقی نہ رہا جو ایک وقت کی روٹی کو کافی ہو سکتا۔ زینب پیاس کے مارے رو رہی تھی سامنے سے ایک زمیندار نکلا۔ میں نے اس سے پانی مانگا۔ وہ فوراً پانی لایا اور بولا آج سے تو میری بہن ہے، یہ زمیندار کورالی کا رہنے والا کھاتا پیتا زمیندار تھا۔ اس کا نام بستی تھا اس نے اپنی بیل گاڑی تیار کر کے ہم کو سوار کیا اور ہم کو اجاڑہ لے گیا وہاں پیر فیض علی شاہی حکیم رہتے تھے جن سے ہمارے خاندان کے خاص مراسم تھے لیکن اس نے ایسی بے مروّتی کا برتاؤ کیا بس کی کوئی حد نہیں۔

مصیبت پہ مصیبت :- وہ وقت بڑی مایوسی کا تھا ایک تو یہ خطرہ کہ پیچھے سے انگریزی فوج آتی ہوگی اس پر بے سروسامانی کا یہ عالم کہ ہر شخص کی نگاہ پھری ہوئی تھی شاباش ہے بستی زمیندار کو کہ اس نے زبانی بہن کہنے کو آخر تک نبھایا اور ہمارا ساتھ نہ چھوڑا۔ لاچار اجاڑے سے روانہ ہو کر حیدر آباد کا رُخ کیا۔ تیسرے روز ایک ندی کے کنارے پہنچے جہاں کومل کے نواب کی فوج پڑی ہوئی تھی انہوں نے ہماری بڑی خاطر کی اور ہاتھی پر سوار کر کے ندی کے پار اتارا۔ ابھی ہم ندی کے پار اترے ہی تھے کہ سامنے سے انگریزی فوج آ گئی اور نواب کی فوج سے لڑائی ہونے لگی۔ سامنے کھیت تھے جن میں پکی ہوئی تیار کھیتی کھڑی تھی۔ ہم لوگ اس کے اندر چھپ گئے ایک گولی کھیت میں آئی جس سے آگ بھڑک اٹھی اور تمام کھیت جلنے لگا۔ ہم لوگ وہاں سے نکل بھاگے پر ہائے! کیسی مصیبت تھی کہ ہمیں بھاگنا بھی نہیں آتا تھا۔ برہنہ سر، حواس باختہ، ہزار دقّت سے کھیت سے باہر آئے ہمارے پاؤں خون خون ہو چکے تھے پیاس کے مارے زبانیں باہر نکل آئیں۔ زینب پر غشی کا عالم تھا۔ مرد ہم کو سنبھالتے تھے، مگر ہمارا سنبھلنا مشکل تھا۔

گذر اوقات :- نواب نور محل کھیت سے نکلتے ہی چکرا کر گر پڑیں اور بے ہوش ہو گئیں۔ فوج لڑتی ہوئی دُور نکل گئی۔ بستی ندی سے پانی لایا۔ ہم نے پیا نواب نور محل کے چہرے پر چھڑکا تو وہ ہوش میں آئیں اور رونے لگیں انہوں نے ایک بھیانک خواب بیان کیا۔ اتنے میں بستی، ناؤ میں گاڑی کو اس پار لے آیا اور ہم سوار ہو کر روانہ ہوئے ہم ایک گاؤں میں پہنچے۔ گاؤں کے ایک نمبر دار نے ایک چھپر ہمارے لیے خالی کروا دیا۔ ہم نے جوں توں کر کے رات کاٹی۔ قصہ مختصر اسی طرح منزل بہ منزل ہم حیدر آباد پہنچے اور سیتا رام میں ایک مکان کرائے کو لیکر ٹھہرے جلبوپ

میں میرے شوہر نے ایک جڑاؤ انگوٹھی جو لوٹ کھسوٹ سے بچ گئی تھی فروخت کی۔ اسی میں راستے کا خرچ چلا لیکن آخر کب تک۔ جو کچھ تھا ختم ہو گیا اب فکر ہوئی کہ پیٹ بھرنے کا کیا حیلہ کیا جائے میرے شوہر اعلیٰ درجے کے خوشنویس تھے انہوں نے درود شریف خط ریحان میں لکھا اور چار مینار پر ہدیہ کرنے لے گئے۔ پانچ روپے کو ہدیہ ہوا اس طرح ہماری گذر اوقات ہونے لگی۔

قرآن پڑھانے کی نوکری:۔ چند روز بعد خبر اڑی کہ نواب لشکر جنگ جس نے شہزادوں کو اپنے پاس پناہ دی تھی، انگریزوں کے عتاب میں آگیا ہے۔ ہم اس خبر سے گھبرا گئے اور میں نے اپنے شوہر کو نکلنے سے روک دیا کہ کہیں کوئی دشمن پکڑوا نہ دے۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے فاقوں کی نوبت آگئی تو ناچار ایک نواب کے لڑکے کو قرآن پڑھانے کی نوکری میرے شوہر نے بارہ روپے ماہوار کر لی۔ وہ نواب میرے شوہر کے ساتھ نوکروں سا برتاؤ کرتا تھا۔ ہم انقلاب زمانہ پر روتے تھے۔

میاں نظام الدین:۔ اسی دوران میاں نظام الدین صاحب کو کسی نے ہماری خبر کر دی۔ میاں کی حیدرآباد میں بڑی عزت تھی۔ کیونکہ وہ ہمارے خاندانی پیر کے صاحبزادے تھے۔ میاں رات کے وقت میانے میں سوار ہو کر ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم کو دیکھ کر بہت روتے۔ ایک زمانہ تھا جب وہ قلعے میں تشریف لاتے تھے تو سنہری تخت پر بٹھائے جاتے تھے۔ بادشاہ بیگم اپنے ہاتھ سے لونڈیوں کی طرح پنکھا جھلتی تھیں۔ آج وہ گھر میں آئے تو ثابوت بوریا نہ تھا۔ میاں دیر تک حالات پوچھتے رہے اس کے بعد تشریف لے گئے۔ صبح پیغام آیا کہ ہم نے خرچ کا انتظام کروا دیا ہے۔ اب تم حج کا ارادہ کر لو۔ یہ سنکر جی باغ باغ ہو گیا۔ حیدرآباد سے بمبئی آئے اور یہاں اپنے سچے رفیق لبتی کو خرچ دے کر اس کے گھر رخصت کر دیا۔ جہاز میں سوار ہوئے جو مسافر سنتا کہ یہ شاہِ ہند کے گھرانے کے ہیں تو ہمارے دیکھنے کا شوق ظاہر کرتا تھا۔ ہم نے درویشانہ لباس پہن رکھا تھا۔

دیارِ حبیبؐ میں: مکے پہنچے تو خدا نے ٹھہرنے کا ایک عجیب ٹھکانہ پیدا کر دیا۔ عبدالقادر نامی میرا ایک غلام تھا جسے میں نے آزاد کر کے مکے بھیج دیا تھا۔ یہاں آ کر اس نے بڑی دولت کمائی اور زمزم کا داروغہ بن گیا ہم چند روز اس کے ہاں ٹھہرے۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان روم کے نائب کو جو مکے میں تھا ہماری خبر ہوئی وہ ہماری ملاقات کو آیا۔ اس نے خواہش کی کہ آپ کے آنے کی خبر حضور سلطان کو دینا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کا جواب بے پروائی سے دیا کہ اب ہم ایک بڑے سلطان کے دربار میں آ گئے ہیں۔ اب ہمیں کسی دوسرے سلطان کی پروا نہیں۔ نائب نے ایک معقول رقم ہمارے اخراجات کے لیے مقرر کر دی اور ہم نو برس وہاں مقیم رہے۔

دہلی واپسی:۔ اس کے ایک سال بعد بغداد شریف، ایک سال نجف اشرف و کربلائے معلیٰ میں بسر ہوا۔ آخر دہلی واپس آ گئے۔ یہاں انگریزی سرکار نے بڑا ترس کھا کر دس روپیہ ماہوار پنشن مقرر کر دی۔ اس پر مجھے ہنسی آئی کہ میرے باپ کا اتنا بڑا ملک لے کر دس روپے معاوضہ دیتے ہیں۔ لیکن پھر خیال آیا کہ ملک تو خدا کا ہے کسی کے باوا کا نہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے انسان کو دم مارنے

کی مجال نہیں ہے۔

مرکزی خیال

اس کہانی کا مرکزی خیال دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی ہے کس قدر مقام عبرت ہے کہ وہ مغل خاندان جس کی پورے برصغیر پاک وہند پر حکومت تھی اور جس کی شان وشوکت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا جب وہی خاندان زوال پذیر ہوتو شہزادے اور شہزادیاں دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگیں کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا، زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوچکی تھی اور کوئی شخص انہیں پناہ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ یہ انقلابات زمانہ ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا ∴ زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے!!
مِٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے ∴ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!!

پیروں کی تشریح

پیرا نمبر ۱:۔ جس وقت میرے باباجان کی بادشاہت ختم ہوئی اور تاج وتخت لٹنے کا وقت قریب آیا تو دہلی کے لال قلعے میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ درودیوار پر حسرت برستی تھی، اجلے اجلے سنگ مرمر کے مکان کالے سیاہ نظر آتے تھے۔ تین وقت سے کسی نے کچھ کھایا نہ تھا۔ زینب میری گود میں ڈھائی سال کی بچی تھی اور دودھ کے لیے بلکتی تھی۔ فکر اور پریشانی کے مارے نہ میرے دودھ رہا تھا نہ کسی انا کے۔ ہم سب اسی یاس وہراس کے عالم میں بیٹھے تھے کہ حضرت ظلِ سبحانی کا خاص خواجہ سرا ہم کو بلانے آیا۔ آدھی رات کا وقت، سناٹے کا عالم، گولوں کی گرج سے دل سہمے جاتے تھے۔ لیکن حکم سلطانی ملتے ہی ہم روانہ ہوگئے۔

حوالۂ متن:۔ یہ عبارت خواجہ حسن نظامی کے افسانے "بنت بہادر شاہ" سے لی گئی ہے۔

سیاق وسباق:۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو لال قلعہ دہلی خالی کرنے کا حکم دیا۔ اور شاہی خاندان کے افراد کو انتہائی بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں قلعہ سے روانہ ہوکر دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ کلثوم زمانی بیگم بہادر شاہ ظفر کی لاڈلی بیٹی تھی مصنف لکھتا ہے کہ چند سال ہوئے ان کا انتقال ہوگیا اس نے بارہا شہزادی صاحبہ سے ان کی زبانی ان کے حالات سنے جس قدر انہوں نے واقعات لکھے ہیں۔ وہ یا تو خود ان کے بیان کردہ ہیں یا ان کی صاحبزادی زینب زمانی بیگم نے بیان کیے ہیں۔

تشریح:۔ شہزادی کلثوم زمانی بیگم بیان کرتی ہیں کہ جب میرے محترم والد صاحب بہادر شاہ ظفر کی بادشاہت کا خاتمہ ہوا اور مغل تاج وتخت کے برباد ہونے کا وقت قریب آیا تو عجیب عبرتناک منظر تھا

وہ خاندان جس نے صدیوں برصغیر پاک و ہند پر نہایت تزک و احتشام سے حکومت کی تھی۔ اب زوال پذیر ہو کر دنیا کی بے ثباتی کا عجیب نقشہ پیش کر رہا تھا۔ دہلی کے لال قلعے میں قیامت کا شور پڑا ہوا تھا در و دیوار پر حسرت و مایوسی ٹپک رہی تھی۔

خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں ∴ در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

رنج و غم کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس لیے سفید سنگِ مرمر کے مکان کالے سیاہ نظر آرہے تھے تین وقت سے کسی نے کوئی چیز نہ کھائی تھی سب بھوکے پیاسے تھے میری بچی زینب میری گود میں تھی اس کی عمر صرف اڑھائی برس کی تھی۔ وہ دودھ کے لیے رو رہی تھی۔ رنج و غم اور پریشانی کی وجہ سے نہ میرے دودھ رہا تھا نہ کسی خادمہ کے عجیب طرح کی پریشانی اور بے بسی تھی۔ ہم سب اسی نا امیدی اور خوف کی حالت میں بیٹھے ہوتے تھے کہ بادشاہ سلامت کا خاص خدمت گزار ہمیں بلانے کے لیے آگیا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ گولوں کے گرجنے سے دل دہل رہے تھے لیکن شاہی حکم ملتے ہی ہم ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑے۔

پیرا نمبر ۲: اسی اثنا میں کسی نے میاں نظام الدین صاحب کو ہماری خبر کر دی۔ میاں کی حیدر آباد میں بڑی عزت تھی۔ کیونکہ میاں حضرت کالے میاں صاحب چشتی نظامی فخری کے صاحبزادے تھے جن کو بادشاہ دہلی اور نظام اپنا اپنا پیر تصور کرتے تھے میاں رات کے وقت میانے میں سوار ہو کر ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم کو دیکھ کر بہت روئے۔ ایک زمانہ تھا۔ جب وہ قلعے میں تشریف لاتے تھے تو مسند زرنگار پر بٹھائے جاتے تھے۔ بادشاہ بیگم اپنے ہاتھوں سے لونڈیوں کی طرح مگس رانی کرتی تھیں۔ آج وہ گھر میں آئے تو ثابوت بوریہ بھی نہ تھا جس پر وہ آرام سے بیٹھ جاتے۔ پچھلا زمانہ آنکھوں میں پھرنے لگا۔ خدا کی شان کیا تھا اور کیا ہو گیا۔

حوالہ متن:- یہ عبارت خواجہ حسن نظامی کے افسانے "بنت بہادر شاہ" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق:- آخری مغل بادشاہ کی بیٹی کلثوم زمانی بیگم بیان کرتی ہیں کہ ہم در بدر کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے حیدر آباد پہنچے۔ میرے شوہر اعلیٰ درجے کے خوشنویس تھے وہ درود شریف لکھ کر ہدیہ کرتے تھے۔ اور یوں ہمارا گزارا چلتا رہا۔ چند روز بعد انگریزی حکومت نے اعلان کر دیا کہ کوئی شخص کسی شہزادے کو پناہ نہ دے بلکہ اسے گرفتار کرانے میں مدد دے اس پر میں نے اپنے شوہر کو باہر نکلنے سے روک دیا۔ اب وہ ایک نواب کے بچے کو بارہ روپے ماہوار پر قرآن پڑھانے لگے وہ نواب معمولی نوکروں کی طرح میرے شوہر کے ساتھ برتاؤ کرتا تھا۔ ہم اس ذلت و رسوائی پر رو رو کر دعا مانگتے تھے اسی دوران میاں صاحب کی ملاقات ہوئی۔

تشریح:- اسی دوران کسی نے میاں نظام الدین صاحب کو ہماری اطلاع کر دی۔ میاں صاحب کی حیدر آباد میں بڑی عزت ہوتی تھی کیونکہ میاں صاحب حضرت کالے میاں صاحب چشتی نظامی فخری کے بیٹے تھے۔ جنھیں دہلی کے بادشاہ اور نظام اپنا اپنا پیر خیال کرتے تھے گویا وہ ہمارے خاندانی شاہی پیر کے بیٹے تھے

میاں صاحب رات کے وقت ایک قسم کی زنانہ پالکی میں سوار ہو کر ہمارے ہاں تشریف لاتے۔ اور ہماری خستہ حالی دیکھ کر بہت روتے۔ ایک وقت تھا کہ اس خاندان کی پورے ہندوستان پر حکومت تھی، لیکن اب یہ خاندان انتہائی بے چارگی اور بے بسی کے دن گذار رہا تھا۔ ایک وقت تھا کہ جب وہ قلعے میں تشریف لاتے تھے تو سونے کے جڑاؤ تخت پر بٹھائے جاتے تھے، بادشاہ، بیگم اپنے ہاتھ سے کنیزوں کی طرح پنکھا کرتی تھی اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔ آج وہ گھر میں آتے تو ثابت چٹائی بھی نہ تھی جس پر انہیں آرام سے بٹھایا جاتا بقول مرزا غالب ؎

ہے خبر گرم ان کے آنے کی ⁂ آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا!

ہمیں اپنا پچھلا زمانہ یاد آگیا۔ خدا کی شان ہے کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ ہمارا ماضی کس قدر شاندار اور حال کس قدر عبرت ناک تھا ؎

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے ⁂ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

پیرا نمبر ۳:۔ اب ہم ایک بڑے سلطان کے دربار میں آگئے ہیں۔ اب ہمیں کسی دوسرے سلطان کی پروا نہیں ہے۔ نائب نے ایک معقول رقم ہمارے اخراجات کے لیے مقرر کر دی اور ہم نو برس وہاں مقیم رہے اس کے بعد ایک سال بغداد شریف، ایک سال نجف اشرف و کربلائے معلٰی میں بسر ہوا۔ آخر اتنی مدت کے بعد دہلی کی یاد نے بے چین کیا اور روانہ ہو کر دہلی آگئے۔ یہاں انگریزوں کی سرکار نے بڑا ترس کھا کر دس روپیہ ماہوار پنشن مقرر کر دی اس پنشن کی رقم کو سن کر اول تو مجھے ہنسی آئی کہ میرے باپ کا اتنا بڑا ملک لے کر دس روپیہ معاوضہ دیتے ہیں مگر پھر خیال آیا کہ ملک تو خدا کا ہے کسی کے باوا کا نہیں وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ انسان کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس خواجہ حسن نظامی کے افسانے "بنت بہادر شاہ" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:۔ شہزادی صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ ہم مکے میں تھے کہ سلطان روم کے نائب کو ہماری خبر ہوئی تو وہ ہم سے ملنے آیا۔ وہ ہم سے ہمارے گھر میں نہایت ادب قاعدے سے ملا۔ آخر میں اس نے خواہش کی کہ میں آپ کے آنے کی اطلاع حضور سلطان کو دینا چاہتا ہوں لیکن میں نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا، اور کہا کہ اب ہم احکم الحاکمین کے دربار میں آگئے ہیں۔ ہمیں کسی دوسرے سلطان کی ضرورت و پروا نہیں ہے

تشریح:۔ شہزادی کلثوم زمانی بیگم نے نائب سلطان روم سے کہا کہ اب ہم بادشاہوں کے بادشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں (مراد ہے خانہ کعبہ) پہنچ گئے ہیں اب ہمیں کسی دوسرے بادشاہ کی ضرورت اور پروا نہیں ہے ہم دنیاوی بادشاہوں سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ نائب نے ایک اچھی خاصی رقم ہمارے گذارے کے لیے مقرر کر دی اور ہم نو برس وہاں ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد ایک سال بغداد شریف (جہاں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار ہے) ایک سال نجف اشرف (جہاں حضرت علیؓ کا مزار ہے) و کربلائے معلیٰ (جہاں حضرت امام حسینؓ شہید کربلا کا مزار

ہے) میں گذارا۔ آخر اتنے عرصہ کے بعد دہلی کی یاد نے ہمیں بیقرار کیا، اور ہم وہاں سے روانہ ہوکر دہلی آ گئے۔ یہاں انگریزی حکومت نے اپنی طرف سے ہم پر بڑا رحم کھایا اور دس روپیہ ماہوار پنشن مقرر کر دی اس پنشن کی رقم کی خبر سن کر اول تو مجھے ہنسی آئی کہ میرے والد کا اتنا بڑا وسیع ملک لیکر صرف دس روپے بدلہ دیتے ہیں، مگر پھر خیال آیا کہ ملک تو اللہ تعالیٰ کا ہے، کسی کے باپ کی جاگیر نہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے، جس سے چاہے چھین لیتا ہے، انسان کو اعتراض کرنے کی طاقت نہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"ملک کا مالک وہی ہے۔ وہ جسے چاہے ملک دے دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے جس کو چاہے عزت دے جس کو چاہے ذلت دے۔ اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

سوالات

سوال نمبر۱:۔ بستی زمیندار نے مفلوک الحال شاہی خاندان سے کیا برتاؤ کیا؟ اس کے کردار پر روشنی ڈالیے؟

جواب:۔ شاہی خاندان لال قلعہ دہلی سے جس بے سروسامانی کے عالم میں نکلا وہ نہایت عبرتناک تھا انگریزی حکومت کے خوف کے مارے کوئی شخص ان خستہ حال شہزادوں اور شہزادیوں کو پناہ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ ہر ایک نے نگاہیں پھیر لی تھیں کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ بقول شخصے ؎

سیاہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے ؞ کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا انسان سے رہتا ہے

اجاڑہ میں میر فیض علی شاہی حکیم رہتے تھے۔ جن سے مغل خاندان کے خاص مراسم تھے لیکن اس نے ایسی بے مروتی کا برتاؤ کیا جس کی کوئی حد نہیں۔ ایسی بے بسی اور بیچارگی کے عالم میں بستی زمیندار نے شاہی خاندان سے ایسا برتاؤ کیا جس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ یہ زمیندار کورالی کا کھاتا پیتا آدمی تھا۔ اس نے اپنی بیل گاڑی تیار کر کے شاہی خاندان کو سوار کیا اور اسے اجاڑہ لے گیا۔ راستے میں ایک اور مقام پر بھی بستی نالہ میں گاڑی کو اس پار لے آیا۔ اور شاہی خاندان سوار ہو کر روانہ ہوا اس طرح بستی کا کردار نہایت قابلِ قدر تھا اس نے شہزادی کو منہ بولی بہن کہا تھا آفرین ہے اس شخص پر کہ اس نے اس قول کو آخر تک نبھایا شاہی خاندان حیدرآباد سے بمبئی آیا۔ اور یہاں اپنے سچے رفیق بستی کو خرچ دے کر اس کے گھر رخصت کر دیا۔

سوال نمبر۲:۔ "خواجہ حسن نظامی نے غدر کے واقعات نہایت دردناک پیرایے میں بیان کیے ہیں" وضاحت کیجیے۔

جواب:۔ خواجہ حسن نظامی نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی (جسے غدر کا نام دیتے ہیں) سے متعلق واقعات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے ان افسانوں کو بہت شہرت حاصل ہوئی ان افسانوں سے جہاں مغل شہزادوں کی بے بسی اور بیچارگی پر روشنی پڑتی ہے وہاں انگریزوں کے ظلم و ستم اور اس دور کی عام ابتلا کا حال بھی معلوم ہوتا ہے آپ نے اس موضوع پر دس کتابیں لکھیں جن میں سے بعض ترجمے ہیں اور بعض میں معزول شاہِ دہلی کی اولاد کی پریشان گردیوں کے افسوسناک اور عبرتناک حالات و واقعات ہیں۔ انھیں پڑھ کر آنکھوں کے سامنے انقلابِ زمانہ اور دنیا کی بے ثباتی کا

نقشہ بکھر جاتا ہے۔ مقام عبرت ہے کہ وہ مغل خاندان جو کبھی پورے برِ صغیر پاک وہند پر نہایت شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرتا تھا زمانہ نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہی خاندان بے بسی و بیچارگی کی حالت میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوا اور زمانے نے ایسی نگاہیں پھیر لیں کہ کوئی پناہ دینے پر آمادہ نہ تھا گویا زمین اپنی فراخیوں کے ساتھ ان پر تنگ ہوگئی تھی۔ اور شہزادے محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہوگئے۔

غلام عباس

۱۹۰۹ء تا ۱۹۸۲ء

غلام عباس ایک حقیقت پسند اور حقیقت نگار افسانہ نویس ہیں ان کا موضوع اپنے گردوپیش کی رواں دواں زندگی ہے۔ ان کی نثر نگاری کی نمایاں خصوصیات منفرد لب و لہجہ، اختصار، وسیع مشاہدہ۔ طنز۔ کردار نگاری اور زبان و بیان میں توازن، اعتدال اور دھیما پن ہیں۔

گوندنی والا تکیہ

مشکل الفاظ کے معانی :-

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
گوندنی	ایک قسم کا درخت اور	تکیہ	فقیر کا گھر، قبرستان	طولانی	طویل، لمبا
″	اس کا پھل	جمگھٹ	مجمع، بھیڑ	آبائی وطن	باپ دادا کا وطن
تکان	تھکاوٹ	بے خوابی	جاگتے رہنا	حُبِ وطن	وطن کی محبت
سوز و گداز	درد اور نرمی	کیفیت	حالت	عرفانی مسرت	روحانی خوشی
برعکس	برخلاف	اجنبیت	غیریت	دِل برداشتہ	شکستہ دِل
رنجیدہ دل	غمگین دِل	امنگ	جذبہ	دھن	شوق
سیاحت	سیر	معاش	روزی	ثروت	مال کی کثرت، اختیار
محال	مشکل	دیارِ غیر	غیر ملک بیگانہ ملک	امور	امر کی جمع، باتیں
ناگزیر	انتہائی ضروری	جنم بھوم	پیدائش کی جگہ	تقویت	طاقت
ورثا	وارث کی جمع	عدم موجودگی	غیر حاضری	اِکّہ	تانگہ
گردوپیش	آس پاس	جائزہ	معائنہ	گھروندے	مٹی کے گھر
خال خال	کہیں کہیں،	مگن	محو، مصروف	لمحہ بہ لمحہ	گھڑی گھڑی
″	بہت تھوڑے	غیریت	بیگانگی	بھولی بسری	بھولی ہوتی
تپاک	خلوص	بلا تکلف	بغیر تکلف کے،	حتی الامکان	طاقت کے مطابق،
اُدھیڑ عُمر	درمیانی عُمر	″	بے دھڑک	″	جہاں تک ہو سکے،
چاک و چوبند	چست و مستعد	قصباتی پن	دیہاتی پن	قدیمی	پرانا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
چرب زبان	چکنی چپڑی باتیں	ساخت	بناوٹ	قطعات	چھپے ہوئے اشعار
"	خوش کرنے والا، تیز زبان	پرو پرائٹر	مالک	منقش	نقش و نگار والی
حتی المقدور	طاقت کے مطابق	اکتفا	کافی سمجھنا	کشاں کشاں	بالجبر کھینچ کر لائے ہوئے
دِقّت	مشکل	نال	وہ آنت کے مانند چمڑا جو	جدِّ امجد	بزرگ، دادا
شکست و ریخت	ٹوٹ پھوٹ	"	دائی بچے کے ناف سے	اقربا	قریب کی جمع، رشتہ دار
آثار	اثر کی جمع، نشانیاں	"	کاٹتی ہے۔	ہویدا	ظاہر
معصومیت	پاکیزگی، بےگناہی	شفقت	پیار، محبت	طلسم	جادو، حیرت میں
یک لخت	اچانک	مسلّط	قابض	"	ڈالنے والی بات
طواف	گرد گھومنا	اینٹھ دینا	مروڑنا	معمر	بڑی عمر کا،
ناگوار خاطر	طبیعت کو ناگوار یعنی	ممنون	احسان مند	تامل	سوچ بچار، وقفہ
"	برا لگنا	متولی	ملکیت وقف کا منتظم	چرس	ایک قسم کی نشے کی چیز
اوباشی	بدمعاشی	مسمار کرنا	گرانا، ڈھانا	"	جیسے تمباکو کی طرح پیتے
معلّم	استاد	دنگ رہ جانا	حیران رہ جانا	"	ہیں۔
بوسیدہ	پرانی	افسردگی	مرجھانا	طاری تھی	چھائی ہوئی تھی۔
قلق	رنج، غم	مونس	ہمدرد	تفریح گاہ	دل بہلانے کی جگہ۔
علی الصبح	صبح سویرے	بھیروں	ایک راگ	الاپ	نغمہ
تان	سُر	حال و قال کی محفلیں	قوالی کی محفلیں	پالی	پرندوں کی لڑائی کا
گوّیا	گانے والا	چوپڑ	چوسر، ایک قسم کا کھیل	"	مقام
کانچ	شیشہ	چپت	تھپڑ	نیم برہنہ	آدھا ننگا۔
فرزانہ	عقلمند	کہہ و مہہ	چھوٹا بڑا	مستعد	کام پر آمادہ، چست
اکڑوں بیٹھنا	پاؤں کے تلے زمین پر	نیم تاریکی	آدھا اندھیرا ہونا	سکون بخش	اطمینان و سکون
"	اسطرح رکھ کر بیٹھنا	گہما گہمی	رونق، چہل پہل	"	بخشنے والی۔
"	کہ بوجھ پاؤں پر رہے	—	—	—	—
"	اور چوتڑ زمین پر نہ لگے	—	—	—	—

خلاصہ: **آبائی قصبے میں واپسی:۔** مصنف بیان کرتا ہے کہ خدا خدا کرکے ریل کا سفر ختم ہوا اور میں قلی سے اپنا سوٹ کیس اور بیگ اٹھوا کر مسافروں کے جھرمٹ سے

نکلا اور اپنے قصبے کے چھوٹے سے اسٹیشن پر اُتر پڑا۔ میں ایک طویل عرصہ کے بعد اس خطہ زمین پر دوبارہ قدم رکھ رہا تھا جو میرا آبائی وطن تھا۔ لیکن میرا دل سوز و گداز سے خالی تھا اور میں اجنبیت سی محسوس کر رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ جلد از جلد منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤں۔

دیارِ غیر میں قیام: میں ابھی بچہ ہی تھا کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا۔ اور والد کے انتقال کے وقت میری عمر پندرہ برس تھی۔ اس صدمے سے میرا دل ٹوٹ گیا تھا۔ نہ کوئی بھائی تھا نہ کوئی بہن۔ اٹھتی جوانی تھی دل میں جذبہ تھا۔ سر میں آزادی کی دھن۔ ایک رات میں چپکے سے نکل کھڑا ہوا۔ اور جدھر منہ اٹھا تھا چل دیا تھا۔ سیاحت کے شوق اور روزی کی تلاش میں میں ملک ملک پھرتا رہا اور آخر کار میں سمندر پار ایک غیر ملک میں بس گیا تھا۔ میں نے کچھ دولت یا ثروت حاصل نہیں کی تھی۔ معمولی تجارت کا کاروبار تھا۔ مگر میں اس کاروبار میں بُری طرح الجھ گیا تھا۔ میں نے شادی بھی وہیں کر لی تھی۔ اور یوں میں ہمیشہ کے لیے دیارِ غیر کا ہو کے رہ گیا تھا۔

جنم بھومی: اب میں کوئی بیس برس کے بعد اہم کاروباری امور کے سلسلے میں میرے لیے وطن کا چکر لگانا لازمی ہو گیا تھا تو میں نے سوچا کہ کاروبار سے فارغ ہو کر واپسی پر اپنی جنم بھومی کو ایک نظر دیکھ لوں گا۔ علاوہ ازیں اس قصبے میں ہماری کچھ آبائی جائیداد بھی تھی اس کی فروخت کا مسئلہ تھا۔

قصبے کی تبدیلی: اس بیس برس کے طویل عرصہ میں جو میں نے باہر گزارا تھا۔ قصبے کے اسٹیشن میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ البتہ قصبہ کافی پھیل چکا تھا۔ اجاڑ علاقوں میں اب چھوٹے چھوٹے بازار بن گئے تھے ہر طرف چہل پہل تھی۔ اسٹیشن کے باہر جہاں کہیں یکہ بھی مشکل سے ملا کرتا تھا۔ وہاں اب تانگوں اور ٹیکسیوں کے الگ الگ اڈے موجود تھے۔ میں نے ایک تانگہ کرایہ پر لیا۔ اور قصبے کی طرف چل پڑا۔ جائیداد کے دوسرے وارثوں کو بھی وہاں پہنچنا تھا۔ میں نے گردوپیش کا جائزہ لینا شروع کیا۔ جا بجا پختہ عمارتیں نظر آئیں۔ خال خال کچے گھر بھی تھے۔ اسٹیشن کے قریب ایک پارک بھی تھا۔ بلاشبہ میرے بعد قصبے نے بہت ترقی کی تھی۔ لیکن میری اجنبیت بدستور تھی۔ اسٹیشن کے سوا مجھے اب تک کوئی جانی پہچانی چیز نظر نہ آئی تھی۔

ہوٹل میں قیام: تھوڑی دیر میں تانگہ ایک معمولی درجے کے ہوٹل کے پاس پہنچ گیا۔ قصبے میں ہوٹلوں کا کھل جانا ترقی کی علامت تھا۔ ہوٹل کا مالک بڑے تپاک سے ملا۔ وہ ادھیڑ عمر تھا۔ مگر چاق و چوبند اور چرب زبان۔ میں نے اسے یہ نہ بتایا کہ میں یہاں کا قدیمی باشندہ ہوں۔ اس نے میری رہائش کا معقول بندوبست کر دیا۔ میں نے ہاتھ منہ دھویا اور چائے پی اور پھر پلنگ پر دراز ہو گیا اور دو گھنٹے کے بعد بیدار ہوا۔ میں جلدی جلدی لباس تبدیل کر کے قصبے میں گھومنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

آبائی محلہ: میں اس طرف چل پڑا جہاں میں نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ وہ علاقہ ہوٹل سے زیادہ دُور

نہیں تھا البتہ نئے بازار اور سڑکیں بن جانے سے راستہ معلوم کرنے میں دقت ہوئی۔ آخر کار میں اپنی آبائی حویلی کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے قریب ایک اور حویلی تھی۔ اب جو جائیداد فروخت ہونے والی تھی۔ وہ انہی حویلیوں پر مشتمل تھی اور وہ کرائے پر تھیں کیونکہ میرے بعد میرے رشتہ داروں نے بھی شہروں کی سکونت اختیار کر لی تھی ان حویلیوں کے سامنے گلی میں کچھ بچے ریٹھے کی گولیوں سے کھیل رہے تھے۔ میں ان بچوں کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوا میرا بچپن میری آنکھوں میں پھر گیا۔ اس محلے میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

گوندنی والا تکیہ:۔ ہمارے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک کھلا میدان ہوا کرتا تھا۔ جہاں ہم لڑکے سکول سے آکر کھیلا کرتے تھے اور یہیں وہ پرانا تکیہ تھا جس کو لوگ گوندنی والا تکیہ کہتے تھے۔ ہم لڑکپن میں گوندنی کے پیڑوں پر چڑھ کر گوندنی توڑا کرتے تھے۔ تکیے کا سائیں ہمیں گوندنی توڑنے سے کبھی منع نہیں کرتا تھا۔ کئی مرتبہ دکانداروں نے ان پیڑوں کے پھل کا ٹھیکہ لینے کے لیے معقول رقم پیش کی مگر اس نے کبھی منظور نہ کیا وہ کہا کرتا تھا "یہ تو محلے کے بچوں کا مال ہے۔" میں نے سیدھا اس تکیے کا رخ کیا۔ میں نے ایک لڑکے سے اور پھر ایک بوڑھے شخص سے پتہ پوچھا۔ اس نے بتایا کہ سولہ برس پہلے اس تکیے کے متولی نگینہ سائیں کا انتقال ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد جو لوگ اس تکیے پر قابض تھے ان کا کردار اچھا نہیں تھا۔ اس طرح یہ تکیہ اوباشی کا اڈہ بن گیا بازاری عورتیں اعلانیہ یہاں آنے لگیں۔ آخر کار قصبے والوں نے آپس میں مشورہ کر کے اس تکیے کو گرا دیا اور اس کی جگہ ایک مدرسہ قائم کر دیا۔ اس تکیے میں مستان شاہ کا بھی مزار تھا جو اب بھی مدرسے کے صحن میں موجود ہے۔ مگر کسی مجاور کو یہاں رہنے کی اجازت نہیں۔ مدرسے کے معلم خود ہی اس کی دیکھ بھال کر لیتے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ گوندنی کے درخت کٹوا دیئے گئے تھے۔ بس ایک رہنے دیا گیا تھا۔ جو مستان کی قبر پر سایہ کیے ہوئے ہے

تکیے کی رونقیں:۔ میں مدرسے کے اندر داخل ہو گیا صحن میں پختہ اینٹ کا فرش تھا۔ گوشے میں گوندنی کے ایک پیڑ کے نیچے ایک قبر تھی۔ جو سبز رنگ کی پرانی چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ میں نے فاتحہ پڑھی اور چپ چاپ واپس ہوٹل کی طرف چل دیا۔ میں سخت رنجیدہ تھا اور افسوس کر رہا تھا کہ تکیہ غریب غربا کا مونس اور سارے قصبے کی تفریح گاہ تھا جس سے وہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیئے گئے یہاں صبح سویرے میٹھے سروں میں اللہ ہو اللہ جل شان اللہ اور قوالیوں کی تانیں بلند ہوتی تھیں۔ کوئی ستار بجاتا تھا۔ کہیں چوپڑ کھیلی جاتی تھی۔ کہیں ہیر پڑھی جارہی تھی اور سننے والے دم بخود بیٹھے ہوتے تھے پاس ہی بچے کانچ اور ریٹھے کی گولیوں سے کھیلتے تھے۔ کبھی کبھی ان کے لڑنے جھگڑنے اور شور مچانے پر کوئی بزرگ دو ایک کو تھپڑ رسید کر دیتا اور بچے پھر کھیلنے میں مصروف ہو جاتے۔

نگینہ سائیں:۔ اور پھر اس تکیے کی جان، اس کا بندو بالا نگینہ سائیں گلے میں رنگ برنگے منکوں کی مالا ڈالے سردی گرمی میں اپنی ایک ہی پرانی کالی کملی میں اپنے نیم برہنہ جسم کو، کبھی دیوانہ

کبھی فرزانہ، مگر ہر حال میں چھوٹے بڑے کی خدمت کے لیے مستعد۔
ماضی کی حسین یادیں:۔ شام ہو چکی تھی، ماضی میں کافی خنکی تھی۔ مگر میں نے کمرے کا بلب روشن نہیں کیا تھا کیونکہ کمرے کی نیم تاریکی سکون بخش رہی تھی۔ میں کمبل اوڑھ کر آرام کرسی پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ گوندنی والا تکیہ اپنی پوری گہما گہمیوں کے ساتھ میری نظروں میں پھرنے لگا۔

مرکزی خیال

اس افسانے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان اپنے جنم بھومی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ مقام جہاں وہ پیدا ہوا اور جہاں اس نے بچپن کے حسین لمحات گذارے ہوں، ان کی یاد رہ رہ کر اس کے دل و دماغ میں تازہ ہوتی رہتی ہے۔ مصنف جس قصبے میں پیدا ہوا اور پروان چڑھا۔ اسے چھوڑے ہوئے بیس برس ہو چکے تھے۔ وہ بیرون ملک کاروبار کرتا تھا۔ لیکن آبائی قصبہ کی یاد اس کے دل و دماغ سے محو نہ ہو سکی۔ گوندنی والا تکیہ اپنی تمام تر رونقوں اور گہما گہمیوں کے ساتھ اس کے دل و دماغ میں بسا رہا اور وہ کبھی اس کی یاد کو اپنے ذہن سے نہ مٹا سکا۔ یوں مصنف نے ایک فطری جذبہ کی ترجمانی کی ہے۔

پیروں کی تشریح

پیرا نمبرا:۔ تانگہ چلا تو میں نے اپنے گردو پیش کا جائزہ لینا شروع کیا۔ جا بجا اینٹ کی بنی ہوئی عمارتیں نظر آئیں۔ کچے گھروندے بھی دکھائی دیئے مگر خال خال۔ اسٹیشن کے قریب ایک چھوٹا سا پارک بھی دیکھنے میں آیا، جہاں لوگ دھوپ میں بیٹھے بڑے مگن معلوم ہوتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ میرے بعد اس قصبے نے بہت ترقی کر لی تھی۔ اور مجھے اس پر خوشی ہونی چاہیئے تھی۔ مگر اس کو کیا کروں کہ میرے دل میں لمحہ بر لمحہ بیگانگی کا احساس بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اسٹیشن کے سوا مجھے اب تک کوئی جانی پہچانی شے نظر نہ آئی۔ تھی کوئی ایسی چیز جس کو دیکھ کر بچپن کی بھولی بسری یاد تازہ ہو جاتی۔

حوالہ متن:۔ یہ عبارت غلام عباس کے افسانے "گوندنی والا تکیہ" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق:۔ مصنف کہتا ہے کہ میں ایک طویل سفر کے بعد اپنے قصبے کے چھوٹے سے اسٹیشن پر اترا۔ میں طویل مدت کے بعد اس سرزمین پر دوبارہ قدم رکھ رہا تھا جو میرا آبائی وطن تھا مگر سفر کی تکان کی وجہ سے میرے دل میں سوز و گداز پیدا نہ ہوا۔ اور میں اجنبیت سی محسوس کرنے لگا۔ میں ابھی بچہ ہی تھا کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور جب والد نے انتقال کیا تو اس وقت میری عمر تقریباً پندرہ برس کی تھی۔ میرا کوئی بھائی تھا نہ بہن۔ سر میں آزادی کی دھن ایسی سمائی کہ میں بیرون ملک چلا گیا۔ میرا وہاں معمولی کاروبار تھا وہیں میں نے شادی کی اور اب بیس برس کے بعد اہم کاروباری امور کے سلسلے میں وطن آیا تھا۔ اس طرح

مجھے اپنا جنم بھومی دیکھنے کا موقع ملا۔ قصبے کے اسٹیشن میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی البتہ اسٹیشن سے باہر نکلتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نئی جگہ پہنچ گیا ہوں۔ میں نے ایک تانگہ کرایہ پر لیا اور قصبے کی طرف چل پڑا۔

تشریح:۔ تانگہ اسٹیشن سے روانہ ہوا تو میں نے آس پاس کی چیزوں کا معائنہ شروع کیا۔ میں ایک عرصہ کے بعد یہاں آیا تھا۔ جگہ جگہ اینٹوں کی بنی ہوئی پختہ عمارتیں دیکھنے میں آئیں۔ مٹی کے کچے گھر بھی نظر آئے مگر کہیں کہیں اور دور دور! یہ وہ جگہ تھی جہاں میں نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ اسٹیشن کے قریب مجھے ایک چھوٹا سا تفریحی پارک نظر آیا جہاں لوگ دھوپ میں گھاس پر بیٹھے اپنی ذات میں مست نظر آتے تھے وہ یہاں اپنا غم بھلانے آتے تھے اور تفریح طبع کا سامان کرتے تھے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ میرے بیرون ملک جانے کے بعد اس قصبے نے بہت ترقی کر لی تھی۔ اور کافی تبدیلی نظر آتی تھی۔ مگر اس کا کیا علاج کروں کہ میرے دل میں ہر گھڑی غیریت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ میں اپنے آپ کو اس ماحول میں کھویا کھویا محسوس کرتا تھا اور میرا دل اچاٹ ہوا جا رہا تھا۔ یہ عجیب بات تھی۔ حالانکہ یہ میرا جنم بھومی تھا۔ غیریت کا یہ احساس نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ صرف اسٹیشن ہی ایسی چیز تھی جو جانی پہچانی نظر آ رہی تھی۔ اور کوئی چیز مانوس نظر نہ آتی تھی۔ کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے دیکھ کر بچپن کی بھولی ہوئی یاد ذہن میں تازہ ہو جاتی کیونکہ اکثر کہا جاتا ہے کہ بچپن کا زمانہ حقیقت میں بادشاہت کا زمانہ ہے۔ جیسا کہ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

لے لے شباب یارب دے دے ادھار بچپن

پیرا نمبر ۲:۔ صبح سے اب تک نئی آبادی دیکھ دیکھ کر طبیعت بھر چکی تھی چنانچہ اب میرے قدم کشاں کشاں مجھے اس علاقے کی طرف لیے جا رہے تھے، جہاں میں نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ وہ علاقہ ہوٹل سے زیادہ دور نہیں تھا۔ البتہ نئے نئے بازار اور سڑکیں بن جانے سے مجھے دو چار جگہ راستہ معلوم کرنے میں دقت ہوئی لیکن بالآخر میں نے خود کو اپنی اسی پرانی حویلی کے سامنے پایا جس میں میری نال گڑی تھی۔ یہ اور اس کے ساتھ والی حویلی دونوں قریب قریب ہی ایک نقشے کی تھیں جنھیں میرے جد امجد نے تعمیر کرایا تھا۔ اب جو جائیداد فروخت ہونے والی تھی وہ انہی حویلیوں پر مشتمل تھی انہیں ایک مدت سے کرائے پر اٹھا دیا گیا تھا کیونکہ میرے بعد میرے اقربا نے بھی قصبے سے نکل کر شہروں کی سکونت اختیار کر لی تھی۔

حوالہ متن:۔ یہ عبارت غلام عباس کے افسانہ "گوندنی والا تکیہ" سے لی گئی ہے۔

سیاق وسباق:۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ میں اپنے قصبے کے اسٹیشن پر اترا۔ وہاں سے تانگے پر بیٹھ کر قصبے کے ایک ہوٹل میں ٹھہرا مجھے رہنے کے لیے ایک کشادہ اور صاف ستھرا کمرہ دیا گیا میں نے اپنا سوٹ کیس اور بیگ کمرے میں ایک طرف رکھوا دیا۔ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور چائے پی۔ میں کمبل اوڑھ کر پلنگ پر دراز ہو گیا اور سو گیا کوئی دو گھنٹے بعد اٹھا تو طبیعت بحال تھی۔ شام ہونے میں کوئی

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ابھی باقی تھا۔ میں جلدی جلدی لباس تبدیل کر کے قصبے میں گھومنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

تشریح:۔ صبح سے اب تک قصبے میں گھومتا رہا تھا۔ نئی آبادی دیکھ دیکھ کر میرا جی بھر چکا تھا اور طبیعت سیر ہو چکی تھی اس لیے میرے قدم مجھے زبردستی کھینچ کر لاتے ہوئے اس علاقے کی طرف لیے جا رہے تھے جہاں میرا بچپن گذرا تھا۔ بچپن کے حسین لمحات کی یاد میرے دل و دماغ میں تازہ ہو گئی۔ میں اس حسین تصوّر میں کھو کر رہ گیا۔ وہ علاقہ ہوٹل سے زیادہ دور نہیں تھا ہاں ایک بات ضرور ہے کہ نئے نئے بازار اور سڑکیں بن جانے سے مجھے دو چار جگہ راستہ معلوم کرنے میں مشکل پیش آئی۔ کیونکہ کافی مدت گذر چکی تھی اور آبادی کا سلسلہ کافی بڑھ چکا تھا۔ لیکن آخر کار میں نے اپنے آپ کو اپنی اسی پرانی حویلی کے سامنے موجود پایا۔ جس میں میری نال گڑی تھی۔ نال سے مراد وہ آنت کی مانند چمڑا ہے جو دائی بچے کے ناف سے کاٹتی ہے اور اسے زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ گویا اس حویلی سے میرا بچپن وابستہ تھا۔ یہ اور اس کے ساتھ والی حویلی دونوں تقریباً ایک ہی طرز کی تھیں۔ جنھیں میرے بزرگ دادا نے بنوایا تھا۔ گویا یہ ہماری آبائی حویلیاں تھیں۔ اب جو جائیداد بیچی جا رہی تھی وہ انہی حویلیوں سے بنتی تھی انہیں ایک عرصہ سے کرائے پر چڑھا دیا گیا تھا کیونکہ میرے بعد میرے رشتہ داروں نے بھی قصبہ چھوڑ دیا تھا اور شہروں میں رہائش رکھ لی تھی۔ اس طرح حالات اب بہت بدل چکے تھے

پیرا نمبر ۳:۔ اپنے کمرے میں پہنچا تو حد درجے کی افسردگی مجھ پر طاری تھی۔ اس تکیے کے اٹھ جانے کا مجھے بڑا قلق ہوا تھا مگر میں قصبے والوں کو الزام نہیں دیتا۔ شاید وہ اس زمانے کے حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے اپنے فیصلے میں حق بجانب ہوں ممکن ہے میں اس زمانے میں یہاں ہوتا تو انہی کا ساتھ دیتا مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تکیہ غریب غربا کا مونس اور سارے قصبے کی تفریح گاہ تھا۔ جس سے وہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیئے گئے۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس غلام عباس کے افسانے "گوندنی والا تکیہ" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:۔ مصنف اپنے آبائی قصبے میں گھوم پھر رہا ہے اس نے ایک لڑکے اور پھر بوڑھے شخص سے گوندنی والے تکیے کے بارے میں پوچھا۔ بوڑھے شخص نے بتایا کہ پندرہ سولہ سال پہلے تکیے کے متولی نگینہ سائیں کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد یہ تکیہ اوباشی کا اڈہ بن گیا آخر قصبے والوں نے اس تکیے کو مسمار کر کے یہاں ایک مدرسہ قائم کر دیا۔ اس تکیے میں مستان شاہ کا مزار بھی تھا۔ وہ مزار اب بھی مدرسے کے صحن میں موجود ہے میں مدرسے میں داخل ہوا۔ مدرسے کے صحن میں فرش پختہ اینٹ کا تھا۔ اس کے ایک گوشے میں گوندنی کے ایک پیڑ کے نیچے ایک قبر نظر آئی۔ میں نے قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی۔ پھر چپ چاپ ہوٹل کی طرف واپس چل دیا۔

تشریح:۔ مصنف کہتا ہے کہ میں قصبے میں گھومنے پھرنے کے بعد واپس اپنے ہوٹل کے کمرے میں

میں پہنچا تو مجھ پر بےحد رنج و غم چھایا ہوا تھا۔ میری طبیعت بجھی ہوئی تھی۔ میں خود کو اداس اداس سا محسوس کر رہا تھا۔ مجھے اس بات کا بڑا دکھ اور رنج تھا کہ تکیہ یہاں سے ختم کر دیا گیا ہے اور اس کا نام و نشان مٹ چکا ہے مگر میں قصبے والوں کو برا نہیں کہتا ان پر الزام نہیں لگاتا ہو سکتا ہے وہ اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے اپنے فیصلے میں سچے ہوں ان کا کیا قصور ہے؟ ہو سکتا ہے میں اس وقت یہاں ہوتا تو انہی لوگوں کا ساتھ دیتا۔ مجھے بھی ان کے ساتھ چلنا پڑتا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ تکیہ غریبوں مسکینوں کا ہمدرد اور سارے قصبے کے لیے دل بہلانے کا سامان تھا۔ یہاں چھوٹے بڑے تفریح کرتے تھے اور اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو چکے ہیں۔ اب انہیں تفریح کا سامان میسر نہیں وہ تکیہ رونق اور گہما گہمی کا مرکز تھا لیکن اب وہاں کا ماحول اداس اداس نظر آتا ہے۔

سوالات

سوال نمبر ۱:۔ گوندنی والے تکیے سے مصنف کی کون کون سی یادیں وابستہ ہیں؟ وضاحت کیجیے۔

جواب:۔ مصنف گوندنی والے تکیے سے وابستہ یادوں کو یاد کر کے افسوس کرتا ہے وہ سخت رنجیدہ تھا اور رہ رہ کر سوچ رہا تھا کہ تکیہ غریب غربا کا مولش اور سارے قصبے کی تفریح گاہ، جس سے وہ ہمیشہ کیلئے محروم کر دیئے گئے۔ یہاں صبح سویرے میٹھے سروں میں اللہ ہو اللہ جل شانہ اللہ اور قوالیوں کی تانیں بلند ہوتی تھیں۔ کوئی ستار بجاتا تھا، کہیں چوپڑ کھیلی جاتی تھی۔ کہیں ہیر پڑھی جاتی تھی۔ اور سننے والے دم بخود بیٹھے ہوتے تھے پاس ہی بچے کانچ اور ریٹھے کی گولیوں سے کھیلتے تھے۔ کبھی کبھی ان کے لڑنے جھگڑنے اور شور مچانے پر کوئی بزرگ دو ایک کو تھپڑ رسید کر دیتا اور بچے پھر کھیلنے میں مصروف ہو جاتے اور پھر اس تکیے کی جان، اس کا بلند و بالا تگینہ سائیں گلے میں رنگ برنگے منکوں کی مالا ڈالے سردی گرمی میں اپنی ایک ہی پرانی کالی کملی میں اپنے نیم برہنہ جسم کو چھپائے کبھی دیوانہ کبھی فرزانہ، مگر ہر چھوٹے بڑے کی خدمت کے لیے مستعد۔ الغرض مصنف ان حسین یادوں میں کھو کر رہ جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ ہم لڑکپن میں گوندنی کے پیڑوں پر چڑھ کر گوندنی توڑا کرتے تھے اور تکیے کا سائیں ہمیں گوندنی توڑنے سے کبھی منع نہیں کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا "یہ بیچنے کے لیے نہیں یہ تو محلے کے بچوں کا مال ہے۔"

سوال نمبر ۲:۔ مصنف نے اپنے آبائی گاؤں میں کیا تبدیلیاں محسوس کیں؟

جواب:۔ مصنف نے بیس برس کا طویل عرصہ بیرون ملک گزارا تھا۔ اب اسے آبائی قصبے میں کئی تبدیلیاں نظر آئیں، ماحول بدل چکا ہے اگرچہ اسٹیشن میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ البتہ قصبہ کافی پھیل چکا تھا۔ اجاڑ علاقوں میں اب چھوٹے چھوٹے بازار بن گئے تھے۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ اسٹیشن کے باہر

جہاں کبھی یکّہ بھی مشکل سے مِلا کرتا تھا وہاں اب تانگوں اور ٹیکسیوں کے الگ الگ اڈّے موجود تھے گھر دو پیشہ میں جا بجا پختہ عمارتیں نظر آئیں۔ خال خال کچے گھر بھی تھے۔ اسٹیشن کے قریب ایک پارک بھی تھا۔ بلاشبہ اس عرصہ میں قصبہ نے بہت ترقی کر لی تھی۔

احمد ندیم قاسمی
ولادت ـــــ ۱۹۱۶

احمد ندیم قاسمی ایک مقصدی ادیب ہیں۔ انہوں نے دیہاتی اور شہری زندگی کی اصلاحِ معاشرت کے لحاظ سے بھرپور عکاسی کی ہے۔ ان کی نثر نگاری کی نمایاں خصوصیات، مقصدیت، حقیقت پسندی، متنوع موضوعات، دلچسپی، تجسس اور اعلیٰ کردار نگاری ہیں وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں

سفارش

مشکل الفاظ کے معانی:-

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
شیو بنوانا	داڑھی منڈوانا	ممنوعیت	احسان مندی	جبتن	تدبیر، ڈھنگ
پٹس پڑتا	مرُدے پر ماتم کرنا	زنن سے	زن کی آواز سے	تشویش	فکرمندی
موضوع	عنوان	فٹافٹ	فوراً	رمق	تھوڑی سی جان
ندامت	شرمندگی	ہلدی ہونا	پیلا پڑنا	″	ذرہ بھر
تیور	صورت او نگاہ کا اندازہ	گتھم گتھا ہونا	لپٹ جانا۔		

خلاصہ

فیکے کوچوان کی پریشانی:- محلے کی بڑی گلی کے موڑ پر تین چار تانگے ہر وقت موجود رہتے ہیں مگر اس روز میں موڑ پر آیا تو وہاں ایک بھی تانگہ نہیں تھا۔ مجھے کافی دور جانا تھا اور جلدی بھی پہنچنا تھا اس لیے تانگے کا انتظار کرنے لگا۔ تانگے تو بہت سے گذرے مگر سب لگے ہوئے تھے اچانک میں نے فیکے کو اپنی طرف آتے دیکھا تو پکارا "بھئی فیکے تانگہ کہاں ہے؟" اس نے جواب دیا "بابو جی! تانگہ تو آج نہیں جوتا" میں نے دیکھا کہ فیکا جو ایک طرح کا پہلوان تھا۔ اس نے آج داڑھی بھی نہیں منڈوائی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں میں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے بتایا کہ اس کے بابا کی آنکھ چلی گئی۔

فیکے کے باپ کی بیماری:- مجھے یہ سن کر دکھ ہوا اور میں نے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ایک غلط قسم کے حکیم نے بابا کو سرمہ دیا اور خدا رسولؐ کی قسم کھا کر کہا کہ آنکھ کی لالی جاتی رہے

گی چنانچہ اس نے آنکھ میں سلائی پھیر دی۔ بس جب سے اب تک آنکھ لگی ہو تو اپنے باپ کا نہیں۔ رات تو چیخ چاخ کے گذار دی پھر صبح کو محلے کے سارے کوچوان اکٹھے ہوئے تو ان میں سے ایک کوچوان نے کہا کہ پوست کے ڈوڈے پانی میں ابالو اور اس سے آنکھ دھو ڈالو۔ ہم نے ایسا کیا پر بابا اسی طرح تڑپتا رہا۔ پھر کسی نے کہا کہ پالک کا ساگ ابال کر باندھو۔ باندھا اور جب کھولا تو بابا نے صاف کہہ دیا کہ اب کیا جتن کرتے ہو آنکھ کا دیا تو بجھ گیا۔ ہمارے گھر میں ماتم پڑ گیا۔ اسے ہسپتال لے گئے لیکن جگہ نہ ملی۔ آخر ایک چوکیدار نے بتایا کہ اس کا سالا میو ہسپتال میں چوکیدار ہے۔ اس کی سفارش سے جگہ تو مل گئی پر برانڈے میں۔ لیکن کسی ڈاکٹر یا نرس نے توجہ نہ دی۔ بابو جی! آپ کسی ڈاکٹر کو کہہ دیجیے کہ صدقے مریض کو ذرا سا دیکھ لے۔"

سفارش کا وعدہ:۔ میں نے کہا" وہاں ایک ڈاکٹر ہے، ڈاکٹر عبدالجبار ان سے میرا سلام کہو کام ہو جائے گا، ورنہ کل میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" فیکا میرا بہت شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ پھر مجھے ایک خالی ٹانگہ مل گیا۔ جب ٹانگہ میو ہسپتال کے صدر دروازے کے سامنے سے گذرا تو میں نے دیکھا کہ فیکا ہسپتال کے ایک چوکیدار سے باتیں کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر جبار کا پتہ پوچھ رہا ہو گا۔ ایک بار جی میں آئی کہ جبار سے کہہ دوں مگر اب ٹانگہ آگے نکل گیا تھا۔ راستے میں جبار صاحب کا سکوٹر میرے ٹانگے کے قریب سے گذر گیا۔ میں نے آواز دی مگر جبار صاحب میری آواز سے تیز نکلے۔ میں نے سوچا کہ کل کہہ دوں گا۔ رات کو گھر واپس آیا تو معلوم ہوا فیکا آیا تھا اور کہہ گیا تھا کہ بابو آئیں تو مجھے بلا لاؤ۔ میں نے سوچا اس وقت کون بلائے۔ اس کا کام ہو گیا ہو گا اگر کام نہیں ہوا تو صبح کو کہہ دوں گا۔ صبح کو میں ابھی بستر سے نہیں نکلا تھا کہ فیکا آیا معلوم ہوا ڈاکٹر جبار ڈیوٹی پر نہیں تھے۔ فیکے کا باپ دسمبر کی سردی میں برآمدے میں ہی پڑا رہا۔ اور بتایا کہ اس کی آنکھ چلی گئی ہے۔ میں نے کہا جب آنکھ جا ہی چکی ہے۔ تو بیچارے بڈھے کو ہسپتالوں میں کیوں گھسیٹتے پھرتے ہو؟ فیکا بولا:" بابو جی! ہو سکتا ہے، آنکھ میں تھوڑی سی بینائی باقی ہو اور وہ ٹھیک ہو جائے۔"

سفارش کی ناکامی:۔ میں اس بات سے چونکا۔ آج تک فیکے نے مجھ سے چارے کی مہنگائی اور آٹے میں ملاوٹ کے موضوع پہ باتیں کی تھیں۔ پھر وہ عاجزی سے بولا:" ذرا سا میرے ساتھ چلے چلیے" میں نے کہا" میں تمہیں اپنا کارڈ دیئے دیتا ہوں۔ وہ ڈاکٹر جبار کو دکھا دو فوراً کام کر دیں گے۔" وہ مجھ سے کارڈ لے کر یوں چلا جیسے دنیا جہان کی دولت سمیٹے لیے جا رہا ہو۔ میں دن بھر گھر سے غائب رہا اور فیکا میرے گھر کے چکر کاٹتا رہا۔ شام کو اس نے بتایا کہ جبار صاحب بیٹھے تو ہیں پر کوئی اندر نہیں جانے دیتا۔" میں نے وعدہ کیا کہ کل ضرور چلوں گا لیکن دوسرے دن سویرے ہی مجھے شیخوپورہ جانا پڑ گیا رات کو آیا تو معلوم ہوا فیکا آیا تھا۔

جھوٹی تسلیاں:۔ اس کے بعد تین دن تک زیادہ وقت میں نے گھر میں گذارا مگر فیکا نہ آیا چوتھے روز میں نے ایک کوچوان سے فیکے کے باپ کا پوچھا تو معلوم ہوا کہ اسے وارڈ میں جگہ مل گئی ہے اتنے

میں فیکا بھی آنکلا، مجھے ندامت سی تھی اس لیے جھوٹ بولنا پڑا "کیوں فیکے جبار صاحب نے کام کر دیا نا؟" وہ بولا "مگر بابوجی، وہ تو مجھ سے ملے ہی نہیں۔" میں نے فوراً کہا "میں نے انہیں فون کر دیا تھا" فیکے کا چہرہ ایکدم سرخ ہوگیا۔ وہ بہت احسان مند تھا۔ اگلی صبح فیکا پھر دروازے پر موجود تھا۔ وہ بولا "آپ کی مہربانی سے داخلہ مل گیا۔ پر اب انہوں نے بابا کو کوٹ لکھپت کے ہسپتال میں بھیج دیا ہے یہ تو بڑا غضب ہوا بابوجی۔ وہاں آنے جانے میں بہت خرچ ہوتا ہے کچھ ہو سکے تو کیجیے۔"

بابا کی آنکھ کا ضائع ہونا:۔

میں نے کہا "میں ابھی جا کر ڈاکٹر جبار کو فون کرتا ہوں" میں نے فون کیا مگر ڈاکٹر جبار صاحب نہ مل سکے پھر بات آئی گئی ہوگئی۔ پانچ چھ روز بعد فیکے کو دیکھا تو سوچا کہ نظر بچا کر گذر جاؤں مگر وہ لپک کر میرے پاس آیا اور بولا "بابوجی! سمجھ میں نہیں آتا آپ کے کس کس احسان کا بدلہ اتاروں گا۔" میں نے پوچھا "واپس آگیا تمہارا بابا" فیکا بولا "واپس بھی آگیا اور آپریشن بھی ہوگیا، جمعہ کو پٹی کھل رہی ہے دعا کیجیے"۔ پھر وہ جمعہ کی شام کو آیا تو بولتے ہی زاروقطار رونے لگا "بابوجی! غضب ہوگیا۔ پٹی کھلی تو پتہ چلا ایک آنکھ تو گئی ہی تھی دوسری پر بھی اثر پڑ گیا ہے۔"

جھوٹ پر شرمندگی:۔

میں نے اسے تسلی دی اور ایک دکان سے ڈاکٹر جبار کو فون کیا۔ مگر رابطہ نہ ہوا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ کل جا کر ڈاکٹر جبار سے ملوں گا۔" دوسرے دن میں جا تو نہ سکا البتہ ڈاکٹر جبار کو فون ضرور کیا وہ پھر غائب تھے، ادھر فیکا بھی غائب تھا، دو ڈھائی ہفتے بعد فیکا پھر میرے گھر آیا میں شرمندہ تھا کہ کس طرح جھوٹ پہ جھوٹ بولے جا رہا ہوں۔ فیکے نے زاروزار رونا شروع کر دیا کہ "بابوجی! کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ......" اس کی آواز بھرا گئی میں نے بمشکل کہا "فیکے بات یہ ہے کہ ...."

فیکے کی احسان مندی:۔

آنسوؤں سے بھیگا ہوا فیکا اٹھا اور بولا: "بابوجی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں شکریہ کیسے ادا کروں میرا بابا ٹھیک ہوگیا ہے اس کی دونوں آنکھیں ٹھیک ہوگئی ہیں اسے بینائی اللہ نے دے دی ہے اور آپ نے دی ہے۔ آپ نے مجھے خرید لیا ہے بابوجی۔" اور میں نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔ "کوئی بات نہیں فیکے کوئی بات نہیں۔"

مرکزی خیال

اس افسانے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ غریب لوگ بہت سیدھے سادھے اور مخلص ہوتے ہیں۔ اگر امیر آدمی ان سے ذرا بھی ہمدردی کا اظہار کرے تو وہ بے حد احسان مند ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ بتائی گئی ہے

کہ امیر آدمی بالعموم زبانی ہمدردی پر اکتفا کرتے ہیں وہ غریب کی سفارش کر سکتے ہیں لیکن عملاً ایسا نہیں کرتے۔ وہ ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں اور جھوٹ پہ جھوٹ بولے چلے جاتے ہیں کوچوان فیکے کا باپ بیمار ہے مصنف اس سے سفارش کا وعدہ کرتا ہے لیکن عملاً سفارش نہیں کرسکتا لیکن فیکے کو غلط فہمی ہے کہ اسی کی سفارش سے اس کا باپ صحتمند ہوا ہے وہ بیحد احسان مند ہوتا ہے لیکن مصنف حقیقت میں اپنے کیے پر نادم ہوتا ہے۔

پیروں کی تشریح

پیرا نمبر ۱:۔ بابا مصری شاہ میں سے گذرا تو ایک حکیم سُرمہ بیچ رہا تھا۔ بابا یہ سُرمہ لے آیا اور ہمیں بتایا کہ اس سے آنکھ کی لالی جاتی رہے گی۔ حکیم نے خدا رسول کی قسم کھا کے کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ نہ جائے تو قیامت کے دن مجھے گردن سے پکڑنا۔ میں نے بھی کہہ دیا کہ حکیم خدا رسول کو بیچ میں ڈال رہا ہے تو ذرا سا لگا لے اماں نے بھی یہی صلاح دی۔ اس نے "لقمان حکیم حکمت کا بادشاہ" پڑھا اور آنکھ میں سلائی پھیرلی۔ بس پھر کیا تھا بابوجی! قسم کھا کر کہتا ہوں جب سے اب تک آنکھ لگی ہو تو باپ کا نہیں۔"

حوالۂ متن:۔ یہ عبارت احمد ندیم قاسمی کے افسانے "سفارش" سے لی گئی ہے۔

سیاق وسباق:۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ وہ محلے کی بڑی گلی کے موڑ پر تانگے کے انتظار میں کھڑا تھا کوئی تانگہ نہ ملا اتنے میں فیکا کوچوان وہاں آگیا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس نے آج تانگہ نہیں جوڑا اس کا باپ بیمار ہے اس کی ایک آنکھ چلی گئی ہے۔" مصنف نے سبب پوچھا تو فیکے نے بتایا کہ ایک غلط قسم کے حکیم کا سُرمہ لگانے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

تشریح:۔ فیکے کوچوان نے مصنف کو بتایا کہ اس کا باپ مصری شاہ میں سے گذر رہا تھا تو وہاں ایک اناڑی حکیم سُرمہ فروخت کر رہا تھا۔ بابا سُرمہ لے آیا اور ہمیں بتایا کہ اس سُرمے کے استعمال سے اس کی آنکھ کی سرخی جاتی رہے گی اور وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ حکیم نے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے خدا اور رسول کی قسمیں کھا کر کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر لالی نہ جائے اور وہ ٹھیک نہ ہو تو قیامت کے روز مجھے بے شک گردن سے پکڑ لینا۔ میں نے بھی کہہ دیا کہ حکیم خدا اور رسول کی قسمیں کھا رہا ہے تو ذرا سا لگا لے۔ اس طرح سادہ لوگ بالعموم چالاک اور اناڑی حکیموں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور اپنی بینائی اور صحت ضائع کر لیتے ہیں۔ بابا کو اماں نے بھی یہی صلاح دی اس نے "لقمان حکیم، حکمت کا بادشاہ" پڑھا اور آنکھ میں سلائی پھیرلی۔ لقمان حکیم بہت دانا بینا شخص تھا۔ وہ جسمانی بیماریوں کی بجائے روحانی بیماریوں کا علاج کرتا تھا۔ میرے بابا نے جب آنکھ میں سلائی پھیری تو بابوجی! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس وقت سے لیکر اب تک ذرا نیند لی ہو تو میں اپنے باپ کا نہیں برا حال ہے۔

پیراگرافنمبر۲:۔ پھر میں وہاں سے چلا آیا۔ میرے قدم آہستہ آہستہ اُٹھ رہے تھے۔ مگر ذہن جیسے شکست کھا کر بھاگا جا رہا تھا۔ رات کو نیند نے ندامت دور کر دی۔ مگر صبح ہی فیکا دروازے پر موجود تھا۔ بولا "آپکی مہربانی سے داخلہ مل گیا ہے۔ پر اب انہوں نے بابا کو کوٹ مکھپت کے ہسپتال میں بھیج دیا ہے۔ یہ تو بڑا غضب ہوا بابو جی۔ آج میں اماں کو ساتھ لے کر گیا دو روپے گُل ہو گئے۔ کچھ ہو سکے تو کیجیے۔"

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس احمد ندیم قاسمی کے افسانے "سفارش" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق:۔ فیکے کو جوان کا باپ بیمار تھا۔ اس کی ایک آنکھ چلی گئی اسے ہسپتال میں داخلہ تو مل گیا لیکن جگہ برآمدہ میں ملی۔ فیکے نے مصنف سے سفارش کے لیے کہا لیکن مصنف ٹال مٹول کرتا رہا اور حقیقت میں کسی ڈاکٹر سے سفارش نہ کی۔ اتفاقاً راستے میں فیکے کی مصنف سے ملاقات ہو گئی مصنف نادم تھا اس لیے اس نے جھوٹ بولا: "کیوں فیکے! ڈاکٹر جبار نے کام کر دیا نا۔" فیکا بولا "مگر بابو جی! وہ تو مجھ سے ملے ہی نہیں۔" میں نے فوراً کہا کہ میں نے انہیں فون کر دیا تھا۔" فیکے کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ وہ بہت احسان مند تھا کہ نرس بابا کی خوب دیکھ بھال کر رہی تھی۔

تشریح:۔ مصنف کہتا ہے کہ میں فیکے سے مل کر واپس چلا آیا۔ میں بہت شرمندہ تھا میں نے کوئی سفارش نہ کی تھی فیکے کو غلط فہمی تھی کہ میں نے سفارش کی ہے۔ میں آہستہ آہستہ چلا آ رہا تھا۔ مگر دماغ جیسے ہار کر بھاگا چلا جا رہا تھا میں سخت شرمندہ تھا۔ رات کو نیند نے شرمندگی دور کر دی اور میں کچھ اطمینان محسوس کرنے لگا۔ مگر صبح ہی فیکا دروازے پر موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا: "آپکی عنایت سے داخلہ تو مل گیا تھا لیکن اب انہوں نے بابا کو کوٹ مکھپت کے ہسپتال میں بھیج دیا ہے۔ بابو جی! یہ تو بہت بُرا ہوا۔ فاصلہ بہت زیادہ ہے وہاں آنے جانے پر خرچ بہت آتا ہے۔ آج میں اماں کو اپنے ساتھ لے کر گیا۔ تو دو روپے خرچ ہو گئے ہم غریب آدمی ہیں اسطرح خرچ برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر آپ سے کچھ ہو سکے تو مہربانی کر کے میرا کام کر دیں۔ خدا آپ کا بھلا کرے گا۔ میرا دل آپ کو دعائیں دے گا۔"

پیراگرافنمبر۳:۔ آنسوؤں سے بھیگا ہوا، بچوں کی طرح گول گول سُرخ چہرہ لیے فیکا اٹھا اور بولا:۔ بابوجی! کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں شکر یہ ادا کروں تو کیسے کروں۔ میرا بابا ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کی دونوں آنکھیں ٹھیک ہو گئی ہیں اسے بینائی اللہ نے دی ہے اور آپ نے دی ہے۔ آپ نے مجھے خرید لیا ہے بابوجی۔ قسم خدا کی میں عمر بھر آپ کا نوکر رہوں گا۔" اور میں نے ایک بہت لمبی، بہت گہری سانس لیکر کہا "کوئی بات نہیں فیکے، کوئی بات نہیں"۔

حوالۂ متن:- یہ اقتباس احمد ندیم قاسمی کے افسانے "سفارش" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:- مصنف کہتا ہے کہ دو اڑھائی ہفتے بعد مجھے میرے مکان پر آیا میں اپنے دل میں سخت شرمندہ تھا کہ میں نے اس کے باپ کے لیے ہرگز سفارش نہیں کی اور سراسر جھوٹ بولے جا رہا ہوں۔ مجھے فیکے کے سامنے اعتراف کر لینا چاہیئے کہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکا۔ پھر میں نے وہ فقرے سوچے جو مجھے فیکے کے سامنے اس انداز سے پیش کرنے تھے کہ اسے سچی بات بھی معلوم ہو جائے اور اسے دُکھ بھی نہ ہو۔ میں باہر آیا تو فیکا بولتے ہی زار و زار رونے لگا "بابو جی! کچھ سمجھ نہیں آتا کہ......" اس کی آواز بھر آگئی میں نے مشکل سے کہا: "فیکے بات یہ ہے فیکے کہ...... بات یہ ہے۔" اس پر اس نے عجیب انداز میں اپنا ردِ عمل ظاہر کیا۔

تشریح:- فیکے کی آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو بہہ رہے تھے اس کا چہرہ گول گول سرخ ہو رہا تھا وہ اٹھا اور بولا "بابو جی! کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے میرا بابا صحت یاب ہو گیا ہے اس کی دونوں آنکھیں بالکل ٹھیک ہو گئی ہیں اسے دیکھنے کی صلاحیت اللہ نے دی ہے اور آپ نے دی ہے۔ آپ نے احسان اور نیکی کر کے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے آپ نے ہمیشہ کے لیے مجھے خرید لیا ہے۔ بابو جی! خدا کی قسم، میں ہمیشہ آپ کا نوکر اور غلام رہوں گا۔" وہ اتنی عاجزی اور انکساری سے احسان مندی کا اظہار کر رہا تھا لیکن میں اپنے دل میں سخت نادم اور شرمندہ تھا کہ کیا بات کروں اور فیکے کو کیا جواب دوں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کے باپ کے لیے قطعاً کوئی سفارش نہیں کی تھی۔ میں نے ایک لمبی اور گہری سانس لی اور کہا "کوئی بات نہیں فیکے کوئی بات نہیں۔" یہ الفاظ ایسے تھے جن سے فیکے کو مغالطہ ہو سکتا تھا لیکن حقیقت میرا دل ہی خوب جانتا تھا۔ میں اسے بہت بڑا فریب دے رہا تھا اور میرا ضمیر اندر ہی اندر مجھے ملامت کر رہا تھا۔

سوالات

سوال ۱:- فیکے کو چوان کے بابا کی آنکھ کس طرح چلی گئی وضاحت کیجیے؟

جواب:- فیکے کوچوان نے بتایا کہ اس کا باپ مصری شاہ میں سے گذرا تو ایک حکیم سرمہ بیچ رہا تھا، بابا یہ سرمے لے آیا اور بتایا کہ اس سے آنکھ کی لالی جاتی رہے گی حکیم نے خدا اور رسول کی قسم کھا کے کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ نہ جائے تو قیامت کے دن مجھے گردن سے پکڑ لینا۔ میں نے بھی کہا حکیم خدا اور رسول کو بیچ میں ڈال رہا ہے تو ذرا سا لگا لے۔ اماں نے بھی یہی صلاح دی۔ اس نے لقمان حکیم۔ حکمت کا بادشاہ" پڑھا اور آنکھ میں سلائی پھیر لی۔ بس پھر کیا تھا بابو جی! قسم کھا کر کہتا ہوں جب سے اب تک

آنکھ لگی ہو تو اپنے باپ کا نہیں" رات تو چیخ چاخ کے گذار دی پھر صبح کو محلے کے سارے کو جوان اکٹھے ہوئے تو ان میں سے چچا بشیر نے کہا کہ پوست کے ڈوڈے پانی میں ابالو اور اسی پانی سے آنکھ کو دھو ڈالو۔ دھویا پر بابا اسی طرح تڑپتا رہا۔ پھر کسی نے کہا کہ پالک کا ساگ ابال کر باندھو۔ باندھا اور جب کھولا تو بابا نے صاف کہہ دیا کہ اب کیا جتن کرتے ہو آنکھ کا دیا تو بجھ گیا۔ ہمارے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔

سوال:۔ مصنف اپنے دل میں کیوں شرمندہ تھا؟ کیا اس نے فیکے پر کچھ احسان کیا؟

جواب:۔ مصنف اپنے دل میں اس لیے شرمندہ تھا کہ اگرچہ اس نے فیکے سے وعدہ کیا کہ وہ اس کے بیمار باپ کے لیے ضرور سفارش کرے گا لیکن وہ عملاً ایسا نہ کر سکا لیکن وہ عجیب کش مکش میں تھا فیکے سے یہ بھی نہیں کہتا تھا کہ وہ سفارش نہیں کر سکا اور نہ ہی انکار کرتا تھا۔ غرض اسطرح ٹال مٹول ہوتی رہی حقیقت یہ ہے کہ اس نے فیکے پر کوئی احسان نہ کیا تھا ادھر فیکا یہ سمجھ رہا تھا کہ بابو اس کے لیے بہت کچھ کر رہا ہے۔ وہ شروع سے آخر تک مغالطے اور غلط فہمی ہی میں رہا فیکا بیچارہ سیدھا سادھا مخلص الشان تھا اس کا دل صاف تھا لیکن مصنف کی کچھ عجیب کیفیت تھی۔ وہ سخت ذہنی کش مکش میں مبتلا تھا۔ وہ حیران تھا کہ فیکے کے سامنے کس طرح حقیقتِ حال کا اعتراف کرے ہاں یہ بات ظاہر ہے کہ وہ فیکے کی غلط فہمی سے غلط قسم کا فائدہ اٹھا رہا تھا یہ اس کی ظاہری کیفیت تھی لیکن دراصل اس کا ضمیر اسے کوس رہا تھا اس لیے وہ شرمندہ و شرمسار بھی تھا۔

انتظار حسین
ولادت ۱۹۲۲

انتظار حسین زبان و بیان کی شیرینی اور ندرت خیال کے لحاظ سے بہت مقبول و معروف ہیں۔ وہ مستند اہل زبان ہیں۔ انہوں نے موجودہ دور کی الجھنوں اور مسائل کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ان کی تحریریں لطفِ بیان اور طنز و مزاح کی آمیزش ہے انہیں علامتی افسانہ نگاری کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

فراموش

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
دودھیا	دودھ کے رنگ کا	اُجلا	صاف ستھرا	چبوترہ	اونچی بنی ہوئی جگہ
"	سفید	سفاف	نہایت صاف اور	متوازن	ایک جیسی برابر
مقفل	تالا لگی ہوئی	"	اجلا	سبک	ہلکی، نازک
چُنگی	محصول، ٹیکس	ککڑی	ایک قسم کی ترکاری	بے کیف	جذبہ و کیفیت کے
چمنی	لوہے یا شیشے کی بنی	ایکا ایکی	یکلخت، فوراً	"	بغیر
"	ہوئی جس سے دھواں نکلتا ہے	معین	مقرر	فرحت	خوشی
"					

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
کٹہرا	لکڑی یا لوہے کی	آسودگی	آرام، چین	عالم	حالت
"	سلاخوں کا احاطہ،	مخصوص	خاص	حبس	ہوا بند ہونا
"	جنگلا	کلکاری	چیخ، زور کی آواز	ٹھٹکنا	چلتے چلتے حیرت یا
یکسوئی	اطمینان	آویزاں	لٹکی ہوئی۔	"	خوف سے رک جانا
خم	ٹیڑھ : کجی	عین سامنے	بالکل سامنے	وسوسہ	وہم، شبہ
سرپوش	ڈھکنا	تقریب	خوشی کا موقع یا	موقوف	بند ٹھہرایا گیا،
ورد	ہر روز کا کام، معمول	"	اجتماع	"	منحصر
کرید	تلاش، جستجو	نٹ کھٹ	شریر، شوخ	شب خوابی کا لباس	رات کو سونے کا
باوصف	باوجود	تیور	نظر	"	لباس
چتون	صورت اور نگاہ	سر نیہوڑائے	سر جھکائے ہوئے	خطا	غلطی
"	کا انداز	ہوئے		اہل کار	کارندہ، کچہری
ہفتہ عشرہ	سات دس دن	تکرار	باربار کہنا یا ہونا	"	کا منشی
نگاہ چوک گئی	نگاہ بھٹک گئی	ماجرا	قصہ	گمان	خیال
"	نگاہ غلطی کھا گئی	گتھی	گرہ، الجھن	مٹیالا	مٹی رنگ کا
خستہ	مرمری، بھربھری	پھپھوندی	نمی کی وجہ سے کسی	بوسیدگی	پرانا ہونا
نمایاں	ظاہر، واضح۔	"	چیز پر کائی کی طرح	آثار	اثر کی جمع
مدغم ہونا	باہم مل جانا	"	جمی ہوئی سفید تہہ	"	نشانیاں
رابطہ	تعلق	سنگِ میل	منزل کا نشان	نجی	ذاتی
محض	صرف	وضعداری	ایک روش پر رہنا	مطلع صاف ہونا	آسمان کا کھلنا یا
سلونی	مزے دار، نمکین	"	خوش اسلوبی	"	بادل سے صاف
"	کھِلکھِل	کھُکل	خالی تنت		ہونا
احاطہ	حد بندی، گھیری	معدوم ہونا	مٹ جانا	دنگ رہنا	حیران رہنا
"	ہوئی جگہ	دھاچوکڑی مچانا	اچھل کود کرنا،	نسوانی	عورت سے متعلق
کایا پلٹنا	بڑا انقلاب آنا	"	شور کرنا	احتجاج	کسی چیز کے خلاف
چولا بدلنا	حلیہ یا حالت	نادانستہ	ناجانتے ہوئے،	"	حجت کرنا، اعتراض
	بدلنا	"	بلا ارادہ	"	کی آواز بلند کرنا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اچنبھا ہونا	تعجب ہونا	مہین	باریک	رسیلی	رس بھری
درشت	کرخت	گنگ	گونگے، خاموش	پھننگ	درخت یا پودے
پراسرار	عجیب وغریب	جھجک ہونا	ہچکچاہٹ ہونا	″	کی چوٹی ر
لے پالک	غیر کا بچہ اپنے بیٹے	″	شرم وحیا ہونا ر	لگن	محو، مست
″	کے طور پر پالا ہوا	بکھیڑا	جھگڑا	جی اچٹ جانا	دل بھر جانا، دل اکتا
بے ثمر	بغیر پھل کے	-	-	″	جانا ر

خلاصہ

معمول کی فضا اور ماحول:- سڑک سے ذرا ہٹ کر بلند سفید کھمبے، سیمنٹ کا اجلا چبوترہ اور وہ شفاف پانی والا حوض جو متوازن رفتار سے بہتا تھا وہ تالا لگی ہوئی کوٹھری جس پر سرخ لفظوں میں لکھا ہوا تھا "خطرہ" اور ان سب سے ہٹ کر چند قدم پر ایک خوبصورت عمدہ مختصر سی کوٹھی ان سب سے مل کر کچھ ایک ہی قسم کی فضا پیدا ہوتی تھی۔ نرم نرم اجلی اجلی فضا۔ سڑک نہ تو یہاں سے شروع ہوتی تھی اور نہ یہاں ختم ہوتی تھی۔ اپنے محلے کی گلیاں طے ہو چکیں تو آبادی ختم ہوتی نظر آتی اور وہ سڑک شروع ہو جاتی جو آبادی سے باہر تھی۔ کچے میں اتر کر کسی نیم سے ایک ٹہنی توڑ کر مسواک بنانا، چونگی کی چوکی جہاں کبھی خربوزے کبھی ککڑیوں کی چھابڑی اور کبھی گہرے ہرے کریلوں سے لدے گدھے نظر آتے۔ پھر وہ رواں رواں کرتا ہوا رہٹ، ٹیوب ویل کا حوض اور وہ کھمبے اور وہ کوٹھی اور کوٹھی سے آگے دور دور تک دونوں طرف کھلا میدان اور اس کے بعد اچانک سڑک کا موڑ کھانا اور مشن سکول کی سرخ عمارت نظر آنا۔

فرحت اور آسودگی کی فضا:- اس سے خاصی دور بھٹے کی خاموش کالی چمنیاں دکھائی دیتیں اس کے بعد اچانک ریل کی پٹڑی سڑک کو کاٹ کر جاتی۔ یہ اپنی آخری حد تھی۔ لوہے کا سفید کٹہرا کھلا ہوا ہوتا یا بند۔ بھٹے کی چپ چاپ چمنیاں اور مشن اسکول کی عمارت خواب میں جا آئیں)۔ سیمنٹ والے حوض پر پہنچ کر دم لینا۔ دانت صاف کرنا اور منہ ہاتھ دھونا اور منہ ٹھنڈے پانی میں ڈال دیتا تو عجیب فرحت ہوتی۔ فرحت اور آسودگی تو اس (سے) دن بھر یہی کیفیت رہتی رات کو جب ہوا تو ننگ دھڑنگ لڑکے حوض میں غوطے لگاتے پانی اڑاتے نظر آتے۔ کبھی کوٹھی کے سامنے سے گذرتے تو ربڑ کی ایک سفید گیند گڈے کھانے

لگتی، میں ٹھٹک جاتا

انجنیئر کی عجیب کوٹھی:۔ گیند کے پیچھے ایک جوان سالڑکا جو کہ حلیے سے نوکر لگتا تھا دوڑتا آتا اور چیکے سے گیند اٹھا کر یکسوئی سے واپس دوڑتا اور کوٹھی میں غائب ہو جاتا۔ مجھے اس واقعہ سے اندازہ ہوتا کہ کوٹھی غیر آباد نہیں ہے، دروازے پر انجنیئر صاحب کے نام کی تختی لگی تھی دور سے یہ عمارت یوں معلوم ہوتی کہ ربڑ کی بہت سی گیندوں کو اوپر تلے رکھ کر کوٹھی بنائی گئی ہے۔

لفظ "فراموش" کا معمہ:۔ پھر ایک عجیب واقعہ ہوا کوٹھی کے عین سامنے سڑک پہ چلتے ہوئے میرے قدم رک گئے کھرے والی سڑک پہ سفید چاک سے بڑے بڑے حرفوں میں لکھا ہوا تھا، ہوا تھا "فراموش"۔ ایک مرتبہ تو ٹھٹک ہی گیا اور وسوسے میں پڑ گیا۔ میں نے سوچا فراموش کے لفظ سے بہت سی یادیں وابستہ ہیں، شاید یہ ان کا کرشمہ ہو۔ دوسرے دن جب میں وہاں سے گذرا تو وہ لکیر باقی تھی، اگرچہ کچھ مٹ گئی تھی۔ گویا سارے ہی دن اس سڑک پر آمد و رفت کا سلسلہ برائے نام ہی رہتا ہے۔ لکیر مٹتے مٹتے بالکل ہی مٹ گئی بات آئی گئی ہو گئی میرا وہی معمول رہا "فراموش" میرے لیے ایک معمہ تھا۔ مجھے بڑی جستجو تھی کہ اس راز سے پردہ اٹھے۔ میں سوچتا اس انڈہ سی دیوار کو کس نے کوئلے سے کالا کیا ہے خط کچا اور ٹیڑھا میڑھا تھا۔ مجھے اطمینان ہو گیا کہ یہ کسی راہ چلتے شریر لڑکے کی شرارت نہیں تھی۔

لفظ کا مٹایا جانا:۔ واپسی پر میں نے دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر شخص جو تیور سے افسر معلوم ہوتا ہے شبِ خوابی کے لباس میں ہاتھ میں چھڑی لیے دیوار کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور مالی سر جھکائے ہوئے دیوار کو صاف کر رہا ہے اس کے بعد کئی مرتبہ میں نے جاتے ہوئے وہ لفظ لکھا ہوا دیکھا اور واپسی پر وہ مٹایا جا چکا ہوتا یا مٹایا جا رہا ہوتا۔

عجیب ماجرا:۔ دوسرے دن جب میں نے اپنا ورد شروع کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ لفظ اسی مقام پر اسی خط میں پھر لکھا ہوا تھا مگر حیرانی کی اب کونسی بات رہ گئی تھی اب تو اس لفظ کے مٹنے اور منقش ہونے کی تکرار ایک معمول بن گئی تھی، ہاں حیرانی اس بات پر ہوئی کہ آج انجنیئر صاحب اور ان کے ملازم دونوں کی نگاہ چوک گئی مگر حد ہو گئی کہ دوسرے دن بھی یہ لفظ اسی خط میں اسی طرح لکھا ہوا تھا۔ اب ماتھا ٹھنکا کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟ سو سو طرح کا شک پڑا کہ انجنیئر صاحب کیا لمبے دورے پہ نکل گئے ہیں کہیں تبادلہ تو نہیں ہو گیا کیا خبر کہ بیمار پڑے ہوں۔ گمانوں کی ڈوری لمبی ہوتی گئی مگر معمہ حل نہ ہوا۔

حروف کا دھل کر روشن ہونا:۔ برسات اب کی بار دیر سے لگی۔ تپتی دوپہروں کا سلسلہ ٹوٹنے میں ہی نہ آتا تھا۔ دن اور رات کو حبس اور آندھی

کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ ایک روز صبح ہی صبح آنکھ کھلی تو ہر چیز دُھلی دُھلی اور ٹھنڈی نظر آئی، معلوم ہوا ہلکی بارش ہوئی تھی۔ نیم کا درخت ہرا بھرا ہو گیا تھا۔ درخت کھمبے اور دیواریں۔ ان سب میں ایک شادابی دوڑ رہی تھی۔ کہیں بارش کا مٹیالا پانی رُکا کھڑا تھا۔ انجنیئر صاحب کی کوٹھی پھر سفید انڈہ سی نظر آنے لگی اور اس لفظ کے کالے کوئلے سے لکھے ہوئے حرف دھل کر روشن ہو گئے تھے۔

لفظ کا دھندلانا:۔ برسات کیا لگی کہ جل تھل ہو گیا خستہ چھجوں کی لکڑی بھیگ کر کالی پڑ گئی۔ پتھریلی منڈیروں پر سبز و سیاہ کاہی اور لکڑی کے گیلے کواڑوں پہ پھپھوندی جمنے لگی۔ انجنیئر صاحب کی کوٹھی پر بوسیدگی کے ایسے آثار نمایاں نہیں تھے ہاں وہ لفظ دھندلاتا جا رہا تھا۔ حرفوں کی پھیلی ہوئی سیاہی کو دیکھ کر لگتا تھا کہ رسّی کے بل کھل رہے ہیں۔ ف کا نقطہ تو بالکل ہی مٹ گیا۔ ش کے تین نقطے ہلکے پڑتے گئے مجھے فکر ہوئی، کہیں یہ لفظ بالکل ہی نہ مٹ جائے۔

لفظ سنگ میل:۔ دراصل اپنا اس لفظ کے ساتھ رابطہ سا ہو گیا تھا۔ ماحول کی مختلف اشیا میرے لیے سنگِ میل تھیں۔ اب تو یہ لفظ بھی سنگ میل بن گیا۔ کبھی کبھی یہ سنگِ میل منزل بن جاتا ہے میں اس وضعداری کو نباہ رہا تھا برسات ڈھلنے لگی۔ دم بھر پانی پڑتا اور آن کی آن میں مطلع صاف! انجنیئر صاحب کے احاطے میں چونے کی بوری رکھی نظر آئی تو کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ اب اس لفظ کے ف کا نقطہ پہلے ہی مٹ چکا تھا۔ اب میم کی گھنڈی بھی گھل چکی تھی ش کی تیلی بھی کچھ پھیل گئی تھی۔ رسی کے بل کھل رہے تھے لکھ رہے تھے، سوچا کہ یہ پورے کا پورا اچھا حرفی افسانہ حرفِ غلط بن جائے گا۔ اس خیال سے جی ذرا اداس ہو گیا۔ پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ یہ لفظ سنگ میل نہیں رستے کا ساتھی تھا جو اپنی جگہ کھڑا دُور سے اشارے کرتا رہتا تھا۔

کوٹھی پر سفیدی لیکن لفظ محفوظ:۔ چونے کی بوری احاطے میں ڈیڑھ دو دِن جوں کی توں رکھی رہی۔ پھر بڑے بڑے دو ڈھول نظر آئے دوسرے دن دیکھا کہ ساری کوٹھی پر سفیدی ہو گئی ہے مگر میں دنگ رہ گیا۔ باہر کی دیوار پر اس اہتمام سے سفیدی کی گئی تھی کہ "فراموش" اپنی جگہ پہ قائم تھا اور اس سلیقے سے کہ چونے کی ایک بوند کسی حرف پر نہیں پڑی تھی۔

کوٹھی کی چہل پہل:۔ اس کے بعد ہی میں پہلے دورے پہ نکل گیا۔ اب کے دورہ لمبا تھا واپس آیا تو دیکھا کہ کوٹھی کے برآمدے میں تین چار بچے اچھل کود رہے ہیں اندر کے کمرے میں کسی عورت کے احتجاج کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں پھر ایک مردانہ ڈانٹ۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ آخر یہ نئی زندگی اچانک کہاں سے اور کیسے پھوٹ پڑی۔ اور اس خاموش عمارت کے

کایا یک لخت کیسے پلٹ گئی ۔ سوچا کہ کہیں سے مہمان آئے ہوں گے ۔

حقیقتِ حال :۔ دوسرے دن کوٹھی کا حلیہ بدلا نظر آیا ۔ دور سے پتہ چل رہا تھا کہ سفیدی ہوئی ہے وہ لفظ مکمل طور پر مٹ چکا تھا گویا اچانک پھر کسی نے میرا راستہ کاٹ دیا اور ایک دن ان دیکھی رسی مجھے جکڑ رہی تھی ۔ مالی پودوں کی چوٹیوں کو کاٹ رہا تھا ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے ؟ اس نے بتایا کہ نئے انجنیئر صاحب آگئے ہیں اور پہلے انجنیئر صاحب نے ریٹائر ہو کر پنشن لے لی ہے پھر مالی نے بتایا کہ اچھا ہوا ان کی پنشن ہو گئی جب سے ان کا بیٹا مرا تھا ۔ ان کا دماغ چل گیا ہے ۔

لے پالک کی یاد :۔ مالی نے بتایا کہ وہ ان کا حقیقی بیٹا نہیں تھا بلکہ انجنیئر صاحب بیچارے اکیلے تھے اور وہ ان کا لے پالک تھا ۔ بہت لاڈ کرتے تھے اس کا ۔ بس گویا یک جان دو قالب تھے ۔ اسی کو دیکھ کر جیتے تھے ۔ دفتر یا دورہ اور وہاں سے سیدھے گھر ۔ کوئی قصہ یا جھگڑا نہ تھا ۔ اسی کے ساتھ مگن رہتے تھے ۔ پھر اکیلے رہ گئے ۔ بہت دکھی رہتے تھے نوکری سے بھی جی اچاٹ ہو گیا تھا اور اب دورے پر بھی کم ہی جاتے تھے ۔ بس اسی کا خیال رہتا تھا ۔ اس کی ایک ایک چیز کو گیند اور بلے کو سنبھال کے رکھ چھوڑا تھا ۔ اچھا ہی ہوا پنشن لے لی ۔ بالکل چل بے چل ہو گئے تھے

افشائے راز :۔ پھر مالی نے آہستہ سے جھک کر قینچی اٹھائی اور دوسری روش کی طرف ہو لیا ۔ مجھ پر اب یہ راز کھل چکا تھا ۔ میں پھر اسی معمول کے ساتھ ماحول اور فضا میں کھو کے رہ گیا مشن اسکول کی سرخ عمارت ، بھٹے کی کالی کالی چپ چاپ چمنیاں ، گرد آلود سڑک ، کبھی سیدھی چلتی اور کبھی ٹیڑھی دکھائی دیتی ، اتنی لمبی لگی کہ میں بیزار ہو کر ریل کی پٹڑی کو چھوئے بغیر واپس آگیا ۔

مرکزی خیال

اس افسانے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ دکھی انسان کی زندگی از حد بے کیف ، بے مزہ اور اجیرن ہوتی ہے اس کا دل کسی کام میں نہیں لگتا بلکہ وہ ہمیشہ اچاٹ رہتا ہے ۔ اصل میں جب انسان کے دل کے اندر مسرت اور شادمانی نہ ہو تو پھر پورا ماحول اسے اداس اداس اور ویران نظر آتا ہے ۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

؎ یاداں کی اتنی خوب نہیں میر باز آ ؛ نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

انجنیئر صاحب کا کوئی بیٹا نہ تھا وہ زندگی کے اس ثمر سے محروم تھے انہوں نے کسی کے بچے کو لے پالک کے طور پر پالا تھا ۔ جس سے انہیں از حد پیار تھا لیکن وہ بچہ مر گیا اور انہیں داغِ مفارقت دے گیا جس پر وہ ہمیشہ غمگین اور کھوئے کھوئے رہتے کوئی شخص دیوار پر "فراموش" کا لفظ لکھ دیتا اور انجنیئر صاحب اسے مٹا دیتے ۔ وہ اس تصور کو بھلا دینا چاہتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے پنشن لے لی ۔

پیروں کی تشریح

پیرا نمبر ۱:۔ فرحت اور آسودگی تو اس فضا میں رچی ہوئی تھی۔ جانے دن بھر یہی عالم رہتا تھا، یا یہ فضا اس وقت سے مخصوص تھی۔ کبھی رات کو بہت حبس ہوا تو بے شک اسوقت کالے کلوٹے ننگ دھڑنگ لڑکے حوض میں چھلانگیں لگاتے پانی اڑاتے دکھائی دیتے تھے۔ ویسے تو خاموشی ہی رہتی تھی۔ بس سیمنٹ کی نالیوں میں رکتا بہتا اجلا پانی بچوں کی مدہم کلکاریوں جیسا مدہم شور پیدا کرتا رہتا یا کبھی کبھی کوٹھی کے سامنے سے گذرتے ربڑ کی ایک سفید گیند گدے کھانے لگتی۔ میں ٹھٹک جاتا۔ اس خاموش فضا میں ایک ننھی سی بات بھی ایک شور، ایک واقعہ بن جاتی۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس انتظار حسین کے افسانے "فراموشی" سے لیا ہے۔

سیاق وسباق:۔ مصنف انجینیر کی کوٹھی کی پر اسرار فضا، اور ماحول کا نقشہ کھینچتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ ٹیوب ویل والا کا سیمنٹ والا حوض اور وہ کھمبے اور وہ کوٹھی، اور اس سے آگے بہت دور تک دونوں طرف کھلا میدان، اور اس کے بعد اچانک سڑک موڑ کھاتی اور مشن اسکول کی سرخ عمارت سامنے آجاتی اور اس سے خاصی دور بھٹے کی خاموش کالی چمنیاں دکھائی دیتیں جو قریب آتی جاتیں اور پھر سامنے سے پیچھے کی طرف ہو جاتیں اور اس کے بعد ایکا ایکی ریل کی پٹڑی سڑک کو کاٹ جاتی۔ ان معین نشانیوں سے گذرتا ہوا سیمنٹ والے حوض پر پہنچ کر دم لینا، دانت صاف کر کے کلی کرنا، منہ ہاتھ دھونا اور چپل اتار کر مٹی میں اٹے ہوئے پیر ٹھنڈے ٹھنڈے پانی میں ڈال دیتا تو عجیب فرحت ہوتی۔

تشریح:۔ مصنف اس فضا اور ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خوشی اور چین وسکون تو گویا اس پراسرار اور عجیب وغریب فضا اور ماحول میں رچے بسے تھے دل کو انتہائی خوشی اور سکون میسر آتا۔ معلوم نہیں دن بھر یہی حالت وکیفیت رہتی تھی۔ یا یہ فضا اور ماحول اس وقت سے خاص تھا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ رات کو بہت گرمی اور گھٹن ہوتی تو بے شک اس وقت کالے سیاہ اور بالکل ننگے لڑکے حوض میں چھلانگیں لگاتے پانی کے چھینٹے اڑاتے نظر آتے تھے۔ ویسے تو ماحول پر خاموشی ہی چھائی رہتی تھی بس سیمنٹ کی نالیوں میں رکتا بہتا صاف ستھرا پانی بچوں کی چیخ وپکار کی مانند شور پیدا کرتا رہتا یا کبھی ایسا ہوتا کہ کوٹھی کے سامنے سے ربڑ کی ایک سفید گیند اچھلتی ہوئی نظر آتی اور میں چلتے چلتے حیرت اور خوف سے رک جاتا اور جھجک محسوس کرتا۔ اس خاموش فضا میں یہ ننھی سی بات بھی ایک ایسا واقعہ بن جاتی جو بہت شور اور ہنگامے کا باعث ہو اور میں یوں اس پراسرار فضا اور ماحول میں کھو کر رہ جاتا۔

پیرا نمبر ۲:۔ دراصل اپنا اس لفظ سے ایک رابطہ سا قائم ہو گیا تھا۔ اس سڑک کی یوں تو کسی

چیز سے اپنا رابطہ نہیں تھا۔ لیکن بعض خاص چیزیں اپنے لیے نشانیوں کا بلکہ سنگِ میل کا مرتبہ رکھتی ہیں اپنے اس روزانہ کے چھوٹے سے سفر کی نوعیت خالصتاً نجی ہے منزل ہی نہیں منزل اور سنگِ میل اپنے مقرر کیے ہوتے ہیں۔ چنگی کی چوکی، رہٹ، مشن اسکول کی سرخ عمارت، بھٹے کی خاموش چمنیاں یہ سنگِ میل ہی تو تھے۔ اب یہ لفظ ایک سنگِ میل بن گیا تھا۔ اس سنگِ میل کو چھوتے ہی لگتا تھا کہ باقی میل یوں طے ہوئے اور ریل کی پٹڑی اب آئی۔ کبھی کبھی یہ سنگِ میل منزل بن جاتا۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس انتظار حسین کے افسانے "فراموش" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق:۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ انجنیئر صاحب کی کوٹھی جو لوؤں اور آندھیوں کی گرد سے زرد پڑ چکی تھی پھر سفید انڈہ سی نظر آنے لگی۔ اور لفظ "فراموش" کے کالے کولتار سے لکھے ہوئے حرف دھل کر روشن روشن ہو گئے۔ انجنیئر صاحب کی کوٹھی پر بوسیدگی کے ایسے آثار نمایاں نہیں تھے۔ ہاں وہ لفظ دھندلاتا جا رہا تھا۔ حرفوں کی پھیلی ہوئی سیاہی کو دیکھ کر لگتا تھا کہ رسّی کے بل کھل رہے ہیں۔ ف کا نقشہ تو بالکل ہی مٹ گیا۔ ش کے تین نقطے ہلکے پڑتے گئے، پھیلتے گئے اور گھل مل کر ایسے بن گئے جیسے تیلی پتھرا رہی ہو۔ مجھے فکر ہوئی ہو، کہیں یہ لفظ بالکل ہی نہ مٹ جائے۔

تشریح:۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ میرا اس لفظ "فراموش" سے ایک تعلق قائم ہو گیا تھا۔ میں اسے بھلا نہیں سکتا۔ یہ ہمیشہ میرے ذہن میں موجود رہتا۔ یوں تو ہر چیز سے میرا ایک تعلق پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن کچھ خاص خاص چیزیں میرے لیے نشانیوں کی بلکہ منزل کے پتھر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میرا یہ روزانہ چھوٹا سا سفر ایک ذاتی قسم کا ہے۔ اس راستے کی منزل ہی نہیں میل اور منزل کے پتھر بھی میرے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ یہ تھا میرا معمول کا ماحول! میرے گرد و پیش کی چیزیں تھیں، چنگی کی چوکی، کنواں، مشن اسکول کی سرخ عمارت، بھٹے کی چپ چاپ چمنیاں، یہ میری منزل کے پتھر اور نشانیاں تھیں۔ اب یہ لفظ بھی منزل کا ایک پتھر بن گیا تھا۔ منزل کے اس پتھر کے قریب آتے ہی یہ محسوس ہوتا تھا کہ باقی نشانِ منزل یوں طے ہوئے اور اب ریل پٹڑی سامنے آگئی ہے۔ کبھی کبھی منزل کا یہ پتھر منزل بن جاتا۔ یعنی میں وہاں یوں رک جاتا جس طرح ایک چلتا ہوا مسافر منزل پر آ کر رک جاتا ہے

پیرا نمبر ۳:۔ انجنیئر صاحب، بیچارے اکیلے تھے وہ ان کالے پاٹک تھا، بہت لاڈ کرتے تھے۔ اس کا، بس دو دم تھے، انجنیئر اور پاٹک، اور کیا دیکھتا رہ گیا تھا انہیں، بس اسی کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے نہ کسی سے ملنا، نہ کسی کے پاس جانا، نہ کوئی میل ملاقاتی، دفتر یا دورہ وہاں سے سیدھے گھر، نہ کوئی قصہ، نہ بکھیڑا۔ اسی کے ساتھ مگن رہتے تھے۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس انتظار حسین کے افسانے "فراموش" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق:۔ مصنف نے دیکھا کہ انجنیئر کی کوٹھی میں اب کافی رونق اور گہما گہمی ہے اس

نے مالی سے سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ پہلے انجنیئر صاحب یہاں سے ریٹائر ہو کر پنشن پر چلے گئے ہیں اور یہاں نئے انجنیئر صاحب آئے ہیں۔ یہ ان کے بال بچے ہیں۔ مالی نے بتایا کہ پہلے انجنیئر صاحب کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ وہ اکیلے تھے۔ انہوں نے اپنی تنہائی کا مداوا کرنے کے لیے کسی کا بچہ لے پالک کے طور پر پالا ہوا تھا اور وہ اسے دِل وجان سے چاہتے تھے۔

تشریح:- مصنف کہتا ہے کہ مالی نے بتایا کہ انجنیئر صاحب بیچارے بالکل اکیلے اور تنہا تھے وہ بہت غمگین اور رنجیدہ رہتے تھے۔ ہر وقت اداس رہتے اور ان کا دل کسی چیز میں نہ لگتا۔ انہوں نے اپنی تنہائی کا مداوا یا علاج کرنے کے لیے کسی کا بچہ اپنے بیٹے کے طور پر پالا تھا گو یا وہ ان کا منہ بولا بیٹا تھا اسے وہ بے حد چاہتے تھے بس یوں سمجھ لیں کہ جسم دو تھے لیکن روح ایک تھی۔ اس کوٹھی میں ان دونوں کے سوا اور کوئی متنفس نہ تھا۔ انجنیئر صاحب اسی کو دیکھ کر زندہ تھے، یہی ان کی زندگی تھی اور کوئی چیز نہ تھی جس میں وہ دھیان لگا سکتے وہ کسی کے پاس نہ جاتے تھے اور نہ کوئی ان کے پاس آتا تھا۔ ان کی کوئی میل ملاقات نہ تھی۔ دفتر تھا یا دورہ، وہاں سے سیدھے گھر چلے آتے، کوئی اور شغل یا مصروفیت نہ تھی۔ نہ کوئی جھگڑا یا قصہ کہانی، ایسی کوئی بات نہ تھی۔ بس وہ اسی لے پالک کے ساتھ محو رہتے تھے گویا وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اور بے نیاز تھے۔

سوالات

سوال ا:- اس افسانے میں "فراموش" لکھے جانے اور مٹائے جانے میں کیا بھید تھا؟ وضاحت کریں۔

جواب:- مصنف ایک انجنیئر صاحب کی پر اسرار خوبصورت کوٹھی کو دیکھتا۔ وہ اس ماحول سے مانوس ہو چکا تھا اور وہاں سے گذرنا اس کا معمول تھا۔ وہ دیکھتا کہ کوئی شخص دیوار پر ٹیڑھے میڑھے حروف میں "فراموش" لکھ دیتا۔ جس کے معنی ہیں "بھول جاؤ" اور پھر انجنیئر صاحب اس لفظ کو مالی کے ذریعے وہاں سے مٹا دیتے۔ معلوم ہوتا کہ وہ کسی چیز کو بھول جانا چاہتے تھے۔ اور اس ضمن میں ناکام کوشش کر رہے تھے۔ پھر وہاں ایک نئے انجنیئر صاحب آ گئے۔ اور جہاں وہ کوٹھی ویران و غیر آباد تھی۔ اب وہاں خوب گہما گہمی ہو گئی۔ مالی کے ذریعے مصنف کو معلوم ہوا کہ پہلے انجنیئر صاحب پنشن پر چلے گئے ہیں۔ ان کا کوئی بیٹا نہ تھا وہ زندگی کی اس نعمت سے محروم تھے۔ انہوں نے یہ کمی پوری کرنے کے لیے غیر کا بچہ لے پالک کے طور پر پال رکھا تھا۔ وہ اسے دل وجان سے چاہتے تھے اور اس میں مگن رہتے تھے۔ آخر وہ بچہ فوت ہو گیا اور انہیں داغ مفارقت دے گیا۔ اب انجنیئر صاحب بہت مغموم اور کھوئے کھوئے رہنے لگے۔ وہ مرحوم کے گیند بلّے سے دِل بہلاتے رہتے اور ان کا دماغ چل بے چل ہو گیا تھا۔ آخر انہوں نے پنشن لے لی۔ اور اس کوٹھی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ یوں لفظ "فراموش" کے معنی مصنف پر واضح ہوئے اور انجنیئر صاحب کے حقیقی دکھ کا اندازہ ہوا۔

سوال ۲:۔ مصنف نے انجنیئر کی کوٹھی کی پُراسرار فضاء اور ماحول کی کس طرح عکاسی کی ہے۔

جواب:۔ مصنف نے انجنیئر کی کوٹھی کی پراسرار فضاء اور ماحول کی نہایت عمدہ عکاسی کی ہے جسے پڑھ کر قاری کے دل میں ایک تجسس سا پیدا ہوتا ہے اور وہ اس عجیب وغریب اور پراسرار فضاء اور ماحول میں کھو کے رہ جاتا ہے۔ یہی افسانوی ادب کا فنی کمال ہے جسے مصنف نے نہایت خوبصورتی سے نبھایا ہے۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ سڑک سے ذرا ہٹ کر اونچے اونچے دودھیا کھمبے، سیمنٹ کا اجلا چبوترہ اور وہ حوض جس میں شفاف چمکیلا پانی ایک جیسی رفتار اور آواز کے ساتھ نالیوں کے ذریعے بہتا اور نکلتا رہتا۔ وہ مقفل کوٹھڑی جس پر سرخ لفظوں میں لکھا ہوا تھا "خطرہ"

اور ان سب سے ہٹ کر بیس تیس قدم پر ایک خوبصورت، سفید مختصر سی کوٹھی جیسے کبوتری نے ابھی ابھی انڈہ دیا ہو۔ اِن سب سے مل جل کر کچھ ایک ہی قسم کی فضا پیدا ہوتی تھی، نرم نرم اجلی فضا، لیکن سڑک نہ تو یہاں سے شروع ہوتی تھی اور نہ یہاں ختم ہوتی تھی اپنے محلے کی گلیاں یہاں طے ہو چکتیں تو آبادی ختم ہوتی نظر آتی اور وہ سڑک شروع ہو جاتی جو آبادی سے باہر بھی تھی اور آبادی کی نشانیاں بھی رکھتی تھی، کچے میں اُتر کر نیچے نیم سے ایک ٹہنی توڑ کر مسواک بنانا اور اس لمبی سڑک پر چل دینا، جنگی کی چوکی جہاں کبھی میلے اجلے زرد خربوزے کبھی ہری ہری ککڑیوں کی جھابڑی اور کبھی گھیرے ہوئے کریلوں سے لدے گدھے کھڑے نظر آتے،

پھر وہ رول رول کرتا ہوا رہٹ جس کا اونٹ اردگرد سے بے خبر بے کیف انداز میں چکر کاٹتا رہتا پھر ٹیوب ویل کا سیمنٹ والا حوض اور وہ کھمبے اور وہ کوٹھی، کوٹھی سے آگے بہت دور تک دونوں طرف کھلا میدان اور اس کے بعد اچانک سڑک موڑ کھاتی ہوئی اور مشن اسکول کی سرخ عمارت سامنے آجاتی، اور اس سے خاصی دور بھٹے کی خاموش کالی چمنیاں دکھائی دیتیں جو قریب آجاتیں اور پھر سامنے سے پیچھے کی طرف ہو جاتیں اور اس کے بعد ایکا ایکی ریل کی پٹڑی سڑک کو کاٹ جاتی، یہ اپنی آخری حد تھی لوہے کا وہ سفید کٹہرا کھلا ہو یا بند، ہم نے کبھی پٹڑی کو عبور کرنے کی خواہش ہی محسوس نہیں کی، فوراً پلٹ پڑتا۔

امتیاز علی تاج:۔ امتیاز علی تاج فن ڈرامہ نگاری کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا ڈرامہ "انارکلی" خاص شہرت رکھتا ہے ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات سلاست وروانی، کردار نگاری، واقعاتی مزاح، بلند آہنگ قہقہہ، خود کلامی اور مغربی لٹریچر کا اثر ہیں۔
۱۹۰۰ تا ۱۹۷۰

آرام و سکون

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تردد	فکر، اندیشہ	حرارت	بخار	طبیعت بحال ہونا	طبیعت ٹھیک ہونا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
نصیب دشمناں	خدا دشمنوں کو نصیب	خاک اثر نہ ہونا	بالکل اثر نہ ہونا	مطلق	بالکل
〃	کرے	اعصاب	پٹھے	مضر	نقصان دہ
تقویت	طاقت	کواڑ	دروازہ	سقہ	ماشکی
کان پر جوں نہ رینگنا	بالکل اثر نہ ہونا	طرح دینا	ٹالنا	دم الجھنا	پریشان ہونا،
سر کھجانے کی فرصت	بالکل فرصت	ریٹھا	ایک قسم کا پھل جو اونی	مالٹڈ ملک	شیرہ والا دودھ
نہ ہونا	نہ ہونا	〃	کپڑے دھونے کے	نارنگی	سنگترہ
ساگودانہ	سابودانہ، ایک	〃	کام آتا ہے	یخنی	ابلے ہوئے گوشت
〃	سفیددانہ کا نام جو	مقوی	طاقت دینے والا	〃	کا پانی
〃	اکثر بیماروں کو	زچ ہونا	تنگ ہونا	لاحول ولا قوۃ	صرف اللہ ہی پناہ
〃	کھلاتے ہیں	علیل	بیمار	〃	دینے والا ہے،
ہارمونیم	ایک قسم کا انگریزی	بدتہذیب	بدتمیز	〃	کسی انہونی بات پر
〃	باجا،	نغمہ سرائی	گیت گانا	〃	بولتے ہیں،
یک لخت	اچانک	یک نہ شد دو شد	ایک مصیبت ختم نہ ہوئی	بوکھلا دینا	پریشان کرنا
صدائیں	آوازیں	〃	کہ دوسری شروع ہو گئی	دھمک	آہٹ

خلاصہ

دفتر اور گھر کا ماحول: اس ڈرامے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک شخص دفتر میں کام کرتا ہے۔ کام کی زیادتی اور دفتر میں شور و غل کے باعث اس کی طبیعت ناساز ہو جاتی ہے وہ آرام و سکون کی خاطر دفتر سے چھٹی لیتا ہے تاکہ گھر میں مکمل آرام کر سکے۔ معائنہ کے لیے ڈاکٹر کو بلایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر معائنہ کرنے کے بعد اس کی بیوی کو بتاتا ہے کہ بیگم صاحبہ! فکر کی کوئی بات نہیں صرف تھکان کی وجہ سے حرارت ہو گئی ہے۔ غالباً ان دنوں کام بہت زیادہ کرتے ہیں۔ بیوی بتاتی ہے کہ ان دنوں کیا، ان کا ہمیشہ یہی حال ہے۔ صبح دس بجے دفتر جا کر شام کے سات بجے سے پہلے کبھی واپس نہیں آتے۔

ڈاکٹر کا مشورہ: ڈاکٹر کہتا ہے کہ انہیں دوا سے زیادہ آرام کی ضرورت ہے۔ کاروبار کی پریشانیاں اور الجھنیں بھلا کر ایک ہی روز آرام و سکون سے گذارا تو طبیعت بحال ہو جائے گی۔ ڈاکٹر انہیں تاکید کرتا ہے کہ دن بھر خاموش لیٹے رہے۔ بیوی کہتی ہے تاکید تو میں بھی کرتی

ہوں لیکن یہ کسی کی بات سنتے ہی نہیں ڈاکٹر کہتا ہے کہ انہیں دوا کی مطلق ضرورت نہیں، بس انہیں آرام و سکون چاہیئے۔ غذا جو کچھ دینی ہے، میں لکھ چکا ہوں۔

بیوی کا وعدہ:- ڈاکٹر تاکید کرتا ہے کہ مریض کے کمرے میں شور و غل نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا اعصاب پر بہت مضر اثر پڑتا ہے۔ بیوی وعدہ کرتی ہے کہ ان کے کمرے میں پرندہ پر نہ مارے گا۔ ڈاکٹر چلا جاتا ہے اب بیوی دیکھ بھال شروع کرتی ہے۔

بیوی کا رویّہ:- بیوی خاوند سے کہتی ہے کہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق آپ بات نہ کریں نہ کوئی آپ کے کمرے میں کوئی بات کرے تمام وقت پورے آرام سے گذاریں۔ میاں کراہتا ہے۔ بیوی کہتی ہے کہو تو دبا دوں؟ سونے کو جی چاہ رہا ہو تو چلی جاؤں؟ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو؟ اچھا بلانے کی گھنٹی پاس رکھے جاتی ہوں۔ گھنٹی کہاں گئی؟ یہاں سے کس نے اٹھائی؟ یہ کون کواڑ توڑ رہا ہے؟ للّو کہتا ہے سقّہ ہے بیوی جی۔ بیوی ناراض ہوتی ہے کیا گھر میں بہرے بستے ہیں جو کم بخت اس زور سے کھنڈی کھٹکھٹاتا ہے؟ اس سے کہو یہ کیا وقت ہے پانی لانے کا۔ کل سے اتنی دیر سے آیا تو نوکری سے الگ کر دوں گی۔

بیوی کی بے معنی باتیں:- خاوند پھر کراہتا ہے۔ بیوی پوچھتی ہے للّو سے کہوں آ کر دبا دے؟ اچانک بیوی کو گھنٹی انگیٹھی پر مل جاتی ہے۔ میاں نے بتایا کہ خود اس نے رکھی ہے بیوی پوچھتی ہے کیوں؟ میاں کہتا ہے کہ ننھا بار بار بجا رہا تھا۔ میرا دم الجھنے لگا تھا۔ میاں پھر کراہتا ہے للّو اندر آ کر پوچھتا ہے مجھے بلایا ہے بی بی جی؟ بیوی کہتی ہے کہ اتنی دیر سے آوازیں دے رہی ہوں کہاں مر گیا تھا؟ للّو کہتا ہے کہ آپ نے ریٹھے کوٹنے کو کہا تھا وہ گودام میں ڈھونڈ رہا تھا۔ بیوی کہتی ہے۔ بھاگ جاؤ۔ ریٹھے ڈھونڈو۔

کھٹ پٹ کی آواز:- بیوی پھر میاں سے کہتی ہے کہ گھنٹی سرہانے رکھ جاتی ہوں۔ اکیلے میں جی تو نہ گھبرائے گا تمھارا؟ غذا کون سی کھاؤ گے؟ کہاں گیا ڈاکٹر کا نسخہ؟ میاں کہتا ہے کہ ساگودانہ بنا دینا تھوڑا سا لیکن بیوی کہتی ہے کہ یخنی مفید رہے گی تمھارے لیے۔ اتنے میں صحن سے کھٹ پٹ کی آواز آتی ہے۔ بچہ پٹ پٹ گاڑی چلانے لگتا ہے۔ میاں بہت بیزار ہوتا ہے۔

میاں کی بیزاری:- میاں کراہتا ہے بیوی کام کے لیے باہر جاتی ہے اتنے میں کمرے میں جھاڑو پھیرنے کی آواز آتی ہے اور گرد اٹھتی ہے۔ میاں اور بیزار ہوتا ہے اور ملازم سے کہتا ہے دفعہ ہو جاؤ۔ وہ کہتا ہے بیوی ناراض ہو گی۔ میاں غصے سے نکال دیتا ہے اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ کوئی فون سننے کے لیے موجود نہیں۔ میاں خود سنتا ہے اور کہتا ہے پھر کسی وقت فون کر لینا اس پر بیوی ناراض ہوتی ہے کہ مجھے کیوں نہیں بلایا۔

شور و غل کی انتہا:۔ اب میاں بیوی سے کہتا ہے کہ خدا کے لیے ہمسائے کے صاحبزادے کا ہارمونیم اور گانا بند کراؤ، مناسب الفاظ میں لکھ کر کہہ دو۔ اس اثناء میں بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔ وہ گر پڑا اور خون نکل آیا لیکن بیوی ابھی تک خط لکھنے میں مصروف ہے اس کے ساتھ ہی اس غل میں ایک فقیر کی آواز بھی شامل ہو جاتی ہے میاں کہتا ہے کہ اسے رخصت کرو۔ للّو ہاون دستے میں ریٹھے کوٹ رہا ہے بے سرے گا... یوں بچے کے رونے، فقیر کی صدائیں اور ہاون دستے کی دھمک شامل ہو جاتی ہے۔

دفتر کا رخ:۔ میاں توبہ توبہ کرتا ہے وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ میری ٹوپی اور شیروانی دینا۔ بیوی وجہ پوچھتی ہے۔ میاں کہتا ہے۔ "دفتر۔ دفتر جا رہا ہوں۔" بیوی پوچھتی ہے کیوں؟ میاں کہتا ہے۔ "آرام اور سکون کے لیے۔"

مرکزی خیال

اس ڈرامے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ دفتروں میں تو کام کی کثرت کے ساتھ شور و غل ہوتا ہی ہے لیکن گھر پر بھی پُر سکون ماحول میسر نہیں آتا۔ میاں آرام و سکون کی خاطر چھٹی لیتا ہے تاکہ گھر پر مکمل آرام ہو سکے اور اس طرح اس کی طبیعت پُر سکون اور بحال ہو سکے لیکن بیوی کی بے تکی اور بے معنی باتیں اور دیگر بکھیڑے آرام اور سکون کو غارت کر کے رکھ دیتے ہیں اور میاں بے چارہ تنگ آ کر گھر کو خیر باد کہتا ہے اور آرام و سکون کی خاطر پھر دفتر کا رخ کرتا ہے۔ انداز بہت پر لطف اور مزاحیہ ہے۔

پیروں کی تشریح

پیرا نمبر ا:۔ **ڈاکٹر:۔** ایک بات عرض کر دوں بیگم صاحبہ، مریض کے کمرے میں شور و غل نہیں ہونا چاہیے اعصاب پر اس کا بہت مضر اثر پڑتا ہے۔

بیوی:۔ مجھے کیا معلوم ڈاکٹر صاحب! آپ اطمینان رکھیں ان کے کمرے میں پرندہ پر نہ مارے گا۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس امتیاز علی تاج کے کھیل "آرام و سکون" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:۔ میاں دفتر میں کام کرتا ہے، کام کی زیادتی اور شور و غل کے باعث اس کی طبیعت سخت ناساز ہے، وہ گھر پر مکمل آرام کرنے کی خاطر دفتر سے

رخصت لیتا ہے ۔ میاں گھر پہنچ چکا ہے ۔ ایک ڈاکٹر کو معائنہ کے لیے بلایا گیا ہے ڈاکٹر معائنہ کرنے کے بعد بتاتا ہے کہ انہیں کوئی بیماری نہیں ۔ بس تھکان کی وجہ سے کمزوری محسوس کرتے ہیں ۔ آرام کریں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے ۔

تشریح :۔ ڈاکٹر بیگم صاحبہ کو تاکید کرتا ہے کہ مریض کو مکمل آرام و سکون کی ضرورت ہے ان کے کمرے میں کسی قسم کا شور و غل نہیں ہونا چاہیئے ۔ شور و غل سے انسان کے پٹھے کمزور ہو جاتے ہیں اور پٹھوں پر بُرا اثر پڑتا ہے ۔ اگر انسان کے پٹھے کمزور ہو جائیں وہ صحیح طور پر کام نہیں کر سکتا اور کمزوری محسوس کرتا ہے ۔ بقول مرزا غالب ؎

مضمحل ہو گئے قوائے غالب ؞ اب عناصر میں اعتدال کہاں

خاموشی انسان کے پٹھوں کو طاقت بخشتی ہے ، اس سے ان کی قوت اور کام کرنے کی صلاحیت بحال ہو جاتی ہے ۔ بیوی کہتی ہے ، ڈاکٹر صاحب ! یہ خاص ڈاکٹری کے متعلق معلوماتی کتابیں ہیں ۔ مجھے ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں لیکن میں آپ کو اس بات کا اطمینان دلاتی ہوں کہ کوئی شخص ان کے کمرے میں قدم نہ رکھے گا بلکہ انہیں مکمل آرام و سکون مہیا کیا جائے گا ۔ تاکہ ان کی طبیعت بحال ہو سکے ۔ اور یہ دوبارہ کام کرنے کے قابل ہو سکیں ۔

پیرا ۲ :۔ بیوی :۔ یہ دیکھو ! یہاں انگیٹھی پر رکھی ہے ۔ آپ بتایئے آپ سے آپ آگئی یہاں ؟ پاؤں تھے اس کے ؟ یہ سب حرکتیں اس للو کی ہیں ۔ کم بخت نے قسم کھا رکھی ہے کہ کبھی کوئی چیز ٹھکانے پر نہ رہنے دے گا ۔ اللہ جانے یہ میری چیزوں کو ہاتھ لگاتا کیوں ہے ؟ او للو ؟ ارے للو ۔

میاں :۔ ارے بھائی ، کیوں ناحق غل مچا رہی ہو ۔ گھنٹی رات میں نے خود میز پر سے اٹھا کر انگیٹھی پر رکھ دی ہے ۔ ہوں (کراہتا ہے)

حوالہ متن :۔ یہ اقتباس امتیاز علی تاج کے کھیل " آرام و سکون " سے لیا گیا ہے ۔

سیاق و سباق :۔ میاں دفتر میں کام کرتا ہے ۔ شور و غل اور کثرت کار کے باعث اس کی طبیعت ناساز ہو جاتی ہے ۔ وہ گھر پہ مکمل آرام کرنے کی خاطر دفتر سے رخصت لے لیتا ہے ، ڈاکٹر معائنے کے بعد مکمل آرام و سکون کا مشورہ دیتا ہے ، میاں بیوی کی بے مقصد اور بے معنی باتوں سے تنگ آجاتا ہے ۔ وہ درد سے کراہتا ہے ۔ بیوی کہتی ہے کہ للو سے کہوں آ کر دبا دے اتنے میں بیوی گھنٹی تلاش کرتی ہے تاکہ میاں ضرورت کے وقت اسے بجا سکے اور میاں کی دیکھ بھال کر سکے ۔

تشریح :۔ بیوی گھنٹی کی تلاش کر رہی ہے ۔ اچانک وہ اُسے انگیٹھی پر رکھی مل جاتی ہے بس پھر کیا ؟ وہ شامت لے آتی ہے سب کی ! وہ باتیں بناتی ہے کہ خدا کی پناہ ! کہتی ہے کہ آپ ہی بتایئں کہ یہ گھنٹی آخر کہاں سے آگئی ؟ کیا اس کے پاؤں لگے ہوئے تھے کہ چل کر یہاں آگئی ۔

میں جانتی ہوں اور خوب جانتی ہوں کہ یہ سب کرتوت اس نامراد ملّو کی ہیں نالائق، نامراد نے قسم کھا رکھی ہے کہ کبھی کسی چیز کو اس کے اصل ٹھکانے پر ٹکنے نہیں دے گا۔ بس چیزوں کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔ خدا معلوم یہ نالائق میری چیزوں کو کیوں چھیڑتا ہے؟ اسے ذرا سمجھ یا تمیز نہیں ہے بس نرا گدھا ہے۔ ارے او ملّو۔؟ کہاں مر گیا؟

میاں کہتا ہے کہ بھئی اس قدر شور کیوں مچا رہی ہو۔ گھنٹی رات کو میں نے خود میز سے اٹھائی تھی اور اسے انگیٹھی پر رکھ دیا تھا۔ بار بار شور مچا رہا تھا۔ (ہائے میرے اللہ۔ (میاں درد سے ہائے ہائے کرتا ہے)

پیرا نمبر ۳:۔ **میاں:۔** بیوی جی کا بچہ، نکل یہاں سے۔ کہہ دے ان سے (ملازم جاتا ہے) کواڑ بند کر کے جا۔ (میاں کراہ کر چپ ہو جاتا ہے، ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے اور بجتی رہی) ارے بھئی! کہاں گئیں؟ ارے کوئی ٹیلیفون سننے تو آئے۔ لاحول ولا قوۃ (خود اٹھتا ہے) ہیلو! میں اشفاق بول رہا ہوں۔ بیگم اشفاق کسی کام میں مصروف ہیں۔ اس وقت کمرے میں نہیں ہیں جی۔ یہاں کوئی ایسا نہیں جو انہیں بلا لائے۔ میں علیل ہوں۔ کیا فرمایا آپ نے، آواز دینے کے لیے ضروری نہیں گلا بھی خراب ہو، آپ پھر کسی وقت فون کر لیجیے گا۔ میں نے عرض کیا نہ کہ چونکہ میں بیمار ہوں کمرے سے باہر نہیں جا سکتا (زور سے فون بند کرتا ہے) بد تہذیب، گستاخ کہیں کی۔ ہوں۔"

حوالۂ متن:۔ یہ اقتباس امتیاز علی تاج کے کھیل "آرام و سکون" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:۔ میاں دفتر سے اس لیے چھٹی لیتا ہے کہ گھر پر رہ کر مکمل آرام کر سکے۔ ڈاکٹر تاکید کرتا ہے کہ مکمل آرام کیا جائے اور مریض کے کمرے میں کسی قسم کا شور و غل نہ ہو لیکن میاں کو ایسا پرسکون ماحول میسر نہیں آتا۔ ایک لمحہ کے لیے سکون حاصل نہیں کر سکتا، بلکہ مسلسل شور و غل اور بے معنی باتوں کے باعث اس کی طبیعت سخت خراب ہو جاتی ہے۔ اچانک کمرے میں جھاڑو پھیرنے کی آواز آنے لگتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ملازم جھاڑو دے رہا ہوتا ہے۔ میاں اسے ڈانٹتا ہے کہ دفع ہو جاؤ۔ ملازم کہتا ہے، جھاڑو نہ دی تو خفا ہوں گی بی بی جی۔ اس پر میاں اور ناراض ہو جاتا ہے۔

تشریح:۔ میاں ملازم کو جھڑک رہا ہے کہ وہ جھاڑو کیوں دے رہا ہے؟ بیوی جی کا بچہ، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ جا ان سے کہہ دے، مجھے کوئی پرواہ نہیں (ملازم چلا جاتا ہے) میاں ملازم سے کہتا ہے کہ دروازہ بند کر کے جاؤ (میاں درد کی وجہ سے کراہتا ہے اور پھر چپ ہو جاتا ہے۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے اور مسلسل بجتی رہتی ہے) وہ بیگم کو بلاتا ہے، ارے بھئی کہاں چلی گئیں۔ ارے کوئی ٹیلی فون تو سنے۔ خدا کی پناہ! اُف میرے خدا! (آخر وہ خود اٹھتا ہے) ہیلو! (ہے لو) میں اشفاق بول رہا ہوں۔ بیگم اشفاق کسی کام میں لگی ہوئی ہے۔ وہ اس وقت کمرے میں نہیں ہیں۔ یہاں ایسا کوئی نہیں ہے جو انہیں بلا سکے۔ میں بیمار ہوں کیا فرمایا آپ نے، آواز دینے کے لیے ضروری نہیں کہ گلا بھی خراب ہو

انسان ویسے بھی بیمار ہو سکتا ہے۔ آپ پھر کسی وقت فون کر لیں۔ میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ چونکہ میں بیمار ہوں اس لیے کمرے سے باہر نہیں جا سکتا۔ میں معذور ہوں (میاں زور سے فون بند کرتا ہے) بدتمیز، بے ادب، نالائق کہیں کی، انہیں کوئی ادب آداب یا سلیقہ نہیں ہے ہوں (میاں پھر درد سے کراہتا ہے۔

سوالات

سوال ۱:۔ اس ڈرامے میں بیوی کے کردار پر روشنی ڈالیے؟

جواب:۔ اس ڈرامے میں بیوی کا کردار نہایت مضحکہ خیز ہے اس کی اکثر باتیں بے معنی اور بے تکی و بے مقصد ہیں بظاہر تو وہ اپنے میاں کی ہمدرد اور خیر خواہ ہے لیکن اس سے مسلسل ایسی باتیں ظہور میں آتی ہیں جن سے اس کے مریض شوہر کو الٹی کوفت اور پریشانی ہوتی ہے۔ اس کا میاں آرام و سکون کی تلاش میں ہے لیکن یہ ایسی شئے ہے جو اسے گھر پر بھی رہ کر میسر نہیں حالانکہ گھر کا مقصد یہ ہے کہ یہ انسان کو آرام و سکون مہیا کرے بیوی بے مقصد اور بے موقع باتوں سے میاں کا ناک میں دم کر دیتی ہے وہ کبھی ستّے کو ڈانٹتی ہے۔ کبھی گھنٹی کی تلاش میں بحث و تکرار ہوتی ہے اور کبھی میاں سے کہتی ہے کہ کہو تو سر دبا دوں؟ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو گھنٹی پاس رکھے جاتی ہوں۔ پھر وہ گھنٹی ڈھونڈتی ہے لیکن وہ نہیں ملتی ادھر وہ للّو کو ریٹھے کوٹنے کو کہتی ہے اور ادھر میاں سے کہتی ہے اکیلے میں جی تو نہ گھبرائے گا تمھارا؟ پھر ڈاکٹر کا نسخہ تلاش کرتی ہے اور میاں سے پوچھتی ہے کہ کیا کھاؤ گے؟ وہ ساگودانہ کی فرمائش کرتا ہے لیکن یہ یخنی کا مشورہ دیتی ہے اس کے ساتھ ہی وہ بچے کو کھٹ پٹ گاڑی چلانے پر ڈانٹتی ہے۔ میاں بیوی کی کسی سہیلی کا فون سنتا ہے اس پر بیوی بگڑتی ہے کہ مجھے کیوں نہیں بتایا کہ میں پیغام سن لیتی۔ اس کے ساتھ ہی بیوی ہمسائے کو ایک لمبا چوڑا خط لکھنا شروع کر دیتی ہے کہ صاحبزادہ ہارمونیم نہ بجائے اتنے میں بچہ گر پڑتا ہے۔ اس کے خون نکل آتا ہے۔ بیوی پروا نہیں کرتی۔ بس وہ تو خط لکھنے میں مصروف ہے۔ دروازے پر فقیر آتا ہے۔ میاں ناگواری محسوس کرتا ہے۔ بیوی کہتی ہے کہ اب میں تو اسے بلا کر لے نہیں آئی۔ اس کے علاوہ وہ للّو کو ڈانٹ پلاتی ہے کہ ریٹھے پھر کوٹ لینا پہلے اس فقیر کو رخصت کر دے۔ اس طرح پورے کھیل میں بیوی کا کردار اسی ایک روپ میں نظر آتا ہے۔

سوال ۲:۔ اس ڈرامے سے کیا اخلاقی سبق حاصل ہوتا ہے؟

جواب:۔ دیکھیے "مرکزی خیال"

مرزا اسد اللہ خاں غالب مرزا غالب کو جدید اردو نثر کا نقیب کہا جاتا ہے۔ انہوں نے شاعری کی طرح نثر میں بھی جدت پیدا کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے خطوط ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ خطوط غالب کی نمایاں خصوصیات طویل القاب و آداب کا خاتمہ، مکالمہ نگاری، شوخی و ظرافت، خود کلامی، جزئیات نگاری، منظر کشی، آپ بیتی، سادگی و سلاست، ایجاز و اختصار اور فلسفیانہ انداز ہیں۔

مکاتیب غالب

(۱)
نواب علاء الدین احمد خاں علائی کے نام

مشکل الفاظ کے معانی :-

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
نیرِ نورس	تازہ رس کا قطرہ	نہال	تازہ پودا	ہوا خواہ	خیر خواہ
〃	مراد نوجوان	دید وادید	ملاقات، میل ملاپ	زنہار	ہرگز
مسموع ہونا	سنا جانا	عالمِ ارواح	روحوں کی دنیا	عالم آب و گل	پانی اور مٹی کا جہان، دنیا
لمن الملک الیوم	آج کس کی بادشاہت ہے	للہ الواحد القہار	ایک خدائے قہار کے لیے	〃	
〃		〃		ہر چند	اگرچہ
روبکاری	بگار لینا	دوامِ حبس	ہمیشہ کی قید	حکم صادر ہوا	حکم جاری ہوا
〃	مشقت لینا	زندان	قید خانہ	مشقت	سخت محنت
بلادِ شرقیہ	مشرقی علاقے	محبس	قید خانہ	پایانِ کار	آخر کار
گریز پا	بھاگنے والا	فگار	زخمی	یک قلم	بالکل، مکمل طور پر
زائل ہونا	جاتی رہنا	زاویۂ زندان	قید خانے کا گوشہ یا کونہ	ضعیف	کمزور
احتمال	گمان، خیال	〃		-	-

؎ فرح اک روز کہ از خانۂ زندہ بروم   :.   سوئے شہر خود ازیں وادیٔ ویران بروم

وہ دن کتنا بھلا ہوگا کہ جب میں قید خانہ سے باہر نکلوں گا اور اپنے شہر کی جانب اس ویران وادی سے جب میں واپس چلا جاؤں گا۔

۲- نواب علاء الدین احمد خان علائی کے نام

مشکل الفاظ کے معانی :-

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
عمر دراز کرے	عمر لمبی کرے	احتمال رفع ہو	گمان دور ہو	بذلہ	مذاق ۔ ٹھٹھا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
شوخ چشمی	تیز طراری	فحوائے عبادت	عبادت کا ڈھنگ	سخن گداز	عمدہ کلام رکھنے والا
درماندہ	تھکا ہوا	”	یا انداز	عیار و طرار	چالاک ہوشیار
از کار رفتہ	بے کار	ساغرِ اول و درد	شراب کا پہلا پیالہ و	اس معرض میں	اس ضمن میں
بہ اندازۂ بالیست	اونچے انداز کے	”	تلچھٹ	ہم طالع	ہم قسمت
”	مطابق ،	قلندری	درویشی	ایثار و کرم	قربانی و سخاوت
دواعی	صلاحیتیں، جوہر	شطرنجی	موٹا سوتی فرش	رست گاہ	وسعت و کشادگی
مقہور	قہر کیا ہوا	مردود	رد کیا ہوا	ناتواں	کمزور
نکبت	غریبی، بدحالی	نظیر	مثال ، مانند	بعینہٖ	بالکل اسی طرح
آبرو	عزت ،	نگہبان	رکھوالا	قطع نظر کرو	نظر انداز کرو

(۳)

میر مہدی مجروح کے نام

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
حظ اٹھانا	مزہ اٹھانا، لطف	پنجشنبہ	جمعرات	علاقہ	واسطہ، تعلق
”	اٹھانا	لاحول ولا قوۃ	صرف اللہ ہی پناہ	تپ	بخار، حرارت
شتاب	جلد	”	دے سکتا ہے ۔	رفع ہونا	دور ہونا، اترنا
عصمت بی بی از	اس موقع پر بولتے ہیں	”	دفع شر کے لیے پڑھتے	پیچش	مروڑا، پاخانہ میں
بیچاری	جب کوئی شخص مجبوری	”	ہیں	”	خون آنا ،
”	سے نیک کام کرے یا	کونسل	صلاح مشورہ	گت ہونا	بری حالت ہونا
”	مجبور ہونے کے باعث	ترشح	بوندا باندی	کلیاں	ڈاکیہ
”	گناہ نہ کر سکے ۔	سلطان العلماء	بہت بڑے عالم	مجتہد العصر	دنیا کا نامور اجتہاد
قبلہ و کعبہ	بزرگوار	دفتر را گاؤ خورد	کتاب یا ریکارڈ کو	”	کرنے والا، بہت
۔	۔	”	گائے کھا گئی یعنی ضائع	”	بڑا مفکر
۔	۔	”	ہوگیا ۔	۔	۔

(۴)

مشکل الفاظ کے معانی :۔

الفاظ	معانی	معانی	معانی	الفاظ	معانی
اطراف وجوانب	طرف و جانب کی جمع	ہرکارہ	ڈاکیہ	دل لگی	دل بہلانا
"	مراد ہر طرف	بخل	کنجوسی	بیرنگ	وہ خط جس پر ٹکٹ نہ لگایا
-	-	-	-	"	جائے اور اسکا محصول
-	-	-	-	"	ڈاکخانہ مکتوب الیہ سے
-	-	-	-	"	وصول کرے

پیروں کی تشریح

پیرا ا :۔ سنو، عالم دو ہیں، ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ہے جو خود فرماتا ہے "لمن الملک الیوم"؟ اور پھر آپ جواب دیتا ہے "للہ الواحد القہار"۔ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں، لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا، تیرہ برس حوالات میں رہا، ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زنداں مقرر کیا اور مجھے اس زنداں میں ڈال دیا۔

حوالہ متن :۔ یہ اقتباس مرزا غالب کے اس مکتوب سے لیا گیا ہے جو انہوں نے علاء الدین احمد خاں علائی کے نام لکھا۔

سیاق وسباق :۔ مرزا غالب علاء الدین احمد خاں علائی کو لکھتے ہیں کہ تم مجھے بے حد عزیز ہو۔ ملاقات کی دو ہی صورتیں ہیں۔ تم دلی میں آؤ یا میں لوہارو میں آؤں، تم مجبور میں معذور، خود کہتا ہوں میری عذرمت سنو، جب تک نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں؟ اور ماجرا کیا ہے؟ اس کے بعد مرزا غالب اپنی پیدائش اور مختصر حالات زندگی بیان کرتے ہیں۔

تشریح :۔ مرزا غالب علاء الدین کو لکھتے ہیں کہ جہان دو ہیں، ایک روحوں کا جہان ہے اور دوسرا جہان یہ دنیا ہے۔ ان دونوں جہانوں کا بادشاہ یا حکمران ایک اللہ ہے وہ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ قیامت کے روز جب ہر چیز فنا ہو جائیگی تو خدا پوچھے گا کہ "آج کس کی بادشاہت ہے؟" کسی طرف سے کوئی جواب نہیں آئے گا پھر خدا خود ہی فرمائے گا "ایک خدائے قہار کے لیے"۔ اگرچہ عام اصول

یہ ہے کہ اس دنیا کے گنہگار آخرت میں سزا پاتے ہیں لیکن یوں بھی ہوتا ہے کہ روحوں کے جہان (آخرت سے) گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دی جاتی ہے۔ یعنی انسان عالمِ ارواح سے اس دنیا میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ زندگی کے امتحان سے گذرے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں ؛ کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

آگے مرزا غالب بیان کرتے ہیں کہ اس طرح میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں بیگار، مشقت اور امتحان کے لیے دنیا میں بھیجا گیا۔ یعنی اس تاریخ کو میں دنیا میں بھیجا گیا یعنی اس تاریخ کو میں پیدا ہوا۔ تیرہ برس تک میں قیدِ حراست اور نگرانی میں رہا۔ یعنی بچپن میں میری سخت نگرانی کے تحت پرورش ہوئی۔ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے ہمیشہ کی قید کا حکم ہوا یعنی میری شادی ہو گئی۔ میرے پلّے ایک عدد بیوی باندھ دی گئی اور میرے واسطے دلّی شہر کو قید خانہ مقرر کیا گیا اور مجھے اس قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ یعنی شادی کے بعد میں دلی رہنے لگا۔

پیرا نمبر ۲ :۔ خدا کا مقہور، خلق کا مردود، بوڑھا، ناتواں، بیمار، فقیر، نکبت میں گرفتار، تمہارے حال میں غور کی اور چاہا کہ اس کا نظیر بہم پہنچاؤں، واقعہ کربلا سے نسبت نہیں دے سکتا، لیکن واللہ، تمھارا حال ریگستان میں بعینہٖ ایسا ہے جیسا مسلم بن عقیل کا حال کوفے میں تھا۔ تمہارا خالق، تمہاری اور تمہارے بچوں کی آبرو کا نگہبان، میرے اور معاملاتِ کلام و کمال سے قطعِ نظر کرو، وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے، وہ میں ہوں۔

حوالہ متن :۔ یہ اقتباس مرزا غالب کے اس مکتوب سے لیا گیا ہے۔ جو انہوں نے نواب علاء الدین احمد خان علائیؔ کو لکھا۔

سیاق و سباق :۔ مرزا غالب علاء الدین احمد خاں علائی کو خط لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس میدان میں میں بھی تیرا ہم درد اور ہم قسمت ہوں۔ مجھے اپنے ایمان کی قسم میں نے اپنی نظم و نثر کی داد کما حقہٗ نہیں پائی۔ آپ ہی کہا آپ ہی سمجھا۔ قدرت نے جو اعلیٰ اوصاف مجھے بخشے ہیں ان کا ہزارواں حصّہ بھی ظاہر نہیں ہوا۔ کاش مجھ میں اتنی طاقت ہو کہ درویشانہ دنیا کی سیر و سیاحت کو نکل کھڑا ہوا ہوں۔ کبھی شیراز جا نکلا، کبھی مصر میں جا ٹھہرا، کبھی نجف میں جا پہنچا۔ کاش میں ساری دنیا کا میزبان بن جاؤں۔ اگر تمام دنیا میں نہ ہو سکے، جس شہر میں رہوں، اس شہر میں تو بھوکا ننگا نظر نہ آئے۔

تشریح :۔ مرزا غالب اپنے بارے میں کہتا ہے کہ میں خدا کا قہر زدہ اور لوگوں کا رد کیا ہوا ہوں۔ دنیا نے مجھے ٹھکرا دیا ہے، میں بوڑھا، کمزور، بیمار، فقیر اور غریب و خستہ حال ہوں۔ اتنی مصیبتوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ پھر علاء الدین سے کہتے ہیں کہ تمہارے حال میں غور کیا اور خواہش کی کہ اس کی کوئی مثال یا نمونہ مہیا کروں، واقعہ کربلا بڑا دردناک ہے، جس میں امام حسین کو شہید کر دیا گیا۔ اس سے مثال نہیں دے سکتا۔ بقول مولانا ظفر علی خاں ؎

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول ⁂ تڑپی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ بتولؓ

لیکن خدا کی قسم تمہارا حال اس ریگستان میں بالکل ایسا ہے، جیسا مسلم بن عقیل کا حال کوفے میں تنہا پہلے کوفے والوں نے مسلم بن عقیل کی پوری حمایت کی، لیکن جب حکومت کی طرف سے سختی ہوئی تو سب ساتھ چھوڑ گئے اور آپ اکیلے رہ گئے اور شہید کر دیئے گئے۔ تمہارا پروردگار تمہاری اور تمہاری بیوی بچوں کا عزت کا رکھوالا ہے۔ میرے اور میرے کلام و کمال کے معاملات کو نظر انداز کر دو۔ میں ایک ایسا شخص ہوں جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود محتاج بن کر در بدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ اس سے میری خستہ حالی، مجبوری اور بیکسی ظاہر ہوتی ہے۔

پیرا نمبر ۲:- سنو، مہدی صاحب، میرا کوئی گناہ نہیں، میرے خط کا جواب لکھو، تپ تو رفع ہو گئی ہوگی۔ پیچش رفع ہونے کی خبر شتاب لکھو، پرہیز کا بھی خیال رکھا کرو۔ یہ بُری بات ہے کہ وہاں کچھ کھانے کو ملتا ہی نہیں۔ تمہارا پرہیزگار اگر ہوگا تو بھی "عصمت بی بی از بے چادری" ہوگی۔

حوالہ متن :- یہ اقتباس مرزا غالب کے اس مکتوب سے لیا گیا ہے جو انھوں نے میر مہدی مجروح کے نام لکھا ہے۔

سیاق و سباق :- مرزا غالب میر مہدی مجروح کو خط لکھ رہے ہیں، میرن صاحب ان کے پاس بیٹھے ہیں مرزا میرن صاحب سے پوچھتے ہیں کہ تم اس بات کو کیوں ناپسند کرتے ہو کہ میر مہدی مجروح کو خط لکھا جائے۔ میرن صاحب کہتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ میں آپ کے خط لکھنے پر اعتراض نہیں کرتا بس اتنا کام کرو کہ جب میں روانہ ہو جاؤں تو میرے بعد خط لکھنا تاکہ میں بھی پڑھ کر لطف اندوز ہو سکوں۔ مرزا غالب کہتا ہے کہ میں بوڑھا آدمی تمہاری باتوں میں آگیا۔ اس کے بعد خط شروع ہوتا ہے۔

تشریح :- مرزا غالب کہتے ہیں کہ مہدی صاحب! میرا کوئی قصور نہیں۔ مجھے بلا وجہ سزا نہ دو، بلکہ میرے خط کا جواب جلد لکھو، آپ کا بخار اُتر گیا ہوگا، مروڑ ٹھیک ہونے کی اطلاع فوراً دو تاکہ دل کو اطمینان حاصل ہو۔ یہ افسوس ناک خبر ہے کہ وہاں مناسب خوراک میسر نہیں ہے۔ اس لیے تمہارا پرہیز تو بس ایسا ہی ہے کہ ایک شخص مجبوری کی حالت میں نیک کام کرے یا مجبور ہونے کی وجہ سے گناہ نہ کر سکے۔ ایسا پرہیز تو سبھی کر سکتے ہیں، مزہ تو جب ہے کہ کھانے کو سب کچھ میسر ہو اور پھر پرہیز ہو۔ داناؤں کا کہنا ہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔

سوالات

سوال :- خطوط غالب کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے؟

جواب:-

خطوطِ غالب کی نمایاں خصوصیات

۱۔ **طویل القاب و آداب کا خاتمہ:-** مرزا غالب سے پہلے پُر تکلف اندازِ بیان اختیار کیا جاتا تھا اور خطوط میں لمبے چوڑے القاب و آداب استعمال کئے جاتے تھے مگر مرزا غالب نے پرانے طریقِ نگارش کو یکسر ختم کر دیا۔ طویل القاب و خطابات کا خاتمہ کیا۔ وہ اپنا خط اپنے مطلب سے شروع کرتے ہیں نہ تمہید باندھتے ہیں نہ خیریت پوچھتے ہیں نہ عافیت لکھتے ہیں۔ وہ خط کو کبھی "میاں"، کبھی "برخوردار" کبھی "بھائی صاحب" اور کبھی "نورِ چشم" سے شروع کرتے ہیں۔ کوئی بزرگ ہے تو پھر مرزا صاحب ان القاب سے مخاطب ہوں گے "پیر و مرشد" جناب قبلہ صاحب، مخدوم و مکرم وغیرہ وغیرہ اس مختصر خطاب کے بعد وہ مطلب کی بات بیان کرتے ہیں۔ ابتدا کی طرح خط کا خاتمہ عموماً مختصر الفاظ میں کرتے ہیں "عافیت کا طالب، غالب" "بندہ ابن ابی طالب، غالب" یا صرف "غالب"۔

۲۔ **مکالمہ:-** دوسری اہم خصوصیت جس نے خطوطِ غالب کو ادبی لحاظ سے دلچسپ اور دلکش بنا دیا ہے وہ ان کے باتیں کرنے کا انداز ہے۔ وہ پہلے نثر نگار ہیں جنھوں نے خطوط میں مکالمہ کو داخل کر کے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا۔ مرزا کے خطوط کے بعض مکالموں نے تو ایسا سماں پیدا کر دیا ہے جن کی وجہ سے متعلقہ خطوط ادبی لحاظ سے شہ پارہ بن گئے ہیں۔ ان کا اندازہ ایسا ہے گویا دو آدمی بالمشافہ بات چیت کر رہے ہیں

۳۔ **جزئیات نگاری، منظر کشی:-** مرزا غالب خط لکھتے وقت نہ صرف اپنے لیے بلکہ مکتوب الیہ کے لیے بھی مجلسی فضا تخلیق کرنے کا پورا پورا بندوبست کرتے ہیں ماحول کا تاثر دینے کے لیے وہ خط کی ابتدا میں یا اختتام پر گرد و پیش کے منظر کی ایسی جزئیات پیش کرتے ہیں کہ مکتوب الیہ اور قاری کی نگاہوں کے سامنے اس فضا، ماحول کا دلکش مرقع ابھرنے لگتا ہے۔

۴۔ **آپ بیتی:-** حیاتِ غالب کے مطالعے کے لیے ان خطوط کی بڑی اہمیت ہے صرف اس لیے نہیں کہ ان خطوط میں مرزا کے بارے میں بہت کچھ مل جاتا ہے بلکہ اس لیے کہ غالب نے اپنے خطوط میں آپ بیتی کے انداز میں خود اپنی سرگذشت کے بہت سے اوراق پیش کر دیئے ہیں۔ اس آپ بیتی میں جیتا جاگتا غالب اپنے غموں اور خوشیوں، اپنی آرزوؤں اور خواہشوں، اپنی محرومیوں اور شکستوں، اپنی شرارتوں اور شوخیوں کے ساتھ زندگی سے نباہ کرتا ہوا ملے گا۔

شوخی و ظرافت:- "یادگارِ غالب" میں مولانا حالی نے غالب کو "حیوانِ ظریف" کہا ہے اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ "مرزا غالب کی جس چیز نے ان کے مکاتیب کو ناول اور ڈرامے سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے، وہ ان کی شوخیٔ تحریر ہے۔ مرزا کی طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسے ستار کے تار میں سُر بھرے ہوتے ہیں"۔ غالب کے خطوط میں ایک ہلکی ظرافت چھائی ہوئی ہے جسے پڑھ کر قاری

قہقہہ تو نہیں لگتا البتہ اس کے چہرے پر "تبسم زیرِ لب" کی کیفیت ضرور طاری ہو جاتی ہے۔

۶۔ **خود کلامی:۔** خود کلامی بھی خطوطِ غالب کی ایک اور نمایاں خوبی ہے۔ بعض اوقات غالب خود ایک کردار بن جاتے ہیں اپنے کو غیر سمجھ کر خوب خوب چوٹیں کرتے ہیں۔ مکالمے اور خود کلامی نے ان کے خطوط میں ڈرامائی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ ایک خط میں اپنے دوست کو لکھتے ہیں:۔

"میں نے خود کو اپنا غیر تصور کر لیا ہے جب بھی کوئی افتاد پڑی ہے کہتا ہوں: "لو غالب کو ایک اور جوتی لگی، بہت اتراتا تھا کہ میں بہت بڑا شاعر ہوں اور فارسی داں، آج دور دور تک میرا جواب نہیں"

۷۔ **سادگی و سلاست:۔** خطوطِ غالب کی ایک اور نمایاں خصوصیت زبان کی سادگی اور سلاست ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں قافیہ پیمائی بھی نظر آجاتی ہے مگر اس میں بھی آورد کی بجائے آمد کا رنگ غالب ہے جس کی بنا پر وہ تحریر میں رکاوٹ کی بجائے رنگینی پیدا کر دیتی ہے ان خطوط میں صرف سادگی ہی نہیں بلکہ بے تکلفی بھی ہے۔ غالب نے ان خطوط کے ذریعے طرزِ تحریر میں جو لب لہجہ اور صوتی آہنگ پیدا کیا۔ وہ غالب سے پہلے بالکل مفقود تھا خطوط غالب ہی سے جدید اردو نثر کا آغاز کیا جاتا ہے اور غالب ہی کو جدید اردو نثر کا بانی اور نقیب کہا جاتا ہے۔

۸۔ **ایجاز و اختصار:۔** ایجاز و اختصار اور لفظوں کی بچت ہر تحریر کی خوبی ہے اور یہ خوبی غالب کے خطوط میں اپنے اختصار کمال کو پہنچی ہے۔ غالب نے جہاں جزئیات نگاری سے کام لیا ہے وہاں ایجاز و اختصار کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ وہ "عبارت" "اشارت" اور "ادا" میں بات کرنا جانتے ہیں وہ ضروری امر تحریر کرتے ہیں اور فالتو چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ غالب کی فنکاری یہ ہے کہ وہ جب جزئیات لکھتے ہیں تو طوالت کا احساس نہیں ہوتا اور جب ایجاز و اختصار سے کام لیتے ہیں تو تشنگی کا احساس نہیں ہوتا اور اس ساحری کی بنا ان کا اسلوبِ نگارش ہے۔

۹۔ **مقفیٰ عبارت:۔** مرزا کے خطوط میں مقفیٰ عبارت بھی ملتی ہے مگر یہ مقفیٰ جملے گنجلک، دقیق اور پیچیدہ نہیں ہوتے بلکہ اپنے اندر ایک حسن لیے ہوتے ہیں، قاری ان جملوں کو پڑھ کر لطف اندوز ہوتا ہے۔

۱۰۔ **اپنے حالاتِ عہد:۔** مرزا غالبؔ نے اپنے خطوط میں اپنے عہد کے حالات بے کم و کاست لکھے ہیں، بالخصوص انہوں نے غدر یعنی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے حالات و واقعات پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۔ **اشعار کی تشریح:۔** اپنے بعض خطوط میں غالب نے خود اپنے بعض اشعار کی وضاحت کر دی ہے۔ اس طرح ان خطوط کے ذریعے ہمیں ان کا کلام سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

۱۲۔ **فلسفیانہ نظریات و خیالات:-** ان خطوط میں مرزا غالب نے زندگی اور کائنات کے بارے میں اپنے مخصوص نظریات اور خیالات کو پیش کیا ہے جس سے ان کے افکار و نظریات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

سید احمد خاں

۱۸۱۷ء — تا — ۱۹۸

سر سید احمد خاں اردو زبان و ادب کے عظیم محسن ہیں۔ انہوں نے اردو نثر کو اجتماعی مقاصد سے روشناس کرایا اور اسے سہل اور سلیس بنا کر علمی مطالب کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات سادگی، مقصودیت، بے ساختگی و بے تکلفی، استدلال، ظرافت، تمثیلی و حکائتی رنگ، شعری لوازمات، عامی محاورات، انگریزی الفاظ کا بکثرت استعمال اور ناصحانہ انداز ہیں۔

قومی اتفاق

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
زمانہ دراز	لمبا عرصہ	بالا تر	بڑھ کر	بابی انت و امی	آپ پر میرے ماں
تفرقہ	اختلاف، انتشار	حبل المتین	مضبوط رسی مراد	"	باپ قربان ہوں
عروۃ الوثقیٰ	مضبوط رسی مراد،	"	مضبوط دینی رشتہ	نیست ہو گئے	مٹ گئے
"	مضبوط دینی رشتہ	مستحکم	مضبوط	برادران یوسف	حضرت یوسفؑ کے
یک جہتی	اتحاد	بغض و عداوت	نفرت و دشمنی	"	بھائی جنہوں نے آپکو
حیلہ	بہانہ	نفاق	پھوٹ، ظاہر میں	"	کنوئیں میں پھینک
مردود	رد کیا ہوا	"	کچھ باطن میں کچھ۔	"	دیا تھا
خلعت	شاہی لباس	باایں ہمہ	اس کے باوجود	فروعی مسائل	معمولی اور سطحی مسئلے
رشتہ اخوت	بھائی چارے کا	بدعتی	دین میں غلط باتیں	مقلد	تقلید یا پیروی
"	تعلق	"	کرنے والے	"	کرنے والا
ضعیف	کمزور	جمعیت	اکٹھا ہونا، گروہ	اثر بد	برا اثر
مرحلہ	منزل کی جگہ، درجہ	یکتائی و یک جہتی	اتحاد و اتفاق	متبدل کریں	بدلیں
نقلی	روایتی	ابنائے جنس	بنی نوع انسان	آشنا	واقف کار
نیچری	نیچر یعنی قدرت سے	ملقب	لقب دیا گیا	ضرر	نقصان
"	نسبت رکھنے والا	اعانت	مدد	تمدنی امور	ایسے معاملات جن کا تعلق
"	ایک فرقہ جو خدا کے وجود کا	مثل	مانند	"	تہذیب یعنی رہن سہن
"	قائل نہیں بلکہ نیچری کو سب کچھ جانتا ہے	بردباری	تحمل و برداشت	"	سے ہو

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تمدن و معاشرت	تہذیب و رہن سہن،	ریشۂ گیاہ	گھاس کا ریشہ	ناپید ہونا	وجود نہ ہونا
″	زندگی کے طور طریقے	طبائع	طبیعت کی جمع	اغراض	غرض کی جمع
حقارت	نفرت	بمقتضائے بشریت	انسان ہونے کے لحاظ	مانع	رکاوٹ
جلب منفعت	نفع حاصل کرنا	″	سے	دفع حضرت	نقصان دور کرنا
شخصی تنازعات	ذاتی جھگڑے	تنزُّل	زوال، پستی	نسیاً منسیاً	بھولا بسرا
بجز ذاتی منفعت	ذاتی نفع کے سوا	پردہ پوشی	پردہ ڈالنا، چھپانا	نفیس	عمدہ
والنست	سمجھ، واقفیت	حقارت	نفرت	امتیاز	فرق

خلاصہ

قوم کا اسلامی تصور:- عام طور پر قوم کا مفہوم کسی بزرگ یا ملک کی مناسبت سے لیا جاتا ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم کا یہ تصور بدل دیا۔ اب قوم کی بنیاد ایک عقیدے یا نظریئے پر رکھی گئی۔ یہ نظریہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس مضبوط روحانی و دینی رشتے کے مقابلے میں تمام باطل رشتے مٹ گئے۔

مسلمان بھائی بھائی:- اسلام ملکوں، علاقوں اور رنگ و نسل سے بحث نہیں کرتا اس کے برعکس اسلام نے کلمہ توحید کو قوم کی بنیاد بنایا۔ جو اس نظریہ پر ایمان لے آیا وہ ایک قوم کا فرد بن گیا۔ تمام انسان اولادِ آدمؑ ہونے کے لحاظ سے برابر اور بھائی بھائی ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

مقامِ افسوس:- مصنف اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ ہم سب آپس میں بھائی تو ہیں لیکن حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں محبت، دوستی اور اتفاق کی بجائے نفرت، دشمنی اور حسد کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ شیطان نے حضرت آدمؑ کو ان کا خیر خواہ بن کر بہکایا تھا۔ وہ ہمیں اسی طرح بہکانا چاہتا ہے حالانکہ شیطان مردود ہے، وہ ہمارا کھلا دشمن ہے۔

مسلمان کی تعریف:- ہر کلمہ گو اور بیت اللہ کو قبلہ ماننے والا مسلمان ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کا قول ہے:

"ہم اہلِ قبلہ کو کافر نہیں سمجھتے

فرقہ بندی:- کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے اختلافات میں پڑ کر دین کے رشتے کو چھوڑ بیٹھے ہیں جس جگہ جاؤ شیعہ سنی، وہابی، بدعتی، لامذہب و مقلد کے جھگڑے نظر آتے ہیں

وقت کا تقاضہ:- اس نااتفاقی اور پھوٹ نے ہماری قوم کو نہایت کمزور اور منتشر کر دیا ہے جس سے قومی ہمدردی اور قومی ترقی کے کام رک گئے ہیں۔ قومی ترقی کے لیے اس پھوٹ، نفرت، اور دشمنی کو محبت و اتفاق سے بدلنے کی ضرورت ہے۔

اتحاد کا اصل مقصد:- اتحاد و یک جہتی کا یہ مقصد نہیں ہے کہ تمام لوگ اپنے اپنے عقائد چھوڑ کر ایک عقیدے پر قائم ہو جائیں یہ بات قانونِ قدرت کے خلاف ہے انسانی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ خدا اور دوسرا حصہ بنی نوع انسان کا۔ عقیدے کا تعلق خدا سے ہے اور اس میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن انسانوں میں بھائی چارے کا رشتہ ہونا چاہیے۔ ہمیں فرقہ بندی میں نہیں پڑنا چاہیے۔ جو خدا اور رسولؐ کو برحق مانتا ہے۔ وہ ہمارا کلمہ شریک بھائی ہے یہی اسلامی اخوت ہے۔

قومی ہمدردی:- عقیدے کا اختلاف انسان کی اپنی ذات تک محدود ہے جبکہ بنی نوع انسان کا رشتہ وسیع تر ہے اس لیے ہمیں آپس میں محبت اور باہمی دوستی سے رہنا چاہیے۔ اسی کو قومی ہمدردی کہتے ہیں۔ اسی طرح سے ہم خدا اور رسول کی اطاعت بھی کر سکتے ہیں اور قومی ترقی کی منزل بھی پا سکتے ہیں۔

ملکی و وطنی بھائی:- روحانی بھائیوں کے علاوہ ہمارے وطنی بھائی بھی ہیں گو وہ کلمے میں شریک نہیں لیکن اس معاشرے میں وہ بھائیوں کی طرح ہیں۔ ہمسائیگی ہمارے مذہب کا ایک جزو ہے۔ یہی ہمسائیگی وسعت پا کر ملکی اور ہم وطنی کی وسعت تک پہنچ جاتی ہے۔

اشتراک و تعاون:- ہمیں چاہیے کہ اپنے عقیدے پر قائم رہتے ہوئے معاشرے کے تمام افراد سے سچی محبت، دوستی اور اشتراک و تعاون کا برتاؤ رکھیں۔

اتفاق، ترقی کی بنیاد:- ماضی کے بڑے کارنامے اتفاق ہی کی بدولت انجام پائے اور آج کے جدید دور میں بھی جو ترقی نظر آتی ہے وہ اتفاق کی بدولت ہے

قومی اتفاق:- مختلف افراد میں بشری تقاضے سے اختلاف ہو سکتے ہیں، لیکن ہمارا اصل مقصد شخصی اتفاق کی بجائے قومی اتفاق ہے اس لیے ہر شخص کو اختلاف سے بالاتر ہو کر قومی بھلائی اور ترقی کے لیے کام کرنا چاہیے۔

زوال کا سبب:- ہماری قوم کے زوال کا سب سے بڑا سبب قومی اتفاق کا نہ ہونا ہے

ہم نے اسے بالکل بھلا دیا ہے اور ذاتی نفع و نقصان میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ اس لیے ہمارے کاموں میں برکت نہیں

قومی ہمدردی کی ضرورت:۔ اگرچہ ہماری قوم میں نیکی کے اثرات موجود ہیں، مثلاً مسجدیں بنوانا، حج و زیارت و خیرات کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا وغیرہ لیکن ان کاموں کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے اگرچہ ثواب کے لیے کام کرنا بھی اچھا ہے لیکن ہمیں بنی نوع انسان کی بھلائی اور قومی ہمدردی کے تحت کام کرنے چاہئیں۔ یہ ایک اہم جذبہ ہے۔

مرکزی خیال

اس مضمون کا مرکزی خیال یہ ہے کہ اسلام قومیت کا ایک عالمگیر اور آفاقی نظریہ پیش کرتا ہے اس قومیت کی بنیاد "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے نظریے پر ہے۔ اسلام رنگ و نسل اور علاقے کے تصور کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر کلمہ گو شخص مسلمان ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ فرقہ بندی، نااتفاقی اور پھوٹ زوال کی علامتیں ہیں۔ ہمیں اپنے اپنے عقیدے پر رہتے ہوئے آپس میں محبت، خلوص، دوستی اور اشتراک و تعاون سے رہنا چاہیئے اور ذاتی نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر قومی بھلائی و ہمدردی کے تحت کام کرنا چاہیئے۔ قومی ترقی کے لیے اتحاد و یک جہتی ضروری ہے۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ ؎

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں ؛ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اہم پیروں کی تشریح

پیرا ۱:۔ مجھے اس بات کے دیکھنے سے نہایت افسوس ہے کہ ہم سب آپس میں بھائی تو ہیں مگر مثل برادرانِ یوسفؑ کے ہیں۔ آپس میں دوستی اور محبت، یک دلی اور یک جہتی بہت کم ہے، حسد، بغض و عداوت کا ہر جگہ اثر پایا جاتا ہے جس کا نتیجہ آپس کی نااتفاقی ہے۔ شیطان جس نے خدا سے وعدہ کیا کہ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ۔ ایک مقدس اور بظاہر نہایت نورانی حلیے سے آپس میں بھائیوں کے جن کو خدا نے بھائی بنایا ہے نفاق میں ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور جس طرح کہ ہمارے باپ حضرت آدمؑ اس کے دھوکے کو خالص دوستی سمجھ کر اس کے دھوکے میں آ گئے، اسی طرح ہم بھی اس کے دھوکے میں آ جاتے ہیں۔

حوالۂ متن:۔ یہ اقتباس سید احمد خاں کے مضمون "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق:۔ اس مضمون میں مصنف یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ اسلام قومیت کا ایک عالمگیر اور آفاقی نظریہ پیش کیا اور اس طرح وہ باطل کے نظریات کی نفی کرتا ہے۔ اسلام میں قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے۔ اسلام رنگ ونسل اور علاقے کے تصور کو رد کرتا ہے۔ ہر کلمہ گو شخص مسلمان ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہمیں فرقہ بندی سے بالا ہو کر قومی بھلائی کے لیے کام کرنا چاہیئے۔ ہمیں آپس میں محبت، خلوص اور دوستی سے رہنا چاہیئے۔ ہم سب اولادِ آدم ہیں۔ اس لیے سب برابر ہیں۔

تشریح:۔ مصنف لکھتا ہے کہ مجھے یہ بات دیکھ کر سخت رنج وافسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں مگر ہماری مثال حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی سی ہے جنھوں نے دشمنی اور حسد کی بنا پر حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ ہمارے درمیان دوستی، محبت اور خلوص، اتفاق اتحاد کم ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم ایک دوسرے سے جلتے ہیں دشمنی اور نفرت رکھتے ہیں۔ یہ بات ہمارے معاشرے میں عام ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم پھوٹ اور انتشار کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں جب اللہ تعالےٰ نے شیطان کو اپنے دربار سے مردود کر کے نکالدیا تو اس نے خدا کے سامنے یہ وعدہ اور دعویٰ کیا کہ "میں ضرور انسان کو تیری سیدھی راہ سے ہٹا کر رہوں گا۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "جاؤ تم اپنا کام کرو، لیکن تم میرے نیک بندوں کو گمراہ نہیں کر سکو گے۔" اللہ تعالےٰ نے ہمیں بھائی بھائی بنایا ہے لیکن شیطان بڑی چالاکی اور عیاری سے کام لے کر اور بظاہر بڑے پاکیزہ اور مقدس روپ میں ہمارا ہمدرد اور خیر خواہ بن کر ہمارے سامنے آتا ہے اور طرح طرح کے حیلے بہانے سے ہماری صفوں میں پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ شیطان نے اسی طرح ہمارے باپ حضرت آدمؑ کو دھوکا دیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ کو جنت میں رکھا اور حکم دیا کہ جنت کی ہر نعمت سے لطف اٹھاؤ لیکن اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ لیکن شیطان نے حضرت آدمؑ کو اس طرح بہکایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اگر تم اس درخت کا پھل کھا لوگے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں رہو گے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ شیطان کے دھوکے میں آگئے اسی طرح ہم بھی شیطان کے دھوکے میں آجاتے ہیں

پیرا ۲:۔ نہایت افسوس اور نادانی کی بات ہے کہ ہم کسی سے ایسے امر میں عداوت رکھیں، جس کا اثر خود اسی تک محدود ہے اور ہم کو اس سے کچھ بھی ضرر ونقصان نہیں۔ جو حصہ ابنائے جنس کا ہے اس سے ہم کو غرض رکھنی چاہیئے۔ وہ حصہ آپس کی محبت، باہمی دوستی ایک دوسرے کی اعانت، ایک دوسرے کی ہمدردی ہے جس کے مجموعے کا نام قومی ہمدردی ہے اور یہی ایک طریقہ ہے جس سے خدا کے حکم کی بھی اطاعت اور آپس میں برادرانہ برتاؤ، قومی اتفاق، قومی ہمدردی قائم ہو سکتی ہے جو قومی ترقی کے لیے پہلی منزل ہے

حوالۂ متن:۔ یہ پیرا سید احمد خان کے مضمون "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق:۔ اس مضمون میں مصنف نے قومی اتفاق اور اتحاد پر زور دیا ہے

کہتے کہ دنیا میں قومیت کا تصور کئی باطل نظریات پر مبنی ہے عام طور پر قوم کو ملک یا رنگ و نسل سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن اسلام کا تصور قومیت، عالمگیر اور آفاقی ہے۔ اس کی بنیاد کلمۂ توحید پر ہے۔ بتمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ہمیں چاہیئے کہ آپس کے معمولی اختلافات میں الجھ کر نہ رہ جائیں بلکہ آپس میں محبت، خلوص اور دوستی کی فضاء پیدا کریں اور ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر قومی بھلائی کے لیے کام کریں ہمیں فرقہ بندی سے بچ کر رہنا چاہیئے۔

تشریح:۔ مصنف کہتا ہے کہ کس قدر افسوس، حماقت اور بیوقوفی کی بات ہے کہ ہم کسی شخص سے کسی ایسے معاملے میں ایسی دشمنی یا بیر رکھیں جس کا اثر خود اس شخص کی ذات تک رہتا ہے اور ہمیں اس سے کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہنچتی۔ مثلاً ایک شخص ایک خاص عقیدہ رکھتا ہے اب اس عقیدے کا تعلق اس کی ذات تک ہے اور یہ اس کا اور خدا کا معاملہ ہے ہم پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا اس لیے اس بحث میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ اس کے مقابلے میں ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ وہ بھی اس معاشرے اور قوم کا ایک فرد ہے۔ ہمارا واسطہ اسی سے ہے آپس کی محبت، دوستی ایک دوسرے کی مدد اور ہمدردی کے نتیجے میں قومی ہمدردی وجود میں آئی ہے۔ اسی قومی ہمدردی کے لیے کام کرنا چاہیئے۔ بقول علامہ اقبالؒ

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ✽ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ۔

یہی ایک راستہ ہے، جس سے ہم خدا اور رسول کی اطاعت بھی کر سکتے ہیں اور آپس میں بھائیوں کا سا سلوک پیدا کر سکتے ہیں، اسی سے قومی اتفاق اور قومی ہمدردی وجود میں آتی ہے اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہو سکتی ہے۔ یہی قومی ہمدردی وجود میں آتی ہے یہی قومی ہمدردی قومی ترقی کا پہلا قدم ہے۔ قومیں اسی سے ترقی پاتی اور دنیا میں پروان چڑھتی ہیں۔ ہم سب کو اسی مقصد کے لیے مل جل کر کام کرنا چاہیئے۔

پیرا۔۳۔ اتفاق کی خوبیاں لوگوں نے بہت کچھ بیان کی ہیں اور وہ ایسی ظاہر ہیں کہ کوئی شخص اتفاق سے بھی ان کو نہیں بھول سکتا۔ بہت بڑے بڑے واقعات دنیا میں گزرے ہیں جن کو پرانی تاریخیں یاد دلاتی ہیں اور جن کی یاد سے ایک عجیب اثر ہمارے دلوں میں ہوتا ہے، وہ سب باہمی اتفاق کا نتیجہ ہے ایک ناچیز رلیشۂ گیاہ جو نہایت کمزور ہوتا ہے باہمی اتفاق سے ایسا قوی اور زبردست ہو جاتا ہے کہ بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کرتا ہے اس وقت تعلیم یافتہ دنیا میں کچھ ترقی ہے یا مہذب ملکوں میں جو کچھ طاقت ہے وہ سب اتفاق کی بدولت ہے۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس سید احمد خان کے مضمون "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق:۔ اس مضمون میں مصنف نے قومی اتفاق اور اتحاد کی اہمیت بیان کی ہے۔ قوم کا بنیادی تصور ملک یا رنگ و نسل سے وابستہ ہے لیکن اسلام کا تصور قومیت عقیدہ کلمہ توحید پر مبنی ہے ہر کلمہ گو شخص مسلمان ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی

بجائی ہیں۔ نااتفاقی، پھوٹ اور فرقہ بندی زوال کا سبب ہیں۔ ہمیں اپنے اپنے عقیدے پر رہتے ہوئے آپس میں خلوص و محبت سے رہنا چاہیئے اور ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر قومی بھلائی کے لیے کام کرنا چاہیئے۔ اتحاد ہی کامیابی کا راستہ ہے ہمیں اپنے ہم وطن بھائیوں سے اشتراک و تعاون سے رہنا چاہیئے تاکہ معاشرے کی فضا خوشگوار ہو سکے۔

تشریح:۔ اتفاق کی خوبیاں اور اچھائیاں لوگوں نے اس کثرت سے بیان کی ہیں اور وہ ایسی ظاہر واضح اور نمایاں ہیں کہ کوئی شخص بھولے سے بھی ان کو نہیں بھول سکتا۔ ہر چھوٹا بڑا ان خوبیوں کو خوب جانتا اور پہچانتا ہے، جیسا کہ چار بیلوں اور شیر، اور بوڑھے کسان اور اس کے بیٹوں کی کہانیوں سے ظاہر ہے گزرے ہوئے زمانے میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے اور تاریخ کے صفحات ان کارناموں سے روشن ہیں۔ ان کارناموں کا حال پڑھ کر ہمارے دلوں پر عجیب اثر ہوتا ہے ہمارے دلوں میں ایک نیا جذبہ ابھرتا ہے یہ تمام کارنامے آپس میں اتفاق اور اتحاد کے نتیجہ میں انجام پائے۔ اگر اتحاد کی یہ قوت نہ ہوتی تو یہ کارنامے کبھی ظہور میں نہ آتے مولانا حالیؔ نے کیا خوب کہا ہے ؎

ملک ہیں اتفاق سے آزاد ؛ شہر ہیں اتفاق سے آباد۔

گھاس کے ایک معمولی اور کمزور سے ریشے یا تنکے کو دیکھیں کہ وہ ہاتھ لگانے سے ٹوٹ جاتا ہے لیکن جب بہت سے ریشے آپس میں مل جاتے ہیں تو وہ اس قدر مضبوط اور طاقتور ہو جاتا ہے کہ آسانی سے نہیں ٹوٹ سکتا اور بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ یہ اتفاق و اتحاد کا نتیجہ ہے۔ دنیا پر ایک نگاہ ڈالیں، اس وقت ہم پڑھی لکھی دنیا میں جو ترقی اور عروج دیکھتے ہیں وہ اتفاق کی وجہ سے ہے اسی طرح موجودہ جدید اور اعلیٰ تہذیب و تمدن رکھنے والے ملکوں نے جو کچھ ترقی، خوشحالی کامیابی یا عروج پایا ہے۔ وہ بھی سب اتفاق ہی کا نتیجہ ہے۔ ایک فرد کی کچھ حیثیت نہیں ہوتی لیکن جب تمام افرادِ معاشرہ باہم اتفاق کر لیتے ہیں تو ایک عظیم قوت وجود میں آتی ہے، سچ ہے، "اتفاق میں بڑی برکت ہے۔"

سوالات

سوال ۱:۔ اسلام نے قومیت کا کیا تصور پیش کیا ہے؟

جواب:۔ قدیم زمانے سے قوم کا یہ تصور چلا آتا ہے کہ اسے کسی بزرگ یا ملک سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام نے قوم کے تصور کو بدل دیا ہے، رسول اکرمؐ نے قوم کے باطل دنیاوی تصور کو مٹا دیا ہے اور اس کی بجائے قوم کا یہ تصور پیش فرمایا کہ اس کی بنیاد نظریہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہے یعنی جو شخص اس نظریے پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلم قوم کا فرد ہے۔ خواہ اس کا تعلق کسی ملک، علاقے یا رنگ و نسل سے ہو۔

بقول علامہ اقبال ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر ✿ خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار ✿ قوتِ مذہب سے مستحکم جمعیت ہے تری

اسلام کا یہ تصور قومیت ایک ایسا مضبوط دینی و روحانی رشتہ ہے جس کے سامنے تمام مادی دنیاوی رشتے مٹ گئے۔ اسلام کسی سے یہ نہیں پوچھتا کہ وہ ترک ہے کہ افغان ہے، افریقی ہے یا عرب، چینی ہے یا ہندی وغیرہ۔ حضرت بلال حبشیؓ ایک غلام تھے لیکن وہ نظریۂ اسلام پر ایمان لا کر ملتِ اسلامیہ کے ایک معزز رکن اور خدا اور رسول کے پیارے بن گئے۔ لیکن ابولہب قریشی اور حضور اکرمؐ کا حقیقی چچا ہوتے ہوئے بھی ملتِ اسلامیہ سے کٹ کر دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد ہوا۔ کیونکہ وہ نظریۂ اسلام پر ایمان نہیں لایا تھا۔

سوال ۲ :- مصنف کے نزدیک اتحاد و یک جہتی کا اصل مقصد کیا ہے؟

جواب :- مصنف کے نزدیک اتحاد و یک جہتی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے عقائد کو چھوڑ کر ایک عقیدے پر قائم ہو جائیں۔ کیونکہ یہ بات قانونِ قدرت کے خلاف ہے قرآن مجید کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی عقیدے یا نظریے پر پیدا کر دیتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اختلاف انسانی فطرت میں شامل ہے لیکن اتحاد و یک جہتی سے مصنف کا اصل مقصد یہ ہے کہ بے شک تمام انسان اپنے اپنے عقیدے، مسلک اور طریقے پر قائم رہیں یعنی عقیدے کا تعلق براہ راست خدا سے ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں اسی ماحول اور معاشرے میں رہنا ہے۔ اس لیے ان کے لیے لازمی ہے کہ وہ باہمی عقائد کے اختلاف کے باوجود آپس میں مل جل کر اور اشتراک و تعاون سے رہیں۔ بھائی بھائی اور باپ بیٹے میں بھی عقیدے کا اختلاف ہو سکتا ہے لیکن یہ اختلاف باہمی رشتے اور تعلق پر اثر انداز نہیں ہوتا اسی طرح ہمیں ہر طرح کی فرقہ بندی سے بالاتر ہو کر آپس میں دوستی، محبت، خلوص اور رواداری کے تعلقات استوار کرنے چاہئیں۔ یہی اصل اتحاد و یک جہتی ہے

سوال ۳ :- باہمی اختلافات کس طرح دور ہو سکتے ہیں؟

جواب :- مصنف لکھتا ہے کہ بعض قابل احترام بزرگوں کا قول ہے کہ جس طرح اصلی دوستی دنیا میں ناپید ہے، اسی طرح آپس کا اتفاق بھی ناممکن ہے، ان کی دلیل ہے کہ جب تمام انسانوں کی طبیعتیں اور ان کے اغراض و مقاصد مختلف ہیں تو لازمی بات ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہوں کوئی قوم مہذب یا غیر مہذب ایسی نہیں ہے جس میں باہم دشمنی اور منافرت نہ پائی جاتی ہو۔ ہاں! یہ بات پتے کی ہے مگر ہم جس اتفاق پر بحث کرتے ہیں وہ شخصی اتفاق نہیں ہے بلکہ قومی اتفاق ہے بشری تقاضے کے تحت ہمارے آپس میں اختلاف ہو سکتے ہیں۔ جو خدا کے نزدیک ایک سخت گناہ ہے مگر

ان اختلاف کو قومی اتحاد، اتفاق اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ وسیع تر قومی مفاد کے پیشِ نظر آپس کے ان معمولی اختلافات کو نظر انداز کر دیں۔ قومی بھلائی یا قومی برائی کا اثر قوم کے تمام لوگوں پر پڑتا ہے اس لیے نفع کے حصول یا نقصان کے دفع کرنے میں سب لوگ متفق ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں شخصی قسم کے جھگڑے بے اثر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دیں اور قومی بھلائی کے لیے کام کریں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۰

یعنی "اور تم سب مل کر اللہ کی رسی (دین) کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقے میں مت پڑو۔"

سوال ۴:۔ ہمارے زوال کے سب سے بڑا سبب کیا ہے؟ اور ہم عروج کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ ہمارے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے قومی اتفاق کے تصور کو بالکل بھلا دیا ہے۔ ہر شخص اپنے ذاتی فائدے اور مفاد کے چکر میں پڑ کر رہ گیا ہے اور کسی کے پیشِ نظر قومی مفاد نہیں ہے۔ اگر کوئی کچھ کرتا بھی ہے تو اس کے پیشِ نظر پہلے اپنی ذاتی غرض ہوتی ہے اور وہ قومی بھلائی کے پردے سے اس کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے اس لیے ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی۔

اگر ہم عروج و ترقی کے خواہشمند ہیں تو ہمیں ذاتی اغراض اور مفادات کو نظر انداز کر کے وسیع تر قومی مفادات کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ جب تک ہم میں وسیع تر قومی بھلائی کا احساس اور جذبہ پیدا نہ ہو گا، ہم دنیا میں کبھی سرخرو نہیں ہو سکتے

پستی کا شکار ہو گئے۔ اب پھر سے ابھرنے کی یہی صورت ہے کہ ہم اپنے اندر اس قومی جذبے کو پروان چڑھائیں۔

سوال ۵:۔ قومی ہمدردی کی اہمیت واضح کریں؟

جواب:۔ قوم کے افراد میں اگرچہ شخصی اور ذاتی اختلافات ہو سکتے ہیں، ان کے عقائد بھی مختلف ہو سکتے ہیں کیونکہ ان عقائد کا تعلق اللہ سے ہے لیکن تمام افراد کو چاہیے کہ اپنے ان شخصی اختلافات کو قوم کے وسیع تر مفاد کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیں بلکہ تمام افراد کو قومی بھلائی اور ہمدردی کی خاطر ایک دوسرے سے بھرپور اشتراک و تعاون کرنا چاہیے کیونکہ قوم کی بھلائی میں سب کی بھلائی ہے اور قوم کے نقصان میں سب کا نقصان ہے۔ آپس کی محبت، باہمی دوستی، ایک دوسرے کی مدد، ہمدردی کے مجموعے کا نام قومی ہمدردی ہے یہی ایک طریقہ ہے۔ جس سے خدا اور رسولؐ کی اطاعت بھی ہو سکتی ہے اور آپس میں برادرانہ برتاؤ، قومی اتفاق اور قومی ہمدردی بھی قائم

ہو سکتی ہے جو قومی ترقی کا ذریعہ ہے۔

انسان کی ذاتی نیکیاں اس کی ذات تک محدود ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہمیں بھلائی کے کام وسیع تر قومی بھلائی اور ہمدردی کے تحت کرنے چاہئیں۔ ہمارے دل میں جب تک یہ جذبہ پیدا نہ ہو کر جو کام ہم کریں وہ قوم کے لیے کریں۔ اس وقت تک قومی ہمدردی کا جوش پیدا نہیں ہو سکتا۔

مولانا الطاف حسین حالی

۱۸۳۷ء تا ۱۹۱۴ء

مولانا حالی ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے نثر نگار بھی ہیں ان کی زبان نہایت مستند اور معیاری ہے۔ ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات سادگی، بے ساختگی، استدلال، مقصدیت، متانت، دھیما پن، انگریزی الفاظ کا استعمال اور روزمرہ بول چال ہیں۔ ان کے ہاں اصلاحی رنگ غالب ہے۔

اسلام میں گداگری کی مذمت

مشکل الفاظ کے معانی :-

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
گداگری	فقیری، بھیک	مذمت	برائی	انسداد	کسی بری بات کی
"	مانگنے کا کام	مہتم بالشان	شاندار	"	روک تھام
تصور	خیال	ہمت عالی	بلند ہمت	ذریعہ معاش	روزی کا ذریعہ
فراہم کرنا	مہیا کرنا	بدعت	دین میں کوئی نئی بات	مذکور	جس کا ذکر ہو چکا ہو
تصریح	وضاحت	"	شامل کرنا	تکرار	بار بار دہرانا
دلالت کرنا	دلیل سے ثبوت	ممانعت	منع کرنا	سائل	سوال کرنے والا
"	فراہم کرنا	اضطراری حالت	بیقراری و بے چینی کی	"	بھکاری
آتشِ دوزخ	جہنم کی آگ	"	حالت	پُشت	پیٹھ، کمر
حاجت رفع کرنا	ضرورت پوری کرنا	دھتکار دینا	نکال دینا لعنت	فلاسفر	فلاسفی، سوچ بچار
اکانومسٹ	ماہر معاشیات	"	ملامت کرنا	"	کرنے والا
جفاکشی	سخت محنت،	غیرت	شرم	اولوالعزمی	ارادے کی بلندی
"	حمیت	مفلس	غریب : نادار	کاہلی	سستی۔
صرف ہونا	خرچ ہونا	سم قاتل،	ایسا زہر جو موت	جامعیت	کسی چیز کا جامع و
حاوی	غالب	"	کا باعث ہو	"	مکمل ہونا
مذموم	بُری	عارضی ہونا	لاحق ہونا	ملعون من سال	ملعون ہے وہ جو اللہ
اندوختہ	جمع کیا ہوا مال	استطاعت	طاقت	بوجہ اللہ	کے لیے سوال کرے

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
نادری	غربت	کفرانِ نعمت	نعمت کی ناشکری	دروغ گوئی	جھوٹ بولنا
مکاری	چالاکی	ذریعہ گردانا	ذریعہ خیال کرنا یا	مرفوع حدیثیں	مستند حدیثیں جنکی
مدح	تعریف	"	سمجھنا	"	روایت درست ہو
ذم	برائی	صراحت	تشریح، وضاحت	ادنیٰ تغافل	معمولی غور و فکر یا
موجب	سبب	علاقہ	تعلق، واسطہ	"	سوچ بچار
بایں ہمہ	اس کے باوجود	علی الاعلان	علانیہ طور پر، کھلم	مکروہ	گھناؤنا، جس سے
متعدد	کئی	"	کھلا	"	نفرت کی جائے۔
فحوائے کلام	کلام کا ڈھنگ	تاوان	جرمانہ	ڈنڈ	خون بہا
"	یا انداز	دیت	وہ رقم جو مقتول کے	مرضِ متعدی	اڑ کر لگنے والی بیماری
فہمائش	ہدایت، نصیحت	"	عوض لی یا دی جاتی	محالات	ناممکن چیزیں
داد و دہش	خیر خیرات،	"	ہے	دل سوزی	دردمندی، خیر خواہی
"	سخاوت	یک قلم	بالکل ایک ہی دفعہ	استحقاق	حق ہونا۔
ناداری	غربت	سرایت کرنا	اثر کرنا، رچنا	بیخ کنی	جڑ سے اکھاڑنا۔
مذموم	برا	اپاہج	لنگڑا، لولا	معذور	ناچار
دسترس	پہنچ	علماء	عالم کی جگہ	واعظین	واعظ کی جمع،
بے باکی	بے خوفی	مضر	نقصان دہ	"	وعظ کرنے والے
اسراف	فضول خرچی	مستجاب الدعوات	جس کی دعا قبول	مکر و فریب	دھوکہ فریب
حق تلفی	حق مارنا	"	کی جائے۔	-	-

خلاصہ

اسلام میں بھیک مانگنے کی مذمت:- بھیک مانگنے کی جس قدر برائی اسلام میں کی گئی ہے شاید ہی کسی مذہب میں اس قدر کی گئی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسطرح توحید اور نماز کی تعلیم ضروری سمجھتے تھے۔ اسی طرح لوگوں کو سوال سے باز رہنے کی تلقین فرماتے تھے حضرت عبدالرحمن بن عوف روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس پر بیعت لی کہ خدا کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، احکام الٰہی بجالاؤ اور لوگوں سے کچھ نہ مانگو۔" چنانچہ صحابہ کرامؓ اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ کسی سے راہ چلتے ہوئے اپنا گرا ہوا کوڑا بھی نہ مانگتے تھے۔

پیشہ گداگری سے بچاؤ:۔ سوال نہ کرنے کی اس قدر تاکید اس لیے کی گئی ہے کہ گداگری پیشہ نہ ہو جائے اور اسے آج کل کی طرح ذریعہ معاش نہ بنالیا جائے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ چنانچہ بیت المال کی طرز پر ایسا محکمہ قائم ہوسکتا ہے جو قوم کی اہم ضروریات کے واسطے روپیہ فراہم کرے تاکہ لوگ بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار نہ کرسکیں۔

بلاضرورت سوال کرنا:۔ بے شمار روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ سائل سے نہایت نفرت کرتے اور جو شخص حقیقی ضرورت کے بغیر سوال کے ذریعے کچھ وصول کرتا تھا اس کو اس کے حق میں حرام سمجھتے تھے" جو شخص ایک وقت کی بھی خوراک موجود ہونے پر سوال کرے اس کی نسبت فرماتے کہ وہ اپنے لیے کثرت سے آتشِ دوزخ طلب کرتا ہے۔" حضورؐ نے فرمایا کہ محنت مزدوری کرکے روزی کمانا بہ نسبت اس کے بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے پھر وہ اس کو کچھ دیں یا دھتکار دیں۔" جو جامعیت اس حدیث میں پائی جاتی ہے وہ کسی فلاسفر یا ماہر معاشیات کے لمبے چوڑے بیان میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔

کفرانِ نعمت:۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص خدا کے نام پر سوال کرتا ہے وہ ملعون ہے اس لیے خدا اور رسولؐ کے مقدس نام اس غرض کے لیے نہیں استعمال کرنے چاہئیں۔ سائل اپنے جمع شدہ مال کو، جو بھیک کے ذریعے اس نے پیدا کیا ہے، چھپاتا ہے اور باوجود استطاعت کے اپنی غربت کا اظہار کرتا ہے اور اس طرح کفرانِ نعمت، جھوٹ اور مکاری کے سخت ترین گناہوں کا ارتکاب ہے۔

غیر مستحق سائل:۔ جن جامع الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیک مانگنے کی مذمت فرمائی ہے، اس سے زیادہ جامع الفاظ سمجھ میں نہیں آسکتے۔ حضورؐ نے سوال کرنے کی تو اس قدر مذمت فرمائی ہے لیکن غیر مستحق سائلوں کا سوال پورا کرنے والوں کی تعریف یا برائی وضاحت کے ساتھ کہیں نہیں فرمائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے دیگر معاشرتی خرابیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔ اس کے باوجود کہ حضورؐ نے اعلانیہ غیر مستحق سائلوں کا سوال رد کرنے کی تاکید فرمائی۔ لیکن خود سوال کرنے کی اس قدر مذمت کرنے سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضورؐ ملک میں سائلوں کی تعداد بڑھنے کو نہایت مکروہ جانتے تھے۔

آتشِ دوزخ:- حضورؐ غیر مستحق سائلوں کا سوال پورا کرنے سے خوش نہ ہوتے تھے، چنانچہ ایک روائیت کے مطابق حضورؐ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم! جو (غیر مستحق) سائل میرے پاس سے اپنا مطلب حاصل کر کے لے جاتا ہے وہ مطلب نہیں ہے اس کے حق میں مگر ایک آگ"۔ حضورؐ کسی کا سوال اس لیے رد نہ فرماتے کہ خدا تعالیٰ ردِ سوال کو حضورؐ سے پسند نہیں کرتا تھا۔

سائل کو کام پر لگانا:- اس باب میں سب سے عمدہ مشکوٰۃ کی وہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے سائل کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں سوال کیا۔ حضورؐ نے پوچھا "کیا تیرے گھر میں کچھ ہے؟" اس نے عرض کیا "ایک کملی اور ایک پیالہ ہے"۔ حضورؐ نے وہ دونوں چیزیں منگوائیں اور دو درہم میں نیلام کر دیں۔ اسے ایک درہم دیا کہ کھانے پینے کی چیزیں لائے اور دوسرے درہم کے بدلے میں کلہاڑی منگوائی اور حضورؐ نے خود اپنے دستِ مبارک سے اس میں دستہ ٹھونک دیا اور فرمایا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ۔ اور بازار میں بیچو اور پندرہ روز کے بعد مجھے ملنا۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ حاضرِ خدمت ہوا تو اس کے پاس دس درہم جمع ہو گئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "یہ تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ جب تو قیامت کے دن آئے تو تیرے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ ہو۔ سوال کرنا صرف اس شخص کو حلال ہے جو سخت محتاج ہے یا جس کے ذمے بھاری تاوان ہو یا جس کی گردن پہ خون بہا ہو"۔

غیر مستحق کی امداد قطعاً نہ کی جائے:- اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، سائل کو سوال کرنے سے روکا جائے اور سوال کرنے کی برائی اور محنت و مشقت کرنے کی خوبی اس کے ذہن نشین کرائی جائے۔ مگر اس زمانے کے سائلوں کی بے غیرتی اور ڈھٹائی اتنی حد سے گذر گئی ہے کہ کسی کی فہمائش یا ممانعت کا ان پہ کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ موجودہ حالات میں اس کے سوا کچھ چارہ نہیں کہ غیر مستحق سائلوں کی خیر خیرات سے بالکل ہاتھ روک لیا جائے اور جہاں تک ہو سکے مستحق افراد کی امداد کی جائے جو باوجود استحقاق کے کسی سے سوال نہیں کرتے یا جو سخت مجبوری اور ناداری کی حالت میں سوال کرتے ہیں غیر مستحق سائلوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ان کو بے غیرتی اور بے شرمی کے پیشے سے باز رکھا جائے۔

گداگری کا سدِ باب:- ملک و قوم کے حق میں کوئی احسان اس وقت اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ بھیک مانگنے کا بدترین پیشہ جو متعدی بیماری کی طرح افرادِ قوم میں سرایت کرتا جاتا ہے، رفتہ رفتہ اس کا مکمل سدِ باب کیا جائے۔ حضور اکرمؐ کے بعد مدت دراز تک اسلامی ممالک میں سوال کرنا نہایت برا سمجھا جاتا تھا اور طرح طرح سے اس کا انسداد کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو بھوکا سمجھ کر اس کو کھانا کھلانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر

ہیں وہ پھر سوال کرنے لگا۔ آپ نے اس کو بلوایا اور دیکھا کہ اس کی جھولی روٹیوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ نے یہ روٹیاں اونٹوں کے آگے ڈال دیں اور فرمایا: "تو سائل نہیں ہے، تاجر ہے۔"

اندلس کی مثال:۔ علامہ مقری تاریخ اندلس میں لکھتے ہیں کہ "اندلس میں جس سائل کو تندرست اور کام کے لائق سمجھتے ہیں اس کو نہایت ذلیل کہتے ہیں اور سخت سست کہتے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہاں اپاہج اور معذور آدمی کے سوا کوئی سائل نظر نہیں آتا، مگر نہایت افسوس ہے کہ

بھکاری ننگِ قوم:۔ اس زمانے میں ہر ایک جگہ جس قدر مسلمان بھیک مانگتے نظر آتے ہیں، اس قدر اور کسی قوم کے آدمی نظر نہیں آتے۔" پس سب سے پہلے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے حدود اور اختیارات میں جہاں تک ان کی دسترس ہو، اس نالائق اور کمینہ رسم کا انسداد کریں۔

علماء و واعظین کا فریضہ:۔ خاص کر ہمارے علماء و واعظین کو لازم ہے کہ نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ سوال کی مذمت کریں اور جو مضر نتیجے سائلوں کی کثرت سے قوم کے حق میں پیدا ہوتے ہیں اور اسراف اور فضول خرچی کی برائی جو قرآن مجید میں جا بجا بیان ہوئی ہے، عام مسلمانوں کے ذہن نشین کرائیں۔ خاص کر زنانہ مجلسوں میں عورتوں کو جو ہر فقیر کو ولیٔ کامل سمجھتی ہیں، ان لوگوں کے مکر و فریب سے آگاہ کرنا چاہیے ان کے دلوں میں بٹھا دیا جائے کہ ہٹے کٹے بھیک مانگنے والوں کو کچھ دینا بجائے نیکی کے اُلٹا گناہ کا مرتکب ہونا ہے کیونکہ جس قدر ایسے لوگوں کو دیا جاتا ہے اسی قدر مستحق بیواؤں، یتیموں اور ہمسایوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اسی قدر بھیک مانگنے کا ناپسندیدہ طریقہ رواج پاتا ہے اور اسی قدر قوم میں کام کے آدمیوں کی کمی ہوتی ہے۔

مرکزی خیال

اس مضمون کا مرکزی خیال یہ ہے کہ گداگری ایک لعنت ہے یہ انسانیت کے چہرے پر ایک بدنما داغ ہے اس سے قوم کی تحقیر و تذلیل ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق صرف اس مستحق سائل کی ضرورت پوری کرنی چاہیے جو واقعی ناچار، معذور اور بے بس ہو اور شرم کے مارے ہاتھ نہ پھیلا سکے لیکن غیر مستحق افراد کو بلا تحقیق کچھ دینا ان پر ظلم ہے۔ ایک حدیث رسولؐ ہے کہ "جو شخص حقیقی ضرورت کے بغیر سوال کر کے کچھ لیتا ہے وہ اس کے لیے حرام ہے۔" یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ مسلمان قوم ہی میں سب سے زیادہ بھکاری اور گداگر نظر آتے ہیں۔ عام مسلمانوں اور

بالخصوص علماء و واعظین کو چاہیئے کہ وہ اس مکروہ رسم کی بھرپور مذمت کریں اور اس کا انسداد کریں عورتوں کے حلقے میں خصوصی کام ہونا چاہیئے۔ جس قدر غیر مستحق افراد کو دیا جاتا ہے اسی قدر مستحق افراد کی حق تلفی ہوتی ہے، میر تقی میر نے کیا خوب کہا ہے ؎

آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز ✥ وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

پیروں کی تشریح

پیرا 1۔ سوال نہ کرنے کی اس قدر تاکید صرف اسی واسطے کی گئی ہے کہ گداگری پیشہ نہ ہو جائے اور اسے آجکل کی طرح ذریعہ معاش نہ بنا لیا جائے کیونکہ دوسری حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرو اور اپنے کاموں میں دوسرے بھائیوں سے مشورہ لو۔ اور جیسے زکوٰۃ اور خیرات وغیرہ لینے کی حدیثیں ہیں جیسے اس وقت بعض رقوم کو قوم کو سے وصول کر کے اسلام کی ضروری خدمات کے واسطے بیت المال میں جمع رکھا جاتا تھا کہ اس طرح اگر اب بھی قوم کی اہم ضروریات کے واسطے روپیہ فراہم کیا جائے تو یہ گداگری نہیں ہے نہ یہ "لتسئلوا الناس شیئاً" میں آسکتا ہے ورنہ اگر کچھ نہ مانگو" کے مطلق معنی مراد لیے جائیں تو دنیا کا سارا معاملہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس مولانا الطاف حسین حالی کے مضمون "اسلام میں گداگری کی مذمت" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق:۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ بھیک مانگنے کی مذمت جس قدر اسلام میں کی گئی ہے، شاید ہی کسی مذہب میں اس قدر برائی کی گئی ہو۔ جس طرح حضور اکرمؐ توحید اور نماز وغیرہ کی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے۔ اسی طرح حضورؐ سوال کی بھی مذمت فرماتے تھے چنانچہ حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے اس بات پر بیعت لی کہ خدا کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ احکام الٰہی بجا لاؤ اور لوگوں سے کچھ نہ مانگو" اس تعلیم کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرامؓ اپنا گرا ہوا کوڑا بھی خود اٹھاتے تھے اور کسی سے سوال نہ کرتے تھے۔

تشریح:۔ سوال نہ کرنے کی تلقین صرف اسی واسطے کی گئی ہے کہ گداگری یعنی فقیری پیشہ نہ بن جائے اور اسے آج کل کی طرح باقاعدہ روزی کمانے کا ذریعہ نہ بنا لیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور اپنے کاموں میں دوسرے بھائیوں سے مشورہ لیا کرو جیسا کہ ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور یہ کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرو جو تم

اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ اسی طرح زکوٰۃ اور خیرات وغیرہ لینے کی مدّیں ہیں۔ جس طرح پچھلے زمانے میں بعض رقمیں قوم سے وصول کر کے صرف اس واسطے بیت المال میں جمع رکھی جاتی تھیں کہ اسلام کی متفرق ضروریات پوری ہو سکیں۔ اسی طرح اب بھی اس پر عمل ہو سکتا ہے قوم کی بنیادی ضرورتوں کے لیے روپیہ مہیا کیا جائے تو گداگری یا فقیری نہیں ہے اور نہ اس پر حضورؐ کی یہ حدیث صادق آتی ہے کہ "لوگوں سے کچھ نہ مانگو ورنہ اگر "کچھ نہ مانگو" کے معنی مراد لیے جائیں کہ بالکل کسی سے کوئی چیز بھی کسی وقت نہ مانگی جائے تو اسطرح دنیا کا نظام نہیں چل سکتا اور سارا معاملہ اُلٹ پلٹ ہو کر رہ جاتا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ سوال کرنے سے مراد بھیک مانگنا ہے یا بغیر کسی حقیقی ضرورت کے کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنا۔ یہ فعل واقعی قابلِ مذمت ہے، ورنہ تمام انسان مختلف معاملات میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں اور ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

پیرا - ۲: یہ حالاتِ موجودہ ہم کو اس کے سوا کچھ چارہ نہیں کہ غیر مستحق سائلوں کی دادودہش سے یک قلم ہاتھ روک لیا جائے اور جہاں تک ہو سکے مستحقین کی امداد کی جائے جو باوجود استحقاق کے کسی سے سوال نہیں کرتے یا جو سخت مجبوری اور ناداری کی حالت میں سوال کرتے ہیں۔ غیر مستحق سائلوں کے ساتھ کوئی سلوک اور کوئی بھلائی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ ان کو اس بے غیرتی اور بے شرمی کے پیشے سے باز رکھا جائے۔ ملک و قوم کے حق میں کوئی احسان اس وقت اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ بھیک مانگنے کا بدترین پیشہ جو ـــــ مرض متعدی کی طرح افرادِ قوم میں سرایت کرتا جاتا ہے اور جس سے روز بروز بھیک منگوں کی تعداد ملک میں زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی بیخ کنی کی جائے۔

حوالہ متن: یہ اقتباس مولانا الطاف حسین حالی کے مضمون "اسلام میں گداگری کی مذمت" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق: مصنف ایک حدیث رسول اللہؐ بیان کرتا ہے کہ ایک سائل حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا۔ حضورؐ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے۔ اس نے بتایا کہ میرے پاس ایک کمبل اور ایک پیالہ ہے۔ حضورؐ نے وہ دونوں چیزیں منگوا کر دو درہم میں نیلام فرمادیں اسے ایک درہم کھانے پینے کے لیے دیا اور دوسرے درہم کی کلہاڑی منگوا کر اسے جنگل میں بھیجا کہ لکڑیاں کاٹ کر بیچو۔ اس طرح وہ خوشحال ہو گیا۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، سائل کو سوال کرنے سے روکا جائے اور سوال کرنے کی برائی اور محنت و مشقت کرنے کی خوبی اس کے ذہن نشین کی جائے۔

تشریح: موجودہ حالات میں ہمارے لیے واحد راستہ یہی رہ گیا ہے کہ جو سوال کرنیوالے امداد کے حقدار نہیں ہیں اِن کی خیر خیرات سے ہاتھ بالکل مکمل طور پر روک لیا

جائے، ایسے لوگوں کی قطعی امداد نہ کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو سکے صرف حقدار لوگوں کی امداد کی جائے جو حق رکھنے کے باوجود کسی سے سوال نہیں کرتے یہ جو سخت مجبوری کی حالت میں سوال کرتے ہیں۔ غیر حقدار سوال کرنے والوں کے ساتھ کوئی سلوک اور کوئی بھلائی اور بہتری اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ انہیں بے شرمی اور بے غیرتی کے اس مکروہ پیشے سے روکا جائے تاکہ وہ کوئی باعزت ذریعہ معاش اختیار کر سکیں اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکیں۔ ملک و قوم کی کوئی نیکی اور بھلائی اس وقت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ بھیک مانگنے کے بدترین پیشے کو جڑ سے اکھاڑ دیں اس کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔ یہ ایک ایسی اڑ کر لگنے والی بیماری ہے جو قوم کے افراد میں اثر کرتی ہے اور رچ جاتی ہے اور جس سے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بھیک مانگنے والوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اس کا ہر حالت میں خاتمہ ضروری ہے۔

پیرا ۳۔ پس سب سے پہلے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے حدود اور اختیارات میں جہاں تک ان کی دسترس ہو اس نالائق اور کمینہ رسم کا انسداد کریں۔ خاص کر ہمارے علماء اور واعظین کو لازم ہے کہ نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ وعظ کی مجلسوں میں سوال کی مذمت جو حدیثوں میں وارد ہوئی ہے اور جو مضر نتیجے سائلوں کی کثرت سے قوم کے حق میں پیدا ہوتے ہیں اور اسراف اور فضول خرچی کی برائی جو قرآن مجید میں جابجا بیان ہوئی ہے، عام مسلمانوں کے ذہن نشین کریں۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس مولانا الطاف حسین حالی کے مضمون "اسلام میں گداگری کی مذمت" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ علامہ مقری تاریخ اندلس میں لکھتے ہیں کہ اندلس میں جس سائل کو تندرست اور کام کے لائق سمجھتے ہیں اس کو نہایت ذلیل کرتے اور نہایت سست کہتے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہاں اپاہج اور معذور آدمی کے سوا کوئی سائل نظر نہیں آتا" مگر نہایت افسوس ہے کہ اس زمانے میں ہر ایک جگہ جس قدر مسلمان بھیک مانگتے نظر آتے ہیں، اس قدر کسی اور قوم کے آدمی نظر نہیں آتے۔

تشریح:۔ اس لیے گداگری کو ختم کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں سب سے پہلے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے اپنے دائرے اور اختیار میں جہاں تک ان کی پہنچ ہو اس مکروہ گندی اور گری ہوئی رسم کا خاتمہ کریں۔ یہ قوم کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے پھر خاص طور پر ہمارے عالموں اور واعظوں کو چاہیے کہ پوری آزادی اور بے خوفی کے ساتھ وعظ و نصیحت کی محفلوں میں سوال کی برائی، جو رسول پاکؐ کے ارشادات میں بیان ہوئی ہے اور جو نقصان دہ نتیجے، بھیک مانگنے والوں کی زیادتی سے قوم کے حق میں پیدا ہو رہے ہیں اور فضول خرچی اور بے جا

خروج کی برائی جو قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان کی گئی ہے، وہ عام مسلمانوں کے ذہن میں بٹھائی جائے جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

"بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔"

سوالات

سوال۱:۔ حضورؐ نے سوال کی مذمت میں کیا کیا باتیں ارشاد فرمائی ہیں؟

جواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قدر توحید اور نماز وغیرہ کی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے اسی طرح لوگوں کو سوال سے باز رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ خدا کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، احکامِ الٰہی بجالاؤ اور لوگوں سے کچھ نہ مانگو"۔ حضورؐ نے سائل سے نہایت نفرت کرتے اور جو شخص بغیر حقیقی ضرورت کے سوال کے ذریعے کچھ وصول کرتا تھا اسکو اسکے حق میں حرام سمجھتے تھے جو شخص ایک وقت کی خوراک موجود ہونے پر بھی سوال کرے اس کی نسبت فرماتے کہ "وہ اپنے لیے کثرت سے آتشِ دوزخ طلب کرتا ہے۔

ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا کہ محنت مشقت سے روزی کمانا بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے، پھر وہ اسکو کچھ دیں یا دھتکار دیں۔" پھر حضورؐ نے فرمایا: "اگر تم جانو کہ سوال کرنے کے کیا نتائج ہیں تو کوئی شخص سوال کرنے کے لیے دوسرے شخص کی طرف رُخ نہ کرے۔" ایک اور حدیث ہے: ملعون ہے وہ شخص جو اللہ کے لیے سوال کرے (اللہ کے چہرۂ انور کے لیے)

ایک شخص نے سوال کیا۔ آپؐ نے اسے کچھ دینے کی بجائے اس کی دو چیزوں کو نیلام فرمایا اور اسے کلہاڑی بنا کر دی کہ لکڑیاں کاٹ کر بیچے۔ اس طرح وہ شخص خوشحال ہو گیا۔ پھر فرمایا: "یہ تیرے لیے اس لیے بہتر ہے کہ جب تو قیامت کے دن آئے تو تیرے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ ہو۔ دیکھو "سوال کرنا صرف اس شخص کو حلال ہے جو سخت محتاج ہے یا جس کے ذمّے بھاری تاوان ہو یا جس کی گردن پر خون بہا ہو۔

سوال۲:۔ اس بات کی وضاحت کریں کہ ممالک اسلامیہ میں سوال کرنا نہایت مذموم سمجھا جاتا تھا اور طرح طرح سے اس کا انسداد کیا جاتا تھا۔

جواب:۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ حضورؐ کے بعد مدت دراز تک ممالک اسلامیہ میں سوال کرنا نہایت مذموم سمجھا جاتا تھا اور طرح طرح سے اس کا انسداد کیا جاتا تھا روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو

بھوکا سمجھ کر کھانا کھلایا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ پھر مانگنے لگا۔ آپ نے اس کی روٹیاں اونٹوں کے آگے ڈال دیں اور فرمایا تو سائل نہیں تاجر ہے۔

علامہ مقری تاریخ اندلس میں لکھتے ہیں کہ "اندلس میں جس طرح سائل کو تندرست اور کام کے لائق دیکھتے ہیں، اس کو نہایت ذلیل کرتے اور سخت سست کہتے ہیں اور اس کا نتیجہ ہے کہ یہاں اپاہج اور معذور آدمی کے سوا کوئی سائل نظر نہیں آتا۔

الغرض ممالک اسلامیہ میں صرف مستحق افراد کو مستحسن خیال کیا جاتا تھا اور غیر مستحق افراد کی اس سلسلے میں حوصلہ شکنی کی جاتی تھی۔ انہیں کام کاج اور محنت و مشقت کی ترغیب دی جاتی تھی۔ بیت المال سے صرف ان افراد کو امداد ہوتی تھی جو معذور، بے بس اور بے سہارا ہوں، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں اس قدر خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا تھا کہ کوئی شخص زکوٰۃ لینے پر آمادہ نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ اس زکوٰۃ کو بیت المال میں جمع کروایا تھا۔

سوال ۲:- "ہمارے معاشرے میں گداگری کا مسئلہ ایک سنگین صورت اختیار کر چکا ہے" وضاحت کریں نیز یہ بتائیں یہ مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے؟

جواب:- یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں گداگری کا مسئلہ ایک سنگین صورت اختیار کر چکا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے ایک مستقل پیشہ کے طور پر اپنا لیا ہے اس میں ایسے افراد بھی ملوث پائے جاتے ہیں جو کہ بالکل صحت مند، توانا اور ہٹے کٹے ہیں لیکن انھوں نے بے شرمی اور بے غیرتی کا وطیرہ اختیار کر لیا ہے اور اس طرح ان کا وجود معاشرے کے لیے ایک ناسور بن کر رہ گیا ہے بعض لوگوں نے باقاعدہ گداگری کے اڈے بنا رکھے ہیں۔ وہ بچے، نوجوانوں اور بوڑھوں کو اپاہج و ناکارہ بنا کر ان سے یہ پیشہ کراتے ہیں۔ ان کے وجود ہستی سے ایک ایک قطرہ نچوڑ لیتے ہیں اور اس طرح کمائی ہوئی دولت پر داو عیش دیتے ہیں اس ضمن میں لبا اوقات روح فرسا واقعات دیکھنے اور سننے میں ملتے ہیں گداگری کا یہ داغ ہماری قوم کی روشن پیشانی پر ایک کلنک کا ٹیکہ ہے۔ ہماری نگاہیں دوسروں کے سامنے شرم سے جھک جاتی ہیں۔

اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر منظم کرنے کی کوشش ہونی چاہیے انفرادی طور پر یوں کہ ہم میں سے ہر فرد اس بات کا خاص خیال رکھے کہ وہ کسی غیر مستحق مسٹنڈے اور ہٹے کٹے پیشہ ور گداگر کی حوصلہ افزائی نہیں کرے گا ایسے افراد کی سرپرستی کا مطلب مستحق افراد کی حق تلفی ہے اجتماعی طور پر یوں ہو سکتا ہے کہ ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو نکھے اور بیروزگار افراد کو باقاعدہ مختلف ہنر سکھائیں تا کہ وہ باعزت طور پر روزی کما سکیں۔ زکوٰۃ کا نظام اجتماعی طور پر چلایا جانا چاہیے اور مستحق افراد کو زکوٰۃ اتنی ملنی چاہیے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے، یہ نہ ہو کہ وہ مستقل طور پر بھکاری بنکر رہ جائیں اسی طرح حکومت کو بھی باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جن سے گداگری کا انسداد ہو سکے اور ملک و قوم اس لعنت سے چھٹکارہ پا سکے۔

مولانا محمد شبلی نعمانی
۱۸۵۷ء ——— تا ——— ۱۹۱۴ء

مولانا شبلی نعمانی ایک بلند پایہ ادیب، نقاد، مؤرخ، محقق اور مصلح تھے۔ وہ ملت اسلامیہ کی عظمتِ رفتہ کے علمبردار تھے۔ ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات قوت، جوش بیان، ایجاز و اختصار، استدلال، شوخی و نکتہ آفرینی، شاعرانہ فضا، مقصدیت، بے ساختگی، تہذیبی احساس، بلند تخیل اور خطیبانہ انداز ہیں

مسلمانوں کا قدیم طرزِ تعلیم

مشکل الفاظ کے معانی:-

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تصنیف	اپنے ذہن سے کتاب لکھنا طبیعت سے کوئی مضمون لکھنا	تالیف	مرتب و جمع کرنا	تعلّم	علم سکھانا
تمدن	طرزِ معاشرت، مل جل کر رہنے کا طریقہ	نیچرل	قدرتی	موزوں	مناسب
اسماء الرجال	حدیث کا وہ علم جس میں راویوں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں	فہم	سمجھ	دسترس	پہنچ
سررشتہ تعلیم	محکمہ تعلیم کا بڑا افسر، ڈائریکٹر تعلیم	نحو	علمِ قواعد	لغت	زبان، بولی، وہ کتاب جس میں الفاظ کے معنی درج ہوں
غارت گری	تباہی و بربادی	فقہ	اسلامی قانون	فلاسفہ	حکمت، دانائی، موجودات کی حقیقت کا علم
مجتہد	اجتہاد کرنے والا عالم	طبیعیات	مطالعہ قدرت کا علم	معاشرت	مل جل کر رہنا
تخمینہ	اندازہ	منطق	وہ علم جو قطعی دلائل سے حق کو حق اور ناحق کو باطل ثابت کرتا ہے	صدا	آواز
لائف	زندگی مراد حالاتِ زندگی	قصر و ایوان	محلات	تاتار	ترک و مغل نسل کی ایک قوم جس میں چنگیز اور ہلاکو ہوئے اور جس نے بڑی تباہی پھیلائی
نظیر	مثال	نامور	مشہور	فتویٰ	شرعی حکم
اجمالی کیفیت	مختصر حالات	ہمعصر	ایک ہی زمانے کے، ہم زمانہ	مسافت	سفر
		اجتہاد	غور و خوض سے کسی مسئلے کو حل کرنا	زحمت	تکلیف
		مناظرہ	بحث و مباحثہ	نصاب	پڑھائی کا کورس
		طیلسان	چادر علماء کا گاؤن	ہنوز	ابھی تک

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
علمِ کلام	وہ علم جسمیں اصولِ	مبہم	مسلسل، لگاتار	سرگرم	پرجوش
〃	عقائد دلیلوں سے	خاصہ	خصوصیت، خوبی	عجمی	غیر عرب
〃	واضح کئے جاتے ہیں	مقید ہونا	قید ہونا، پابند ہونا	اہلِ منصب	عہدیدار
کثیر الاشتغال	زیادہ مصروفیتوں	مستعد	کام پر آمادہ، چاق و	زمرہ	گروہ
〃	والا	〃	چوبند	پایہ شناس	مرتبہ ومقام جاننے
قبولِ عام	مقبولیت	تصنیفات	تصنیف کی جمع، اپنی	〃	والا
صاحبِ النظر	بلند نگاہ رکھنے والا	〃	طبیعت سے لکھی ہوئی	زورِ طبع	طبیعت کا زور
نکتہ چیں	تنقید یا نکتہ چینی	〃	کتابیں	دفعتاً	اچانک
〃	کرنے والا	فارغ التحصیل	علوم وفنون مکمل	ابتر	خراب، ردی
موشگافیاں	باریکیاں	〃	کرنے والا	مقصود بالذات	بذاتِ خود مطلوب
کلیتاً	مکمل طور پر	آثار	اثر کی جمع	تصرف کرنا	دست اندازی کرنا
محقق	تحقیق کرنیوالا	موصوف	جسکی صفت یا تعریف	رصد خانہ	وہ مینار یا مقام
〃	عالم	〃	کی گئی ہو	〃	جس سے تاروں کے
استحکام	مضبوطی	عظمت وجلال	بڑائی وشان وشوکت	〃	حالات دیکھے جاتے
آرٹیکل	مضمون	صنائع	کاریگریاں، ہنرمندیاں	〃	ہیں
معمور	بھرا ہوا	قصداً	ارادۃً	سلف	اگلے زمانے والے
آب وتاب	چمک دمک	کھلتا نہیں	چھپتا نہیں، خوب	〃	گزشتہ بزرگ
مفاخر	فخر کی جمع		نہیں لگتا		
		〃		〃	〃

خلاصہ

عرب کا سادہ طریقہ تعلیم :- ۱۲۵ھ تک یعنی جب تک تصنیف وتالیف شروع نہیں ہوتی تھی جو طریقہ تعلیم تھا وہ عرب کے سادہ اور قدرتی طرزِ زندگی کے لیے مناسب تھا۔ علوم وہ تھے جن کا زیادہ تر تعلق حافظہ سے تھا۔ بحث طلب مسائل بھی معمولی بوجھ سوجھ سے بالاتر نہ تھے اور طرزِ تعلیم سفر و روایت کا تھا جو قدیم زمانے سے رائج تھا۔

تعلیم میں وسعت و باقاعدگی :- لیکن سو سال کی مدت میں تہذیب و تمدن میں بہت کچھ ترقی ہوئی اور اسی لحاظ سے تعلیم بھی زیادہ تر وسیع مرتب اور باقاعدہ ہو چلی۔ اس دور میں زیادہ تر نحو، معانی، لغت، فقہ، اصولِ حدیث، تاریخ اور اسماء الرجال کے علوم رائج تھے۔ عقلی علوم کا رواج عام نہ ہوا کیونکہ حکومت نے ان کی اشاعت پر زور نہ دیا اور عوام کو ان سے دلچسپی نہ تھی۔

تعلیم کی اشاعتِ عام :- تعلیم کا یہ دوسرا دور بڑا دلچسپ ہے۔ اسلامی حکومت تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ فتوحات کا سیلاب اب رکتا چلا ہے مفتوحہ ممالک میں امن و انتظام کا عمل ہے۔ سینکڑوں عرب قبائل دور دراز ملکوں میں آباد ہوتے جاتے ہیں نئی قومیں اسلام کے حلقے میں داخل ہو رہی ہیں لیکن اب تک حکومت کی طرف سے تعلیم کا کوئی باقاعدہ نظام نہیں ہے لیکن علوم و فنون تیزی اور وسعت سے بڑھ رہے ہیں۔ اسلامی سلطنت کا ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک گاؤں علمی صداؤں سے گونج اٹھا ہے۔ تمام علوم پر عربی زبان کی مہر لگی ہے عام تعلیم کے لیے ہزاروں مکتب قائم ہیں اوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے حجرے اور علماء کے ذاتی مکان تھے۔ ان سادہ اور بے تکلف عمارتوں میں بعد کے قصر و ایوان سے بڑھ کر تعلیم کا فروغ ہوا۔ علم کا گھر گھر چرچا ہے۔ مختلف علوم پر سینکڑوں ہزاروں کتابیں موجود ہیں

بیش قیمت علمی سرمایہ :- اگرچہ مختلف انقلابات کی غارت گری کے بعد ہمارے پاس جو کچھ رہ گیا تھا۔ وہ ہزار میں ایک بھی نہیں ہے تاہم ہر عہد میں ہم سینکڑوں علماء کا نشانہ دے سکتے ہیں۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے مطابق مسلمانوں کے اسماء الرجال میں پانچ لاکھ مشہور عالموں کا حال مل سکتا ہے۔

وسیع حلقہ ہائے درس :- ایک ایک استاد کے حلقہ درس میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں طلبہ مشغول درس ہوتے تھے بعض حلقہ درس ایسے ہوتے تھے۔ جن میں دس ہزار سے زائد دواتیں رکھی جاتی تھیں اور لوگ احادیث نبویؐ لکھتے تھے اس بڑے مجمع میں دو سو علماء حاضر ہوتے تھے جو اجتہاد اور فتویٰ دینے کی پوری قابلیت رکھتے تھے۔

املاء اور لیکچر کا طریقہ :- اس دور میں تعلیم کا مستند طریقہ وہی تھا جو آج مہذب ملکوں میں جاری ہے یعنی املاء۔ جس کو لیکچر دینا کہتے ہیں۔ استاد ایک بلند مقام پر بیٹھ جاتا تھا اور کسی فن کے مسائل زبانی بیان کرتا تھا اور طلبہ لکھتے جاتے تھے اور اس طرح مستقل کتاب تیار ہو جاتی تھی۔

علم کی خاطر سفر :- اعلیٰ تعلیم کے لیے طویل سفر کیے جاتے اور اہلِ کمال سے استفادہ

کیا جاتا اور اسے لازمی سمجھا جاتا۔ بغداد، نیشا پور، قرطبہ وغیرہ میں گو ہر فن کے کامل موجود تھے۔ مگر یہاں کے رہنے والے بھی مغرب کی خاک چھانے بغیر نہ رہتے تھے۔ جس کثرت اور جوش وخروش سے تعلیم کے لیے ہمیشہ مسلمان سفر کرتے رہے ہیں، دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

بحث ومناظرہ:۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک دوسری لازمی چیز مناظرہ کی مجلسیں تھیں جگہ جگہ بحث ومناظرہ کے لیے خاص وقت اور مقام مقرر تھے۔ ان میں علماء اور طلبہ دونوں شریک ہوتے تھے اور کوئی ممتاز عالم بحث کا تصفیہ کرتا تھا۔ یہ جلسے معمولی نصاب تعلیم ختم کرنے کی بہ نسبت بہت زیادہ مفید ہیں۔

سندِ اسناد:۔ تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد استاد ایک تحریری سند عطا کرتا تھا جس سے درس دینے کی اجازت لکھی ہوتی تھی۔ ایک مخصوص لباس عبا بھی پہننے کی اجازت دے دی جاتی تھی۔

تعلیم کی وسعت کے اسباب:۔ تعلیم کی وسعت کے کئی اسباب تھے۔ تعلیم مذہب کا ایک ضروری جزو بن گئی تھی۔ دیگر علوم بھی مذہبی تعلیم کے ضروری اجزاء تھے۔ فلسفے اور علم الکلام کا رواج عام ہو رہا تھا۔ اسلام کا جوش تازہ تھا اور رگوں میں ابھی عرب خون تھا۔ حوصلے اور ارادے بلند تھے اس لیے علوم وفنون کو خوب فروغ اور کمال حاصل ہوا۔ غیر عرب چونکہ تمدن ومعاشرت سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے، اس لیے ان علماء نے اپنے استاد (عرب) سے زیادہ کام کیا ہے اسی لیے ان علوم کے ماہرین قریباً کل عجمی ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیم مسجدوں اور درسگاہوں تک محدود نہ تھی وزراء، حکام، فوجی افسر اور اہلِ منصب سے ہر طبقے کے لوگ پڑھتے پڑھاتے رہتے تھے۔ پھر تعلیم میں نہایت آزادی تھی۔ کسی مقررہ نصاب کی پابندی ضروری نہیں تھی۔ جو شخص خاص فن کو چاہتا تھا، حاصل کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وزراء اور اہلِ منصب کا گروہ جو شائقین علم کی سرپرستی کرتا تھا، عموماً تعلیم یافتہ اور پایہ شناس تھا۔ تعلیم کی اشاعت کا یہ بہت بڑا سبب تھا۔ سلاطین و وزراء تو ایک طرف معمولی رئیس کی خدمت میں سینکڑوں ادیب وفاضل موجود رہتے تھے تمام ملک میں لیاقت اور شہرت پیدا کرنے کا ایک عام جوش پھیل گیا تھا۔ تعلیم کا یہ فروغ پرائیویٹ تعلیم گاہوں کا مرہون منت ہے۔

مخصوص پابندیاں:۔ رفتہ رفتہ ان درس گاہوں میں خاص خاص قاعدوں کی پابندیاں شروع ہوئیں اور سلطنت عثمانیہ کے زمانے میں تو تعلیم کا ایک جداگانہ قانون پاس کیا گیا۔ آٹھویں صدی سے پہلے فارغ التحصیل ہونے کے لیے ایک خاص مدت معین ہو چکی تھی۔ مراکو وغیرہ میں سولہ برس اور تیونس میں پانچ برس طالب علم کو تعلیم گاہ میں رہنا

فنی اور کتابی تعلیم:- تیسرے دور میں صرف ونحو اور منطق وغیرہ کی موشگافیوں نے تعلیم کو نہایت ابتر کر دیا، عمر کا ایک بڑا حصہ انہی کی نذر ہو گیا اور وہ علوم حاصل نہ ہو سکے جو مقصودِ اصلی تھے۔ تصانیف کی کثرت اور ان کے داخلِ نصاب ہونے سے بھی بہت نقصان پہنچا، پہلے اور دوسرے دور میں زیادہ تر فن کی تعلیم ہوتی تھی لیکن تیسرے دور نے کتابی تعلیم کی بنیاد ڈالی جس میں اصلی مسائل سے زیادہ غیر متعلق باتوں سے بحث ہوتی تھی اور ان مدرسوں میں فلسفہ ومنطق کی تعلیم کا بہت کم اہتمام تھا

انقلاباتِ حکومت:- اسلامی ممالک میں انقلاباتِ حکومت کے باوجود علوم وفنون کو نقصان نہ پہنچا بلکہ علمی آثار محفوظ رہتے تھے البتہ ہلاکو خان نے نہ صرف بغداد کو غارت کیا بلکہ تمام ممالک اسلامی کو برسوں تک بے چراغ کر دیا تاہم اوقاف میں کچھ تصرف نہ کر سکا۔ بلکہ بغداد وغیرہ کے تمام اوقاف محقق طوسی کے ہاتھ میں دے دیئے۔ ممالک اسلامی میں جب کوئی نئی حکومت قائم ہوتی تھی تو اسے استحکام کی خاطر مدرسوں کی تعمیر اور علم کی اشاعت میں پچھلی حکومتوں سے زیادہ فیاضیاں دکھانی پڑتیں۔

اسلامی تعلیمات کی ادنیٰ جھلک:- ہم نے اس مضمون میں کسی قدر تفصیل سے مدرسوں کے حالات دیکھے ہیں، لیکن اس مختصر پیمانے سے اسلامی تعلیم کا مکمل اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہماری علمی فیاضیوں اور کمالات کو مدرسوں سے باہر ڈھونڈنا چاہیئے مصر، مدرسوں اور دار العلوم سے معمور تھا، خود مصر کی ایک جامع مسجد میں چالیس سے زیادہ حلقۂ درس تھے جن میں ہر قسم کے علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے۔

حاصلِ کلام:- میں نے اس مضمون میں جان بوجھ کر پرہیز کیا ہے کہ سلف کے کارنامے زیادہ آب وتاب سے لکھوں۔ قوم کی آج یہ حالت ہے کہ جتنا لکھا گیا ہے یہ بھی اس کے چہرے پر نہیں کھلتا، ہم سلف پر کیا فخر کر سکتے ہیں ہم نے جب خود کچھ نہیں کیا

مرکزی خیال

اس مضمون کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے علوم وفنون کے میدان میں بے پناہ ترقی کی اور بیش بہا خدمات سر انجام دیں وہ علم کی سچی لگن رکھتے تھے اور انہوں نے اسے اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا جگہ جگہ مدرسے اور حلقہ ہائے درس قائم تھے، حکومت کی سرپرستی کے بغیر ہی پرائیویٹ درسگاہیں قائم تھیں جو اوقاف کے ذریعے چلتی تھیں تعلیم مذہب کا ایک حصہ تھی اور یہ

املا اور لیکچر کے ذریعے دی جاتی تھی بحث ومناظرہ اور سفر علم کے اہم ذرائع تھے ، بادشاہ ، وزیر اور رئیس سب کے سب علم کے دلدادہ تھے اور وہ خوب اس کی سرپرستی کرتے تھے ، علماء وفضلاء کی بے حد قدر ہوتی تھی اور انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا افسوس کا مقام ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے علمی کارناموں کو فراموش کر بیٹھے ہیں اور بے علمی کا شکار ہو گئے ۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

پیروں کی تشریح

پیرا ۱ : ان سب باتوں پر دیکھو کہ علوم وفنون کسقدر تیزی اور وسعت سے بڑھتے جاتے ہیں ۔ مرو، ہرات ، نیشاپور ، بخارا ، فارس ، بغداد ، مصر ، شام اور اندلس کا ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک گاؤں علمی صداؤں سے گونج اٹھا ہے ۔ عام تعلیم کے لیے ہزاروں مکتب قائم ہیں جن میں سلطنت کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے اور جو آج کل کے تحصیلی مدارس سے زیادہ مفید اور فیاض ہیں ۔ اوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مسجدوں کے صحن ، خانقاہوں کے حجرے ، علماء کے ذاتی مکانات ہیں لیکن ان کے سادہ اور بے تکلف عمارتوں میں جس وسعت اور فیاضی کے ساتھ تعلیم کی ترویج ہو رہی ہے ، بڑے بڑے عالیشان قصر وایوان میں بھی جو پانچویں صدی کے آغاز میں اس غرض سے تعمیر ہوئے ، اس سے زیادہ کچھ نہ ہو سکی ۔

حوالہ متن : یہ اقتباس مولانا شبلی نعمانی کے مضمون " مسلمانوں کا قدیم طرز تعلیم " سے لیا گیا ہے ۔

سیاق وسباق : مصنف کہتا ہے کہ مسلمانوں کے قدیم دور میں علوم وفنون کی اشاعت وسیع پیمانے پر ہوتی تھی ۔ تعلیم کا یہ دور طرح اور عجیب دلچسپیوں سے بھرا ہے ۔ ٹیگس سے دریائے سندھ کے کنارے تک اسلام حکومت کر رہا تھا ۔ حجازی فتوحات کا سیلاب اب رکتا چلا تھا ۔ مفتوحہ ممالک میں امن وانتظام کا عمل ہوتا جاتا تھا ۔ سینکڑوں قبیلے ریگستان عرب سے نکل کر دور دراز ملکوں میں آباد ہوتے جاتے تھے بہت سی قومیں دلی ذوق سے اسلام کے حلقے میں داخل ہو رہی تھیں ۔ تمام علوم پر عربی زبان کی مہر لگی تھی ۔ اگرچہ حکومت کی باقاعدہ سرپرستی نہ تھی تاہم تعلیم کا دائرہ اور میدان بہت وسیع تھا ۔

تشریح : ان تمام باتوں پر غور کرو اور دیکھو کہ علم وفن کے میدان میں کس قدر ترقی ہو رہی ہے اور تعلیم کا سلسلہ کس قدر وسیع ہوتا جا رہا ہے ۔ ہر طرف علم وفن

کا چرچا تھا، مرو، ہرات، نیشاپور، بخارا، فارس (ایران)، بغداد، مصر، شام اور اندلس کا ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک گاؤں علمی چہل پہل سے گونج رہا تھا۔ بقول مولانا حالی

ہر اک شہر و قریہ کو یوں نہ بنایا
مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا

لوگوں کی تعلیم کے لیے سینکڑوں ہزاروں مدرسے قائم تھے جن کے انتظام کے لیے حکومت کا کوئی حصہ نہیں تھا اور جو آج کل کے ان مدرسوں سے زیادہ کارآمد اور مفید مطلب تھے اور خرچ بھی خوب تھے جو مختلف ذرائع سے چندا اور ٹیکس فراہم کرتے تھے۔ درمیانہ اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے چھوٹے چھوٹے کمرے اور عالموں فاضلوں کے ذاتی مکانات وقف تھے لیکن ان سادہ اور تکلف سے خالی عمارتوں میں جس قدر وسعت، کھلے دل کے ساتھ اور جذبۂ سخاوت کے ساتھ علم کی توسیع واشاعت ہو رہی تھی، وہ بڑے بڑے شاندار محلوں میں بھی نہ ہوتی تھی جو پانچویں صدی میں اس مقصد کے لیے بنائے گئے تھے کیونکہ یہ ادارے اس جذبہ وسرگرمی سے خالی تھے جو پہلے لوگوں کا شیوہ تھا۔

پیرا ۲:۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دور دراز مسافتوں کا طے کرنا اور متعدد اہلِ کمال کی خدمت میں پہنچ کر فائدہ اٹھانا نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ مشہور اہلِ فن کی لالف چھان ڈالو، اس زمانے میں ایک مشہور فاضل جو سفر کی زحمت اٹھائے بغیر اپنے فن میں نامور رہا ہو۔ اس زمانے کے لوگ ہمیشہ اس کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بغداد، نیشاپور، قرطبہ وغیرہ میں گو ہر فن کے کامل موجود تھے مگر ان شہروں کے رہنے والے بھی مشرق و مغرب کی خاک چھانے بغیر نہیں رہتے تھے۔ علامہ مقری کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ انہی علماء کے حالات میں ہے جو سپین سے مصر و شام و بغداد گئے یا ان مقامات سے چل کر سپین میں داخل ہوئے۔ جس کثرت اور جوش و سرگرمی سے تعلیم کے لیے مسلمان سفر کرتے رہے ہیں دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر موجود نہیں ہے۔

حوالہ متن:۔ یہ عبارت مولانا محمد شبلی نعمانی کے مضمون "مسلمانوں کا قدیم طریقِ تعلیم" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق:۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کے عہدِ قدیم میں علوم و فنون کا بہت رواج اور چرچا تھا۔ تعلیم کی وسیع پیمانے پر اشاعت و تعلیم ہو رہی تھی اگرچہ حکومت کی باقاعدہ سرپرستی نہ تھی تاہم پرائیویٹ طور پر پوری اسلامی سلطنت میں مدرسوں اور مکتبوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ ایک ایک استاد کے حلقۂ درس میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں طالب علم مصروف درس نظر آتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس زمانے کے بعض حلقۂ درس ایسے ہوتے تھے جن میں دس ہزار سے

زائد روایتیں رکھی جاتی تھیں اور لوگ احادیثِ نبوی لکھتے تھے اس دور میں تعلیم کا مستند طریقہ وہی تھا جو آج مہذب ملکوں میں جاری ہے۔ یعنی املا جس کو اُردو میں لیکچر دینا کہتے ہیں۔

تشریح:۔ اعلیٰ درجے کی تعلیم کے لیے دور دور مقامات کے لمبے چوڑے سفر طے کئے جاتے تھے اور اس طرح کئی باکمال حضرات کی خدمت میں پہنچ کر فائدہ اٹھانا بے حد ضروری اور لازمی خیال کیا جاتا تھا جیسا کہ حدیث نبویؐ ہے:

"جو شخص علم کی خاطر گھر سے سفر پر نکلتا ہے وہ جنت کے راستے پر چلتا ہے۔"

ایک اور حدیث شریف ہے کہ:

علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔

مشہور باکمال حضرات کے حالاتِ زندگی دیکھو اور تحقیق کرو، اس زمانے میں ایک مشہور عالم فاضل جو سفر کی تکلیف اٹھائے بغیر اپنے فن اور علم میں مشہور ہوا، اس زمانے کے لوگ ہمیشہ اس کو تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے کہ اس نے پورا کمال حاصل نہیں کیا۔ بغداد، نیشاپور، قرطبہ وغیرہ میں جواہراتِ علم و فن کے باکمال حضرات موجود تھے لیکن ان شہروں کے رہنے والے بھی مشرق و مغرب کے علمی مراکز کا رخ کرتے تھے اور لمبے چوڑے سفر کئے بغیر نہ رہتے تھے۔ علامہ مقری کی تاریخ کا ایک بہت بڑا حصہ ایسے ہی عالموں اور فاضلوں کے حالات میں ہے جو سپین سے مصر و شام و بغداد گئے یا ان جگہوں سے چل کر سپین میں داخل ہوتے جس کثرت و زیادتی اور جوش و جذبہ کے ساتھ تعلیم کے لیے ہمیشہ مسلمان سفر کرتے رہے ہیں دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کوئی دوسری قوم اس سلسلے میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

پیرا ۳۔ انقلاباتِ حکومت جو کثرت سے ممالک اسلامی میں ہوا کئے، علمی مقاصد کے لیے اکثر مفید ثابت ہوئے۔ ایک خاندان گو کلیتاً برباد ہو جاتا تھا مگر اس کے علمی آثار اکثر محفوظ رہتے تھے جو وسائل اور علاقے ان مدرسوں پہ پہلے وقف ہو چکے تھے دوسری نئی حکومت ان کو غصب نہیں کر سکتی تھی ہلاکو خان نے نہ صرف بغداد کو غاصب کیا بلکہ تمام ممالکِ اسلامی کو برسوں تک بے چراغ کر دیا تاہم اوقاف میں کچھ تصرف نہ کر سکا اس نے بغداد وغیرہ کے تمام اوقاف محقق طوسی وغیرہ کے ہاتھ میں دیئے جس کا بہت بڑا حصہ محقق موصوف نے رصد خانے کی تعمیر میں صرف کیا۔ ممالک اسلامی میں جب کوئی نئی حکومت قائم ہوتی تھی تو اس کو استحکام سلطنت اور عظمت و جلال قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ مدرسوں کی تعمیر اور علم کی اشاعت میں پچھلی حکومتوں سے زیادہ ضیافیاں دکھائے۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس مولانا محمد شبلی نعمانی کے مضمون "مسلمانوں کا قدیم طرزِ تعلیم" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کے قدیم عہد میں تعلیم کو فروغ حاصل ہوا اور علوم و فنون میں بہت ترقی ہوئی۔ گھر گھر تعلیم کا چرچا تھا اگرچہ حکومت باقاعدہ سرپرستی نہیں کرتی تھی تاہم پرائیویٹ طور پر مدرسوں اور مکتوب کا وسیع جال پھیلا ہوا تھا اور ان مدرسوں اور مکتبوں کے لیے وسیع علاقے اور ذرائع وقف تھے۔ اگرچہ حکومتیں بدلتی رہتی تھیں اور انقلابات آتے رہتے تھے، لیکن تعلیمی اداروں کا نظام بدستور چلتا رہتا تھا۔ فاتح حکمران ان میں دخل اندازی نہیں کرتا تھا بلکہ اپنی نیک نامی اور استحکام سلطنت کے لیے ان تعلیمی اداروں کی زیادہ سے زیادہ سرپرستی کرتا تھا۔

تشریح:۔ اسلامی حکومتوں میں وسیع پیمانے پر انقلابات آتے رہتے تھے اور حکومتیں بدلتی رہتی ہیں لیکن علمی لحاظ سے یہ انقلاب مفید ثابت ہوئے۔ اگرچہ ایک خاندان مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جاتا تھا مگر اس کی علمی نشانیاں اکثر سلامت و محفوظ رہتی تھیں جو ذرائع اور علاقے ان مدرسوں کے لیے پہلے وقف ہو چکے تھے۔ نئی حکومت ان کو ضبط نہ کرتی تھی۔ ہلاکو خاں نے نہ صرف بغداد کو تباہ و برباد کیا بلکہ تمام اسلامی ممالک کو ویران کر دیا۔ پھر بھی وہ اوقاف میں دخل اندازی نہ کر سکا اس نے بغداد وغیرہ کے تمام وقف مشہور عالم تحقیق کرنیوالے طوسی کے سپرد کر دیئے جس کا بہت بڑا حصہ انہوں نے ایسی تجربہ گاہیں بنانے پر خرچ کیا جن میں ستاروں کی گردش کا مشاہدہ کیا جاتا تھا۔ اسلامی ملکوں میں جب کوئی نئی حکومت قائم ہوتی تھی تو اس کو حکومت کی مضبوطی اور شان و شوکت قائم رکھنے کے لیے ضرور تھا کہ مدرسے بنانے اور علم کے پھیلانے میں پچھلی حکومتوں سے زیادہ سخاوتیں دکھائے اس طرح وہ نیک نامی حاصل کرنے کی غرض سے زیادہ سے زیادہ علم کی اشاعت میں حصہ لیتی تھی۔

سوالات

سوال ا:۔ مسلمانوں کے عہدِ قدیم میں تعلیم کی اشاعت و وسعت پر نوٹ لکھیے۔

جواب:۔ اسلام کی حکومت گنگا سے دریائے سندھ کے کنارے تک قائم تھی۔ فتوحات کے بعد اب ملکی انتظام کی طرف توجہ دی جا رہی تھی، سینکڑوں قبیلے ریگستان عرب سے نکل کر دور دراز ملکوں میں آباد ہوئے نئی قومیں اسلام کے حلقہ میں داخل ہو کر رہی تھیں۔ شعبہ تعلیم اگرچہ باضابطہ طور پر حکومت کی سرپرستی میں تھا، تاہم لوگوں کے دلوں میں ایسی لگن اور تڑپ تھی کہ علوم و فنون بڑی تیزی اور وسعت کے ساتھ پھیل رہے تھے۔ ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک گاؤں علمی صداؤں سے گونج اٹھا۔ عام تعلیم کے لیے ہزاروں مکتب قائم تھے۔ جن میں سلطنت کا کچھ حصہ بھی نہیں تھا اوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لیے

مسجدوں کے صحن خانقاہوں کے حجرے اور علماء کے ذاتی مکانات تھے، لیکن ان سادہ اور بے تکلف عمارتوں میں جس قدر علم کو فروغ ہوا وہ بعد میں قائم ہونے والے قصر و ایوان میں کبھی نہ ہو سکا۔ اگرچہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کتنے فیصدی آدمی تعلیم یافتہ تھے، تاہم یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی تھی کہ علم کا عام چرچا تھا اور لوگوں میں حصولِ علم کا بے پناہ شوق و جذبہ تھا۔

سوال ۲:۔ مسلمانوں کے عہد قدیم میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا طریق کار کیا تھا؟

جواب:۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے دو طریقے تھے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ دور دراز علاقوں کا سفر کیا جاتا تھا اور متعدد اہلِ کمال کی خدمت میں پہنچ کر فائدہ اٹھایا جاتا تھا بلکہ اسے لازمی سمجھا جاتا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس زمانے میں اگر کوئی مشہور فاضل جو سفر کی زحمت اٹھائے بغیر اپنے فن میں نامور ہوا اس زمانے کے لوگ ہمیشہ اس کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، بغداد، نیشاپور، قرطبہ وغیرہ میں گو ہر فن کے کامل موجود تھے مگر ان شہروں کے رہنے والے بھی مشرق و مغرب کی خاک چھانے بغیر نہیں رہتے تھے جس کثرت، جوش اور سرگرمی سے تعلیم کے لیے ہمیشہ مسلمان سفر کرتے رہے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں اسکی نظیر موجود نہیں ہے۔

دوسری چیز جو اعلیٰ تعلیم کے لیے گویا لازمی تھی، مناظرہ کی مجلسوں میں شریک ہونا تھا۔ مشہور شہروں میں بحث و مناظرہ کے لیے خاص وقت اور مقام مقرر تھے۔ امراء اپنے مقام پر مجلسیں منعقد کرتے تھے۔ ان میں علماء اور طلبہ دونوں شریک ہوتے تھے اور کوئی ممتاز عالم بحث کے تصفیے کے لیے منتخب کیا جاتا تھا۔ یہ جلسے جن میں زیادہ تر حق پسندی اور انصاف کا استعمال ہوتا تھا معمولی نصابِ تعلیم ختم کرنے کی بہ نسبت بہت زیادہ مفید اور پُر اثر تھے۔

سوال ۳:۔ عہدِ قدیم میں تعلیم کی وسعت کے کیا اسباب تھے؟

جواب:۔ ۱۔ تعلیم مذہب کا ایک ضروری جزو بن گئی تھی۔ قرآن و حدیث عربی زبان کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے اتنے تعلق سے نحو، صرف، لغت معانی اور اسماء الرجال بھی گویا مذہبی تعلیم کے ضروری اجزاء تھے۔ فلسفہ اور علم کلام کو بہت فروغ ملا۔ اسلام کا جوش تازہ تھا قوم کی رگوں میں ابھی عرب کا لہو تھا ان کے حوصلے اور ارادے بلند تھے۔ عرب کے سوا دوسری قومیں جو اسلام قبول کر چکی تھیں، مذہب نے ان کو بھی سرگرم جذبات سے بھر دیا تھا۔ یہاں تک کہ غیر عرب علمائے نے اپنے استاد (عرب) سے زیادہ کام کیا۔

۲۔ تعلیم مسجدوں اور علماء کی خاص درسگاہوں تک محدود نہ تھی بلکہ وزراء، حکام، فوجی افسر اور اہلِ منصب میں سے ہر طبقے کے لوگ پڑھتے پڑھاتے رہتے تھے۔

۳۔ تعلیم میں نہایت آزادی تھی۔ کسی مقررہ نصاب کی پابندی ضروری نہ تھی۔ جو شخص جس خاص فن

کو چاہتا تھا، حاصل کر سکتا تھا۔ اس طرح ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مہارت حاصل کرتا تھا۔

۴۔ امراء اور اہلِ منصب کا گروہ جو شائقینِ علم کی سرپرستی کرتا تھا۔ عموماً تعلیم یافتہ اور پایہ شناس تھا۔ تعلیم کی اشاعت کا یہ بہت بڑا سبب تھا۔ سلاطین و وزراء تو ایک طرف معمولی سے معمولی رئیس کی خدمت میں سینکڑوں ادیب فاضل موجود ہوتے تھے اور چونکہ ان کی تنخواہیں کسی خدمت کے بدل نہ تھیں بلکہ ان کا ذاتی کمال اور قبولِ عام مہنگے داموں کو خریدا جاتا تھا۔

مولوی عبدالحق

۱۸۷۰ء ——— تا ——— ۱۹۶۱ء

مولوی عبدالحق بابائے اردو کہلاتے ہیں۔ وہ اردو کے صاحبِ طرز انشا پرداز، ماہر لسانیات، مؤرخ، محقق اور نقاد تھے۔ اردو زبان کے لئے ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں، ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات سادگی، استدلال، رنگینی و شگفتگی، ایجاز و اختصار، متنوع اسلوب، ہندی الفاظ کا استعمال اور شخصیت نگاری ہیں۔

"قائدِ اعظم اور اردو"

مشکل الفاظ کے معانی:-

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
سروکار	تعلق، واسطہ	اہل	قابل	شرف	سعادت
بیرسٹر ایٹ لاء	قانون کی اعلیٰ ڈگری	تاکیدیہ	تاکید کے ساتھ	قیاس	خیال
〃	رکھنے والا	رفاقت	ہمراہی، دوستی	غنیمت	کافی
احباب	حبیب کی جمع،	ریزولیشن	قرارداد، مطالبہ	مسوّدہ	وہ عبارت جو سرسری
〃	دوست	ملاحظہ کے لیے	معائنہ کے لیے	〃	لکھی جائے اور جس کے
حشر ہونا	انجام ہونا	ترویج	اشاعت کرنا،	〃	صاف کرنے کی ضرورت
آفیشل	سرکاری	〃	رواج دینا	〃	پڑے
فصیح	خوش کلام، شیریں	تائید	حمایت	موافقت	اتفاق ہونا، میل ہونا
〃	زبان	قرارداد	مطالبہ	قدم رنجہ فرمانا	تشریف لانا،
لنچ	دوپہر کا کھانا	مدعو کرنا	دعوت دینا	نذر کرنا	پیش کرنا
شب	رات	کم و بیش	کم اور زیادہ،	محبوبِ زبان	پیاری زبان
لہٰذا	اس لیے	〃	تقریباً	صریح	صاف اور واضح
روئداد	حقیقتِ حال	ہمت افزا	ہمت بڑھانے والا	قطعۂ اراضی	زمین کا ٹکڑا
	کارروائی	تخمینہ	اندازہ	عطیہ	تحفہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
پنڈال	بڑا سا شامیانہ جس	عرضداشت	درخواست	اس ضمن میں	اس سلسلے میں
"	کے نیچے چار طرف	اس اثنا میں	اس دوران	بالمشافہ	آمنے سامنے
"	قناتیں لگا کر گھیر دیتے	شگوفہ	کلی، انوکھی بات	تقاضا	ضد، اصرار
"	تھے اور جو بڑے جلسوں	اشتیاق	شوق	خفا ہونا	ناراض ہونا
"	کے لیے بنایا جاتا تھا	بے تحاشا	اندھا دھند	بے اطمینانی سے	بیچید
"	جلسہ گاہ	امید خاک میں ملنا	امید پوری نہ ہونا	مجمع	بھیڑ، ہجوم
معرکہ آرا	دھوم دھام کی	وسط	درمیان	المناک	دردناک
"	زبردست	عزیز تر	پیاری	تلف ہونا	ضائع ہونا
کام کا ڈول ڈالنا	عملی کام شروع کرنا	افتتاح	کھولنا، شروع کرنا	ناسازیٔ طبع	طبیعت کا خراب ہونا
معذرت کرنا	معذوری و مجبوری	ہجوم کار	کام کی کثرت	قاصر	مجبور، کوتاہی کرنے
"	ظاہر کرنا	-	-	"	والا

خلاصہ

سیاست سے لاتعلقی:- مولوی عبدالحق کہتے ہیں کہ میں سیاسی تحریکوں سے ہمیشہ الگ رہا اگرچہ کانگریس، مسلم لیگ اور خلافت وغیرہ میرے سامنے وجود میں آئیں لیکن ان میں سے کسی جماعت سے کبھی تعلق نہ رہا۔ قائدِ اعظمؒ سیاست اور قانون کے مردِ میدان تھے لیکن مجھے کبھی ان سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔

قائدِ اعظمؒ سے ملاقات کی تجویز:- ۱۹۳۷ء میں قائدِ اعظمؒ کا ایک خط میرے نام آیا جس میں انہوں نے ملاقات کی خواہش کی تھی۔ علامہ اقبال اور میاں بشیر احمد ایڈیٹر ہمایوں کے خطوط بھی آئے جن میں یہ تاکید تھی کہ میں قائدِ اعظم سے ضرور ملوں۔ علامہ اقبال کو شاید یہ اندیشہ تھا کہ میں کانگرس یا ہندی والوں سے کوئی سمجھوتہ نہ کر لوں جو اردو کے حق میں مفید نہ ہو۔

قائدِ اعظمؒ سے ملاقات:- عبدالرحمٰن صدیقی صاحب کی رفاقت مجھے غنیمت معلوم ہوئی روانگی سے پہلے میں نے ایک قرارداد اردو کے متعلق تیار کر لی تھی جو ہم مسلم لیگ کی کونسل میں پیش کرنا چاہتے تھے چنانچہ میں صدیقی صاحب کے ہمراہ قائدِ اعظمؒ سے ملا انہوں نے تعاون کے لیے کہا اور میں نے اس کا وعدہ کیا پھر میں نے قرارداد کا مسودہ پیش کیا

جسے انہوں نے پسند فرمایا:۔

قرارداد اردو:۔ دوسرے روز کونسل کا اجلاس تھا۔ میرے کہنے پر صدیقی صاحب نے قرارداد پیش کی۔ اس کا جب یہ آخری فقرہ پڑھا گیا کہ مسلم لیگ کی آفیشل زبان اردو ہوگی" تو اس پر بنگالی حضرات واک آوٹ کر گئے۔ اس طرح موافقت اور مخالفت کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ قرارداد اتفاق رائے سے پاس ہو چنانچہ اسمیں ترمیم کر دی گئی کہ "ہر ممکن کوشش کی جائے گی کہ اردو تمام ہندوستان کی عام زبان ہو جائے۔" میں خاموش رہا کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

قائدِ اعظم سے دوسری ملاقات:۔ ۱۹۳۹ء میں انجمن اردو دہلی منتقل ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد قائدِ اعظمؒ دہلی آئے لیکن ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ۱۹۴۵ء میں مولوی سید ہاشمی صاحب کو خیال آیا کہ انہیں انجمن میں بلانا چاہیئے۔ چنانچہ ان کے لکھنے پر قائدِ اعظمؒ انجمن میں تشریف لائے اور ہمارے ساتھ دوپہر کا کھانا منظور فرمایا۔ کچھ اور حضرات کو بھی بلایا گیا۔ قائدِ اعظم سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور انجمن کی مطبوعات کا معائنہ فرمایا۔ میں نے اردو انگریزی لغات اور سرسید کی اردو یونیورسٹی کی تجویز کی ایک نقل نذر کی جو وہ ساتھ لے گئے۔

اینگلو عربک کالج میں آمد:۔ اس کے کچھ دنوں بعد اینگلو عربک کالج کے طلباء نے قائدِ اعظم سے درخواست کی کہ کالج میں تشریف لائیں جسے انہوں نے منظور فرمایا رات کے کھانے پر ملاقات ہوئی۔ قائدِ اعظم نے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے سب سے پہلے اردو میں تقریر کب اور کہاں کی؟ پھر خود ہی فرمایا کہ کئی سال ہوئے کہ میں نے بنگال کے ایک مقام پر اردو میں اپنی اولین تقریر کی۔ یہ میری پہلی اردو تقریر تھی۔ پھر ہنس کر فرمایا: "میری اردو تانگے والے کی اردو ہے۔"

قائدِ اعظم کا واشگاف اعلان:۔ یہ واقعہ بہت اہم ہے کہ جب مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس ۱۹۴۶ء میں دہلی میں ہو رہا تھا، سر فیروز خاں نون نے انگریزی میں تقریر کی جس پر ہر طرف سے اُردو کی فرمائش ہوئی۔ انہوں نے کچھ جملے اُردو میں بولے پھر انگریزی شروع کر دی۔ پھر اعتراض ہوا انہوں نے فرمایا کہ مسٹر جناح بھی انگریزی میں تقریر کرتے ہیں۔" یہ سنکر قائدِ اعظم کرسی سے اٹھے اور واضح الفاظ میں فرمایا کہ "سر فیروز خان نون نے میرے پیچھے پناہ لی ہے، لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہوگی۔ اس پر حاضرین نے بڑے جوش سے تالیاں بجائیں۔

سے انہی دنوں میرے مہربان عبدالرحمٰن صدیقی صاحب حیدر آباد میں میرے مہمان تھے وہ مسلم لیگ کونسل کے ممبر تھے اور اس کے اجلاس میں شریک ہونے کے لیے آئے تھے ان کی رفاقت مجھے غنیمت معلوم ہوئی۔ روانگی سے پہلے بعض احباب کے مشورے سے ہم نے ایک ریزولیوشن بھی اردو کے متعلق تیار کر لیا تھا جو ہم مسلم لیگ کی کونسل میں پیش کرنا چاہتے تھے۔

حوالہ متن: یہ اقتباس بابائے اردو مولوی عبدالحق کے مضمون "قائدِ اعظم اور اردو" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق: مولوی عبدالحق کہتے ہیں کہ ۱۹۳۷ء میں شملے سے قائدِ اعظمؒ کا ایک خط میرے نام آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ قومی کام کر رہے ہیں، میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں ان دنوں لکھنؤ میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہونے والا تھا، اگر آپ وہاں آ کر مجھ سے ملیں تو ممنون ہوں گا۔ اس کے ایک دو روز بعد ہی علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ، میاں بشیر احمد بیرسٹرایٹ لا، ایڈیٹر ہمایوں کے خط آئے جن میں بہ تاکید یہ لکھا گیا تھا کہ میں ضرور مسٹر جناح سے ملوں۔

تشریح: مولوی عبدالحق بیان کرتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ قائدِ اعظمؒ سے میری ملاقات کی کوشش ڈاکٹر اقبال نے کی ہو گی کیونکہ اردو ایک اہم قومی مسئلہ تھا۔ ہو سکتا ہے انہیں اس بات کی فکرمندی ہو کہ میں کانگرس یا ہندی زبان والوں سے کوئی ایسا معاہدہ نہ کر لوں جو اردو کے لیے نقصان دہ ہو۔ اسے ایک اتفاق سمجھیے کہ اسی زمانے میں میرے مخلص دوست عبدالرحمٰن صدیقی صاحب حیدر آباد میں آئے ہوئے تھے اور وہ میرے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ مسلم لیگ کے ممبر تھے اور اس کے اجلاس (میٹنگ) میں شامل ہونے کے لیے آئے تھے۔ میں نے ان کی ہمراہی اور دوستی کو کافی سمجھا کہ ایک اچھا موقع ہاتھ آیا ہے۔ روانہ ہونے سے پہلے کچھ دوستوں کے صلاح مشورے سے ہم نے ایک قرارداد بھی اردو کے متعلق تیار کر لی تھی جو ہم مسلم لیگ کی کونسل میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ ہم اس موقع سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

پیرا ۲۔ اس کے دوسرے دن سہ پہر کو دارالسلام میں قائدِ اعظمؒ کی تقریر تھی۔ تقریباً ایک لاکھ کا مجمع تھا۔ سارا صحن اور ہال بھرا ہوا تھا اور بہت سے لوگ درختوں اور چھتوں پر جا بیٹھے تھے۔ قائدِ اعظم نے بہت اچھی اور صاف تقریر کی یہ تقریباً ۴۵ منٹ تک رہی اس کے بعد انہوں نے انگریزی میں تقریر کی۔ یہ بہت معرکہ آرا تقریر تھی خاص کر حیدر آباد کے لیے۔

حوالہ متن: یہ اقتباس بابائے اردو مولوی عبدالحق کے مضمون "قائدِ اعظمؒ اور اردو" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق:- مولوی عبدالحق کہتے ہیں کہ نظام آباد دکن کی دعوت پر قائدِ اعظم حیدر آباد تشریف رہے تھے جب لوگوں کو اس کی اطلاع ملی تو حیدر آباد کے ہوائی اڈے پر بے پناہ ہو گیا جب قائدِ اعظم کا جہاز اڈاے پر اترا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑے جس پر قائدِ اعظم بہت خفا ہوئے اور وہ واپس جہاز کے اندر چلے گئے۔ آخر انہیں بڑی مشکل سے پٹرول کی گاڑی پر بٹھا کر ہجوم سے باہر نکالا گیا۔ اور پھر سرکاری گاڑی میں بٹھا کر سرکاری مہمان خانے میں پہنچایا گیا دوسرے دن قائدِ اعظم اعلیٰ حضرت نظام کی ملاقات کو گئے۔ جب واپس آئے تو میں ملنے گیا۔

تشریح:- مولوی عبدالحق کہتے ہیں کہ قائدِ اعظم حیدر آباد دکن پہنچ چکے تھے اس کے دوسرے دن سہ پہر کو دارالسلام میں قائدِ اعظم کو ایک جلسہ عام میں تقریر کرنی تھی۔ اندازاً ایک لاکھ افراد جمع تھے بہت بڑی بھیڑ تھی سارا صحن اور ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور بہت سے لوگ درختوں اور چھتوں پر چڑھے ہوئے تھے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں قائدِ اعظم کی کتنی محبت اور عقیدت ہے۔ بقول مرزا غالب ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو اور کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔

قائدِ اعظم نے بہت صاف، رواں اور اچھی اردو زبان میں تقریر کی، یہ اندازاً پون گھنٹہ جاری رہی۔ لوگ حیران تھے کہ ایک ایسا شخص جو ہمیشہ انگریزی میں اظہارِ خیال کرتا تھا کس طرح عمدہ اردو میں تقریر کر رہا ہے اس کے بعد انہوں نے انگریزی میں تقریر کی۔ یہ بہت زبردست اور دھوم دھام کی تقریر کی تھی۔ خاص طور پر حیدر آباد اور وہاں کے لیے لوگوں کے لیے۔ گویا موقع محل کی مناسبت سے تھی اور لوگوں کے دلوں میں اتر گئی۔

پیراگراف ۳:- جب سندھ حکومت کی عنایت سے انجمن کو ایک مناسب اور اچھی عمارت مل گئی اور ہم نے کام کا ڈول ڈالا تو قائدِ اعظم سے درخواست کی کہ وہ اس کا افتتاح کریں انہوں نے جواب میں لکھا کہ میں بہت خوشی سے اس کا افتتاح کروں اور ضرور کروں گا اس وقت میں بہت مصروف ہوں سرحد کے دورے سے واپسی پر وسط اپریل کے بعد کسی تاریخ کو افتتاح کی رسم ادا کروں گا" پھر معلوم ہوا کہ غالباً ۳۰ مئی کے لگ بھگ کوئی تاریخ مقرر کی جائے گی لیکن کام کی کثرت اور ناسازیٔ مزاج کی وجہ سے پروگرام جلد بدلتا رہا اور اس کا موقع نہ آیا۔ کوئٹہ کی روانگی سے کچھ دیر قبل انہوں نے فون پر معذرت کی کہ ہجوم کار اور بعض دوسرے حالات کی وجہ سے میں افتتاح کرنے سے قاصر ہوں۔

حوالہ متن:- یہ عبارت بابائے اردو مولوی عبدالحق کے مضمون "قائدِ اعظم اور اردو" سے لی گئی ہے۔

قائدِ اعظم سے ایک اور ملاقات:۔ فروری ۱۹۴۶ء میں انجمن ترقی اردو کی سالانہ کانفرنس بمبئی میں ہوئی۔ یہ کانفرنس بڑی شان سے ہوئی۔ اور اہل بمبئی نے انجمن کے عمارت فنڈ میں بھی کافی امداد کی۔ کانفرنس میں جب قائدِ اعظم کا ہمت افزا پیغام پڑھ کر سنایا گیا تو حاضرین نے خوشی کے نعرے لگائے دوسرے روز میں قائدِ اعظم سے ان کے مکان پر ملنے گیا۔ اگرچہ وہ بیمار تھے۔ پھر بھی وہ نیچے آکر مجھ سے ملے اور کچھ دیر تک کانفرنس اور اردو کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

انجمن کی عمارت کے لیے چندے کا مسئلہ:۔ انجمن نے حکومت ہند سے نئی دہلی میں اپنی عمارت کے لیے ایک قطعہ اراضی خریدا تھا۔ اس کے لیے میں جگہ جگہ چندہ جمع کر رہا تھا۔ توقع تھی کہ حکومتِ نظام کی طرف سے بہت اچھا عطیہ ملے گا چنانچہ اس غرض کے لیے ایک درخواست لکھی گئی اس سلسلے قائدِ اعظم سے بھی ملنا چاہتا تھا چنانچہ ملاقات ہوئی میں نے عرض کی کہ آپ حضور نظام کے نام ایک خط لکھ دیں۔ لیکن انہوں نے ناپسند فرمایا کہ اس طرح بدنامی ہو سکتی ہے۔

قائدِ اعظم کا دورہ حیدر آباد:۔ آخر خدا خدا کر کے وہ دن آیا کہ قائدِ اعظم نے حیدر آباد کی روانگی مقرر کی۔ میں بھی حیدر آباد پہنچ گیا اور لوگ قائدِ اعظم کے جہاز پر ٹوٹ پڑے۔ حیدر آباد کا بڑا ہوائی اڈہ شہر سے کوئی پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ہزارہا لوگ اڈے پر پہنچ گئے اور لوگ قائدِ اعظم کے جہاز پر ٹوٹ پڑے۔ قائدِ اعظم بہت خفا ہوئے اور واپس جہاز میں چلے گئے۔ آخر بمشکل پٹرول گاڑی میں بٹھا کر انہیں ہجوم سے نکالا گیا اور پھر سرکاری گاڑی میں سرکاری مہمان خانے میں پہنچایا گیا۔ دوسرے دن قائدِ اعظم اعلیٰ حضرت کی ملاقات کو گئے جب واپس آئے تو میں ملنے گیا۔ ملاقات کا حال سنایا تو مجھے نہایت افسوس ہوا اور جو بڑی بڑی امیدیں لے کر گیا تھا، وہ خاک میں مل گئیں۔

قائدِ اعظم کی اردو میں عمدہ تقریر:۔ اس کے دوسرے دن سہ پہر کو دارالسلام میں قائدِ اعظم کی تقریر تھی۔ تقریباً ایک لاکھ کا مجمع تھا لوگ درختوں اور چھتوں پر جا بیٹھے تھے۔ قائدِ اعظم نے بہت صاف اور اچھی اردو زبان میں تقریر کی اس کے بعد انہوں نے انگریزی میں تقریر فرمائی۔ یہ بہت معرکہ آرا تقریر تھی۔ میں قائدِ اعظم سے ملا اور مبارکباد دی کہ آپ نے ایسی اچھی اردو میں تقریر کی۔ فرمانے لگے "آپ اردو کے استاد ہیں"۔ میں نے کہا: "آپ کبھی یہ نہ کہیے کہ میری اردو تانگہ والے کی اردو ہے"۔ اس پر وہ مسکرائے۔

تقسیمِ ملک:- ۱۹۴۷ء کے وسط میں تقسیمِ ملک سے حالات کا نقشہ ہی بدل گیا اور جو المناک واقعات گذرے وہ ابھی تازہ ہیں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ انجمن کو بھی اسمیں بہت کچھ جانی و مالی نقصان ہوا اور بہت سی عزیز یادگاریں اور قیمتی مسودے تلف ہو گئے۔

افتتاح سے معذوری اور وفات:- جب حکومت سندھ کی عنایت سے انجمن کو ایک مناسب عمارت مل گئی اور ہم نے کام کا آغاز کیا تو قائدِ اعظم سے افتتاح کی فرمائش کی انھوں نے لکھا کہ "میں خوشی سے سرحد کے دورے کے بعد اس کا افتتاح کروں گا" لیکن کام کی کثرت اور بیماری کے باعث پروگرام بدلتا رہا اور اس کا موقع نہ آیا۔ کوئٹہ کی روانگی سے کچھ دیر قبل انہوں نے فون پر معذرت کی اور لکھا کہ "میں ہجومِ کار اور بعض دوسرے حالات کی وجہ سے افتتاح کرنے سے قاصر ہوں، آپ اس دوران کسی اور سے افتتاح کرا لیجیے مگر میں کسی دوسرے موقع پر انجمن میں ضرور آؤں گا۔" کوئٹہ سے وہ کراچی میں آئے اور ایسے آئے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئے۔

مرکزی خیال

اس مضمون کا مرکزی خیال یہ ہے کہ اگرچہ قائدِ اعظم اظہارِ خیال زیادہ تر انگریزی میں کرتے تھے لیکن وہ اردو کی اہمیت اور اس کے مقام کو خوب سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے واشگاف اعلان کیا کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہوگی۔ قائدِ اعظم نے مختلف مواقع پر اردو میں تقریریں اور اردو کی ترویج و اشاعت کے لیے بابائے اردو مولوی عبد الحق کا ساتھ دیتے رہے اور انجمن ترقی اردو کے کاموں میں دلچسپی کا اظہار کرتے رہے مولوی صاحب سے ان کی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

پیروں کی تشریح

پیرا: ۱:- میرا قیاس یہ ہے کہ ملاقات کی یہ تحریک ڈاکٹر اقبال نے کی ہوگی۔ ان کو شاید یہ اندیشہ تھا کہ میں اہلِ کانگرس یا ہندی والوں سے کوئی سمجھوتہ نہ کر لوں جو اردو کے حق میں مفید نہ ہو۔ اتفاق

سیاق وسباق:۔ مولوی عبدالحق بیان کرتے ہیں کہ قائدِ اعظمؒ ہمیشہ اردو اور ترقی اردو کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ کیونکہ وہ بجا طور پر سمجھتے تھے کہ اردو ہی واحد قومی زبان ہے چنانچہ انہوں نے واشگاف اعلان کر دیا کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو گی پھر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے وسط میں تقسیم ملک کے بعد حالات کا نقشہ ہی بدل گیا اور جو دردناک واقعات گزرے وہ ابھی تازہ ہیں۔ انجمن کو بھی اس میں بہت کچھ جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا اور بہت سی عزیز یادگاریں اور قیمتی مسودے ضائع ہو گئے۔

تشریح:۔ مولوی عبدالحق بیان کرتے ہیں کہ جب حکومت سندھ کی مہربانی سے "انجمن ترقی اردو" کو ایک مناسب اور عمدہ عمارت مل گئی اور ہم نے عملی کام شروع کیا تو قائدِ اعظم سے گذارش کی کہ وہ اس کی رسم افتتاح یعنی کھولنے اور شروع کرنے کی رسم ادا کریں انہوں نے جواب میں لکھا کہ "میں بہت خوشی سے اس کی رسمِ افتتاح ادا کروں گا اور ضرور کروں گا لیکن اس وقت بہت مصروف ہوں، کام کی بھرمار ہے۔ صوبہ سرحد کے دورے سے واپس آکر اپریل کے وسط (درمیان کے بعد) کسی تاریخ کو رسمِ افتتاح ادا کروں گا۔ پھر معلوم ہوا کہ شاید ۳ مئی کے لگ بھگ کوئی تاریخ مقرر کی جائے گی لیکن کام کی زیادتی اور طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے پروگرام جلد تبدیل ہوتا رہا اور اس کا وقت اور موقع نہ آیا۔ کوئٹہ روانہ ہونے سے کچھ دیر پہلے انہوں نے ٹیلیفون پر معذرت ظاہر کی کہ کام کی کثرت اور کچھ دوسرے حالات واسباب کی وجہ سے میں رسمِ افتتاح ادا نہیں کر سکتا بلکہ مجبور ہوں۔" گویا ان کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ تھے لیکن معذور و مجبور تھے۔

سوالات

سوال ۱:۔ قرار دادِ اردو کب اور کن حالات میں پاس ہوئی؟

جواب:۔ مولوی عبدالحق صاحب کہتے ہیں کہ لکھنؤ میں مسلم لیگ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ میں چونکہ لیگ کا ممبر نہیں تھا، اس لیے کوئی قرارداد پیش نہ کر سکتا تھا اس کام کو عبدالرحمٰن صدیقی نے اپنے ذمے لیا یعنی انہوں نے میری تیار کردہ قرارداد پیش کی جب انھوں نے یہ فقرہ پڑھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی آفیشل زبان اردو ہو گی" تو بنگالی حضرات واک آؤٹ کر گئے۔ اب اردو کی موافقت اور مخالفت کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ آخر یہ تجویز ہوئی کہ قرارداد کو یوں بدل دیا جائے کہ "ہر ممکن کوشش کی جائے گی کہ اردو آل انڈیا مسلم لیگ کی آفیشل ہو۔ میں چاہتا تھا کہ قرار دادِ اردو کثرتِ رائے کی بجائے اتفاق رائے سے منظور ہو پھر یہ تبدیلی ہوئی کہ اردو تمام ہندوستان کی عام زبان ہو جائے۔" میں خاموش رہا،

کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

سوال ۲:۔ قائدِ اعظمؒ نے کس موقع پر اعلان کیا تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہوگی؟

جواب:۔ مولوی عبدالحق بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء میں دہلی مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس ہو رہا تھا سر فیروز خاں نون نے اپنی تقریر انگریزی زبان میں شروع کی تو اس پر اعتراض ہوا اور اردو میں کرنے کا مطالبہ ہوا۔ اس سے مجبور ہو کر انہوں نے کچھ جملے اردو میں ارشاد فرمائے اور دوبارہ انگریزی بولنے لگے۔ اس پر پھر اعتراض ہوا اور "اردو، اردو" کا شور و غل ہوا۔ تب آپ نے جل کر فرمایا کہ مسٹر جناح بھی انگریزی میں تقریر کرتے ہیں۔" یہ سنکر قائدِ اعظم اپنی کرسی پر سے اٹھے اور صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا:۔

"سر فیروز خاں نون نے میرے پیچھے پناہ لی ہے۔ لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہوگی۔"

اس پر تمام حاضرین نے بڑے جوش سے تالیاں بجائیں۔

سوال ۳:۔ قائدِ اعظمؒ نے کن مواقع پر اردو میں تقریر کی؟

جواب:۔ قائدِ اعظم نے مختلف مواقع پر اردو میں تقریر کی۔ ایک دفعہ بنگال کے ایک عام مقام پر جلسہ ہو رہا تھا۔ قائدِ اعظم نے پوچھا کہ کتنے لوگ انگریزی سمجھتے ہوں گے؟ بتایا گیا کہ کم و بیش پانچ سو۔ تب انہوں نے کہا کہ "اردو جاننے والے کتنے ہوں گے"؟ جواب ملا "تقریباً ڈیڑھ ہزار۔" ایک تجویز یہ ہوئی کہ قائدِ اعظمؒ انگریزی میں تقریر کریں اور اس کا ترجمہ بنگالی میں کر دیا جائے لیکن قائدِ اعظم نے مشورہ نہ مانا اور اردو میں تقریر کی۔ یہ قائدِ اعظم کی پہلی اردو تقریر تھی۔

قائدِ اعظم نے اردو میں دوسری تقریر دارالسلام حیدرآباد میں کی۔ تقریباً ایک لاکھ کا مجمع تھا۔ سارا صحن اور ہال بھرا ہوا تھا اور بہت سے لوگ درختوں اور چھتوں پر جا بیٹھے تھے۔ قائدِ اعظمؒ نے بہت صاف اور اچھی اردو زبان میں تقریر کی۔ یہ تقریباً پینتالیس منٹ تک رہی اس کے بعد انہوں نے انگریزی میں تقریر کی۔ مولوی عبدالحق نے اردو میں اتنی عمدہ تقریر کرنے پر مبارکباد دی۔

سوال ۴:۔ قائدِ اعظمؒ نے "اردو زبان اور انجمن ترقی اردو" کی کیسے سرپرستی کی؟

جواب:۔ قائدِ اعظمؒ کی ملاقات لکھنؤ میں مولوی عبدالحق سے ہوئی۔ قائدِ اعظم نے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ ہم سے تعاون کیوں نہیں کرتے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کچھ کریں تو ہم تعاون کریں گے (اشارہ اردو کے متعلق تھا) فرمایا کہ آئندہ ہم کریں گے تو مولوی صاحب نے کہا کہ میں تعاون ضرور کروں گا۔ پھر مولوی صاحب نے قرارداد اردو کا مسودہ پیش کیا جسے قائدِ اعظمؒ نے شروع سے آخر تک پڑھا اور پسند فرمایا۔

مولوی صاحب کی قائدِ اعظمؒ سے دوسری ملاقات ۱۹۳۹ء میں دہلی میں ہوئی۔ قائدِ اعظم دیر تک انسے باتیں کرتے رہے انجمن کی مطبوعات وغیرہ کا معائنہ کیا مولوی صاحب نے انجمن کی انگریزی اردو لغات

اور سرسید احمد خاں کی اردو یونیورسٹی کی تجویز کی ایک نقل قائدِ اعظم کی خدمت میں پیش کی جسے وہ اپنے ساتھ لے گئے۔

انجمن کی عمارت کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ مولوی صاحب نے قائدِ اعظمؒ سے کہا کہ آپ حضرت اعلیٰ نظام سے سفارش کر دیں۔ وہ خط تو نہ لکھ سکے البتہ جب نظام سے ملاقات کی تو زبانی سفارش کی اگرچہ امید بھر نہ آئی۔ اسی طرح جب انجمن کی عمارت تعمیر ہوئی تو قائدِ اعظمؒ نے اس کے افتتاح کا وعدہ فرمایا لیکن بعد میں کثرتِ کار اور ناسازیِ طبع کے باعث ایسا نہ کر سکے۔

فرحت اللہ بیگ

[illegible] تا ۱۹۴۷ء

مرزا فرحت اللہ بیگ مزاح نگاری میں مقبول اور معروف ہیں۔ ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات سادہ طرزِ بیان، ظرافت میں معقول سنجیدگی، دہلی کی ٹکسالی زبان، پرکشش اندازِ بیان، افسانوی انداز، مقصدیت، جزئیات نگاری اور شخصیت نگاری ہیں۔

مردہ بدستِ زندہ

مشکل الفاظ کے معانی:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مردہ بدستِ زندہ	مردہ زندوں کے	رسماً	رسمی طور پر	دم بھرنا	محبت کا دعویٰ کرنا
"	ہاتھوں میں	تعزیت	ماتم پرسی،	رائے زنی	رائے دینا
بھیڑ چھٹ گئی	بھیڑ کم ہو گئی	"	اظہارِ ہمدردی	شرما شرمی	شرم کے مارے
طبابت	علاج معالجہ	رجسٹر حیات و ممات	زندگی اور موت کا	تفویض کرنا	دینا، حوالے کرنا
موٹر نشین	موٹر میں بیٹھنے والا	"	رجسٹر	جائے عبرت	عبرت کا سبق حاصل
جائے وحشت	ڈر یا خوف کی وجہ	بلیات	بلائیں، فضولیات	"	کرنے کی جگہ
تعویذ	قبر کا پتھر	کسمپرسی	خستہ حالی، بدحالی	رِند	اوباش، بے دین
قلانچ	چوکڑی	ٹٹوا	ٹٹو، چھوٹے قد کا	لبِ گور	قبر کے کنارے
"	چھلانگ	"	گھوڑا	گاؤ تکیہ	بڑا تکیہ
خفتگانِ خاک	مٹی یا زمین میں سوئے	کرم داشتن	مہربانی و سخاوت کرنا	دادِ سخن	کلام کی داد یا شاباش
"	ہوئے یعنی مردے	متمکن	بیٹھے ہوئے	تنقیح	تحقیق، تفتیش
تنقید	پرکھنا، جانچنا	تصدیق کرنا	تائید کرنا	تردید	رد کرنا
خدا خدا کرکے	بڑی مشکل سے	منہا	عربی لفظ اس سے	اعزہ	عزیز کی جمع، رشتہ دار

خلاصہ

خلوص و محبت کا خاتمہ:۔ زمانے نے خلوص دلوں سے مٹا دیا ہے۔ سچی محبت کی جگہ ظاہرداری نے لے لی ہے۔ نہ جینے میں سچی ہمدردی ہے، نہ مرنے کے بعد دردمندی غرض دنیا داری رہ گئی ہے۔ پہلے کوئی ہمسایہ بھی مرتا تھا تو ایسا رنج ہوتا تھا گویا اپنا عزیز مر گیا ہے اب کوئی اپنا بھی مر جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مر گیا ہے۔ جنازہ کے ساتھ جانا رسم رہ گیا ہے اب رہی دل کی بات تو اس کا بس خدا ہی مالک ہے۔

بڑے آدمی کی تعزیّت:۔ سامنے ہی کے مکان میں کسی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ کوئی بڑا آدمی ہے سینکڑوں آدمی جمع ہیں، موٹریں بھی ہیں، گاڑیاں بھی ہیں۔ غریب بھی ہیں، امیر بھی ہیں۔ غریب تو اندر جا بیٹھے ہیں کچھ پڑھ رہے ہیں۔ امیر تو اپنی گاڑیوں میں بیٹھے ہیں یا دروازے پر کھڑے سگریٹ پی رہے ہیں جب کوئی امیر آتا ہے تو یہی سوال کیا جاتا ہے "کیا مر گئے؟ بھئی ہمارے تو بڑے دوست تھے۔" اتنا کہا اور اپنی جیب سے سگریٹ کا بکس یا پانوں کی ڈبیا نکالی۔ یہ لیجیے تعزیت ختم ہوئی۔

دنیا بھر کے قصے:۔ اب دنیا بھر کے قصے چھڑے۔ ایک دوسرے سے نہ ملنے کی شکایت ہوئی دفتر کی کارروائیاں تیار کی گئیں۔ حالاتِ حاضرہ پر رائے زنی ہوئی یہاں تک کہ مکان سے جنازہ نکل آیا۔ بھیڑ کم ہوئی تو ساتھ مل گئے ابھی چند قدم چلے ہوں گے کہ ان ساتھ والوں میں تقسیم شروع ہوئی جن کو پیچھے رہنا تھا انہوں نے چال آہستہ کر دی۔ جنھیں ساتھ جانا تھا وہ ذرا تیز چلے

سوگواروں کی تین قسمیں:۔ غرض یہ ساتھ آنے والے تین حصوں میں بٹ گئے۔ آگے تو وہ رہے جو مرنے والے کے عزیز تھے اس کے پیچھے وہ لوگ رہے جن کے پاس سواریاں تھیں یا شرماشرمی پیدل ہی جانا مناسب سمجھتے تھے۔ آخر میں وہ طبقہ رہ گیا جو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا ہٹتا اپنی سواریوں تک پہنچ گیا اور ان میں سوار ہو گیا۔

عہدے دار کی موت:۔ اگر پیدل چلنے والوں میں کوئی عہدیدار ہیں تو غرض مندوں سے ان کو یہاں بھی چھٹکارا نہیں۔ ایک آیا جھک کر سلام کیا، گھر بھر کی مزاج پرسی کی، مرنے والے کے کچھ واقعات بیان کئے، ڈاکٹر یا حکیم پر اعتراضات کئے اور اس سلسلہ میں اپنے واقعات بھی بیان کر گئے۔ اب ایک اور صاحب آگئے اور انہوں نے بھی وہی دنیا بھر کے قصے شروع کئے

نمازِ جنازہ کا حال:۔ اب جنازہ مسجد تک پہنچ گیا۔ یہاں ہمراہیوں کی پھر تقسیم ہو گئی ایک تو وہ ہیں جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں اور اب بھی پڑھیں گے

دوسرے وہ ہیں جو نہا دھو کر کپڑے بدل کر خاص اس جنازہ کے لیے آئے ہیں۔ تیسرے وہ ہیں جو اپنی وضعداری پر قائم ہیں یعنی نماز نہ کبھی پڑھی ہے اور نہ اب پڑھیں گے۔ ان کو کسی دیوار یا موٹر گاڑی کی آڑ مل گئی یہ وہیں کھڑے ہو گئے اور سگریٹ یا پان سے وقت گذار دیا ہاں اس بات کا انتظام رکھا کہ نمازِ جنازہ ختم ہونے کی اطلاع فوراً مل جائے تو یہ بھی شریکِ جنازہ ہو جائیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ بھی نماز میں شامل تھے۔

راستے والے:۔ اب راستہ والوں کی سنیے۔ اگر میت کے ساتھ صرف دو چار آدمی ہیں تو کوئی پوچھتا بھی نہیں کہ کون جیا اور کون مرا۔ اگر جنازہ کے ساتھ ساتھ بڑے لوگ ہیں تو دکاندار بھی ننگے پاؤں بھاگے چلے آرہے ہیں مرنے والے کا پورا حال پوچھتے ہیں۔ گویا کمیٹی کا پیدائش و اموات کا رجسٹر انہی کے پاس ہے۔

موٹر نشین:۔ موٹر نشین کی کچھ نہ پوچھو۔ یہ تو سمجھتے ہیں کہ سڑکیں انہی کے لیے بنی ہیں۔ کسی جنازہ کا سڑک پر سے گذرنا ان کو زہر معلوم ہوتا ہے رفتار کم کریں تو پٹرول کا نقصان ہوتا ہے۔

قبرستان کی حالتِ زار:۔ خیر کسی نہ کسی طرح یہ مصیبتیں اٹھا کر جنازہ قبرستان میں پہنچ گیا۔ وہاں کی حالت پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے جائے عبرت کو جائے وحشت بنا دیا ہے۔ قبرستان ایک اچھا خاصہ جنگل ہے۔ ایک طرف ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کھا ہے اس میں ایک سقہ ہے۔ اس کی بیوی، دس بارہ بچے، پانچ چھ بکریاں، ایک لنگڑا ٹٹو، سو دو سو مرغیاں اور خدا معلوم کیا کیا بلائیں ہیں۔ قبروں پر گھاس بڑھ کر کمر کمر ہو گئی ہے دیواروں کو توڑ کر لوگوں نے راستے بنا لیے ہیں نیم پیپل وغیرہ کے درخت قبروں کے تعویز اور چبوترے توڑ کر نکل آئے ہیں۔ کوئی قبر دھنس کر کنواں بن گئی ہے۔ کسی کا تعویز ہی غائب ہے۔ غرض عجیب خستہ حال ہے۔

سقّہ اور اس کے بیوی بچے:۔ میاں سقے ہمیشہ پھولوں کی سیج پر سوتے ہیں۔ ادھر لوگ قبر پر پھول چڑھا کر گئے اور ادھر یہ انہیں سمیٹ لائے رات بھر یہ پھول بستر پر رہے صبح باسی پھول لے جا کر پھر قبر پر چڑھا دیئے۔ اس گھر میں سل بٹا خریدنے کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ قبر کے پتھر پر مصالحہ پیس لیا۔ بکریاں قبروں پر اچھلتی پھرتی ہیں۔ مرغیاں کچی قبروں کو کرید رہی ہیں۔ بچے تعویزوں کو گھوڑا بنائے بیٹھے ہیں۔ کسی قبر کی چادر پر سقنی نے گیہوں سکھانے ڈال دیئے۔ ٹٹو کو ایک اگلی اور ایک پچھلی ٹانگ باندھ کر چھوڑ دیا تاکہ گھاس چر لے۔

ساتھ والوں کی کیفیت:۔ یہ تو قبرستان والوں کی حالت ہوئی۔ اب ساتھ والوں کی کیفیت سنیے۔ جنازہ لے کر قبر کے کنارے رکھ دیا گیا۔ لوگ باری باری قبر کو جھانکتے تھے۔ اور زمین سخت ہونے کی شکایت کرتے ہیں کوئی قبرستان والے کو برا کہتے ہیں۔ دو دو تین تین آدمی

ایک قبر پر جا بیٹھے۔ چبوترہ کو تخت بنایا اور تعویذ کو گاؤ تکیہ اور لگے سگریٹ اور بیڑی کا دم مارنے۔ یہ توفیق نہیں ہوتی کہ کچھ خدا کی یاد کریں یا مرنے والوں سے عبرت پکڑیں۔

کچھ لوگ گھاس سے بچنے بچاتے قبروں کو پھلانگتے جا رہے ہیں یہ وہ ہیں جن کے مرے ہوئے عزیز یہاں دفن ہیں۔ آج ان کے دن پھرے ہیں۔ آج شہر خاموشاں قبرستان میں آگئے ہیں تو فاتحہ خوانی کر رہے ہیں اس کے بعد جب کوئی دوسرا عزیز یا دوست مرے گا تو دیکھا جائے گا۔

دادِ سخن:- ایک صاحب قبروں کے کتبے پڑھنے میں مصروف ہیں، کچھ لکھتے بھی جاتے ہیں کوئی اچھا کتبہ مل گیا تو دوستوں سے دادِ سخن لے رہے ہیں۔

اجلاس پارلیمنٹ کا نسخہ:- جو لوگ چبوتروں پر بیٹھے ہیں۔ ان کی کچھ نہ پوچھو، چبوترہ ایک پارلیمنٹ ہے اور ہر قبر ایک اجلاس، دنیا بھر کی خبروں پر تبصرے ہو رہے ہیں۔ دفتر کی کارروائیوں پر بحث ہو رہی ہے افواہوں کی تصدیق و تردید ہو رہی ہے۔ سفارشیں ہو رہی ہیں وعدے لیے جا رہے ہیں غرض بہت کچھ ہو رہا ہے نہیں ہو رہا ہے تو جو ہونا چاہیئے اور جس غرض سے ساتھ آئے ہیں

مردے کا قبر میں اتارنا:- خیر خدا خدا کر کے خبر آئی کہ قبر تیار ہے۔ کچھ تو اٹھ کر قبر کے گرد جا کھڑے ہوئے۔ کچھ وہیں بیٹھے رہ گئے۔ ایک صاحب نے قبرستان میں اتر کر عرق اور گلاب چھڑکا۔ ایک نے میت کے اوپر کی چادر سمیٹی، اس میں بل دیئے۔ پھر آٹھ دس نے مل کر سنبھال سنبھال کر میت کو قبر میں اتارا۔ قبر کے گرد جو لوگ کھڑے تھے، انہوں نے بے تحاشا غل مچانا شروع کر دیا مختلف ہدایتیں دے رہے ہیں۔ جو نیچے اترے ہیں وہ پریشان ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ اس غل غپاڑے کے ساتھ دوست احباب مرنے والے کو پہلی منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔

پٹاؤ کی نوبت:- اب پٹاؤ کی نوبت آتی ہے۔ کڑیوں پر اعتراضات ہو رہے ہیں، قیمت پر جرح ہو رہی ہے۔ پٹاؤ کے بعد مٹی دینے کی باری آتی ہے۔ مٹی تو ہر ایک دیتا ہے۔ کچھ منہ سے کبھی پڑھ رہے ہیں۔ خدا جانے کیا پڑھ رہے ہیں۔ صرف منہا بہت اونچی آواز میں کہا جاتا ہے اور باقی سب الفاظ منہ ہی منہ میں ختم کر دیئے جاتے ہیں۔

فاتحہ خوانی:- اب قبر تیار ہو گئی تو فاتحہ کی نوبت آئی۔ ساتھ آنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہ ہو گا جس نے اسمیں شرکت نہ کی ہو۔ ہونٹ تو سب کے ہلتے ہیں مگر شاید سو میں بیس بھی نہ ہوں گے جو یہ جانتے ہوں کہ فاتحہ میں کیا کیا سورتیں پڑھتے ہیں۔

گھر کی راہ:- فاتحہ پڑھتے ہی سب کو اپنے اپنے گھر جانے کی سوجھی۔ یہ بھی پھر کر نہ دیکھا کہ مرنے والے کے رشتہ دار کون ہیں، اور ان کی کیا حالت ہے؟

حاصلِ کلام:۔ دیکھ لیا آپ نے اس زمانہ کی میت کا رنگ جو عرض کیا تھا، وہ صحیح نکلا یا نہیں؟ اب سوائے اس کے کیا کہوں کہ خدا سے دعا کی جائے کہ اللہ اپنے ان بندوں کو نیک ہدایت دے۔ ان کے دل میں درد پیدا کرے۔ یہ سمجھیں کہ احکام کیا ہیں اور ہم کیا کر رہے ہیں؟

مرکزی خیال

اس مضمون کا مرکزی خیال یہ ہے کہ دنیا سے خلوص و محبت کا خاتمہ ہو چکا ہے، نہ جینے میں سچی ہمدردی ہے نہ مرنے کے بعد دردمندی۔ لوگ کسی راستے جنازے میں رسمی طور پر شریک ہوتے ہیں۔ دعا مانگنے یا اللہ کا کلام پڑھنے کی بجائے فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ راستے ہی میں ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ کچھ ساتھ تو جاتے ہیں لیکن نماز جنازہ نہیں پڑھتے۔ فاتحہ خوانی نہیں کرتے۔ صرف قریبی عزیز ساتھ دیتے ہیں باقی کھسک جاتے ہیں۔ اکثر لوگ مردے کی رسومات میں محض دکھاوے کے طور پر شریک ہوتے ہیں ان کے دلوں میں خلوص یا ہمدردی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی باتوں اور مختلف مشاغل میں وقت گذار دیتے ہیں۔ ان کے دل درد سے خالی ہیں وہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ بلکہ رسومات میں الجھ جاتے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہم کیا کہیں کہ بعد مرنے کے کیا ہوگا۔ پلاؤ کھائیں گے احباب اور فاتحہ ہوگا

پیروں کی تشریح

پیرا ۱:۔ لیجئے تعزیت ختم ہوئی اور رنج و درد کا اظہار ہو چکا۔ اب دنیا بھر کے قصے چھڑے۔ ایک دوسرے سے نہ ملنے کی شکایت ہوئی۔ دفتر کی کارروائیاں دریافت کی گئیں۔ ملک کی خبروں پر رائے زنی ہوئی غرض اس بات چیت کا یہاں تک سلسلہ کھنچا کہ مکان سے جنازہ نکل آیا۔ یہ دیکھتے ہی دروازہ کی بھیڑ چھٹ گئی۔ کچھ ادھر ہو گئے کچھ ادھر۔ آگے آگے جنازہ ہے اس کے پیچھے پیچھے یہ سب لوگ ہیں۔ ابھی چند قدم سے چلے ہوں گے کہ ان کے ساتھ والوں میں تقسیم ہونی شروع ہوئی۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون "مردہ بدست زندہ" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ دنیا سے خلوص و محبت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ سچی ہمدردی کی جگہ ظاہرداری نے لے لی ہے۔ نہ جینے میں کوئی ہمدردی ہے نہ مرنے کے بعد دلی درد۔ غرض دنیا داری رہ گئی ہے۔ لوگ جنازے میں رسماً شریک ہوتے ہیں دیر پیچھے، سلامتے ہی

کے مکان میں کسی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ کوئی بڑے شخص ہیں سینکڑوں آدمی جمع ہیں۔ موٹریں بھی ہیں غریب بھی ہیں امیر بھی ہیں۔ غریب اندر جا بیٹھے ہیں۔ کچھ پڑھ رہے ہیں۔ امیر یا تو اپنی سواریوں میں بیٹھے ہیں یا دروازے پر کھڑے سگریٹ پی رہے ہیں جو غریب آتا ہے وہ سلام کرتا ہوا اُدھر چلا جاتا ہے۔ جو امیر آتا ہے وہ ان باہر والوں ہی میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ پہلا سوال یہی ہوتا ہے "کیا مر گئے؟ بھئی ہمارے تو بڑے دوست تھے۔" اتنا کہا اور اپنی جیب سے سگریٹ کا بکس یا پانوں کی ڈبیا نکالی۔

تشریح:۔ تو لیجیے صاحب، میت پر اظہار افسوس ہو چکا اور دکھ درد بھی ظاہر کر دیا بس اتنی ہمدردی تھی مرنے والے سے۔ اب دنیا جہان کی باتیں شروع ہوئیں۔ ایک دوسرے سے نہ ملنے کی شکایت ہوئی۔ کیوں صاحب! آپ تو عید کا چاند ہو گئے۔ دفتر کے کام کاج کے بارے میں پوچھا گیا۔ اپنی اپنی کارکردگی کا اظہار کیا۔ ملک کے حالات اور رہبروں پر رائے کا اظہار ہوا گویا سیاست ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ مختصر یہ کہ یہ بات چیت یہاں تک چلی کہ مکان کے اندر سے جنازہ نکل آیا۔ یہ دیکھتے ہی دروازے پر سے بھیڑ کم ہو گئی۔ لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے۔ کچھ اِدھر ہو گئے کچھ اُدھر۔ آگے آگے جنازہ جا رہا ہے اس کے پیچھے پیچھے یہ سب لوگ ہیں محض رسمی طور پر جا رہے ہیں ابھی چند قدم ہی گئے ہوں گے کہ ان ساتھ چلنے والوں کے گروہ بننے شروع ہو گئے۔ کچھ لوگ اِدھر اُدھر کھسک گئے ہیں۔ کچھ لوگ مجبوراً ساتھ چل رہے ہیں۔

پیرا ۲:۔ جائے عبرت کو جائے وحشت بنا دیا ہے۔ قبرستان کیا ہے خاصہ ایک جنگل ہے ایک طرف ٹوٹی پھوٹی ایک جھونپڑی پڑی ہے اس میں ایک سقے صاحب، ان کی بیوی، دس بارہ بچے، پانچ چھ بکریاں، ایک لنگڑا ٹٹو، سو دو سو مرغیاں، پانچ چھپکلیاں اور خدا معلوم کیا کیا بلیات پڑی بھرے پڑے ہیں جس حصے میں قبریں ہیں وہاں کی گھاس بڑھ کر کمر کمر ہو گئی ہے دیواروں کو توڑ کر لوگوں نے راستے بنا لیے ہیں۔ نیم، پیپل اور خدا معلوم کس کس قسم کے درخت قبروں کے تعویز اور چبوترے توڑ کر نکل آئے ہیں کوئی قبر دھنس کر کنواں بن گئی ہے۔ کسی کا تعویز غائب ہے۔ کسی چبوترے کی اینٹیں نکل کر جھونپڑی میں خرچ ہو گئی ہیں۔ غرض کسمپرسی نے اس حصہ کی عجیب حالت کر دی ہے۔

حوالہ متن:۔ یہ عبارت مرزا اللہ فرحت اللہ بیگ کے مضمون "مردہ بدست زندہ" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق:۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ زمانے سے خلوص و محبت کا خاتمہ ہو گیا ہے سچی ہمدردی کی جگہ ظاہرداری نے لے لی ہے نہ جینے میں کوئی ہمدردی ہے اور نہ مرنے کے بعد دلی درد۔ غرض دنیاداری رہ گئی ہے لوگ جنازے میں رسمی طور پر شریک ہوتے ہیں امیر آدمی کا انتقال ہو گیا ہے۔ سینکڑوں آدمی جمع ہیں۔ موٹریں بھی ہیں گاڑیاں بھی۔ غریب بھی

ہیں امیر بھی ہیں۔ غریب اندر جا بیٹھتے ہیں امیر دروازے پر کھڑے ہیں اور گپ شپ میں معروف ہیں۔ جنازہ روانہ ہوتا ہے تو چند قدم ساتھ چلتے ہیں پھر کھسکنے لگتے ہیں۔ نمازِ جنازہ میں بھی کم ہی لوگ شریک ہوتے ہیں بس ادھر ادھر کھڑے ہیں۔ اگر میت کے ساتھ صرف دو چار آدمی ہیں تو کوئی پوچھتا بھی نہیں کہ کون جیا اور کون مرا۔ اور اگر جنازے کے ساتھ بڑے بڑے لوگ ہیں تو دکان والے ہیں کہ ننگے پاؤں بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ مرنے والے کا نام پوچھا، بیماری دریافت کی اور واپس ہوئے گویا کمیٹی کے پیدائش و موت کے یہی انچارج ہیں۔ موٹر نشینوں کی کچھ نہ پوچھو۔ یہ تو سمجھتے ہیں کہ سڑکیں انہی کے لیے بنی ہیں۔ خیر کسی نہ کسی طرح یہ تمام مصیبتیں اٹھا کر جنازہ قبرستان پہنچ گیا۔ قبرستان کی حالت پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے

تشریح :۔ قبرستان کا برا حال ہے۔ عبرت اور سبق حاصل کرنے والی جگہ کو ڈر اور خوف کی جگہ بنا دیا گیا ہے۔ قبرستان کیا ہے اچھا خاصا ایک جنگل ہے۔ ایک طرف ٹوٹی پھوٹی ایک جھونپڑی پڑی ہوئی اس میں ایک سقہ (ماشکی) رہتا ہے۔ اس کی ایک بیوی ہے اور دس بارہ بچے ہیں پانچ چھ بکریاں ممیا رہی ہیں۔ ایک لنگڑا چھوٹے قد کا گھوڑا (ٹٹوا) ہے سو دو سو مرغیاں پھر رہی ہیں۔ پانچ چھپکلیاں ہیں اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا کچھ بلائیں ادھر اکٹھی ہو کر رہ گئی ہیں۔ پورا چڑیا گھر کا منظر ہے جس حصے میں قبریں بنی ہوئی ہیں وہاں کی گھاس بڑھ کر کمر کمر ہو گئی ہے ہر طرف بے تحاشا گھاس نظر آ رہی ہے۔ دیواریں ٹوٹی پھوٹی ہیں اور لوگوں نے مختلف راستے بنا لیے ہیں۔ نیم، پیپل اور خدا بہتر جانتا ہے کہ کس کس قسم کے درخت قبروں کے پتھر اور تعویذ توڑ کر نکل آئے ہیں۔ کوئی قبر اس قدر بیٹھ چکی ہے کہ کنوئیں کا منظر پیش کر رہی ہے کسی قبر کا پتھر ہی غائب ہے۔ کسی تعویذ کی اینٹیں نکال کر جھونپڑی میں استعمال کر لی گئی ہیں۔ مختصر یہ سمجھ لیں کہ اس حصہ کی حالت عجیب اور بدحال و خستہ ہو کر رہ گئی ہے۔

پیرا ۲ :۔ جو لوگ چبوتروں پر متمکن ہیں ان کی کچھ نہ پوچھو۔ ہر چبوترہ ایک پارلیمنٹ ہے اور ہر قبر ایک اجلاس۔ دنیا بھر کی خبروں پر تنقیح و تنقید ہو رہی ہے۔ دفتر کی کارروائیوں پر بحث ہو رہی ہے۔ افواہوں کے ذرائع اور ان کی تصدیق و تردید کی جا رہی ہے سفارشیں ہو رہی ہیں وعدے لیے جا رہے ہیں۔ غرض سب کچھ ہو رہا ہے نہیں ہو رہا ہے تو وہ جو ہونا چاہیے اور جس غرض سے ساتھ آئے ہیں۔

حوالہ متن :۔ یہ اقتباس مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون "مردہ بدست زندہ" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق :۔ مصنف کہتا ہے کہ دنیا سے خلوص و محبت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ کسی کو کسی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ نہ جینے میں دردمندی اور

احساس ہے اور نہ مرنے کے بعد ایسا جذبہ نظر آتا ہے۔ لوگ کسی کے جنازے میں رسمی طور پر شریک ہوتے ہیں زیادہ تر دکھاوے کا مظاہرہ ہوتا ہے جبکہ دلی ہمدردی کا شائبہ نہیں ہوتا لوگ تجہیز وتکفین کی رسومات میں رسماً شامل ہوتے ہیں کوئی صاحب قبروں کے کتبے پڑھنے میں مصروف ہیں اور کچھ لکھتے بھی جاتے ہیں کوئی اچھا کتبہ مل گیا تو اپنے دوستوں کو بھی آواز دے کر بلا لیا اور بجائے فاتحہ کے دادِ سخن دے رہے ہیں۔ کچھ اپنا کلام سنایا گیا کچھ ان کا سنا۔ غرض اس طرح کے مشاغل میں وقت گذارتے ہیں۔

تشریح:۔ جو لوگ قبرستان میں جنازے کے ہمراہ آئے ہوئے ہیں ان میں سے کچھ حضرات تھڑوں پر بیٹھے ہیں۔ ہر تھڑا گویا ایک پارلیمنٹ ہے اور ہر قبر ایک اجلاس ہے۔ اسطرح سیاست کا بازار گرم ہے دنیا جہان کی خبروں کی تحقیق وتفتیش ہو رہی ہے انہیں پرکھا جا رہا ہے۔ دفتر کی کارکردگی اور کاموں پر بحث ہو رہی ہے۔ غلط خبروں کے ذرائع کی تائید ہو رہی ہے یا انہیں رد کیا جا رہا ہے۔ سفارشیں کی جا رہی ہیں۔ ایک دوسرے کے کام کرنے اور کرانے کے وعدے لیے جا رہے ہیں۔ مختصر یہ سمجھ لیں کہ سبھی کچھ ہو رہا ہے۔ دنیا جہاں کی ہر بات یہاں ہو رہی ہے صرف وہ کام نہیں ہو رہا ہے جو ہونا چاہیئے۔ اور جس مقصد کے لیے قبرستان میں آئے ہیں قبرستان تو عبرت کی جگہ ہے انسان کے دل میں احساس اور خوف پیدا ہونا چاہیئے۔ انسان کی آخری آرامگاہ یہی ہے۔ میر تقی میر نے کیا خوب کہا ہے ؎

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا ∴ ہر چند استخواں وہ شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر ∴ میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُر غرور تھا

سوالات

سوال:۔ مصنف زمانے سے کیا شکایت کرتا ہے؟

جواب:۔ مصنف زمانے سے یہ شکایت کرتا ہے کہ دلوں سے خلوص مٹ چکا ہے۔ سچی ہمدردی کی جگہ ظاہر داری نے لے لی ہے نہ جینے میں سچی ہمدردی ہے نہ مرنے کے بعد دلی درد کا اظہار ہوتا ہے۔ غرض دنیا داری رہ گئی ہے پہلے کوئی ہمسایہ بھی مرتا تھا تو ایسا رنج ہوتا تھا گویا اپنا عزیز مر گیا ہے اب کوئی اپنا بھی مر جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غیر مر گیا۔ جنازہ کے ساتھ جانا اب رسماً رہ گیا ہے صرف دکھاوے اور ظاہر داری کے لیے چلے آتے ہیں تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ "واہ جی جیتے جی تو دوستی و محبت کا دم بھرا جاتا تھا مرنے کے بعد پھر کر بھی نہ دیکھا کہ کون مر گیا ہے؟ اب رہی دل کی حالت۔ تو اس کا بس خدا ہی مالک ہے۔ یہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے اور اس میں کوئی مبالغہ آمیزی نہیں۔

سوال ۲ :۔ مصنف نے سوگواروں کی کتنی قسمیں بیان کی ہیں ؟

جواب :۔ مصنف نے سوگواروں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے۔ جو مرنے والے کے عزیز تھے وہ مردے کی تجہیز و تکفین میں خلوصِ دل سے شریک ہوتے ہیں دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے پاس یا تو سواریاں نہ تھیں یا شرما شرمی پیدل ہی جانا مناسب سمجھتے تھے۔ آخر میں وہ طبقہ ہوا جو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا ہٹاتا اپنی سواریوں تک پہنچ گیا اور ان میں سوار ہو گیا اور اپنے گھروں کو چل دیئے۔

سوال ۳ :۔ مصنف نے نمازِ جنازہ کا نقشہ کس طرح کھینچا ہے ؟

جواب :۔ مصنف نے نمازِ جنازہ میں شریک ہونیوالوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں ایک تو وہ ہیں جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں اور اب بھی نماز پڑھیں گے۔ دوسرے وہ ہیں جو نہا دھو کر کپڑے بدل کر خاص اس جنازہ کے لیے آئے ہیں تیسرے وہ ہیں جو اپنی وضعداری پر قائم ہیں یعنی نماز نہ کبھی پڑھی ہے نہ اب پڑھیں گے۔ دور سے مسجد کو دیکھا اور پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جنازہ مسجد تک پہنچا بھی نہ تھا کہ ان کو کسی دیوار، موٹر یا گاڑی کی آڑ مل گئی۔ یہ وہیں کھڑے ہو گئے اور سگریٹ پی کر یا پان کھا کر انہوں نے وقت گذار دیا۔ ہاں اس بات کا انتظام رکھا کہ نماز ختم ہونے کی اطلاع فوراً مل گئی ادھر نماز ختم ہوئی ادھر یہ لوگ دروازے کی طرف بڑھے۔ ادھر جنازہ نکلا ادھر یہ پہنچے۔ بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہے ہیں۔

سوال ۴ :۔ مصنف نے قبرستان کی کیا حالت بیان کی ہے ؟

جواب :۔ مصنف قبرستان کی حالتِ زار بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ قبرستان کیا ہے اچھا خاصا جنگل ہے ایک طرف ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی ہے اس میں ایک سقے صاحب۔ ان کی بیوی۔ دس بارہ بچے۔ پانچ چھ بکریاں۔ ایک لنگڑا ٹٹو۔ سو دو سو مرغیاں اور خدا معلوم کیا کیا بلائیں بھری پڑی ہیں جس حصے میں قبریں ہیں وہاں کی گھاس بڑھ کر کمر کمر ہو گئی ہے دیواروں کو توڑ کر لوگوں نے راستے بنا لیے ہیں۔ نیم، پیپل اور خدا معلوم کس کس قسم کے درخت قبروں کے تعویز اور چبوترے توڑ کر نکل آئے ہیں۔ کوئی قبر دھنس کر کنواں بن گئی ہے۔ کسی کا تعویز ہی غائب ہے۔ کسی چبوترے کی اینٹیں نکل کر جھونپڑی میں خرچ ہو گئی ہیں۔ غرض کسمپرسی نے اس حصہ کی عجیب حالت کر دی ہے۔

مُلّا واحدی

۱۸۸۸ء ـــ تا ـــ ۱۹۷۶ء

سرورِ کائنات کی معاشرت، عادات و معمولات

مشکل الفاظ کے معانی :-

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
معاشرت	آپس میں مل کر زندگی	خندہ جبیں	ہنس مکھ	نرم خو	نرم مزاج ، نرم
″	گزارنا	مہربانِ طبع	مہربانی والی طبیعت	″	طبیعت
خصائل	خصلتیں، عادتیں	″	رکھنے والا	فیاض	سخی
نتیجہ خیز	نتیجہ رکھنے والی،	بعید	دور	ٹوہ	تلاش، جستجو
″	بامعنی	بیباک	نڈر، بے خوف	تحمل	بردباری، برداشت
حیرت	حیرانی	حتی المقدور	طاقت کے مطابق	اغماض	چشم پوشی، آنکھ چرانا
مزاج شناس	مزاج اور طبیعت	″	جہاں تک ہو سکے	تیور	صورت، نگاہ کا
	پہچاننے والا	شیوہ	طریقہ	″	انداز
زدوکوب	مارپیٹ	ناک بھوں چڑھانا	نفرت و بیزاری کا	تشکر	شکر ادا کرنا
صلہ رحم	خویش و اقربا سے	″	اظہار کرنا	مصیبت زدہ	مصیبت کا مارا ہوا
″	محبت کا سلوک	حقانیت	سچائی	سکہ بٹھانا	حکومت قائم کرنا
کان خلقہ قرآن	آپؐ کے اخلاق قرآن	متوازن	یکساں، برابر	″	رعب قائم کرنا
″	کے مطابق تھے	غلو	حد سے گزرنا مبالغے	معتدل	میانہ روی رکھنے
تقاطر	بوندا باندی	″	کی ایک قسم	″	والا
استقلال	ثابت قدمی	صفت	خوبی	منغض	ناخوش، ملول
بدفالی	بری فال لینا	مصافحہ	ہاتھ ملانا	دستک	کھٹکھٹانا
کامل یکسوئی	مکمل اطمینان و سکون	ممتاز	نمایاں	مساویانہ	برابری کی سطح پر
قلت	کمی	حاجت مند	ضرورت مند	امین	امانتدار
پیادہ پا	پیدل	اجر	بدلہ، صلہ	تامل	سوچ بچار، وقفہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مستحسن	پسندیدہ	غلط کار	خطا کار غلطی کرنیوالا	ناشائستہ	نامناسب
مدت العمر	عمر بھر	فیاض طبعی	طبیعت کا سخت	زرہ	لوہے کا لباس جو جنگ
رہن	گروی۔	"	ہونا	"	میں پہنتے ہیں
قرض خواہ	قرض دینے والا	خوش معاملگی	خوش اطواری۔	ہدیہ	تحفہ
اچاٹنا	اکتانا	"	خوش اخلاقی۔	پوستین	بالوں دار کھال کا
تالیفِ قلوب	دلجوئی کرنا	انگلی اٹھانا	اعتراض کرنا	"	کوٹ
ضابطہ	اصول۔ قانون	قطعی	یقینی	تخفیف	کمی۔
حدود اللہ	اللہ کی مقرر کی ہوئی	زد میں آنا	نشانہ بننا	محض	صرف
"	حدیں تا شرطیں	غربا	غریب کی جمع	درگذر کرنا	نظر انداز کرنا
"	شرعی قوانین	مامور	اللہ کی طرف سے مقرر	نوحہ	ماتم کرنا
ممدوح	جس کی تعریف	"	کیا ہوا	مدح	تعریف
"	کی جائے۔	فرستادہ	بھیجا ہوا رسول	فضیلت	برتری
خیر البریہ	مخلوق میں سب سے	ہمسر	ہم پلّہ	عزم واستقلال	پختہ ارادہ وثابت قدمی
"	بہتر۔	پیکر	نمونہ	اولوالعزم من الرسل	رسولوں میں سے
وصف	خوبی	کامل	مکمل	"	عالی ہمت
مظہر	نمونہ	یاس انگیز	مایوس وناامید کرنے	قبل	پہلے
منافق	بظاہر مسلمان، باطن	"	والا	نوع	قسم
"	میں اسلام کا دشمن	گزند	نقصان	سراپا	مکمل طور پر
متانت	سنجیدگی	افسردگی	بجھانا یا بجھنا،	ضعیف العمر	بوڑھی
مغفرت	بخشش	"	مرجھانا	صحابیہ	صحابی عورت
شباب	جوانی	عود کر آنا	لوٹ آنا	متعین	مقرر
غزوہ	وہ جنگ یا لڑائی	مقتدی	پیروی کرنیوالا	چہل	ہنسی مذاق
"	جسمیں حضور اکرمؐ	نذر کرنا	تحفے کے طور پر پیش کرنا	سلب کرنا	چھین لینا
"	شامل ہوں	کنیز	لونڈی	منزلت	قدر واہمیت
قلادہ	لوہے کا حلقہ	مورچھل	مور کے پروں کا پنکھا	ایال	گردن کے بال
ساز	گھوڑے کا چارجامہ وغیرہ	بلا شرکت غیرے	کسی دوسرے کو شامل کیے بغیر		

خلاصہ

اخلاقِ نبویؐ پر حضرت علیؓ کی روایت:- ایک مرتبہ حضرت امام حسینؓ نے حضرت علیؓ سے حضور اکرمؐ کے عادات و خصائل پوچھے حضرت علیؓ نے فرمایا: "حضورؐ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع اور فیاض تھے۔ حضورؐ نتیجہ خیز باتیں کرتے۔ کبھی کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے۔ حضورؐ متحمل مزاج تھے لوگ ہنستے تو حضورؐ بھی مسکرا دیتے۔ ناگوار بات پر چشم پوشی فرماتے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان:- حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ درگذر کرنا اور معاف فرما دینا حضورؐ کا شیوہ تھا۔ کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا کبھی کسی خادم یا جانور کو مارا پیٹا نہیں مجلس میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر فرماتے گھر میں مسکراتے ہوئے تشریف لاتے۔

حضرت خدیجہؓ کی تسلی:- حضورؐ انسان تو انسان کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے۔ جیسا کھانا سامنے آتا کھا لیتے تھے۔ ذاتی معاملات میں کبھی غصہ نہیں کیا چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار تشکر فرماتے۔ پہلی وحی کے موقع پر حضور اکرمؐ پر گھبراہٹ طاری ہوئی۔ حضرت خدیجہ نے اس طرح تسلی دی کہ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں غریبوں اور ضرورتمندوں کے کام آتے ہیں

حضرت خدیجہؓ کا جذبہ ایمان:- خدیجہؓ حضور اکرمؐ کی عمدہ عادات سے بہت متاثر تھیں۔ نبوت کے بعد فوراً آپؐ پر ایمان لے آئیں اور پھر اسلام کی خاطر خود کو امیر سے غریب بنا لیا۔

قرآن حضورؐ کا اخلاق:- حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ حضورؐ کا اخلاق قرآن ہے حضورؐ جو کہتے تھے وہ کرتے تھے خدا فرماتا ہے "اے محمدؐ! آپ کا اخلاق بہت اعلیٰ ہے۔" اسلام متوازن دین ہے۔ حضورؐ کا ہر عمل متوازن تھا۔ حضور اکرمؐ قرآنی تعلیم کا نمونہ تھے۔

استقامت:- حضورؐ کی ایک بڑی صفت استقامت ہے۔ جو عمل اختیار فرماتے وہ طبیعت کا جزو بن جاتا۔ مقررہ عبادات میں بیماری کی وجہ سے کبھی ناغہ نہیں کیا۔

دن کے تین حصے:- حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے دن کے تین حصے کر رکھے تھے ایک حصہ خاص اللہ کے لیے، ایک بندوں کے لیے اور ایک حصہ اپنی ذات کے لیے۔ حضورؐ بیماروں کی عیادت فرماتے انہیں دلاسا دیتے، غیر مسلموں کی عیادت بھی کرتے۔

سلام واجازت:- حضورؐ سلام میں پہل کرتے۔ راہ چلتے سلام کہتے جاتے۔ مصافحہ کے لیے خود ہاتھ بڑھاتے حضورؐ کسی کے ہاں جاتے تو پہلے سلام کہتے پھر اندر آنے کی اجازت مانگتے۔ تین دفعہ دستک کے باوجود جواب نہ ملتا تو حضورؐ واپس لوٹ جاتے۔ ہر ایک کی بات کامل یکسوئی سے سنتے۔ حضورؐ اپنے گھر نمایاں ہوکر نہیں بیٹھتے تھے۔

مساوات:- حضور اکرمؐ صحابہؓ کے ساتھ مل جل کر کام کرتے۔ غزوہ بدر میں حضورؐ نے اپنے ہمسفروں کے ساتھ سواری اور پیدل سفر کیا۔

خدا سے محبت کا تقاضا:- ایک دفعہ صحابہؓ نے حضورؐ کے وضو کا پانی محبت سے منہ پر مل لیا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ سے محبت کا طریقہ یہ ہے کہ سچ بولو۔ امین بنو۔ پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرو۔

کام کا آغاز:- حضورؐ ہر کام شروع کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہ پڑھتے اور ہر کام دائیں رخ سے شروع فرماتے تھے۔

حضورؐ کی رواداری:- حضورؐ بڑے مہمان نواز تھے۔ بڑوں کو بُرا کہنے حتیٰ کہ منافقوں کو منافق کہنے میں حضورؐ کو تامل ہوتا تھا۔ غلطی کرنے والے کو حضورؐ اس طرح سمجھاتے کہ اسے بُرا محسوس نہ ہو۔

قرض کا مسئلہ:- حضورؐ کسی سے کوئی چیز لیتے تو اس سے بہتر اسے واپس کرتے۔ خود ضرورت سے قرض لے لیتے۔ لیکن ادائیگی میں جلدی اور اخلاق کی ہدایت فرماتے۔

جذبۂ سخاوت:- حضورؐ نے کبھی کسی کے سوال پر نہ نہیں فرمایا۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ میں تو بانٹنے والا ہوں۔ دینے والا خدا ہے۔

تحفے تحائف:- کسی سے تحفہ لیتے تو اس کا بدلہ ضرور دیتے تھے۔ مدینہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں ٹھہرے تھے۔ حضورؐ ان کو تحفے بھیجتے تھے

امانت وعدل:- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اشاعتِ اسلام کی خاطر دسجوئی فرماتے۔ حضورؐ کی امانت اور عدل کے دشمن بھی گواہ تھے۔

حدود اللہ:- حدود اللہ کے بارے میں نرمی نہ فرماتے تھے ایک قریشی عورت نے چوری کی تو حضورؐ نے اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جب سفارش کی گئی تو فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی ایسا کرتی تو اسے بھی یہی سزا دی جاتی۔ پہلی امتیں اسی بے انصافی سے ہلاک و برباد ہوئیں۔

حضورؐ کا رویّہ :- ایک شخص قتل ہوا، اس کی بیٹی کو روتا دیکھ کر حضورؐ خود رو دیئے لیکن قاتل کو سزا دی۔ حضورؐ جرموں اور عیبوں کی ٹوہ نہیں لگاتے تھے۔

زیادہ تعریف کی ممانعت :- کوئی کسی کی زیادہ تعریف کرتا تو ٹوک دیتے تھے۔ حضورؐ فرماتے کہ مجھے میرے درجے سے مت بڑھاؤ اور دوسرے نبیوں پر فضیلت نہ دو۔ اور مجھے خدا کا ہمسر نہ بناؤ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے اور وہی عالم الغیب ہے

عزم و استقلال :- خدا نے حضورؐ کو عزم و استقلال کا پیکر بنایا تھا۔ مکّی دور میں جب صحابہ کرامؓ مصائب پر گھبرا گئے تو حضورؐ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ صبر کرو یہ دین غالب آکر رہے گا۔

سراپا رحمت :- حضورؐ نے فرمایا کہ میں رحمت بن کر آیا ہوں بد دعا دینے نہیں آیا۔ حضورؐ منافقوں تک سے اخلاق برتتے۔ عبداللہ بن ابی مرا تو حضورؐ نے اسے اپنا کرتہ پہنوایا۔

مزاح کی مثالیں :- حضورؐ کی مجلس میں سراسر سنجیدگی و متانت ہوتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ صحابہ کے ساتھ کھجوریں کھا رہے تھے۔ حضرت علیؓ کھجوریں کھا کر گٹھلیاں حضورؐ کے سامنے رکھتے جاتے بعد میں حضرت علیؓ نے کہا کہ کس نے زیادہ کھجوریں کھائیں؟ حضورؐ نے فرمایا: "ذرا یہ بھی دیکھنا کہ گٹھلیوں سمیت کون کھا گیا۔ ایک بڑھیا سے فرمایا بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ وہ رونے لگی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ جوان ہو کر جنت میں جائیں گی۔

غریب پروری :- ایک غریب صحابیؓ مسجد میں جھاڑو دیتے تھے وہ فوت ہو گئے تو حضور اکرمؐ ان کی قبر پر گئے اور نمازِ جنازہ پڑھی۔

بچوں پر شفقت :- بچوں پر حضورؐ خاص شفقت فرماتے انہیں سواری پر بٹھا لیتے اور خود سلام میں پہل کرتے ایک غزوہ میں مشرکین کے بچے جھپٹ میں آکر مر گئے تو حضورؐ کو بہت دکھ ہوا۔ فرمایا ہر بچہ خدا کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے حضورؐ کسی ماں کی مامتا سے بہت متاثر ہوتے۔ بچوں کی خاطر نماز مختصر کر دیتے بچوں سے چہل اور ہنسی مذاق کی باتیں کرتے کوئی پھل تحفہ میں ملتا تو سب سے پہلے بچوں کو بانٹتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا جو بچوں پر رحم نہیں کرتا خدا بھی اس پر رحم نہیں کرے گا

عورتوں کے حقوق :- حضور نے عورتوں کو انسانیت کا مرتبہ عطا فرمایا اور انہیں مردوں کے برابر سمجھایا۔ ان کے حقوق قائم کئے اور ان کی قدر و منزلت بڑھائی۔

جانوروں پر شفقت:۔ حضورؐ نے جانوروں پر بھی شفقت فرمائی اور ان سے عمدہ برتاؤ کی تلقین فرمائی۔ ایک دفعہ کسی نے چڑیا کا انڈہ اٹھالیا۔ چڑیا بے قرار ہوگئی۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ انڈا چڑیا کو واپس پہنچاؤ۔ اسی طرح ایک پرندے کے بچے واپس کرائے۔

خزانۂ رحمت:۔ حضورؐ کے خزانۂ رحمت سے انسان، حیوان، دوست، دشمن، مسلم، غیر مسلم، عورت، مرد، بوڑھے، بچے سب کو حصّہ ملتا تھا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کوئی اس وقت تک کامل مسلمان ہی نہیں ہوتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔"

بخشش عام:۔ ایک دفعہ کسی نے دعا مانگی کہ "خدایا مجھے اور محمدؐ کو بخشش دے۔" حضورؐ ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ "خدا کی رحمت کو محدود نہ کرو۔"

انسان کامل:۔ الغرض انسانیت کی پوری تاریخ میں "حضورِ اکرمؐ" ہی "کامل انسان" گزرے ہیں اور حضورؐ کا اسوۂ حسنہ انسانیت کے لیے آخری معیار ہے آپ پر بے حد درود و سلام ہو۔

مرکزی خیال

اس مضمون کا مرکزی خیال یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق میں جامع و اکمل تھے۔ حضورؐ چلتے پھرتے قرآن تھے۔ تاریخ انسانیت میں حضورؐ ہی واحد انسان کامل ہیں اللہ نے حضورؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ حضورؐ کے خزانۂ رحمت سے انسان حیوان، دوست، دشمن، مسلم، غیر مسلم، عورت، مرد، بوڑھے، بچے سب کو حصہ ملتا ہے حضورؐ صادق و امین تھے۔ حضورؐ تمام اوصافِ حمیدہ کا مجموعہ تھے۔ مثلاً ایفائے عہد، عزم و استقلال، صبر و تحمل، فیاضی، رحمت و شفقت، عدل و انصاف، احسان، سادگی، مساوات، تقویٰ و خوفِ خدا وغیرہ۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "میں اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں، بقول شیخ سعدیؒ ؎

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلّو علیہ و آلہٖ

پیروں کی تشریح

پیرا ۱:۔ اسلام متوازن دین ہے اسلام اعتدال سکھاتا ہے۔ اسلام غلو پسند نہیں کرتا حضورؐ

کا ہر عمل متوازن، معتدل اور غلو سے پاک ہے۔ حضورؐ قرآنی تعلیم کا نمونہ تھے حضورؐ جو عمل جس طرح اختیار کر لیتے تھے پھر اسے اسی طرح کئے جاتے تھے۔ موسلا دھار بارش وہ اثر نہیں چھوڑتی جو مستقل تقاطر کا ہوتا ہے۔ موسلا دھار بارش کا پانی بہہ جاتا ہے اور مستقل تقاطر پتھر میں گڑھا ڈال دیتا ہے۔ استقلال بڑی صفت ہے۔ استقلال سے کام بوجھ نہیں رہتا۔ طبیعت کا جزو بن جاتا ہے انسان پھر اس کے برعکس کام کر ہی نہیں سکتا۔

حوالہ متن:- یہ اقتباس مُلا واحدی کے مضمون "سرور کائنات کی معاشرت، عادات و معمولات" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:- اس مضمون میں مصنف حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ بیان کرتا ہے حضور اکرمؐ جامع اوصاف تھے وہ تمام اوصاف حسنہ جو دیگر انبیائے کرام میں الگ الگ پائے جاتے تھے وہ سب کے سب حضورؐ کی ذات میں جمع تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک موقع پر فرمایا: "کان خلقہ قرآن" یعنی حضورؐ کے عادات و خصائل قرآن مجید کے مطابق تھے۔ قرآن کہتا ہے: "لم تقولون مالا تفعلون" یعنی جو کرتے نہیں وہ کہتے کیوں ہو۔ حضورؐ جو کہتے تھے وہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی حضورؐ کی نسبت ارشاد ہے: "اے محمدؐ! آپ کا اخلاق بہت اعلیٰ ہے۔"

تشریح:- اسلام میں انتہائی پسندی نہیں ہے بلکہ یہ ایک یکساں اور مساوی اور درمیانی راہ رکھنے والا دین ہے۔ اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی۔ یہ میانہ روی کی راہ دکھاتا ہے اسلام انتہا پسندی اور مبالغہ آمیزی کو پسند نہیں کرتا۔ قرآن مجید کے مطابق دین میں جبر و کراہ نہیں ہے بلکہ اس میں آسانی اور سہولت ہے۔ حضور اکرمؐ کا ہر عمل درمیانی راہ والا، یکساں اور مساوی تھا اس میں نہ کمی تھی نہ زیادتی۔ یعنی اس میں افراط تفریط نہیں تھی۔ یہ انتہا پسندی سے پاک تھا۔ حضور اکرمؐ قرآن مجید کی تعلیم کا نمونہ تھے۔ حضور اکرمؐ جو عمل جس طرح اختیار کرتے تھے پھر اسے مستقل طور پر اسی طرح کئے جاتے تھے زور دار بارش وہ اثر نہیں چھوڑتی جو لگاتار بوندا باندی سے ہوتا ہے۔ زور دار بارش کا پانی بہہ جاتا ہے اور مستقل بوندا باندی پتھر میں گڑھا ڈال دیتی ہے۔ ثابت قدمی بڑی خوبی ہے۔ اس سے کام بوجھ نہیں رہتا۔ طبیعت کا حصہ بن جاتا ہے۔ پھر انسان اس کے الٹ کام کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کو وہ کام پسند ہے جو اگرچہ تھوڑا ہے لیکن وہ ہمیشہ کیا جائے۔ یہ بات درست نہیں کہ ایک دفعہ تو بے تحاشا کام کر لیا جائے اور دوسرے اوقات میں سرے سے کیا ہی نہ جائے۔

پیرا ۲:- بروں کو برا کہنے حتیٰ کہ منافقوں کو منافق کہنے میں حضورؐ کو تامل ہوتا تھا۔ برا کہہ دینے کی بے دھڑک جرأت حضورؐ کے نزدیک مستحسن نہیں تھی کسی کی کوئی بات ناپسند ہوتی تھی تو اسے اول تو حضورؐ

برداشت کر لیتے تھے یا چہرے پر اثر دیکھ کر ناپسندیدہ حرکت والا سمجھا جاتا تھا یا دوسرے اس کو سمجھا دیتے تھے یا بعض اوقات حضورؐ دوسروں سے کہہ دیا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو سمجھا دو کہ ایسی حرکت نہ کیا کرے بعض اوقات خود بھی سمجھایا ہے۔ مگر اس طرح کہ غلط کار کی ذلت نہیں ہوئی۔ وقت ٹال کر عام خطاب کر دیا کہ فلاں حرکت نامناسب و ناشائستہ ہے۔

حوالہ متن:- یہ اقتباس مُلّا واحدی کے مضمون "سرورِ کائنات کی معاشرت، عادات و معمولات" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:- اس مضمون میں مصنف نے حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ بیان کیے ہیں۔ حضورؐ جامع اوصاف تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ "حضور کے اخلاق قرآن مجید کے مطابق تھے۔" خود حضورِ اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "میں اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔" حضورِ اکرم ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھتے تھے۔ ہر کام دائیں ہاتھ دائیں پاؤں اور دائیں رخ سے شروع فرماتے تھے۔ مثلاً کچھ تقسیم کرنا ہوتا تو دائیں ہاتھ اور دائیں رخ سے شروع کرتے تھے۔ بلالحاظ شخصیت مسجد میں جاتے تو پہلے دایاں پاؤں اندر رکھتے۔ کوئی مسلمانوں پر احسان کرتا اور وہ مدینے میں مہمان بن کر آتا تو اس کی مہمانداری کے کام خود حضورؐ انجام دیتے تھے اوروں سے اس کی خدمت نہیں کرواتے تھے۔

تشریح:- حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارک تھی کہ کسی بُرے کو بُرا نہیں کہتے تھے یہاں تک کہ منافقوں (ظاہری مسلمانوں) کو منافق کہنے میں حضورؐ توقف فرماتے تھے یعنی رُک جاتے تھے۔ کسی کو بُرا کہہ دینے کی بے خوف جرأت و ہمت حضورؐ کے نزدیک پسندیدہ نہیں تھی، اسے حضورؐ ناپسند فرماتے تھے۔ کسی کی کوئی بات ناپسند ہوتی تو اسے اوّل تو حضورِ اکرمؐ برداشت کرتے تھے یا حضورؐ کے چہرے پر ناگواری کا اثر ظاہر ہو جاتا اور غلط حرکت یا بات کرنے والا سمجھ جاتا کہ حضورؐ ناراض ہیں کیونکہ مشہور ہے کہ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے یا دوسرے لوگ اس کو سمجھا دیتے ہیں یعنی بتا دیتے ہیں یا بعض دفعہ خود حضورِ اکرمؐ دوسرے لوگوں سے کہہ دیا کرتے تھے کہ فلاں آدمی کو سمجھا دو کہ ایسی حرکت نہ کرے۔ بعض دفعہ خود بھی سمجھا دیا کرتے تھے اس طریقے سے کہ غلطی کرنے والے کی ذلت و رسوائی نہیں ہوتی تھی اس وقت نہیں بلکہ کسی دوسرے وقت، عام تقریر کر دیتے کہ فلاں بات غیر مناسب، غیر مہذب اور غلط ہے۔ اس طرح حضور نفسیاتی طور پر سمجھاتے تھے اور غلطی کرنے والا اپنی اصلاح کر لیتا تھا۔

مولانا حالی کہتے ہیں ؎

خطا کار سے درگذر کرنے والا ۔۔۔ بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا

پیرا ۳:- عورتوں کو تو حضورؐ نے انسانیت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے اور مردوں کے برابر بٹھایا ہے

اسلام سے پہلے خیال تھا کہ عورتیں بے روح ہوتی ہیں۔ انہیں مویشیوں سے بدتر حالت میں رکھا جاتا تھا وہ بچپن میں باپ دادا کی کنیز بنتی تھیں جوانی میں شوہر کی اور بڑھاپے میں بیٹوں کے۔ بیٹیوں کی پیدائش ناگوار گزرا کرتی تھی۔ انہیں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا زندہ رہتی تھیں تو جائیداد کی طرح ورثے میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ ——— حضورؐ نے جس طرح ارشاد و احکام سے عورتوں کے حقوق قائم کئے اور عورتوں کی منزلت بڑھائی، اسی طرح عملی برتاؤ بھی حضورؐ کا عورتوں کے ساتھ ایسا تھا کہ لوگ اسے دیکھ کر اپنا پچھلا طریقہ عورتوں کے معاملے میں دوبارہ اختیار نہیں کر سکتے تھے۔

حوالہ متن:- یہ اقتباس ملا واحدی کے مضمون "سرور کائنات ؐ کی معاشرت، عادات و معمولات" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:- مصنف نے اس مضمون میں حضور سرور کائنات کے اعلیٰ اوصاف بیان کئے ہیں۔ حضورؐ جامع اوصاف تھے اور دیگر نبیوں میں جو اوصاف الگ الگ پائے جاتے تھے وہ تمام کے تمام حضورؐ کی ذاتِ گرامی میں جمع تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ:- "اے نبیؐ! بے شک آپ اخلاق کے بلند درجے پر فائز ہیں۔" خود حضور اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ "میں اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔" حضورؐ ایک خزانۂ رحمت تھے جہاں سے انسان، حیوان، دوست، دشمن، مسلم، غیر مسلم، عورت، مرد، بوڑھے، بچے سب کو حصہ ملتا تھا۔ حضورؐ بچوں، عورتوں اور جانوروں پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ عورتوں کے جو حقوق حضور اکرمؐ نے قائم کئے، ان کی مثال کسی اور مذہب و ملت میں نہیں ملتی۔

تشریح:- عورتوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کا بلند مقام بخشا اور انہیں مردوں کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ عورتوں کے جو حقوق حضورؐ نے مقرر فرمائے، ان کی کہیں اور مثال نہیں ملتی۔ اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عام خیال تھا کہ عورتیں روح اور جذبے سے محروم ہیں انہیں جانوروں سے زیادہ بری حالت میں رکھا جاتا تھا۔ وہ بچپن میں باپ دادا کی خادمہ بنتی تھیں جوانی میں اپنے خاوند کی اور بڑھاپے میں اپنے بیٹوں کی۔ بیٹیوں کی پیدائش کو سخت ناپسند کیا جاتا تھا لوگ ان کے وجود سے نفرت کرتے تھے انہیں زندہ زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ مولانا حالی فرماتے ہیں ؎

پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر

اگر کسی طرح وہ زندہ رہتی تھیں تو جائیداد اور ورثے کی طرح اولاد میں بانٹی جاتی تھیں۔ حضورؐ نے جس انداز میں اپنے فرمان اور حکموں سے عورتوں کے حقوق مقرر کئے اور عورتوں کی قدر و اہمیت اور حیثیت بڑھائی۔ اسی طرح عملی سلوک بھی حضورؐ کا عورتوں کے ساتھ ایسا ہوتا تھا کہ لوگ اسے دیکھ کر

اپنا پہلا طریقہ یا انداز عورتوں کے سلسلے میں پھر اختیار نہیں کر سکتے تھے، بلکہ وہ حضورؐ کا نمونہ دیکھ کر اپنے طریقہ کی اصلاح کر لیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ اسلام کی تعلیمات سے ہمیں معلوم ہوا کہ عورتیں بھی کوئی انسانی مخلوق ہیں ورنہ اس سے پہلے تو ہم انہیں بس جانور ہی خیال کرتے تھے۔

سوالات

سوال ۱:۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ کی روشنی میں رسولِ اکرمؐ کے عادات وخصائل بیان کیجئے؟

جواب:۔ حضرت امام حسینؓ نے حضرت علیؓ سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات وخصائل دریافت فرمائے حضرت علیؓ نے فرمایا: "حضورؐ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع اور فیاض تھے۔ کبھی کوئی بُرا کلمہ حضورؐ کی زبان پر نہیں آتا تھا۔ نتیجہ خیز اور کار آمد باتیں کیا کرتے تھے۔ کبھی کسی کو بُرا بھلا نہیں کہتے تھے۔ کبھی کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ نہیں لگاتے تھے دوسرا بولتا تو اسے دِل کھول کر بولنے دیتے تھے اس کی بات درمیان میں نہیں کاٹتے تھے۔ حضورؐ بہت متحمل مزاج تھے۔ کوئی کسی احسان کا شکریہ ادا کرتا تو سن لیتے لیکن اپنی تعریف سننی پسند نہیں فرماتے تھے لوگ باتیں کرتے کرتے ہنستے تو حضورؐ بھی مسکرا دیتے تھے۔ کسی کی کوئی درخواست نامنظور کرنا چاہتے تو حتی المقدور زبان سے نامنظوری کے الفاظ نہیں نکالتے تھے خاموش رہتے یا چشم پوشی برتتے تھے مزاج شناس اصحاب حضورؐ کے تیور سے سمجھ جاتے تھے

سوال ۲:۔ قرض کے بارے میں حضور اکرمؐ کا طرزِ عمل کیا تھا؟

جواب:۔ فیاضِ طبعی کے سبب حضور اکرمؐ کو اکثر قرض لینا پڑتا تھا۔ حتیٰ کہ رحلت کے وقت بھی حضور اکرمؐ کی زرہ رہن تھی لیکن قرض کی ادائیگی کا اتنا خیال تھا کہ مقروض کے جنازے کی نماز نہ پڑھاتے تھے جب اس کا قرض ادا کر دیتے تھے۔ قرض دینے والا عموماً یہودی ہوتا تھا۔ یہودی قرض کے تقاضے کرتا اور مزاج دکھاتا تو فرماتے کہ قرض خواہ کو ان باتوں کا حق ہے۔ فرمایا "میں تین دن سے زیادہ روپیہ اپنے پاس نہیں روکتا لیکن اگر میرے ذمّے قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے انتظار میں روپیہ تین دن سے زیادہ رکھے رکھتا ہوں اگر کوئی مسلمان مقروض مر جاتا تو حضور اس کا قرض اپنی جیب سے ادا فرما دیتے، لیکن فرماتے کہ اس کی جائیداد میں میرا کوئی حصّہ نہیں۔

سوال ۳:۔ حضور اکرمؐ مزاح بھی فرما لیتے تھے۔ مثالوں سے واضح کریں۔

جواب:۔ حضور اکرمؐ کی مجلس سراپا سنجیدگی ومتانت ہوتی تھی۔ لیکن اس سے مراد خشکی اور افسردگی نہیں

ہے۔ بلکہ حضورؐ اکثر مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضورؐ صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے کھجوریں کھا رہے تھے۔ حضرت علیؓ برابر تشریف فرما تھے حضرت علیؓ کھجوریں کھاتے جاتے تھے اور گٹھلیاں حضورؐ کی گٹھلیوں میں ملاتے جاتے تھے جب کھجوریں کھائی جا چکیں تو حضرت علیؓ نے کہا: "بتاؤ کھجوریں کس نے زیادہ کھائی ہیں؟" حضورؐ نے فرمایا "ذرا یہ بھی دیکھنا کہ گٹھلیوں سمیت کھجوریں کون کھا گیا؟"

ایک مرتبہ ایک بڑھیا صحابیہؓ حاضر خدمت ہوئیں اور کہنے لگی "میرے لیے دعائے مغفرت کیجیے۔" حضورؐ نے فرمایا "کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔" وہ گھبرائیں۔ حضورؐ نے فرمایا: "مطلب یہ ہے کہ بڑھیا میں بھی جوان ہو کر جنت میں جائیں گی۔ ان کا شباب عود کر آئے گا۔"

سوال ۴:۔ حضور اکرمؐ بچوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ وضاحت کریں۔

جواب:۔ بچوں پر حضور اکرمؐ خاص طور پر بچوں پر شفقت فرماتے تھے۔ حضور کہیں باہر سے تشریف لاتے اور سواری پر سوار ہوتے تو راستے میں جو بچے مل جاتے انہیں اپنے ساتھ آگے پیچھے بٹھا لیتے تھے۔ راستہ چلتے بچوں کو خود سلام کرتے تھے۔ کوئی موسمی پھل آتا تو پہلے بچوں میں تقسیم کرتے تھے۔

ایک غزوے میں چند بچے جھپٹ میں آ کر مر گئے۔ حضورؐ نے ان کا بڑا غم کیا۔ کسی صحابیؓ نے کہا "وہ مشرکوں کے بچے تھے۔" حضورؐ نے فرمایا "بچے مشرکوں کے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار بچوں کو قتل مت کرنا۔" دو دفعہ فرمایا۔ پھر کہا "ہر بچہ اللہ کی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔"

حضورؐ کسی ماں کو دیکھتے کہ اپنے بچے سے محبت کر رہی ہے تو بہت متاثر ہوتے۔ ماؤں اور بچوں کی محبت کے قصے سنتے تو فرماتے "جسے اللہ اولاد کی محبت دے اور وہ اولاد کا حق بجا لائے وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا۔"

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک دفعہ فرمایا "نماز کے وقت مقتدی عورتوں میں سے کسی کا بچہ روتا ہے تو میں نماز مختصر کر دیتا ہوں تاکہ بچے کی ماں بے چین نہ ہو۔"

بچوں سے چہل کی باتیں کرتے تھے۔ ام خالد چھوٹی سی تھیں۔ ایک دفعہ وہ سرخ رنگ کا کرتا پہنے نظر آئیں ان سے فرمایا "سنہ سنہ" حبشی زبان میں سنہ کے معنی ہیں خوشنما۔ حضرت ام خالد کی پیدائش اتفاق سے حبش کی تھی۔ اور ان کا کچھ وقت وہاں گزرا تھا۔ اس مناسبت سے حضورؐ نے حبشی زبان کا لفظ استعمال کیا۔

ایک دفعہ حضورؐ بچوں سے پیار و محبت کا اظہار کر رہے تھے کسی کی زبان سے نکلا، میرے دس بچے ہیں کسی سے پیار نہیں کرتا۔ حضورؐ نے فرمایا: "جو رحم نہیں کرتا خدا بھی اس پر رحم نہیں کرے گا۔"

سوال ۵:۔ حضور اکرمؐ نے عورتوں کے کیا حقوق مقرر فرمائے؟

جواب:۔ حضورؐ نے عورتوں کے ایسے حقوق مقرر فرمائے کہ ان کی کسی مذہب و ملت میں مثال نہیں ملتی عورتوں کو حضورؐ نے انسانیت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے اور مردوں کے برابر بٹھایا ہے۔ اسلام سے پہلے خیال تھا کہ عورتیں بے روح ہوتی ہیں انہیں مویشیوں سے بدتر حالت میں رکھا جاتا تھا وہ بچپن میں باپ دادا کی کنیز بنتی تھیں جوانی میں شوہر کی اور بڑھاپے میں بیٹوں کی۔ بیٹیوں کی پیدائش ناگوار گذرا کرتی تھی۔ انہیں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ زندہ رہتی تھیں تو جائیداد کی طرح ورثے میں تقسیم کی جاتی تھیں۔

حضورؐ نے جس طرح ارشاد و احکام سے عورتوں کے حقوق مقرر فرمائے اور عورتوں کی قدر و منزلت بڑھائی، اسی طرح عملی برتاؤ بھی حضورؐ کا عورتوں کے ساتھ ایسا تھا کہ لوگ اسے دیکھ کر اپنا پچھلا طریقہ عورتوں کے معاملہ میں دوبارہ اختیار نہیں کر سکتے تھے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے "ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔" ایک اور حدیث میں فرمایا: "جس نے دو یا تین بیٹیوں کی پرورش کر کے انہیں بیاہ دیا، وہ جنتی ہے۔" حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا "عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اور ان کے ساتھ محبت اور مہربانی کا برتاؤ کرو اور انہیں چاہیئے کہ اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کریں۔"

حضور اکرمؐ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے بہت پیار کرتے تھے۔ جب وہ ملنے کے لیے آتیں تو کھڑے ہو جاتے اور سر پر پیار اور بوسہ دیتے۔ جب حضورؐ سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں اپنی بیٹی کے گھر جاتے اور سفر سے واپسی پر سب سے پہلے ان کے ہاں جاتے۔ حضورؐ نے فرمایا: "فاطمہؓ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔"

سوال ۶:۔ حضور اکرمؐ جانوروں پر کس طرح شفقت فرماتے تھے؟

جواب:۔ حضور اکرمؐ جانوروں پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ حضورؐ نے مویشیوں کو بہت سی مصیبتوں سے چھڑا دیا۔ عرب اونٹ کے گلے میں قلاوہ لٹکایا کرتے تھے حضورؐ نے فرمایا کہ خواہ مخواہ ایک جاندار کو تکلیف میں ڈالتے ہو۔ زندہ دُنبے کی چکی کاٹ لیتے تھے اسے روکا۔ دُم اور ایال کاٹنے کی ممانعت فرمائی۔ فرمایا "دُم جانور کا مورچھل ہے اور ایال لحاف۔" جانوروں کو سانز پہنائے رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ نیز فرمایا "جانوروں کو اپنی کرسی اور نشست گاہ نہ بناؤ۔" یعنی ان پر ہر وقت چڑھے نہ بیٹھا رہا کرو۔ عرب جانوروں کو باندھ کر ان پر نشانہ بازی کیا کرتے تھے اسے ناجائز قرار دیا۔ جانوروں کو لڑوانا بھی ناجائز بتایا۔

ایک دفعہ کسی نے چڑیا کا انڈہ اٹھا لیا، چڑیا بیقرار ہو گئی۔ حضور اکرمؐ نے حکم دیا کہ انڈہ چڑیا کو واپس پہنچاؤ۔ ایک صحابی جنگل میں سے کچھ پرند بچے لائے اور بیان کیا کہ میں نے انہیں پکڑا تو ان کی

ماں دیر تک میرے سر پر منڈلاتی رہی۔" حضورؐ نے فرمایا "واپس جاؤ اور پرندوں کو ان کی جگہ چھوڑ آؤ۔"

ایک مرتبہ ایک اونٹ بلبلاتا ہوا حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرا مالک مجھے کم خوراک دیتا ہے اور مجھ سے زیادہ کام لیتا ہے۔" حضورؐ نے اس کے مالک کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ "جوانی میں اس اونٹ نے تمھاری بڑی خدمت کی، اب یہ بوڑھا ہو گیا ہے اس سے اس کی طاقت کے مطابق کام لو اور اسے پوری خوراک دو۔"

میاں بشیر احمد

۱۸۹۳ء ——— تا ——— ۱۹۷۱ء

تشکیلِ پاکستان

مشکل الفاظ کے معانی:-

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تشکیل	قیام	سطوت	دبدبہ	وسط	درمیان
تنزل	زوال	احیاء	زندہ کرنا	مذموم	بری
تخریب	بگاڑ	مصلح	اصلاح کرنیوالا	حصول	حاصل کرنا
مہم	دشوار کام، اہم کام	نافذ کرنا	لاگو کرنا، قائم کرنا	مساعی	سعی کی جمع، کوشش
عقیدت مند	معتقد۔ دل کا بھروسہ	فرائضی تحریک	بنگال میں حاجی شریعت اللہ	ناگفتہ حالت	بہت خراب حالت
"	رکھنے والا	"	کی دینی فرائض والی	ذلت کے درپے	رسوائی کرنے پر تیار
بتدریج	رفتہ رفتہ	"	تحریک	عتاب	غصہ، طیش
پسپا ہونا	پیچھے ہٹنا	زخموں پر نمک چھڑکنا	تکلیف میں اضافہ کرنا	دور اندیش	عقلمند
ہمدرد ملت	قوم کا ہمدرد	پسماندہ قوم	ترقی کی دوڑ میں پیچھے	تصانیف	تصنیف کی جمع۔ اپنے
احیاء	جاری کرنا	"	رہنے والی قوم	"	ذہن سے لکھی ہوئی
زندہ دل	خوش طبع، خوش	منادی	اعلان	"	کتابیں
"	مزاج	موقوف کرنا	بند ٹھہرانا	محال	مشکل
تقویت	طاقت	"	برخاست کرنا	بنا	بنیاد

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
خوشنودی	خوشی، رضامندی	پے در پے	مسلسل	خوابِ گراں	گہری نیند
رفقاء	رفیق کی جمع، دوست	معاون	مددگار	مسدس	چھ مصرعوں والی نظم
عظمت	بڑھائی	وقعت	عزت، ساکھ	رونما ہونا	ظاہر ہونا
علم الکلام	وہ علم جس میں اصول	بیگانگی	غیریت	غائر	گہرا
"	عقائد دلیلوں سے	فلسفہ	موجودات کی حقیقت	نشوونما	پھلنا پھولنا
"	واضح کیے جاتے ہیں	"	کا علم	ضبطِ نفس	نفس کو قابو میں رکھنا
نیابتِ الٰہی	خدا کا نائب ہونا	خودی	اپنی ہستی کی پہچان	ارتقاء	ترقی
"	خلافت	پرتو افگن ہونا	عکس یا سایہ ڈالنا	تقلید	پیروی
رجائیت	امید پر ہونا	لحظہ	گھڑی	گفتار	گفتگو
براہین	دلیل	قہاری	خدا کی صفت	غفاری	بخشنے کی صفت
جبروت	عظمت	"	قہر و غضب	قدوسی	خدا کی صفت تمام
عناصر	عنصر کی جمع، اجزاء	آوازہ	شہرت، دھوم	"	عیبوں سے پاک
دھوم جابجا	جگہ جگہ	انحطاط	زوال	"	ہونا
صحافت	اخبار سے متعلقہ	منجملہ	تمام میں سے	متمدن	تہذیب یافتہ
"	کام اور باتیں	شعبہ	محکمہ، حصہ	ہٹے رہنا	چھوٹا رہنا
اظہر من الشمس	سورج سے زیادہ	اکارت	ضائع	"	پیچھے رہنا
"	روشن	تحفظ	حفاظت	بالعموم	عام طور پر
دگرگوں	رنگ بدلا ہوا	جداگانہ انتخاب	انتخاب جس میں مسلمان	تنسیخ	منسوخ کرنا
میثاق	معاہدہ	"	مسلمان کو اور غیر مسلم	سیلف گورنمنٹ	حکومت خود اختیاری
طوطے کی طرح آنکھیں	بہت بے مروت	"	غیر مسلم کو ووٹ دے	تعاون	ساتھ دینا
پھیر لینا	ہونا	حصے بخرے کرنا	ٹکڑے ٹکڑے کرنا	عدم تعاون	ساتھ نہ دینا
شدھی	مسلمانوں کو ہندو	سنگٹھن	یہ تحریک کہ ہندوستان	"	بائیکاٹ
"	بنانا	"	صرف ہندوؤں کے	اشتعال انگیز	غصہ دلانے والی
مطابقت	برابر ہونا، مانند ہونا	"	لیے ہے	مسلم کش	مسلمانوں کو ختم
سول نافرمانی	حکومت کے انتظامی	انعقاد	منعقد ہونا	"	کرنے یا نقصان
"	احکام کی نافرمانی	ملیامیٹ کرنا	برباد کرنا	"	پہنچانے والی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
وفاقی حکومت	ایسی حکومت جسمیں	مصمم ارادہ	پختہ ارادہ	فروغ دینا	ترقی دینا
〃	تمام شرکا کو بنیادی	مدغم کرنا	ملانا رشامل کرنا	خفیہ مساعی	پوشیدہ کوششیں
〃	حقوق حاصل ہوں	ہنگامہ خیز	ہنگاموں والا	نیشلسٹ	قوم پرست
برسر اقتدار ہونا	حکومت حاصل کرنا	پراگندہ	بکھری ہوئی ر	اقلیت	چھوٹی قوم
برقی رو	بجلی کی لہر	〃	پریشان	منصوبہ	اسکیم
محض	صرف	تحفظات	حقوق کی حفاظت	مراعات	رعائتیں
سائل	سوالی	مصنف	کتاب لکھنے والا	سیاسی گتھی سلجھانا	الجھا ہوا سیاسی
کانگرس نواز پالیسی	کانگرس کو خوش	مناقشات	مناقشہ کی جمع	〃	مسئلہ حل کرنا
〃	کرنیوالی پالیسی	〃	جھگڑے	نتیجہ خیز	بامعنی ربامقصد
معرضِ التواء میں رکھنا	ملتوی کرنا	ضمن میں	سلسلہ میں	منظم	پروئی ہوئی۔سوچی
	ـ	تہ تیغ کرنا	قتل کرنا	〃	سمجھی ہوتی ر
قوت آفرین	قوت پیدا کرنیوالا	تغیر	انقلاب	رونما ہونا	ظاہر ہونا
غیر معمولی	بہت اہم	ترقی پرور	ترقی دینے والا	بیت المال	اسلامی سرکاری
عوام الناس	عام لوگ	نصب العین	مقصد	〃	خزانہ
مطلق العنان	تمام اختیارات کا	حامل	اٹھانے والا	خلفائے راشدین	رشد و ہدایت والے
〃	مالک	خود اعتمادی	اپنے آپ پر	〃	خلیفہ جو رسول پاکؐ
انکسار	عاجزی	〃	یقین و اعتماد ہونا	〃	کی رحلت کے بعد ہوئے
مساوات	برابری	تقویٰ	پرہیزگاری	〃	یعنی چاروں خلفاء حضرت
رواداری	دوسروں سے عمدہ	〃	خوفِ خدا	〃	ابوبکر صدیقؓ، حضرت
〃	سلوک	چرخ نیلی فام	نیلے رنگ کا	〃	عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ
ـ	ـ	〃	آسمان	〃	حضرت علیؓ)

خلاصہ

مسلمانوں کا زوال:۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد کچھ عرصہ بعد اسلامی حکومت رہی لیکن انیسویں صدی کے شروع میں مسلمانوں کا سیاسی زوال

مکمل ہوا۔ چنانچہ ۱۸۰۳ء میں انگریز دہلی میں داخل ہوئے۔

اصلاحی تحریکیں:۔ اسی زمانے میں مسلمانوں میں مذہبی احیاء اور معاشرتی اصلاح کی تحریکیں شروع ہوئیں اس ضمن میں شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں زوال و انحطاط کے اس نازک وقت میں سید احمد بریلوی کی تحریک بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی خرابیوں کی اصلاح کے لیے بڑا کام کیا۔ انہوں نے سکھوں کے خلاف جہاد میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں اور ایک مثالی نظام حکومت قائم کیا لیکن اپنوں کی غداری کے باعث وہ شہید ہوئے اور اس طرح بے پناہ ملی نقصان ہوا۔ بہرحال سید صاحب کے کام کو ان کے بعض مذہبی جانشینوں نے جاری رکھا۔ بہار میں اٹھنے والی فرائضی تحریک کا یہی مقصد تھا۔

مایوسی کا دور اور سرسید:۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی رہی سہی عزت خاک میں مل گئی۔ مسلمانوں کی زمینیں اور عہدے چھین لیے گئے۔ اسلامی تعلیم کے ذرائع ختم کر دیئے گئے۔ فارسی زبان عدالتوں سے خارج کر دی گئی۔ ادھر ہندوؤں کی مخالفت تھی مایوسی کے اس دور میں سرسید احمد خاں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا انہوں نے مسلمانوں کو نئے تقاضوں سے آگاہ کیا اور ثابت کیا کہ اسلام عقل کے اصولوں پر مبنی ہے۔ علی گڑھ کالج تیس برس تک مسلمانوں کا واحد قومی مرکز بنا رہا۔ سرسید نے پنجاب کا بھی دورہ کیا۔ لاہور میں انجمن حمایت اسلام کا ادارہ قائم ہوا ۱۸۸۶ء میں سرسید نے مسلم کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ سرسید ہندو مسلم اتحاد سے مایوس ہو گئے۔ ۱۸۸۵ء میں کانگرس کی بنیاد پڑی جو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھی انہوں نے قومی ترقی کا بڑا کام کیا ۱۸۹۸ء میں جب سرسید فوت ہوئے تو مسلمان قوم خوابِ گراں سے جاگ چکی تھی۔ سرسید کے رفقاء نے اس کام کو جاری رکھا۔

دیگر رہنما:۔ مولانا حالی، مولانا شبلی اور سید امیر علی نے بڑا قومی و دینی کام کیا۔ جس سے مذہب سے بیگانگی بہت حد تک کم ہو گئی۔ اور مغرب کی ذہنی غلامی سے نجات ملی۔ ندوۃ العلماء اور دیو بند نے قدیم اسلامی علوم کے چراغ روشن کئے۔

علامہ اقبالؒ:۔ علامہ اقبالؒ نے سب سے بڑھ کر کام کیا۔ قوم کے سامنے اپنا خالص اسلامی فلسفہ پیش کیا۔ اسلامی تشخص ابھارا اور مسلمانوں کو اس کا اصل مقام یاد دلایا اقبالؒ نے خودی کا پیغام دیا اور اسلامی تعلیمات سے لگاؤ پیدا کیا قوم میں ایک نیا جذبہ پیدا کیا۔

پیش رفت:۔ اس طرح مسلمان قوم میں بیداری پیدا ہوئی۔ لیکن ابھی کچھ مشکلات تھیں مسلمان معاشی لحاظ سے پسماندہ تھے البتہ قومی زبان و ادب میں خوب ترقی ہوئی۔ علی گڑھ کالج ۱۹۲۱ء میں یونیورسٹی کے درجے تک پہنچ گیا۔ دکن میں جامعہ عثمانیہ کا شاندار ادارہ

قائم ہوا۔ اس طرح کافی پیش رفت ہوئی لیکن سیاسی اتحاد کے بغیر یہ سب کچھ بے کار تھا۔

سرسید کا موقف:۔ سرسید کا موقف تھا کہ مسلمان ملکی سیاست سے الگ رہ کر اپنے آپ کو تعلیم سے آراستہ کر کے قومی حالت کو بہتر بنایا۔

سیاسی بیداری:۔ جاپان کی فتح سے ہندوؤں میں جذبۂ قومیت ابھرا تقسیم بنگال کی منسوخی اور ہندی کی تحریک سے اِن کے عزائم کھل کر مسلمانوں کے سامنے آگئے۔ ردِ عمل کے طور پر مسلمانوں میں سیاسی وحدت کا شعور ابھرا چنانچہ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی اور مسلمانوں نے جداگانہ انتخاب کا حق حاصل کیا۔ مسلمانوں نے انگریزوں سے بددل ہو کر سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ کیا۔ جنگِ عظیم نے ہندوستانیوں کے دل میں حرکت پیدا کی اور میثاق لکھنؤ کا معاہدہ عمل میں آیا جس کی وجہ سے انگریز ہندوستان کو خود اختیاری حکومت دینے پر مجبور ہو گیا۔

انگریزوں کی ظالمانہ پالیسی:۔ جنگ ختم ہوئی تو انگریزوں نے آنکھیں پھیر لیں اور ظالمانہ قوانین نافذ کئے۔ ترکی کے حصے بخرے ہونے کی سازش ہوئی۔ تحریکِ خلافت چلی۔ عدم تعاون کی زبردست تحریک شروع ہوئی لیکن یہ تحریک ختم ہو گئی۔ ہندو مسلم تعلقات خراب ہونے لگے۔

سیاسی مطالبہ:۔ مسلمان سائمن کمیشن کی آمد اور نہرو رپورٹ کی مسلم کش تجاویز پر اپنے خواب سے چونکے انہوں نے ۱۹۲۸ء میں مسلم کانفرنس کے تحت متحدہ سیاسی مطالبہ کیا جو قائداعظمؒ کے چودہ نکات سے مطابقت رکھتا ہے۔ دنیا کے سامنے پیش کیا

ہندو مسلم تعلقات:۔ ۱۹۲۹ء میں کانگرس نے گاندھی کی قیادت میں مکمل آزادی کا اعلان کر کے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ اسی دوران لندن میں گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ لیکن ہندو لیڈروں کی ہٹ دھرمی کے باعث ہندو مسلمانوں میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

ہندو رویہ:۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد کانگرس پہلے چھ اور پھر دو صوبوں میں حکومت کرنے لگی۔ اور اس نے مسلمانوں کو بحیثیت قوم کے مٹانے کا فیصلہ کر لیا۔

قائدِاعظمؒ کی قیادت:۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بے حد نازک وقت تھا اس خطرناک وقت میں مسلم لیگ کی قیادت قائداعظم جیسی زبردست شخصیت کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے کانگرس کے چیلنج کو قبول کیا اور سیاسی بات چیت میں انگریزی حکومت اور کانگرسی لیڈروں کے ساتھ پورے اترے۔ آپ نے اپنی لاجواب شخصیت کے بل پر ایک پریشان حال

الگ وطن کا مطالبہ :- ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے اسلامی ہند کی تاریخ بیداری کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے لاہور میں قرارداد پاکستان منظور کی اور اس طرح حصول پاکستان پوری قوم کا متفقہ مطالبہ بن گیا۔ مسلمان قوم میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی اب وہ اپنی جدا حکومت جدا تہذیب اور جدا وطن کی دعویدار بن گئی۔

سیاسی کانفرنسیں :- ۱۹۴۴ء میں پنجاب مسلم لیگ اور یونینسٹ وزارت میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ بمبئی میں گاندھی جناح ملاقات ہوئی مگر ناکام رہی ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس ہوئی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

نئے انتخابات :- آخر حکومت ہند نے نئے انتخابات کا اور ہندوستان کو خود اختیاری حکومت دینے کا اعلان کیا۔ نئے انتخابات (۴۶-۱۹۴۵ء) میں کانگرس اور مسلم لیگ پورے طور پر کامیاب ہو گئی۔

وزارتی مشن :- ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے یہاں وزارتی مشن بھیجا تاکہ سیاسی گتھی کو سلجھائے لیکن مشن کی کانگرس نواز پالیسی سے ناراض ہو کر مسلم لیگ نے نئی سکیم کو ٹھکرا دیا اور گو آخر کار وہ بھی مرکزی عارضی حکومت میں شریک ہو گئی لیکن ہندو مسلم فسادات بڑھتے گئے اور ملک میں جابجا شدید فرقہ وارانہ فسادات برپا ہوئے فروری ۱۹۴۷ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ برطانیہ جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کو خالی کر دے گا۔

زبردست تحریک :- جنوری ۱۹۴۷ء میں پنجاب مسلم لیگ کی ایک زبردست تحریک اٹھی۔ اب برطانوی حکومت کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کے قومی مطالبے کو دیر تک ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔

مسلمانوں کا قتل عام :- ادھر پاکستان کے مخالفین نے ملک بھر میں فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع کر دیا اور ایک منظم سازش کے تحت آٹھ دس لاکھ بے گناہ مسلمانوں کو بے رحمی سے تہ تیغ کر دیا گیا۔

آزادی کا منصوبہ اور پاکستان کا قیام :- برطانیہ نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ہندوستان و پاکستان کی آزادی کے متعلق اپنا نیا منصوبہ شائع کیا جس کے مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو دونوں ملکوں میں دو علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں یوں اسلامی ہند کے دس کروڑ فرزندان توحید کی تنظیم اور قربانیاں پھل لائیں۔ اور مشرقی و مغربی ہند میں

مشرقی و مغربی پاکستان کی بنیاد پڑی۔

پاکستان کی اہمیت:- قیامِ پاکستان سے نہ صرف ہندوستان کے برِعظیم و ایشیا میں بلکہ ساری اسلامی دنیا میں ایک قوت آفریں انقلاب رونما ہو گیا جس کے غیر معمولی نتائج اپنے وقت پر ظاہر ہوں گے۔ اگر ہمیں اپنا انسانی اور اسلامی فرض ادا کرنا ہے تو پاکستان کی حکومت لازمی طور پر اسلامی جمہوریت کے ترقی پرور اصولوں پر قائم ہو گی۔

مسلمانوں کا نصب العین:- مسلمانوں کا نصب العین اسلام ہے وہ اسلام جس کا حامل قرآن ہے وہ اسلام جس کا نمونہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں مسلمانوں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے بقول علامہ اقبالؒ ؎

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

مرکزی خیال

مسلمانوں نے ساڑھے سات سو سال تک اس برصغیر پر شان و شوکت سے حکومت کی۔ پھر وہ اپنوں کی غلطیوں اور غیروں کی سازشوں کے باعث زوال کا شکار ہو گئے۔ اور انگریز نے انہیں غلام بنا لیا۔ پھر سیاسی و اصلاحی تحریکیں شروع ہوئیں، شاہ ولی اللہ، سید احمد بریلوی، مولانا شبلی، مولانا حالی اور علامہ اقبال جیسے رہنماؤں نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ قائدِ اعظمؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں متحد ہوئے۔ انگریز ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ انگریز و ہندو کے گٹھ جوڑ کو ناکام بنا دیا گیا۔ دو قومی نظریہ پیش ہوا۔ علامہ اقبالؒ نے تصورِ پاکستان پیش کیا اور قائدِ اعظمؒ نے اسے عملی جامہ پہنایا۔ قرار دادِ پاکستان پاس ہوئی اور مسلمان حصولِ پاکستان میں کامیاب ہوئے۔ پاکستان پورے عالمِ اسلام کی امیدوں کا مرکز بنا ہے اسے صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اسے [illegible] ناقابلِ تسخیر قلعہ بنانا ہے۔

بقول علامہ محمد اقبالؒ ؎

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

پیروں کی تشریح

پیرا ۱: ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی رہی سہی عزت خاک میں مل گئی۔ انگریزی حکومت سو سال سے ان کی ذلت کے درپے تھی۔ بتدریج مسلمانوں کی زمینیں اور عہدے چھین لئے گئے۔ اسلامی تعلیم کے ذرائع ختم کر دیئے گئے۔ ۱۸۳۷ء میں فارسی زبان عدالتوں سے خارج کر دی گئی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ان پر عتاب بڑھتا گیا۔ اس طرح مسلمان پیاپی ہوئے ان مظالم سے متاثر ہو کر نئی حکومت اور اس کے اداروں سے بیزار ہوتے گئے۔ ادھر ہندوؤں کی بے رخی نے ان کے زخموں پر اور بھی نمک چھڑکا اس کی ناگفتہ بہ حالت میں ایک دور اندیش ہمدرد ملت اٹھا جس نے اپنی مایوس پسماندہ قوم کو امید محنت اور ترقی کا زندگی بخش پیغام دیا۔ یہ مرد خدا سرسید احمد خاں تھا۔ یہ انہیں کی جد وجہد کا نتیجہ تھا کہ "گو نمک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں"۔

حوالہ متن یہ عبارت میاں بشیر احمد کے مضمون "تشکیل پاکستان" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق مصنف قیام پاکستان کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے برصغیر پر ساڑھے سات سو سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کی۔ پھر وہ زوال کا شکار ہو گئے اور انگریز کی غلامی میں چلے گئے۔ غلامی کے اس دور میں کچھ اصلاحی اور مذہبی تحریکیں چلائی گئیں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز نے اس سلسلے میں کافی اصلاحی کام کیا اور سید احمد شہید بریلوی نے باقاعدہ سکھوں کے خلاف جہاد کیا اور بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ انہوں نے ایک نظام حکومت قائم کر کے قبائل کی معاشرتی اصلاح کے احکام نافذ کئے لیکن بعض افغانوں کی غداری سے جو سکھوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ آخر کار مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کا رہنما بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہوا۔ یعنی مسلمانوں کی جد وجہد خود مسلمانوں کے ہاتھوں برباد ہوئی۔ اسی طرح بہار میں فرائضی تحریک اٹھی جس کا مقصد غریب مسلمانوں اور کسانوں کی مدد کرنا تھا۔

تشریح ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ان کی رہی سہی عزت بھی جاتی رہی۔ انگریزوں نے اقتدار چونکہ مسلمانوں سے چھینا تھا اس لئے وہ ان سے خائف تھے اور انہی کو زیادہ تر مظالم کا تختہ مشق بناتے تھے۔ انگریز حکومت سو سال سے مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں کی زمینیں اور عہدے ان سے چھین لئے گئے۔ دینی تعلیم کے ذرائع ختم کر دیئے گئے۔ ۱۸۳۷ء میں فارسی زبان کو عدالتوں سے ختم کر دیا گیا۔ اور انگریزی زبان مسلط کر دی گئی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں پر انگریزوں

کا ظلم و ستم اور غصہ بڑھتا گیا۔ اس طرح مسلمان ترقی کے میدان میں بہت پیچھے رہ گئے اور اس ظلم و ستم سے تنگ آ کر وہ نئی حکومت اور اس کے اداروں سے تنگ آ گئے۔ انہیں ان سے نفرت ہو گئی۔ ادھر ہندوؤں نے مسلمانوں سے جو بدسلوکی کی، اس سے مسلمانوں کی تکلیف میں اور بھی اضافہ ہوا۔ اس گئی گذری حالت میں ایک عقلمند اور قوم کا ہمدرد و خیر خواہ میدان میں اترا اور اپنی مایوس اور پیچھے رہنے والی قوم کو امید، محنت اور ترقی کا ولولہ انگیز پیغام دیا۔ جس سے مسلمانوں میں ایک نیا جذبہ ابھرا۔ خدا کا یہ بندہ سرسید احمد خاں تھا۔ یہ انہیں کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ ملک ہاتھ سے جاتا رہا لیکن اتنا کیا کم ہے کہ مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا ہو گئی۔ بقول علامہ اقبال ؎

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

پیرا ۱۲:۔ اقبالؒ نے آ کر اسلامی و مغربی علوم کے غائر مطالعہ کے بعد اپنا خالص اسلامی فلسفہ قوم کے سامنے پیش کیا جس کا مقصد کامل ترین انسان کی انفرادی و اجتماعی نشوونما ہے۔ اقبال کا خیال ہے کہ انسان اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابت الٰہی کی تین منزلیں طے کرتا ہوا خودی کی انتہائی بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔ اس ارتقاء میں اسے مذہب کی رہنمائی درکار ہے۔ اقبال نے چار چیزوں پر زور دیا۔ اول توحید جس پر پورا ایمان عملاً انسان کو خوف و مایوسی سے آزاد کر دیتا ہے، نیز توحیدِ الٰہی، توحید انسانی میں پرتو افگن ہوتی ہے۔ دوم، رسول اکرم سے محبت اور ان کی مکمل تقلید۔ سوم۔ قرآن کا مطالعہ اور اس کی تعلیمات کی پیروی۔ چہارم: رجائیت یعنی مایوسی اور غم پسندی کو ترک کر کے امید، ہمت اور جرأت کی راہ اختیار کرنا۔

حوالہ متن:۔ یہ اقتباس میاں بشیر احمد کے مضمون "تشکیلِ پاکستان" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:۔ مصنف قیام پاکستان کا منظر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ برصغیر پر مسلمانوں نے ساڑھے سات سو سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کی پھر زوال کا شکار ہو گئے۔ اور انگریز کی غلامی میں آ گئے۔ مایوسی کے اس دور میں مختلف تحریکیں اٹھیں۔ شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، سید احمد شہید بریلویؒ، سرسیدؒ اور ان کے رفقاء نے مسلمانوں کی بیداری کے لیے بڑا کام کیا۔ حالی کی مسدس نے ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب کی لہر دوڑا دی۔ شبلی نے اسلامی تاریخ کے آئینے میں انہیں گزشتہ عظمت کا احساس دلایا۔ سید امیر علی نے اپنی انگریزی تصانیف سے مغربی حلقوں میں اسلام کی وقعت پیدا کی۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب سے بیگانگی بہت حد تک کم ہو گئی اور مغرب کی ذہنی غلامی سے نجات ملی۔ اسی دور میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی بیداری کے لیے سب سے بڑھ کر کام کیا۔

تشریح: علامہ اقبالؒ نے اسلامی اور مغربی علوم کا گہرا مطالعہ کیا اور ان میں خوب مہارت حاصل کی۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں ؎

پڑھ لیے میں نے علومِ شرق و غرب
روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

اس کے بعد اپنا خالص اور صحیح اسلامی فلسفہ (نظریہ و خیال) اپنی قوم کے سامنے پیش کیا۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ "میرا فلسفہ قرآن کا فلسفہ ہے۔ میں نے صرف قرآن کی ترجمانی کی ہے۔" ان کے اس فلسفہ کا مقصد و مدعا یہ تھا کہ مکمل انسان کی شخصی و اجتماعی تربیت کی جائے۔ علامہ اقبالؒ نے اس سلسلے میں یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان اسلامی احکام کی اطاعت و پیروی کر کے اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہوئے اور خلافت الٰہیہ کی تین منزلیں طے کرے تو اس کی خودی کی مکمل تکمیل ہو سکتی ہے۔ خودی سے ان کی مراد یہ ہے کہ انسان اپنی ہستی کو پہچان حاصل کرے اور پھر اسے ترقی دے جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے خدا کو پہچان لیا۔"

علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ∴ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے
اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی ∴ ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
خودی کا سرِ نہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ∴ خودی ہے تیغ، فساں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

علامہ اقبال نے خودی کی تکمیل کے لیے مذہب کی پیروی و رہنمائی کو لازمی قرار دیا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا آخری شعر میں بیان ہوا ہے۔ علامہ اقبال نے چار چیزوں کو لازمی قرار دیا۔ اول توحید یعنی خدا کی وحدانیت و یکتائی جس پر پورا ایمان عملی طور پر انسان کو خوف، ڈر اور مایوسی سے آزاد کر دیتا ہے نیز توحیدِ خداوندی سے توحیدِ انسانیت ظاہر ہوتا ہے یعنی تمام بنی نوعِ انسان ایک وحدت ہیں۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

یہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ∴ ہزاروں سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

دوم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور حضور اکرمؐ کی مکمل اطاعت ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ∴ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

سوم قرآن مجید کا مطالعہ اور اس کی تعلیمات کی پیروی کرنا ضروری قرار دیا ہے ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

چہارم پُر امید رہنا یعنی مایوسی اور رنج و غم کو چھوڑ کر امید، ہمت اور جرأت و استقلال کا راستہ اختیار کرنا جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں ۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

پیرا ۱۳:- پاکستان کے قیام سے نہ صرف ہندوستان کے برعظیم بلکہ ساری اسلامی دنیا میں ایک ایسا قوت آفریں تغیر رونما ہوگیا ہے جس کے غیر معمولی نتائج کا دنیا ابھی صحیح طور پر اندازہ نہیں کر سکتی۔ ادھر یہ امر پاکستان کی ملت اسلامیہ پر روز بروز واضح ہو رہا ہے کہ اگر اسے اپنی اور دنیا کی طرف اپنا اسلامی اور انسانی فرض ادا کرنا ہے تو پاکستان کی حکومت لازمی طور پر اسلامی جمہوریت کے ترقی پرور اصولوں پر قائم ہوگی جس میں مسلم و غیر مسلم دونوں سے مساوی سلوک کیا جائے گا جس میں بڑے بڑے سرمایہ داروں کے لیے جگہ نہ ہوگی بلکہ جس میں غریبوں اور کارکنوں کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ جس میں عورت کے حقوق اور اس کی شخصیت محفوظ ہوگی۔ جس میں دولت ادھر تمام لوگوں میں مناسب طور پر تقسیم ہو کر اور ادھر بیت المال میں جمع ہو کر عوام الناس کا معیار زندگی بڑھانے میں کام آئے گی۔

حوالہ متن:- یہ اقتباس میاں بشیر احمد کے مضمون "تشکیل پاکستان" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق:- اس مضمون میں مصنف قیام پاکستان کا پس منظر بتاتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ پاکستان کے قیام کا مطالبہ اس لیے کیا گیا تھا کہ یہاں اسلام اور مسلمانوں کے قومی وجود کا تحفظ ہو سکے۔ مسلمان اس برصغیر پر ساڑھے سات سو سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کر چکے تھے پھر ان پر زوال آگیا اور وہ انگریزوں کی غلامی میں آگئے۔ آہستہ آہستہ اصلاحی اور قومی تحریکیں شروع ہوئیں۔ پھر ایک موقع آیا کہ انگریز ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گیا جنوری ۱۹۴۷ء میں پنجاب میں مسلم لیگ کی ایک زبردست تحریک اٹھی جس سے حکومت برطانیہ نے اندازہ لگایا کہ اب مسلمانوں کے مطالبے کو زیادہ دیر تک ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔ ادھر پاکستان کے مخالفین نے فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع کر دیا اور ایک منظم سازش کے تحت آٹھ دس لاکھ بے گناہ مسلمانوں کو بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔ اسی دوران برطانیہ نے ۳ جون کو ہندوستان و پاکستان کی آزادی کے متعلق اپنا نیا منصوبہ شائع کیا جس کے مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو دو ملکوں میں دو علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومتیں قائم ہوگئیں۔ یوں اسلامی ہند کے دس کروڑ فرزندانِ توحید کی تنظیم اور قربانیاں پھل لائیں اور مشرقی و مغربی ہند میں مشرقی و مغربی پاکستان کی بنیاد پڑی۔

تشریح:- پاکستان کا قیام ایک بہت بڑا انقلاب ہے اس کے گہرے اور دور رس اثرات برآمد ہوں گے یہ صرف برصغیر اور ایشیا ہی کے لیے قوت و شوکت کا ذریعہ نہیں ہے

بلکہ یہ پوری اسلامی دنیا کے لیے ایک عظیم انقلاب ہے جو اس کی قوت کا بہت بڑا سبب بنے گا۔ انشاءاللہ یہ عالم اسلام کے لیے ایک قوی بازو ثابت ہوگا جیسا کہ قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ "پاکستان اتحادِ عالم اسلام کی چابی ہے۔"

دنیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو اسلامی ممالک کا ایک وسیع سلسلہ ملے گا۔ اگر یہ تمام اسلامی ممالک باہم متحد ہو جائیں تو ایک نہایت مضبوط بلاک وجود میں آئیگا قیام پاکستان کی صورت میں جو گہرے نتائج اور اثرات ظاہر ہونیوالے ہیں وہ ابھی یکمکمل طور پر دنیا کے سامنے نہیں آئے بلکہ یہ نتائج رفتہ رفتہ وقت کے ساتھ برآمد ہوں گے۔

دوسری طرف یہ بات پاکستان کے فرزندان توحید پر وقت کے ساتھ ساتھ صاف اور واضح ہوتی جا رہی ہے کہ اگر اسے اپنی اور دنیا کی طرف اپنا اسلامی اور انسانی فرض ادا کرنا ہے تو پھر یہ بات لازمی ہے کہ پاکستان کو ایک اسلامی جمہوری ملک بنایا جائے گا ایسی جمہوریت مملکت قائم کرنی ہوگی جس کے اصول ترقی کی طرف ہماری رہنمائی کریں اس جمہوریت میں مسلم اور غیر مسلم دونوں سے برابر سلوک کیا جائیگا جسمیں سب کے حقوق برابر ہونگے جسمیں بڑے بڑے دولتمندوں اور سرمایہ داروں امیروں کے لیے جگہ نہ ہوگی بلکہ غریبوں اور محنت کرنیوالے کارکنوں کا خاص خیال رکھا جائیگا اس میں ایسا معاشی نظام ہوگا جو غربت کے مسائل حل کرے بقول علامہ اقبالؒ ؎

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو ⁛ کاخ امراء کے در و دیوار ہلا دو

اس اسلامی جمہوری مملکت میں عورت کے حقوق اور اس کی شخصیت کی مکمل حفاظت کی جائے گی اس میں دولت کی برابر تقسیم ہوگی امیر امیر تر اور غریب غریب تر نہیں ہوں گے بلکہ معاشی مسئلے کا بہتر حل تلاش کیا جائے گا۔ باقاعدہ بیت المال کا قیام عمل میں آئے گا اور اس میں جمع شدہ رقم سے غریب لوگوں کی زندگی کا معیار بہتر بنایا جائے گا ان کی حالت بہتر بنائی جائے گی۔

سوالات

سوال:۔ مسلمانوں کے دورِ غلامی میں کون کون سی اصلاحی تحریکیں شروع ہوئیں؟

جواب:۔ مسلمانوں کے دورِ غلامی میں ان کے بعض افراد کے دل میں مذہبی احیاء اور معاشرتی اصلاح کا خیال پیدا ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان نے اس سلسلے میں بڑا کام کیا۔ شاہ صاحبؒ نے احوال کے لیے اسلام کا ایک عالمگیر اور جامع تصور پیش کیا انہوں نے مسلمانوں کو سیاسی تحفظ دیا اور انہیں اسلامی ریاست کے تصور سے آشنا کیا۔ لیکن عوام کی مذہبی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ اور مذموم معاشرتی رسموں میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں زیادہ فرق نہ تھا۔

سیاسی تنزل اور معاشرتی بگاڑ کے اس نازک وقت میں ایک پرخلوص مصلح سید احمد بریلوی پیدا ہوئے جنھوں نے ۱۸۱۶ء سے ۱۸۳۱ء تک پندرہ سال مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی خرابیوں کے دور کرنے میں پوری کوشش کی، اس سلسلے میں مذہبی آزادی کے حصول کے لیے انہوں نے ۱۹۲۶ء میں سکھوں کے خلاف

مذہبی جہاد کی مہم شروع کی۔ مجاہدین نے میدانِ جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور سید احمد نے ایک نظامِ حکومت قائم کر کے قبائل کی معاشری اصلاح کے احکام نافذ کیئے۔

لیکن بعض افغانوں کی غداری سے جو سکھوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ آخر کار مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کا رہنما ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ یعنی مسلمانوں کی جدوجہد خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہی برباد ہو گئی۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سید احمد بریلوی نے بار بار ہندوستان کے مسلمانوں کو دوسری قوموں کے مقابلے میں جمع کیا اور ان کے اصلاحی کام کو ان کے بعض مذہبی جانشینوں نے جاری رکھا۔

سر سید بعض باتوں میں اپنے ہم نام کے ہم خیال تھے۔ اور ان کے عقیدت مند تھے۔ اس زمانے میں بہار میں مسلمانوں میں حاجی شریعت اللہ کی رہنمائی میں فرائضی تحریک اٹھی جس کا مقصد غریب مسلمانوں بالخصوص کسانوں کی ناگفتہ بہ حالت کی اصلاح اور ان کی امداد تھا۔

سوال ۲: سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے کیا کام کیا؟

جواب:۔ مایوسی کے اس دور میں ایک دور اندیش ہمدردِ ملت اٹھا جس نے اپنی مایوس پسماندہ قوم کو امید، محنت اور ترقی کا زندگی بخش پیغام دیا یہ مرد سر سید احمد خاں تھا۔ یہ انہیں کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ "گو ملک ہاتھوں سے گیا، ملت کی آنکھیں کھل گئیں"۔

سر سید نے مسلمانوں کو نئے زمانے کی ضروریات سے آگاہ کیا۔ اور ان کو نئے علوم کے حصول اور نئی حکومت سے تعاون پر آمادہ کیا اپنی مذہبی تصانیف اور رسالہ "تہذیب الاخلاق" کے اجراء سے انہوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ اسلام عقل کے اصولوں پر مبنی ہے ان کی تعلیمی مساعی ۱۸۷۷ء کو تکمیل کو پہنچیں جب علیگڑھ کالج کا افتتاح ہوا جو کم از کم تیس برس تک مسلمانانِ ہند کا واحد قومی مرکز بنا رہا۔

۱۸۸۴ء میں سر سید نے پنجاب کا دورہ کیا جہاں "زندہ دلانِ پنجاب" کی قدردانی سے ان کو بڑی تقویت پہنچی۔ پنجاب کے مسلمانوں نے سر سید کی آواز پر لبیک کہا ایک طرف وہ علیگڑھ سے وابستہ ہوئے اور دوسری طرف انہوں نے لاہور میں انجمن حمایت اسلام کا ادارہ قائم کیا۔

۱۸۸۶ء میں سر سید نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ جس کے اجلاس ہر سال مختلف مقامات پر منعقد ہو کر مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پھونکنے کا باعث ہوئے۔ بنارس کے ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اردو کو موقوف کر کے ملک میں بھاشا زبان جاری کی جائے سر سید کہتے تھے کہ "یہ پہلا موقعہ تھا جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا محال ہے۔"

۱۸۸۵ء میں کانگرس کی بنیاد پڑی۔ سر سید نے مسلمانوں کو اس میں شرکت سے روکا۔ کیونکہ ان کی دور اندیشی نے دیکھ لیا کہ اس سے مسلمانوں کو بحیثیت قوم کے نقصان پہنچے گا اپنے ایک اہم بیان

میں انھوں نے کہا کہ جمہوری طریقہ ہندوستان کے لیے موزوں نہیں۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ سرسید کے پیشِ نظر انگریزوں کی خوشنودی نہ تھی بلکہ اپنی قوم کی ترقی بھی حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلے ہندوستانی تھے جنھوں نے اپنی مشہور تصنیف "اسباب بغاوتِ ہند" لکھ کر حکومت کی توجہ دلائی کہ غدر کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو ملک کی سیاسی کونسلوں میں شامل نہ کیا گیا پھر ۱۸۷۸ء میں جب وہ کونسل کے ممبر نامزد ہوئے تو انھوں نے ملکی اور قومی مفاد پر پے در پے تقریریں کیں ۱۸۹۸ء میں جب سرسید نے انتقال کیا تو ان کی قوم اپنے خوابِ گراں سے جاگ چکی تھی۔

سرسید کے بعد ان کے رفقاء نے ان کا شاندار کام جاری رکھا۔ محسن الملک، وقار الملک، مولانا حالیؔ، مولوی نذیر احمد، ذکاء اللہ اور مولانا شبلی وغیرہ نے تعلیمی، سیاسی اور ادبی خدمات سرانجام دیں۔

سوال ۳:۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمان قوم کو کیا پیغام دیا؟

جواب:۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں سب سے بڑھ کر کام کیا۔ انھوں نے مسلمانوں میں اسلامی تشخص اجاگر کیا انھیں بتایا کہ مسلمان کا اصل مقام کیا ہے اور یہ کہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام کس طرح حاصل کر سکتے ہیں ؎

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے ∴ وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

علامہ اقبالؒ نے اسلامی و مغربی تعلیم کے گہرے مطالعہ کے بعد اپنا خالص اسلامی فلسفہ قوم کے سامنے پیش کیا جس کا مقصد، کامل ترین انسان کی انفرادی و اجتماعی نشوونما ہے۔ علامہ اقبال کا خیال ہے کہ انسان اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی کی تین منزلیں طے کرتا ہوا خودی کی انتہائی بلندی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس ارتقاء میں اسے مذہب کی رہنمائی درکار ہے۔ علامہ اقبالؒ نے چار چیزوں پر زور دیا۔

اوّل توحید، جس پر پورا ایمان عملاً، انسان کو خوف و مایوسی سے آزاد کر دیتا ہے۔ یہ توحید الٰہی توحید انسانی پر اثر انداز ہوتی ہے۔

دوم، رسول اکرمؐ سے محبت اور آپ کی مکمل تقلید ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

سوم۔ قرآن کا مطالعہ اور اس کی تعلیمات کی پیروی۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں ؎
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

چہارم، رجائیت یعنی مایوسی اور غم پسندی کو ترک کر کے امید، ہمت اور جرأت کی راہ اختیار کرنا

علامہ اقبال نے سچے مومن کی یوں تعریف کی ہے

۵۔ ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن .:. گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت .:. یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

سوال ۴:۔ قائدِ اعظمؒ نے کیا قومی خدمات سرانجام دیں؟

جواب:۔ قائدِ اعظمؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلمانانِ ہند ایک عظیم قوت بن کر ابھرے ۔ ۱۹۳۷ء میں جب کانگرس برسرِ اقتدار آئی اور اس نے مسلمانوں کی قومی ہستی کو ختم کرنا چاہا تو سوال پیدا ہوا کہ مسلمان اس کا کیا جواب دیتے ہیں اس خطرناک وقت میں مسلم لیگ کی قیادت جس زبردست شخصیت کے ہاتھ میں تھی ۔ اس نے کانگرس کے چیلنج کو دلیری سے قبول کیا ۔ یہ قائدِ اعظمؒ محمد علی جناح تھے ۔ جو ایک طرف سیاسی بات چیت میں انگریزی حکومت اور کانگرسی لیڈروں کے ساتھ پورے اترے اور دوسری طرف اپنی لاجواب شخصیت کے بل بوتے پر ایک پریشان حال اقلیت کو ایک مستقل قوم بنانے میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئے ۔

پنڈت نہرو نے کہا تھا کہ ہندوستان میں صرف دو قومیں ہیں، ایک انگریز اور دوسری کانگرس، مسلمانوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا لیکن قائدِ اعظمؒ نے اس چیلنج کا یوں جواب دیا کہ یہاں ایک تیسری قوت بھی ہے اور وہ مسلمان ہیں ۔ اس طرح قائدِ اعظمؒ نے ایک قومی نظریہ کے مقابلہ میں دو قومی نظریہ پیش کیا جو قیامِ پاکستان کی بنیاد بنا ۔ انہوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ مذہب، تاریخ، زبان، لباس، تہذیب، غرض ہر لحاظ سے مسلمان ہندوؤں سے الگ قوم ہیں ۔ یہاں تک کہ ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں، اور مسلمان اس کا گوشت کھاتے ہیں، پھر دونوں قومیں کس طرح یکجا رہ سکتی ہیں؟ ——— الغرض قائدِ اعظمؒ کی بے پناہ قومی خدمات ہیں ۔ یہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند انہی کی ولولہ انگیز قیادت میں حصولِ پاکستان میں کامیاب ہوئے ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سوال ۵:۔ پاکستان کو عالمِ اسلام میں کیا اہمیت حاصل ہے؟

جواب:۔ پاکستان کے قیام سے نہ صرف ہندوستان کے برِ عظیم اور ایشیا میں بلکہ ساری اسلامی دنیا میں ایک ایسا قوت آفریں انقلاب رونما ہو گیا ہے جس کے غیر معمولی نتائج کا دنیا ابھی صحیح طور پر اندازہ نہیں کر سکتی ادھر یہ امر پاکستان کی ملتِ اسلامیہ پر روز بروز واضح ہو رہا ہے کہ اگر اسے اپنی اور دنیا کی طرف اپنا اور اسلامی اور انسانی فرض ادا کرنا ہے تو پاکستان کی حکومت لازمی طور پر اسلامی جمہوریت کے ترقی پرور اصولوں پر قائم ہو گی ۔

دنیا کے نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ممالک کا وسیع سلسلہ پھیلا ہوا ہے ۔ اگر یہ ممالک متحد ہو جائیں تو بہت بڑا اور طاقتور اسلامی بلاک بن سکتا ہے

جیسا کہ قائدِ اعظمؒ کا قول ہے :۔ "پاکستان اتحادِ عالمِ اسلام کی چابی ہے ۔"

رشید احمد صدیقی
۱۸۹۲ء تا ۱۹۷۷ء

رشید احمد صدیقی منفرد طنز و مزاح نگار ہیں. ان کے یہاں وسیع النظری، بلند نگہ ادراک و مشاہدے کی عظیم قوت اور وسعت مطالعہ کی خصوصیات ملتی ہیں. وہ سنجیدہ اور لطیف ظرافت کے بانی ہیں. ان کے طنز و مزاح میں ایک خوشگوار رنگینی اور معنی آفرینی پائی جاتی ہے۔

علامہ اقبالؒ

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
لالہ	ایک قسم کا سُرخ	دہل جانا	خوف کھانا. رعب	پُر ہیبت	خوفناک
"	رنگ کا پھول	"	میں آنا	پراسرار	عجیب و غریب
گراں پیکر	بھاری بھر کم جسم	طفولیت	بچپن	جاں نثار	جان قربان
"	یا جسم والا	تصورات	خیالات	"	کرنے والا
سیاہ عقدہ	بو. سیاہ گرہ جو گلے	وارد ہونا	اترنا. داخل ہونا	ساخت	بناوٹ
"	میں باندھتے ہیں	وضع	صورت. بناوٹ	تورانی	ایرانی
گوشہ	کونہ	ذکاوت	ذہانت	ملاطفت	نرمی. بھلائی
متحیر	حیران	انداز تخاطب	بات کرنے کا انداز	"	مہربانی
دل گرفتہ	رنجیدہ. غمگین	آشنا	واقف	مستثنیٰ	الگ کیا جانا
مروت	لحاظ و خلق	مرحمت	مہربانی	تفویض ہونا	سپرد کرنا. عطا ہونا
خود اعتمادی	اپنے اوپر یقین	والہانہ	پرجوش	حشو و زوائد	زائد کلام
قطعاً	بالکل	جامعیت	کسی چیز کا جامع و	"	بے ضرورت لفظ
تعلی	شیخی	"	مکمل ہونا	صنائع بدائع	نظم یا کلام کی
اصحاب	صاحب کی جمع افراد	انقباض	طبیعت کا بجھا بجھا	"	وہ لفظی یا معنوی
ظرف	برتن. حوصلہ	"	سا ہونا: رکاوٹ	"	خوبیاں جو اس
"	گنجائش	پرسش حال کرنا	حال پوچھنا	"	کا حسن بڑھانے کے
معتقدین	معتقد کی جمع	نظریہ	خیال جو مکمل طور پر	"	لئے پیدا کی جاتی ہیں
"	عقیدت مند	"	غور و خوض کے بعد	خوش آئند	بھلا لگنے والا
فوق البشر	اعلیٰ و ارفع انسان	"	قائم کیا گیا ہو	متنازعہ فیہ مسئلہ	اختلافی یا جھگڑے
"	انسان کامل	گرانقدر	بڑی قدر و قیمت والا	"	والا مسئلہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
پیچیدگی	الجھاؤ	دقت	مشکل	کرامت	انوکھاپن، ولی کی
ناگہانی	اتفاقی	بعثت نبوی	ظہور نبوت :	"	مافوق العادت
فقہ اسلامی	اسلامی قانون	"	اعلان نبوت	"	بات
اجتہاد	قرآن و حدیث کی	اعادہ	دہرائی	مقید	قید
"	روشنی میں شرعی	منتقل ہونا	جگہ یا مکان بدلنا	منکشف ہونا	ظاہر ہونا
"	مسائل معلوم کرنا	مسودہ	وہ عبارت جو سرسری	رجوع	لوٹنا، مائل ہونا
ضخیم	حجم رکھنے والا	"	لکھی جائے اور جس	سودمند	مفید
مستند	سند یافتہ	"	کے صاف کرنے کی	نابلد	ناواقف، بے بہرہ
"	اعتبار کے قابل	"	ضرورت پڑے	پیچ در پیچ	الجھے ہوئے، مشکل
ماہیت	حقیقت	وصف	خوبی	بینائی	نظر، دیکھنے کی صلاحیت
فلسفی	فلسفہ جاننے والا	متفکر	فکر کرنیوالا، سوچنے والا	مقنن	قانون ساز
فکر و تدبر	سوچ بچار	منطقی ربط	دلیل کے ساتھ تعلق	"	قانون بنانے والا
عالم بالا کو سدھارنا	وفات پانا	تشفی	تسلی، اطمینان	معجزہ	وہ بات جس کے
پوشیدہ	چھپی ہوئی	زائل کرنا	دور کرنا، رفع کرنا	"	کرنے کی انسان
نگہداشت	دیکھ بھال	تحریک	حرکت دینا، کسی	"	طاقت نہ رکھتا ہو
کاوش	تلاش	"	بات کا شروع کرنا	کمی بیشی	کمی زیادتی
ہجولی	ساتھی	مرض	بیماری	ضعف	کمزوری
نحیف	کمزور	جنبش	حرکت	ایک گونہ	ایک قسم کا
قندیل	ایک قسم کا فانوس	امتنان	تشکر	"	ایک طرح کا
"	جس میں چراغ جلا	گریہ گلوگیر ہونا	رونا، آنسو بہنا	متمنی	خواہش مند
"	کر لٹکاتے ہیں۔	قلندر	درویش	آسودہ خاک	مٹی (قبر) میں آرام
بروقار	با وقار	ضخامت	جسامت، حجم	"	کرنے والا
قدامت	پرانا ہونا	متولی جانا	چھا جانا	مزاحم ہونا	حائل ہونا
استعداد	قابلیت	شگفتہ	تروتازہ	دماغ پاشی کرنا	دماغ کھپانا
گریزپا	بھاگنے والا	تشکیل	شکل میں لانا	تزئین	سجانا
—	—	"	قائم کرنا یا ہونا	—	—

خلاصہ

وفات اقبال کی اطلاع

میں دور دراز کے سفر سے علی گڑھ کے اسٹیشن پر اترا تو کسی نے بتایا کہ ڈاکٹر اقبال فوت ہو گئے ہیں کچھ دور کے لئے ہر چیز ساکن محسوس ہوئی لیکن وقت کا پہیہ پھر بدستور چلنے لگا گھر واپس آیا تو کسی چیز میں دل نہ لگا اور کمرہ بند کر کے لیٹ رہا۔

تصوّرات میں گم

میں ماضی کے تصورات میں کھو گیا۔ بچپن کا زمانہ یاد آیا جب اقبال کے اشعار نہایت شوق سے پڑھتے اور یاد کرتے تھے۔ سوچتا تھا کہ اقبال اپنے اشعار کی روشنی میں کچھ عجیب و غریب شخصیت رکھتے ہوں گے۔ بہت اچھی سی۔ جادوگروں جیسی۔

پہلی ملاقات

۱۹۲۵ء میں مرحوم سے ملنے لاہور گیا تھا۔ دن کے نو دس بجے ہوں گے۔ میں مرحوم کی کوٹھی پر پہنچا۔ کپڑے پہن کر کسی مقصد کی پیروی میں جانے والے تھے۔ گٹھا ہوا جسم، مردانہ انداز! سوٹ بڑا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ چہرے سے ذہانت و ملائمت کا اظہار ہوتا تھا۔ بڑی محبت اور شفقت سے ملے اور کہنے لگے، آپ ہیں جی، صدیقی صاحب! میں مرحوم کے پنجابی لب ولہجے سے افسردہ ہوا۔ یہ چیز میرے تصور سے الگ تھی۔ میرے تصور کو ٹھیس پہنچی۔ دیکھ کر مجھ پر جو اثر ہونا چاہیئے تھا وہ نہ ہوا۔ مرحوم کچھ اس انداز سے ملے اور ایسی شفقت و مروت کا اظہار کیا کہ میں سب کچھ بھول گیا۔ یہ میرے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔

تاثرات

تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں آ بیٹھے۔ علی گڑھ کا حال پوچھا۔ آواز بھاری اور زوردار تھی۔ میں نے ایسی خود اعتمادی اور عالمانہ و والہانہ انداز گفتگو کم لوگوں میں دیکھا ہے۔ ان کی باتیں صرف زبان سے نہیں ادا ہوتی تھیں بلکہ کہیں دور سے بڑی گہرائی سے آتی محسوس ہوتی تھی۔ ان کی گفتگو میں زائد اور فالتو الفاظ نہیں ہوتے تھے ان کی وضاحت و جامعیت میں حسن پیدا ہو جاتا۔ چہرے پر خون کی سرخی جھلکنے لگتی تھی۔

دوسری ملاقات

اسی شام کو دوسری ملاقات ہوئی۔ ایک نوجوان شاعر اپنا فارسی کلام سناتا رہا۔ اس کی گفتگو میں شیخی تھی ڈاکٹر صاحب بیزاری محسوس کر رہے تھے۔ کچھ دیر بیٹھے رہے۔ پھر صحبت ختم ہو گئی۔ صرف دو چار اصحاب بیٹھے رہ گئے۔ اندر سے برآمد ہوئے۔ فرمایا، نعمت کے مطابق انسان کو ظرف نصیب نہ ہو تو نعمت لعنت بن جاتی ہے۔ ان کا اشارہ نوجوان کی طرف تھا۔

لوگوں سے ہمدردی و اُنس

ڈاکٹر صاحب دوستوں سے رسمی باتیں نہ کرتے تھے۔ بلکہ ان کے مشاغل اور مخصوص دکھ سکھ سنتے۔ لوگ مرحوم کی صحبت میں بے تکلفی محسوس کرتے تھے۔ ہر شخص مرحوم کی باتیں گہری توجہ سے سنتا اور خود بے تکلفی سے اپنی سناتا

تیسری ملاقات کے تاثرات

دوسرے دن پھر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا آج وہ فارغ تھے اس لئے اطمینان سے باتیں ہوئیں۔ اس زمانہ میں اقبال کے نظریہ فوق البشر کا بڑا چرچا تھا۔ میرے ذہن میں بعض شبہات تھے۔ مرحوم نے نہایت عالمانہ انداز اور انتہائی خوش دلی اور خوش اعتمادی کے ساتھ اظہار خیال کرنا شروع کیا۔ وہ مشکل سے مشکل مسئلے کو اس خوبی سے بیان کرتے کہ اس میں کوئی الجھاؤ نہ رہتا۔ اس صحبت میں کئی موضوع زیر بحث آئے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ مرحوم کو صرف شاعر سمجھ لینا غلطی ہے اور یہ کہ ان کے افکار و نظریات کا بہت کم حصہ ان کے اشعار میں منتقل ہوا ہے

مسئلہ اجتہاد

فقہ اسلامی میں اجتہاد کے مسئلے پر وہ بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ فرمایا، ان مسائل پر میں بعض مستند علماء سے تبادلہ خیالات کرنا چاہتا ہوں مجھے کن لوگوں سے رجوع کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا میں اس کوچے سے نابلد ہوں۔ البتہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے میرے خیال کی تائید کی۔

تحریر و تقریر واضح اور جامع

ڈاکٹر صاحب خطوط کا جواب جلد اور خود دیتے تھے وہ رسمی تکلیف کی بجائے ہر بات کا جواب نہایت واضح اور جامع انداز میں دیتے اور بڑی صاف گوئی سے کام لیتے وہ فلسفی، مفکر اور مقنن ہونے کے علاوہ بڑے وکیل بھی تھے۔ ان کی باتوں میں جذبات کی بجائے فکر و تدبر کو زیادہ دخل ہوتا اور ان کی تحریر و تقریر میں ایک اچھے قانون دان اور اچھے وکیل کا منطقی ربط ہوتا۔

اقبال کی علی گڑھ تشریف آوری

۱۹۳۰ء میں بیمار تھا۔ ڈاکٹر صاحب علی گڑھ تشریف لائے اور مجھ سے ملنے آئے۔ اس روز مجھے تکلیف زیادہ تھی۔ میں نے کچھ مایوسی کا اظہار کیا۔ انہوں نے بڑی محبت اور مخصوص لہجہ میں فرمایا کہ کوئی بات نہیں اللہ اپنے فضل کرے گا۔ مایوس ہونے سے ایمان میں خلل پڑتا ہے اور اس سے اللہ کریم کی توہین ہوتی ہے۔

اقبال کی تشفی

اس کے بعد دیر تک اس انداز سے گفتگو کرتے رہے کہ میں اپنی بیماری بھول گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میں تو اچھا ہو جاؤں گا اور ڈاکٹر صاحب اس جہان سے اٹھ جائیں گے۔ کاش کسی وقت حاضر خدمت ہو کر ان کے لئے وہ کر سکتا جو انہوں

نے میرے لئے کیا تھا۔ پھر سوچتا ہوں، ڈاکٹر صاحب بہت بڑے شخص تھے۔ ان کو مجھ جیسا معمولی شخص کیا تسلی دے سکتا تھا۔ لیکن محبت و خلوص میں بڑا اثر ہوتا ہے۔

بچوں کی تربیت اور جرمن خاتون

ڈاکٹر صاحب نے جاوید اور بانو کی تربیت و نگہداشت کے لئے ایک شریف جرمن خاتون کی خدمات حاصل کی تھیں۔ یہ خاتون کچھ عرصہ میرے بیوی بچوں کے ساتھ گھر کے ایک عزیز رکن کی حیثیت سے رہ چکی تھیں۔ میں نے ہی ان کے لئے ڈاکٹر صاحب سے تحریک کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب خاتون کی سیرت و عقائد کی بہت چھان بین کرتے رہے۔ میں نے لکھا کہ آپ تجربے کے طور پر رکھ لیں بعد میں کوئی فیصلہ کر لیں۔ ڈاکٹر صاحب میری تجویز مان گئے اور وہ خاتون لاہور پہنچ گئیں۔ مرحوم اس خاتون کی شرافت و قابلیت، دیانت و امانت، محبت و مروت سے بہت متاثر ہوئے یہاں تک کہ مرحوم نے وفات کے وقت ان دونوں بچوں کو مکمل طور پر ان کے سپرد کر دیا۔

بانو کی اداسی

جرمن خاتون نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد بانو بہت اداس رہتی تھی۔ کہتی تھی، آپا جان ابا موجود تھے تو یہ چاند اور ستارے کتنے چمکدار اور اچھے معلوم ہوتے تھے۔ اب یہ کیوں نہیں چمکتے۔

مرحوم کی بانو سے بے پناہ محبت

جرمن خاتون نے یہ بھی بتایا کہ خود مرحوم کو بانو سے عشق تھا۔ آخری زمانہ حیات میں مرحوم کا جی صرف بانو سے بہلتا اور بانو بھی مرحوم سے بہت مانوس تھی جیسے مرحوم اس کی ماں بھی ہوں اور اس کا کھلونا بھی کچھ تھے جب مرحوم کی بیماری نازک صورت اختیار کر گئی تو ڈاکٹروں نے مریض کے کمرہ میں بانو کا آنا جانا بند کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود بانو اکثر مرحوم کے پاس چلی جاتی اور ان کے سینے پر بیٹھ کر ان کا دل بہلایا کرتی مرحوم کو بھی اس سے بے حد سکون ملتا تھا۔

جرمن خاتون کے تاثرات

یہ خاتون اب بھی جب کبھی سر اقبال کا ذکر کرتی ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے ایسا مخلص اور شریف انسان نہ دیکھا۔ شروع میں ڈاکٹر صاحب پورے لباس میں دستر خوان پر بیٹھتے۔ لیکن بعد میں معذرت کر لی اور صرف بنیان اور تہمد پہنے کھانے پر چلے آتے اور جب تکلیف بڑھ گئی تو کمرے میں ہی کھانا کھا لیتے۔ انہیں مجھ پر بڑا بھروسہ تھا۔ میری کسی تجویز کو انہوں نے کبھی رد نہیں کیا اور گھر کے معاملہ میں بالکل دخل نہیں دیا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ تمہارے ہوتے سے مجھے گھر اور بچوں کی طرف سے پورا اطمینان و آرام ہے۔

آخری آرام گاہ

دوسرے دن مزار پر حاضر ہوا۔ شاہی مسجد کے پائیں اس مرد

قلندر کو محو آرام پایا۔ مجھے اس کا یقین نہیں آرہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ بادشاہی مسجد کی مخصوص فضا اور رعب داب ذہن و دماغ پر اس درجہ چھا جاتا ہے کہ ذہن کسی دوسری طرف منتقل ہونے کے قابل نہیں رہتا۔ چنانچہ میں نے خیال کیا کہ اقبال کا مزار کہیں اور ہونا چاہیئے تھا۔ جہاں اقبال کے تصور میں حائل ہونے والی کوئی اور چیز نہ ہوتی۔

احساس محرومی اقبال زندہ تھے تو اطمینان رہتا کہ ان سے ملاقات کا موقع ملتا رہے گا اور مرحوم یوں ذہنی الجھنوں کو سلجھا دیں گے کہ مجھے خود مطالعہ و تحقیق میں دماغ نہ کھپانا پڑے گا۔

ولولہ و اُمید ختم جس وقت وفات کی خبر ملی تو تمام ذہنی تصورات درہم برہم ہو گئے اب نہ وہ ولولہ رہا اور نہ ہی یہ امید کہ اقبال جیسا رفیق اور رہبر ملے گا

مرکزی خیال

رشید احمد صدیقی علامہ اقبال کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ ان کے مطابق مرحوم مردانہ اور بارعب شخصیت کے مالک تھے، نہایت عالمانہ، والہانہ اور خود اعتمادی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے ان کی بات میں جامعیت ہوتی تھی۔ مشکل سے مشکل مسئلے کو یوں حل کر دیتے تھے کہ کوئی الجھاؤ یا پیچیدگی باقی نہ رہتی تھی۔ وہ صرف شاعر نہیں تھے بلکہ عظیم مفکر اور فلسفی تھے۔ ان کے افکار و نظریات کا بہت کم حصہ ان کے کلام میں منتقل ہوا ہے۔ وہ جذبات کی بجائے فکر و تدبر سے کام لیتے تھے۔ ان کی تقریر و تحریر میں منطقی ربط ہوتا تھا۔ مرحوم ایک ہمدرد، مخلص اور مشفق انسان تھے۔ وہ دوسروں کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے تھے۔ مصنف مرحوم کی وفات سے ایک بہت بڑے احساس محرومی کا شکار ہو گیا۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

پیروں کی تشریح

پیرا ۱۔ تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں آ بیٹھے۔ علی گڑھ کا حال دریافت فرماتے رہے آواز بھاری تھی لیکن بلند ہونے کے ساتھ ساتھ زوردار۔ میں نے اس خود اعتمادی کے ساتھ جس میں عالمانہ اور والہانہ دونوں انداز متوازی ہوں، کم لوگوں کو گفتگو کرتے سنا ہے، علامہ مرحوم کی باتیں

بشرطیکہ وہ بات کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو فوراً محسوس ہوگا کہ ان کی باتیں صرف زبان سے ادا نہیں ہوتی تھیں اور وہ صرف اپنے الفاظ اور فقروں پر نہیں بھروسہ کرتے تھے بلکہ وہ باتیں کہیں دور سے اور بڑی گہرائی سے آتی تھیں۔ ان کی گفتگو حشو و زوائد سے قطعاً پاک ہوتی تھی کہ وضاحت جامعیت بجائے خود صنائع بدائع معلوم ہونے لگتی تھیں۔

حوالہ متن یہ اقتباس رشید احمد صدیقی کے مضمون "علامہ اقبال" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق مصنف علامہ اقبال سے اپنی پہلی ملاقات کا حال بیان کرتا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں مصنف مرحوم سے ملنے لاہور گیا تھا دن کے نو دس بجے ہوں گے۔ مصنف مرحوم کی کوٹھی پر پہنچا، وہ کسی مقدمہ کی پیروی میں جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ مصنف مرحوم کے لباس، شخصیت اور ڈیل ڈول سے بہت متاثر ہوا۔ آنکھوں کے گوشوں میں جھریاں پڑتی تھیں جن سے ذہانت و ملائمت کا اظہار ہوتا تھا۔ بڑی محبت سے ملے۔ لیکن مصنف علامہ کے پنجابی لب و لہجہ سے بہت حیران و افسردہ ہوا۔ لیکن خلوص و محبت نے سب کچھ بھلا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اقبال ایسے نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ یہ ایک نیا تجربہ تھا۔

تشریح مصنف علامہ اقبال سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے علامہ اقبال کمرے میں میرے پاس آ بیٹھے اور مجھ سے علی گڑھ کا حال احوال پوچھنے لگے۔ علامہ اقبال کی آواز بھاری اور بارعب تھی وہ اونچی اور بلند تھی لیکن اس کے ساتھ زوردار بھی تھی۔ علامہ اقبال بڑے یقین و اعتماد کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے۔ ان کا انداز عالمانہ اور پرجوش تھا۔ یہ دونوں خوبیاں تقریباً برابر پائی جاتی تھیں۔ میں نے ایسے انداز میں بہت کم لوگوں کو بات چیت کرتے سنا تھا۔ گویا علامہ اقبال عملی طور پر اس شعر کی تفسیر تھے۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

علامہ اقبال کی گفتگو میں یہی خصوصیت تھی کہ جب وہ باتیں کرنے پر تیار ہو جائیں تو اس طرح محسوس ہوتا تھا کہ ان کی باتیں صرف زبان سے ادا نہیں ہو رہی ہیں بلکہ وہ باتیں کہیں دور سے اور بڑی گہرائی سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ گویا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان کی باتیں بہت بامعنی اور پرمغز ہوتی تھیں۔ ان کی بات چیت میں زائد اور فالتو الفاظ بالکل نہ ہوتے تھے۔ الفاظ وہی استعمال کرتے جو موزوں اور ضروری ہوں۔ ان کی بات چیت بڑی صاف واضح مکمل و جامع ہوتی تھی اور اس میں خود بخود کلام کی خوبیاں بلحاظ الفاظ و معانی پیدا ہو جاتی تھیں۔ گویا ان کی باتوں کے بارے میں بقول غالب کہہ سکتے ہیں۔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

پیرا-۲: دوسرے دن پھر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آج کہیں جانا نہ تھا۔ اس لئے بڑے اطمینان اور بے تکلفی سے باتیں شروع کیں۔ اس زمانے میں اقبال کے نظریہ فوق البشر کا بڑا چرچا تھا۔ بعض باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اس لئے اس پر میں نے خاص طور پر اپنے شبہات کا اظہار کیا۔ مرحوم نے بڑے ہی عالمانہ انداز سے اور انتہائی خوش دلی سے اور خود اعتمادی کے ساتھ جو ان کی سیرت کا بڑا ہی گراں قدر پہلو تھا۔ اظہار خیال کرنا شروع کیا۔ مجھے اس وقت جو چیز سب سے زیادہ عجیب اور خوش آئند معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مسئلے کو مرحوم کس خوبی سے واضح کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے متنازعہ فیہ مسئلہ میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں

حوالہ متن یہ اقتباس رشید احمد صدیقی کے مضمون "علامہ اقبال" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق مصنف علامہ اقبال سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتا ہے کہتے ہیں کہ ۱۹۲۵ء میں لاہور میں میری ملاقات علامہ اقبال سے ہوئی۔ ایک ملاقات صبح کو ہو چکی تھی۔ اب یہ دوسری ملاقات تھی۔ ایک نوجوان شاعر اپنا فارسی کلام سنا تا رہا۔ اس کی گفتگو میں شیخی تھی اور کلام غیر معیاری علامہ نے ناپسند فرمایا۔ اس کے علاوہ کچھ اور ملاقاتی تھے۔ علامہ اقبال رسمی باتیں نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ملنے والے سے اس کے مشاغل اور اس کا مخصوص دکھ سنتے۔ لوگ مرحوم کے حلقہ میں معتقدین کی حیثیت سے ڈرے سہمے ہوئے نہیں بیٹھتے تھے بلکہ محبت اور بے تکلفی کی فضا ہوتی تھی۔ ہر شخص مرحوم کی باتیں بڑی توجہ سے سنتا اور خود بھی بے تکلفی سے اپنی سناتا

تشریح مصنف کہتا کہ میں علامہ اقبال سے ملنے کے لئے دوسرے دن پھر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آج وہ بالکل فارغ تھے اور انہیں کہیں جانا نہ تھا۔ اس لئے بڑی تسلی، فراغت اور بے تکلفی کے ماحول میں بات چیت شروع ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اقبال کا انسان کامل کا نظریہ یا تصور بہت مشہور تھا۔ انہوں نے اعلیٰ وارفع یا انسان کامل کے بارے میں اپنے مخصوص خیالات پیش کئے جن کی بڑی شہرت ہوئی۔ اس نظریے کے بارے میں کچھ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ میں ان کی وضاحت چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے علامہ کے سامنے اپنے شک و شبہ کا خاص طور پر اظہار کیا۔ علامہ نے ایک بڑے عالم کی طرح اور بیحد خوشی کے انداز میں اور یقین و اعتماد کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر کرنے شروع کئے۔ یہ انداز علامہ اقبال کی سیرت و کردار کا نہایت قیمتی اور قدر و قیمت والا رخ تھا۔ اس سے علامہ کا علمی مقام ظاہر ہوتا تھا۔ مجھے اس وقت جو چیز سب سے زیادہ عجیب و غریب اور بھلی معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ خدا نے علامہ کو یہ صلاحیت بخشی تھی کہ وہ نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلوں کو بھی آسانی کے ساتھ بیان کر سکتے تھے اور ان کی تشریح و وضاحت سے کچھ ایسا معلوم ہوتا جیسے جھگڑے والے مسئلے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہی۔ یہ ایک

حقیقی صاحب علم و دانش کا مقام ہے کہ وہ کسی مشکل اور اُلجھے ہوئے مسئلے کو بڑی آسانی اور خوبی سے بیان کر سکتا ہے۔

پاپیرا ۳: اقبال زندہ تھے تو اطمینان رہتا تھا کہ کوئی نہ کوئی موقع نکال کر ان سے مل آؤں گا اور اس کا یقین تھا کہ ان سے کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور معلوم ہو گی جو میرے ذہن کی استعداد کو شگفتہ کرے گی اور نسل کے ولولوں کو بڑھائے گی۔ ذہن کی کچھ اُلجھنیں تھیں جن کے بارے میں یقین تھا کہ ڈاکٹر اقبال انہیں سلجھا دیں گے۔ کبھی محنت و مطالعے سے بچنے کے لئے دل کو بہلا لیا کرتا کہ دماغ پوشی کیوں کی جائے، کسی دن ڈاکٹر اقبال سے مل کر اپنا اطمینان کر لوں گا۔

حوالہ متن یہ اقتباس رشید احمد صدیقی کے مضمون "علامہ اقبال" سے لیا گیا ہے۔

تشریح مصنف کو علامہ اقبال سے گہرا لگاؤ تھا۔ وہ مرحوم کی شخصیت قابلیت و ذہانت سے بہت متاثر تھے۔ زندگی میں وہ اکثر مرحوم سے ملاقات کر لیتے تھے۔ لیکن علامہ کی وفات کے بعد وہ اس شرف سے محروم ہو گئے۔ اب وہ احساس محرومی کا شکار ہو گئے۔ اور مرحوم کی وفات کو بری طرح محسوس کرنے لگے۔ مصنف بادشاہی مسجد کے پہلو میں واقع مزار اقبال پر حاضر ہوئے وہ اپنا تاثر بیان کرتے ہیں کہ بادشاہی مسجد کا رعب و دبدبہ اور وقار انسان کے دل و دماغ پر اس قدر چھا جاتا ہے کہ ذہن کسی دوسری طرف منتقل ہونے کے قابل نہیں رہتا۔ اس لئے میرے خیال میں مرحوم کا مزار کہیں اور ہونا چاہیئے تھا۔ جہاں اقبال کے تصور میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔

تشریح مصنف علامہ اقبال کی وفات پر اظہار تاسف کرتا ہوا بیان کرتا ہے کہ مرحوم زندہ تھے تو مجھے تسلی رہتی تھی کہ ان سے ملاقات کا کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور ہاتھ آ جائے گا۔ اور میں اس بات پر پورا یقین رکھتا تھا کہ ان سے مل کر کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور سامنے آئے گی جو میرے دماغ کی صلاحیت کو اور تر و تازہ کر دے گی۔ میرے ذہن میں وسعت پیدا کرے گی اور نئی پود کے حوصلوں اور جذبوں کو بڑھائے گی۔ میرے ذہن میں کچھ ایسی ہی الجھنیں اور مشکلات تھیں جن کے متعلق مجھے مکمل یقین تھا کہ ڈاکٹر اقبال انہیں حل کر دیں گے اور ان کی ایسی وضاحت کر دیں گے کہ کوئی مشکل باقی نہیں رہے گی اور کبھی میں اپنے دل کو یوں تسلی دے لیتا تھا کہ مجھے بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ اور محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے! میں اس طرح اپنا دماغ کیوں کھپاؤں؟ کسی دن ملاقات کے لئے وقت نکال کر علامہ اقبال سے مل کر اپنی تسلی کر لوں گا۔ لیکن افسوس! اب اس کا موقع نہیں رہا علامہ اقبال ہم سے بچھڑ چکے ہیں اور ہم ایک اور بڑے احساس محرومی کا شکار ہو چکے ہیں۔ بقول شخصے

تجھے اے زندگی! لاؤں کہاں سے

سوالات

سوال: ڈاکٹر اقبال سے مصنف کی پہلی ملاقات کا حال بیان کیجئے؟

جواب مصنف (رشید احمد صدیقی) ۱۹۲۵ء میں ڈاکٹر اقبال سے ملنے لاہور گیا۔ اس پہلی ملاقات کا حال وہ یوں بیان کرتا ہے کہ غالباً دن کے نو دس بجے ہوں گے۔ میں مرحوم کی کوٹھی پر پہنچا۔ کپڑے پہن کر کسی مقدمہ کی پیروی میں جانے والے تھے سیاہ عقدہ (بو) باندھ رہے تھے۔ گٹھا ہوا جسم، چوڑی چکلی ہڈیاں مردانہ انداز، آنکھوں کی ساخت اور مونچھوں کی وضع کس قدر ایرانیوں جیسی۔ سوٹ بڑا اچھا معلوم ہوتا تھا مسکرانے میں آنکھوں کے گوشے میں جھریاں پڑتی تھیں جس سے ذہانت و ملائمت کا اظہار ہوتا تھا بڑی شفقت سے ہاتھ ملایا۔ اور بھاری بھرکم لہجے میں بولے: آپ ہیں جی، صدیقی صاحب۔ میں اقرار کرتا کہ مرحوم کا ڈیل ڈول اور حلیہ دیکھ کر حیران ہوا اور مرحوم کے لب و لہجہ سے کس قدر رنجیدہ۔ اتنے میں نوکر کو آواز دی۔ اور پنجابی میں قلم لانے کو کہا۔ قلم کا تلفظ سن کر میں گھبرا اٹھا۔ علی گڑھ میں پنجابی تلفظ سے آشنا ہو چکا تھا لیکن میں سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر اقبال ان کمزوریوں سے مستثنیٰ ہوں گے۔

لیکن میں کیا بتاؤں کہ پہلے سے بنائی ہوئی بہشت کو یوں درہم برہم ہوتے دیکھ کر جو اثر ہونا چاہیئے تھا وہ نہ ہوا۔ مرحوم کچھ اس انداز سے ملے اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ خود ان کے تلفظ میں کچھ ایسا خلوص اور ان کے ہاتھ ملانے میں شفقت اور ناقابلِ بیان مروت و مرحمت تھی کہ میں سب کچھ بھول گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ اقبال ایسے نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ اس طرح مجھے ایک نیا تجربہ بڑا اچھا تجربہ حاصل ہوا جیسے مجھے ایک نئی چیز ملی جس کو چھین لیا جاتا تو میں کوئی بڑی کمی محسوس کرنے لگتا۔

تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں آبیٹھے۔ علی گڑھ کا حال پوچھتے رہے۔ آواز بھاری تھی لیکن بلند ہونے کے ساتھ ساتھ زوردار میں نے اس خوش اعتمادی کے ساتھ جس میں عالمانہ اور والہانہ دونوں انداز ہوں کم لوگوں کو گفتگو کرتے سنا تھا۔ ان کی باتیں صرف زبان سے نہیں ادا نہیں ہوتی تھیں بلکہ وہ باتیں کہیں دور سے اور بڑی گہرائی سے آتی تھیں۔ ان کی گفتگو میں زائد اور فالتو الفاظ نہیں ہوتے تھے۔ وہ واضح اور جامع بات کرتے تھے۔ جب گفتگو میں گرمی اور روانی پیدا ہو جاتی تو آنکھیں پوری کھل جاتیں اور چہرہ پر خون کی سرخی جھلکنے لگتی تھی۔

سوال: ڈاکٹر اقبال کی علمیت کے بارے میں مصنف کے تاثرات بیان کیجئے؟

جواب: مصنف بیان کرتا ہے کہ دوسرے دن پھر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آج وہ فارغ تھے اس لئے خوب باتیں ہوئیں۔ اس زمانہ میں اقبال کے نظریہ فوق البشر کا بڑا چرچا تھا۔ بعض باتیں میری سمجھ

میں نہیں آتی تھیں۔ اس لئے اس پر میں نے خاص طور پر اپنے شبہات کا اظہار کیا۔ مرحوم نے بڑے عالمانہ انداز سے اور انتہائی خوش دلی اور خود اعتمادی کے ساتھ اظہار خیال کرنا شروع کیا۔ مجھے اس وقت جو چیز سب سے زیادہ عجیب اور خوش آئند معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مسئلے کو مرحوم کسی خوبی سے واضح کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے متنازعہ فیہ مسئلہ میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں۔ اس صحبت میں عورتوں کا درجہ، ذی البشر، بعثت بنوی کا وقت اور مقام، فقہ اسلامی میں اجتہاد کے مسائل پر تقریباً تمام دن گفتگو فرماتے رہے۔

ایک بات جس کا اعادہ میں بار بار کرتا رہا وہ یہ ہے کہ مرحوم کو صرف شاعر سمجھ لینا یا یہ کہ ان کے خیالات یا تصورات تمام کے تمام ان کے کلام میں منتقل ہو چکے ہیں، بڑی غلطی ہے۔ مرحوم کی فکر و نظر کا بہت کم حصہ ان کے کلام میں منتقل ہوا ہے وہ بہت کچھ جانتے تھے اور یہی نہیں بلکہ اکثر کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے بعض بالکل نئی باتیں دوران گفتگو میں ان پر کسی کوشش کے بغیر منکشف ہو گئیں۔

سوال، اجتہاد کے مسئلہ پر ڈاکٹر اقبال سے مصنف کی کیا گفتگو ہوئی؟

جواب: فقہ اسلامی میں وہ اجتہاد کے مسئلہ پر انگریزی میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ مسودہ بھی ٹائپ ہو چکا تھا اور کافی ضخیم تھا۔ فرمایا: ان مسائل پر میں بعض مستند علماء سے تبادلۂ خیالات کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے نزدیک کون لوگ ایسے ہیں جن سے رجوع کرنا سودمند ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس کوچے سے نابلد ہوں۔ اس کے علاوہ میں کچھ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے بیشتر علماء علم دین سے تو پوری طرح واقف ہوتے ہیں لیکن موجودہ دور کے اکثر مسائل کچھ اس طرح پیچ در پیچ ہوتے ہیں کہ ہمارے علماء کرام مناسب رائے قائم کرنے سے معذور رہتے ہیں۔ جب تک متنازعہ فیہ مسئلہ کی ماہیت معلوم نہ ہو اس وقت تک اس پر صحیح حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی سے رجوع کیا جائے تو بہتر ہے۔ دونوں کے بارے میں مرحوم نے اچھے خیالات کا اظہار کیا۔

سوال، جرمن خاتون نے ڈاکٹر اقبال کے بچوں کی تربیت و نگہداشت کس طرح کی؟

جواب: مصنف بیان کرتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے بچوں جاوید اور بانو کی تربیت و نگہداشت کے لئے ایک شریف جرمن خاتون کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ یہ خاتون میرے بیوی بچوں کے ساتھ گھر کے ایک عزیز رکن کی حیثیت سے رہ چکی تھیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے تحریک کی تھی کہ یہ خاتون آپ کے لئے بچوں کے لئے موزوں رہیں گی۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب سے کچھ عرصہ خط و کتابت ہوتی رہی۔ ان کو معاوضہ کی کمی بیشی پر بالکل اصرار نہ تھا۔ لیکن وہ خاتون کی سیرت و عقائد کی چھان بین کرنا چاہتے تھے آخر کار میں نے کسی قدر تھک کر ڈاکٹر صاحب کو لکھ دیا کہ آپ کا نقطہ نظر میں پورے طور پر سمجھ چکا ہوں، مزید گفتگو سے بہتر ہے کہ آپ امتحاناً ایک دو ہفتہ کے لئے انہیں اپنے ہاں بلا لیں اور ان کے اندازو

اطوار کو نظر میں رکھیں۔ اس کے بعد فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی کہ ان کا رکھا جانا مناسب ہے یا نہیں۔

ڈاکٹر صاحب اس تجویز کو مان گئے اور جرمن خاتون لاہور پہنچ گئیں۔ ان کے پہنچنے کے بعد مرحوم کے جو خطوط آتے ان میں ہر ایک میں ان خاتون کی شرافت و قابلیت، دیانت و امانت، محبت و مروت کا ذکر ہوتا چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو ان پر اتنا اطمینان ہوا کہ وفات کے وقت مرحوم نے ان دونوں بچوں کو مکمل طور پر ان کے سپرد کیا۔

سوال: ڈاکٹر اقبال کے بارے میں جرمن خاتون کے تاثرات بیان کیجئے؟

جواب: مصنف بیان کرتا ہے کہ جرمن خاتون اب بھی جب کبھی سر اقبال کا تذکرہ کرتی ہیں تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے ایسا مخلص اور شریف انسان نہ دیکھا۔ جب میں پہلے پہنچی تو ڈاکٹر صاحب پورے کپڑے پہن کر آئے اور انہوں نے دستر خوان کے وہ آداب ملحوظ رکھے جو یورپ میں اونچے سے اونچے گھرانوں میں نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کو مجھ پر کچھ ایسا اعتماد ہوا کہ انہوں نے بڑی صفائی اور بڑے لطف سے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کو اس تکلیف سے مستثنیٰ کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ صرف بنیان اور تہمد پہنے کھانے پر چلے آتے۔ جب تکلیف اور ضعف زیادہ بڑھا تو کمرے میں کھانا کھا لیتے انہیں بھروسہ کرنے کا عجیب مادہ تھا۔ میری کسی تجویز کو انہوں نے کبھی رد نہیں کیا اور گھر کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا۔ وہ اپنے عزیزوں سے کہیں زیادہ میرا اعتبار کرتے تھے اور مجھے اس بات کا فخر تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے اکثر فرمایا کہ تمہارے ہونے سے مجھے گھر اور بچوں کی طرف سے ایسا اطمینان و آرام ہے جس کا میں بڑا خواہش مند تھا اور جس کی مجھے بڑی ضرورت تھی۔

چراغ حسن حسرت

۱۹۰۲ء تا ۱۹۵۵ء

چراغ حسن حسرت بنیادی طور پر ایک صحافی مزاح نگار ہیں۔ ان کی دلکش بامحاورہ زبان بہت مقبول ہے۔ انہیں خاکہ نگاری میں کمال حاصل ہے۔ ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات سادگی زبان، لطیف ظرافت، جزئیات نگاری، تحریف نگاری، رنگینی بیان، خوش طبعی اور جاذبیت ہیں۔

آغا حشر

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آشنا	واقف	افغان	پٹھان	کلے ٹھلے کا	ڈیل ڈول کا
دیدار و جوان	قابلِ دید جوان	وارد ہونا	اترنا: نازل ہونا	ہینگ	ایک درخت کا گوندا جو اکثر امراض کیلئے مفید ہے۔
〃	یعنی بہت جوان	شانہ	کندھا	〃	
صدری	واسکٹ	جھنجھلانا	ناراض ہونا	〃	

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
قدر شناس	قدردان	عالم	حالت	خوام	خوہم
ام	ہم	مسخری	مذاق	دورافتادہ	دور دراز
ہنڈولا	ایک قسم کا جھولا	گیسو	بال	تھیٹر	تماشاگاہ
″	جس میں کئی گہوارے	چنداں	زیادہ ۔ خاص	گبینڈا	ڈول ۔ انداز
″	ہوتے ہیں	سندالوقت	زمانے میں مانے ہوئے	کربلائے معلی	تعظیماً وہ کربلا
عروج شباب	بھرپور جوانی	ثقہ	معتبر آدمی	″	جو عراق میں ہے
بدوضع	بداطوار	مداح	تعریف کرنیوالا	پھبتی	ایسی بات جو کسی
عقیدت مند	معتقد	نیکی اور پوچھ پوچھ	نیکی فوراً کر دینی	″	پر پھب کر رہ
سخط مستقیم	بالکل سیدھا		چاہیئے ۔	″	جائے چبھتی ہوئی
تپاک	گرم جوشی	اذکار	ذکر کی جمع	″	بات
″	اخلاص ومحبت	معاشرت	رہن سہن	کوچ	سوفا ٹائپ کی
غالیچہ	قالین	وضع	ڈھنگ ۔ انداز	″	گدیدار بنچ
بذلہ سنج	لطیفہ گو	جگت	لطیفہ	طاق	ماہر
مشتاق	ماہر	چوکھی لڑنا	چاروں طرف لڑنا	حریف	مدمقابل
پھکیت	لکڑی پھری	بانکا	چھبیلا ۔ البیلا	سروہی	فولاد کی سیدھی
″	گدکا ماہر	پالٹ	تلوار کی ضرب جو	″	تلوار
فلسفہ	موجودات کی	″	حریف کے پاؤں پر	مابعدالطبیعات	طبعی چیزوں
″	حقیقت کا علم	″	لگائی جاتی ہے	″	سے ماوراء
شغف	شغل	ریویو	تبصرہ	علائق	علاقہ کی جمع،
جھنجھٹ	جھگڑا، قضیہ	بند ہونا	طبیعت کا رکنا	″	تعلقات
آڑے آنا	مشکل میں کام آنا	محاسن	خوبیاں	دباغت	چمڑا پکانے کا کام
سوانح حیات	حالات زندگی	افتاد	مصیبت	شال	اونی یا ریشمی
ملائے مکتبی	دینی مدرسے کا ملا	ملائیت	ملا ہونا، ملا پن	″	چادر
مسیں بھیگنا	مونچھوں یا داڑھی	طلسم باندھنا	حیرت انگیز بات	انشاءپرداز	مضمون نگار
″	کے رؤئیں نکلنا	″	کو ظہور میں لانا	″	ادبی مضمون
ہیچ	حقیر	اماں	ارے میاں	″	لکھنے والا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
گرد ہونا	ختم ہونا، نابود ہونا	مذمت	برائی۔ جھک مارنا	ہیچ مدان	نادان۔ بے علم
پنبہ دہان	کم سخن	″	بیہودہ بکنا	سراپا تقصیر	سرتاپا قصوروار
شعور	سمجھ۔ تمیز	ذرہ نوازی	بندہ پروری مہربانی	″	یا خطاوار
انکسار	عاجزی	اکھیڑ مارنا	داؤ مارنا	بجا	صحیح
کان ہونا	عبرت ہونا	ڈھوم ڈھاڑی	میراثی بھانڈ وغیرہ	خلق	خوش اخلاق
مروت	بہادری	رعایت	لحاظ	وضع داری	اصولوں کی
حدوث	نیا پیدا ہونا	قِدم	ہمیشگی۔ پرانا پن	″	پابندی
″	(قدیم کی ضد)	احادیث	حدیث کی جمع۔	آریہ سماج	ہندوؤں کی
تنہا خوری	اکیلے کھانا	″	اقوالِ رسولؐ	″	جماعت
درماہہ	ماہانہ وظیفہ،	برجستہ	بے ساختہ۔ برمحل	سرمستی	مستی کی کیفیت
″	ماہوار مقرر کردہ رقم	مذاق	ذوق پسند و ناپسند	رجحان	میلان
اخبار نویسی	اخبار لکھنا یا چھاپنا	برق	بجلی	نیازمندانہ	فرمانبرداری کا انداز
صاحب سلامت	سلام دعا علیک	جودت	طبیعت کی	چل چلاؤ	چلنے کی
″	سلیک	″	تیزی	″	تیاری

خلاصہ

ڈرامہ و آغا حشر میں نے سب سے پہلے آغا حشر کا نام ڈرامے کی مناسبت سے سنا تھا۔ پھر معلوم ہوا کہ آغا حشر جو کچھ کہتا ہے اس کا نام ڈرامہ ہے۔

آغا نوکر ہمارے پڑوس میں ایک پٹھان سردار کا نوکر گھبرو جوان تھا وہ عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا سب اسے "آغا آغا" کہہ کر پکارتے تھے۔

ہینگ والا آغا انہیں دنوں ہمارے قصبہ میں ایک اور آغا وارد ہوئے یہ ہینگ بیچتے تھے۔ لمبی داڑھی، شانوں پر بکھرے ہوئے بال۔ واسکٹ پر میل جمی ہوئی۔ کوئی شخص ان سے ہینگ نہیں خریدتا تھا۔ وہ چلا چلا کر کہتے "ہم تمہارے باپ کا نوکر نہیں، ہینگ لے لو، ہم سے بات مت کرو۔"

ناخوشگوار اثر

آغا حشر اور ڈراما تینوں لفظ میرے نزدیک بہت ڈراؤنے تھے۔ اور انہوں نے میرے ذہن پر کوئی خوشگوار اثر نہیں چھوڑا۔

ڈرامیٹک کلب

ہمارے ہاں ایک "ڈرامیٹک کلب" کی بنیاد پڑی۔ جس میں چند ڈرامے دکھائے گئے تو آغا حشر کا نام بھی بار بار زبانوں پر آنے لگا۔ اس دور دراز علاقے میں تھیٹر ہی تفریح کا سامان تھا۔

آغا حشر کا عجیب تصور

میں جب ڈرامے دیکھتا تو خیال کرتا کہ آغا حشر ایک عجیب و غریب شخصیت کے ساتھ ان پردوں کے پیچھے چھُپا ہوا ہے۔

پنجاب اور آغا

پنجاب میں تھیٹر نے اگرچہ چنداں ترقی نہیں کی تھی۔ یہاں صرف ماسٹر رحمت کی مشہوری تھی۔ لیکن یہاں آغا حشر کی شاعری کی دھوم تھی۔ لوگوں میں ان کا نظمیں پڑھنے کا انداز بہت مقبول تھا۔

لوگوں کے تاثر کی تبدیلی

اگرچہ آغا جوانی کے زمانے میں صرف ایک مرتبہ پنجاب آئے لیکن اس کا گہرا اثر ہوا۔ جو حضرات ڈرامہ کو بیکار محض اور آوارہ لوگوں سے مخصوص سمجھتے تھے۔ ان کی رائے اس فن کے متعلق بدل گئی۔

آغا سے ملاقات

میں ۱۹۲۵ء میں کلکتہ گیا تو آغا صاحب مہاراجہ ٹکاری کے ہاں جا چکے تھے۔ لیکن ان کے ہزاروں مداح کلکتہ میں موجود تھے۔ ان کی زبانی آغا کی زندگی کے اکثر واقعات، ان کے لطیفے اشعار اور پھبتیاں سنیں۔ ایک سال بعد آغا واپس کلکتہ آئے۔ ان سے ملاقات ہوئی تو بھنگ والے آغا اور اس آغا میں زمین آسمان کا فرق نظر آیا۔ سر پر انگریزی فیشن کے بال، داڑھی منڈھی ہوئی، چھوٹی چھوٹی مونچھیں، دوہرا جسم، سرخ و سپید رنگ میانہ قد۔ بڑے تپاک سے ملے اور ادبی باتیں ہوئیں۔

آغا صاحب نے ہزاروں کمائے اور لاکھوں اڑائے لیکن ان کا رہن سہن سادہ رہا۔ مکان میں نہ قالین نہ صوفے نہ ریشمی پردے۔ گھر میں ہیں تو لنگی باندھے۔ بنیان پہنے، کھری چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ باہر نکلے تو ریشمی لنگی اور لمبا کرتا پہن لیا۔ البتہ لاہور آنے سے پہلے وہ کلکتہ میں بڑے ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔

آغا کی لطیفہ گوئی

آغا بڑے حاضر جواب اور لطیفہ گو تھے۔ وہ محفل پر چھا جاتے تھے۔ ان کے دوست باہم مل کر ان پر پھبتیوں کا جھاڑ باندھ دیتے لیکن آغا سب کو ہرا دیتے ان کے مقابل کوئی نہ ٹھہر سکتا تھا۔ اس فن میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔

شوق مطالعہ

وہ ہر قسم کی کتابیں پڑھتے تھے۔ بازاری ناولوں، اخباروں رسالوں سے لے کر مشکل فلسفیانہ کتب پر ان کی نظر تھی۔ کلکتہ میں وہ سہ پہر کو گھر سے نکلتے اور سیدھے اخبار عصر جدید کے دفتر میں جا پہنچتے۔ پہلے سب اخبار پڑھتے پھر رسالوں کی نوبت آئی۔ کوئی کتاب ہاتھ لگی تو وہ بھی دیکھ لی۔ کچھ اخبار اور رسالے تو وہیں بیٹھے بیٹھے دیکھ لئے۔ جو بچ رہے انہیں گھر لے گئے۔ بازار میں چلتے چلتے کتابوں کی دکان نظر آگئی تو اچھی اچھی کتابیں چھانٹ کے بغل میں دبائیں اور چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں کوئی ورق پڑا ملا تو اسے اٹھا لیا اور وہیں کھڑے کھڑے پڑھ لیا۔ سودے والی پڑیوں کو کھول کھول کر پڑھ لیا کرتے تھے۔

کتابیں جمع نہ کیں

مطالعہ کا اس قدر شوق رکھنے کے باوجود باقاعدہ کتب خانہ جمع نہ کیا۔ حافظہ بہت اچھا تھا۔ بس کتاب پڑھی اور اِدھر ادھر رکھ دی۔ کوئی دوست یا عزیز آیا تو لے کر چلتا بنا۔

کثرت معلومات

کثرت مطالعہ کے باعث ان کی معلومات حیرت انگیز تھی وہ ہر موضوع پر اظہار خیال کر سکتے تھے۔ مثلاً نئی جوتی خریدی ہے۔ کسی نے اس کے بارے میں پوچھا تو معلومات کا ڈھیر لگا دیا۔

مناظرہ کے شیر

آغا مناظرہ کے میدان کے شیر تھے۔ ہر محفل پر چھا جاتے تھے۔ تعلیم واجبی تھی لیکن مطالعہ سے بہت کچھ حاصل کیا۔

مختصر سوانح حیات

آغا نے اپنے سوانح حیات مختصراً یوں بتائے کہ بزرگوں کا وطن کشمیر ہے۔ پھر امرتسر آئے۔ وہاں سے والد شالوں کی تجارت کے سلسلہ میں بنارس پہنچے اور وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ اگرچہ میری تعلیم کی بڑی کوشش ہوئی لیکن جی نہ لگا۔ فارسی کی چند کتب پڑھ کر چھوڑ دیں۔ والد مجھے ملا بنانا چاہتے تھے لیکن مجھے اس سے نفرت تھی۔ آغا جوانی میں بنارس سے بھاگ کر بمبئی پہنچا۔ میں نے ڈرامہ لکھنے کو ذریعہ معاش بنایا اگرچہ ان دنوں وہاں بڑے بڑے انشاء پرداز اور شاعر موجود تھے لیکن خدا کی قدرت کہ تھوڑے دنوں میں سب گرد ہو گئے۔

اپنی تعریف

اکثر لوگوں کو یہ بات بہت ناگوار گذرتی ہے کہ آغا خود اپنی تعریفیں کرتے ہیں اور دوسروں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ لیکن آغا کا خیال تھا کہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنی تعریف کرنا بہت ضروری ہے۔ میری ایک نظم کی آغا نے بہت تعریف کی۔ میں نے کسرِ نفسی سے کام لیا تو ناراض ہوئے کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ پھر بولے کہ میں تو اپنے ڈرامے لکھ کر لوگوں کو چیلنج کرتا ہوں۔ لیکن کسی کو مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

وسیع دوستی

آغا حشر کے سخی تھے اور دل کے صاف۔ ان کے ملنے والوں میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ ایکٹروں سے لے کر بڑے بڑے اہل علم تک سب سے ان کی بے تکلفی تھی اور ان سب سے بڑے خلق اور مروت سے پیش آتے تھے۔ مرتے دم تک اس وضعداری کو نبھایا۔ ہر ایک سے اس کی لیاقت اور مذاق کے مطابق گفتگو کرتے تھے۔

غریب پروری

آغا نے لاکھوں کمائے اور لاکھوں ہی اڑائے۔ لیکن وہ دوسروں کو بھی شریک کرتے۔ والدہ کی بڑی خدمت کی کئی غریب رشتہ داروں بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے ماہانہ وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ اس طرح آغا کی ذات کئی بے کسوں کا سہارا تھی۔ ان کے اٹھتے ہی یہ سہارا مٹ گیا۔

شعر گوئی

آغا شعر بہت جلد کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا مقابلہ مولانا ظفر علی خاں سے کیا جا سکتا ہے۔ ڈراموں کا بھی یہی حال تھا۔ انہیں لکھنے سے نفرت تھی۔ میں ایک مصرع پڑھتا تو دوسرا مصرع برجستہ کہہ دیا اور چند منٹوں میں غزل ہو گئی۔ ان کی غزلوں میں ایک خاص سرمستی اور جوش ہے جو منفرد ہے۔

ڈرامے کا حسن

ان کی غزل گوئی کا اثر ان کے ڈراموں پر بھی پڑا ہے۔ لیکن آغا کے ڈراموں کا حسن اجزا میں ہے۔ کل میں نہیں۔ پھر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اردو ڈرامے کو بہت اونچے مرتبے پر پہنچا دیا اور اس معاملہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔

میرا ڈرامہ نگاری سے گریز

۱۹۲۸ء کے آخر میں آغا کشمیری سے کلکتہ آئے ہوئے تھے۔ میری ان سے ملاقات ہوئی۔ کہنے لگے۔ میاں اخبار نویسی چھوڑ دو اور میرے ساتھ کلکتہ چلو۔ ڈرامے میں طاق کر دوں گا۔ میں نے حامی بھر لی۔ پھر سوچا کہ ان سے نیاز مندانہ ہے۔ ملازمت سے تعلقات پر برا اثر نہ پڑے چنانچہ لاہور آنے کا تہیہ کر لیا۔ ان سے ملا تو پھر اپنی بات دہرائی۔ میں نے اپنا پروگرام بتایا تو بہت ناراض ہوئے۔ دوسرے دن وہ کلکتہ چلے گئے۔

لاہور میں ملاقات

سات سال کے بعد پھر آغا سے لاہور میں ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں بالکل نہ پہچانا۔ صحت بہت گر چکی تھی۔ کرائے کی کوٹھی میں رہتے تھے۔ اگرچہ اب بھی وضع داری قائم تھی لیکن طبیعت میں پہلی سی تیزی نہ تھی۔

آخری ملاقات

ایک دن میکلوڈ روڈ سے گذر رہا تھا کہ اتفاقاً ان سے ملاقات ہو گئی کہنے لگے کہ ملتے کیوں نہیں۔ اب ہمارا آخری وقت ہے۔ مرنے پر یاد کرو گے اور افسوس کرو گے۔ میں نے ملاقات کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد میں نے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔

سفرِ آخرت

لوگوں کا خیال تھا کہ جنازہ شہر میں لایا جائے گا۔ اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ نیلے گنبد میں نمازِ جنازہ ہو گی۔ لیکن پھر خدا جانے کیا ہوا کہ یہ ارادہ ترک کر دیا گیا۔ جنازہ کے ساتھ صرف سو سوا سو آدمی تھے۔ ان میں بھی یا تو اِن کی فلم کمپنی کے لوگ تھے یا بعض خاص نیاز مند۔ انہیں میانی صاحب کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

مرکزی خیال

اس مضمون کا مرکزی خیال یہ ہے کہ آغا حشر اور ڈراما لازم و ملزوم تھے۔ انہوں نے اس فن کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا۔ وہ وسیع معلومات رکھتے تھے۔ انہیں مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ بڑے حاضر جواب اور لطیفہ گو تھے۔ مجلس پر چھا جاتے تھے۔ اپنے میلانِ طبع کے مطابق نہیں بلکہ لوگوں کے ذوق کے مطابق ڈرامے لکھتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے لاکھوں کمائے اور لاکھوں اُڑائے وہ بڑے غریب پرور تھے۔ عزیز و مساکین، بیوگان و یتامیٰ کے باقاعدہ وظائف مقرر کر رکھتے تھے۔ ان میں بہت خود اعتمادی پائی جاتی تھی اور شعر گوئی میں بہت مہارت رکھتے تھے۔

پیروں کی تشریح

پیرا ۱: آغا بڑے حاضر جواب اور بذلہ سنج شخص تھے۔ جس محفل میں جا بیٹھتے تھے۔ سب پر چھا جاتے تھے۔ ان کے ماننے والوں میں اکثر ضلع جگت میں طاق اور پھبتی میں مشتاق تھے اور جب شام کو صحبت گرم ہوتی، تین تین چار چار آدمی مل کر آغا پر پھبتیوں کا جھاڑ باندھ دیا کرتے تھے لیکن آغا چومکھی لڑنا جانتے تھے۔ حریف دم بھر میں ہتھیار ڈال دیتا۔ لیکن آغا کی زبان نہ رکتی تھی۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بانکا پھکبت سروہی کے ہاتھ پھینکتا چلا جا رہا ہے۔ کبھی کمر کو تاک کے سر پہ وار کیا، کبھی پالٹ کا ہاتھ مارا، کبھی دھنے سے کبھی بائیں سے۔ اس فن میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔

حوالۂ متن یہ اقتباس چراغ حسن حسرت کے مضمون "آغا حشر" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق مصنف اس مضمون میں آغا حشر کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتا ہے کہتے ہیں کہ آغا صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا وہ ہر موضوع پر وافر معلومات رکھتے تھے۔ وہ ہر شخص سے اس کی قابلیت اور ذوق کے مطابق بات کرتے تھے۔ عالموں میں بیٹھتے تو دینی معلومات میں کمال دکھاتے۔ ایکٹروں میں بیٹھتے تو اس پر فن دریا

بہا دیتے تھے۔ آغا صاحب نے اگرچہ ہزاروں کمائے اور لاکھوں اڑائے لیکن ان کی معاشرت ہمیشہ سیدھی سادی رہی۔ مکان میں نہ نفیس قالین تھے نہ صوفے نہ کوچ نہ ریشمی پردے نہ غالیچے۔ نفیس کپڑے پہننے کا بھی شوق نہ تھا۔ ہاں اکثر لوگوں سے سنا ہے کہ لاہور آنے سے پہلے وہ کلکتہ میں بڑے ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔

تشریح آغا حشر بہت حاضر جواب تھے۔ انہیں ہر سوال کے بروقت جواب میں کمال حاصل تھا۔ بڑے لطیفہ گو تھے۔ انہیں ہزاروں لطیفے یاد تھے اور ان کا خوب بروقت استعمال کرتے جس مجلس میں جا کر شامل ہوتے تھے سب پر غلبہ پا لیتے تھے۔ کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے دوستوں میں بہت سے لوگ لطیفہ گوئی میں ماہر اور فقرے کسنے میں بڑے باکمال تھے اور جب شام کو تمام دوست احباب باہم مل بیٹھتے تو تین تین چار چار آدمی مل کر آغا پر فقرے کسنے کی بوچھاڑ کر دیتے تھے اور اپنی طرف سے زبردست حملہ کرتے تھے۔ لیکن آغا چاروں طرف لڑنا جانتے تھے وہ ہر محاذ پر خوب لڑتے۔ ان کا مدمقابل تھوڑی ہی دیر میں ہار جاتا اور شکست مان لیتا۔ لیکن آغا کی زبان پر بس قینچی کی طرح چلتی رہتی تھی اور رکنے کا نام نہیں لیتی تھی اس وقت یوں محسوس ہوتا تھا کہ ایک چھیلا البیلا جوان جو لکڑی۔ پھری گدکا ماہر ہے۔ فولادی تلوار کے خوب ہاتھ دکھا رہا ہے۔ یاد رہے کہ سروہی ایک خاص علاقہ ہے جہاں کی تلوار مشہور ہے۔ وہ کبھی کمر پر وار کرتا ہے کبھی سر پر اور کبھی پاؤں کو نشانہ بناتا ہے۔ کبھی دائیں سے وار کرتا ہے اور کبھی بائیں سے حملہ کرتا ہے۔ اس میدان میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔ کوئی شخص ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں جسے ہو حوصلہ آئے کرے شکار مجھے

پیرا - ۲ : جس طرح غزل میں ہر شعر مستقل حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح ان کے ڈراموں کے مختلف اجزاء تو اپنی اپنی جگہ خوب ہیں لیکن آپس میں مل کر وہ اپنا حسن کسی حد تک کھو بیٹھے ہیں گویا یوں کہنا چاہیے کہ آغا کے ڈراموں کا حسن اجزاء میں ہے کل میں نہیں۔ اس مفہوم کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ مکان کا گارا چونا۔ اینٹیں اور لکڑی تو اپنی اپنی جگہ بہت اچھے ہیں لیکن جب ان سے مل کر مکان بنتا ہے تو اس میں بہت سے نقص نظر آتے ہیں۔ پھر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اردو ڈرامے کو بہت اونچے مرتبہ پر پہنچا دیا اور اس معاملہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔

حوالہ متن یہ اقتباس چراغ حسن حسرت کے مضمون "آغا حشر" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق مصنف بیان کرتا ہے کہ آغا حشر نے اردو ڈرامے کو بہت ترقی دی۔ جب ڈرامے کا نام آتا ہے تو ان کا نام ضرور ذہن میں آتا ہے۔ وہ اور ڈرامہ لازم و ملزوم تھے۔ وہ اس فن کی باریکیوں کو خوب سمجھتے تھے۔ وہ اپنے میلان

طبع سے نہیں بلکہ لوگوں کے ذوق کے مطابق ڈرامے لکھتے تھے ۔ مصنف کہتا ہے کہ آغا کے کلام اور ان کے ڈراموں پر تبصرہ کرنا میرا فرض نہیں۔ البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ وہ شعر بہت جلد کہتے تھے، مولانا ظفر علیخان کے بعد اگر میں نے کسی کو اس قدر جلد شعر کہتے دیکھا تو وہ آغا تھے۔ ڈراموں کا بھی یہی حال تھا۔ اصل میں انہیں لکھنے سے نفرت سی تھی۔ وہ گفت گو اور بات چیت پر ہی انحصار کرتے تھے۔

تشریح

جس طرح غزل کا کوئی ایک خاص موضوع نہیں ہوتا بلکہ اس کے ہر شعر کا مضمون الگ ہوتا ہے اور اس کی اپنی حیثیت ہوتی ہے ۔ یہی حال ڈرامے کا ہے۔ ان کے ڈراموں کے الگ الگ حصے تو اپنی اپنی جگہ بہت عمدہ اور خوب ہیں۔ اور بہت اچھے لگتے ہیں۔ لیکن جب یہ حصے آپس میں ملتے ہیں تو ان کی خوبصورتی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ آغا حشر کے ڈراموں کی خوبی اور خوبصورتی ان کے الگ الگ حصوں میں ہے کل میں نہیں یعنی جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اس کا تاثر بہتر نہیں ہوتا۔ اس مطلب کو ہم اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ مکان کا گارا، چونا، اینٹیں اور لکڑی تو اپنے اپنے مقام پر بہت اچھے ہیں لیکن جب ان سے مل کر مکان مکمل ہوتا ہے تو اس میں بہت سی خرابیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ گویا مجموعی تاثر وہ نہیں ہوتا جو ہونا چاہیئے۔

اس کے باوجود یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ انہوں نے اردو ڈرامے کو ایسا بلند مرتبہ بخشا کہ اس میدان میں کوئی اور ان کا مدمقابل نہیں ہے گویا میر انیس کے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ ؎

قدر کر میری اے زمین سخن کہ میں نے تجھے آسمان کر دیا

پیرا: ۳ : وہ ہر قسم کی کتابیں پڑھتے تھے۔ ادنیٰ قسم کے بازاری ناولوں اخباروں رسالوں سے لے کر فلسفہ اور مابعد الطبیعات کی اعلیٰ تصانیف تک سب پر ان کی نظر تھی اور رفضل بک ڈپو سے دارالمصنفین تک وہ سارے اداروں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ کلکتہ میں ان کا معمول یہ تھا کہ سہ پہر کو گھر سے نکلے اور نجط مستقیم اخبار عصر جدید کے دفتر میں پہنچے۔ پہلے سارے اخبار پڑھے۔ پھر رسالوں کی نوبت آئی۔ کبھی ریویو کے لئے کوئی کتاب آگئی تو وہ بھی آغا صاحب کی نذر ہوئی۔ کچھ اخبار اور رسالے تو وہیں بیٹھے بیٹھے دیکھ لئے جو بچ رہے انہیں گھر لے گئے، بازار میں چلتے چلتے کتابوں کی دکان نظر آگئی۔ کھڑے ہو گئے اچھی اچھی کتابیں چھانٹ کے بغل میں دبائیں اور چل کھڑے ہوئے۔

حوالہ متن

یہ عبارت چراغ حسن حسرت کے مضمون "آغا حشر" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق

مصنف بیان کرتا ہے کہ آغا حشر اعلیٰ درجے کے ڈرامہ نویس تھے اس کا سبب یہ ہے کہ اگرچہ ان کی باقاعدہ تعلیم واجبی سی تھی، تاہم کثرت مطالعہ سے انہوں نے وسیع معلومات حاصل کر لی تھیں اور ان کی یہ معلومات ہر شعبہ

زندگی پر حاوی تھیں۔ وہ لوگوں کے ذوق کا لحاظ رکھتے ہوئے ڈرامہ لکھتے تھے۔ وہ ان کی نفسیات کو خوب سمجھتے تھے۔ اسی لئے ان کے ڈرامے عوام میں بہت مقبول ہوئے۔ وہ بڑے حاضر جواب اور لطیفہ گو تھے جس محفل میں جا بیٹھتے تھے سب پر چھا جاتے تھے۔ اس فن میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔

تشریح

آغا حشر ہر طرح کی کتابیں پڑھنے کے عادی تھے۔ ان کا مطالعہ کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ معمولی قسم کے عام بازاری ناولوں سے لے کر رسالوں سے لے کر مطالعہ موجودات، فلسفہ، منطق، مذہب روحانیت وغیرہ ہر موضوع پر کتابیں ان کے مطالعہ میں آتی تھیں اور اس سلسلے میں فضل بک ڈپو سے دارالمصنفین تک وہ تمام اداروں سے کتابیں خرید کر پڑھتے تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ ہر موضوع پر وسیع معلومات رکھتے تھے ان کا روزانہ کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے پہر گھر سے روانہ ہو جاتے اور بالکل سیدھے ناک کی سیدھ میں عصر جدید کے دفتر میں جا پہنچتے۔ پہلے تمام اخبار پڑھتے۔ پھر رسالوں کی باری آتی۔ کبھی تبصرے اور رائے زنی کے لئے کوئی کتاب آئی تو وہ بھی انہوں نے حاصل کر لی اور اسے پڑھ ڈالا۔ وہ یہ کچھ اخبار اور رسالے وہیں پر بیٹھے بیٹھے پڑھ لیتے اور جو بچ جاتے انہیں اپنے ساتھ گھر لے جاتے۔ بازار میں چلے جا رہے ہیں۔ کتابوں کی دکان دیکھی تو وہیں کھڑے ہو گئے اور اچھی اچھی کتابوں کا انتخاب کر لیا۔ انہیں بغل میں دبایا اور گھر روانہ ہو گئے۔ الغرض آغا صاحب مطالعے کے اس قدر شوقین تھے کہ کم ہی لوگ ایسے ہوں گے۔ کتاب ان کا بہترین ساتھی تھا۔

ہم نشینی ہو کتاب سے اگر — اس سے بہتر کوئی رفیق نہیں

سوالات

سوال: مصنف کے ذہن میں شروع شروع میں آغا حشر کا کیا تصور تھا؟

جواب: مصنف کے ذہن میں شروع شروع میں آغا حشر کے بارے میں یہ تصور تھا کہ اس نام کو ڈرامے کے لفظ سے خاص مناسبت ہے۔ آغا حشر جو کچھ کہتا ہے اس کا نام ڈرامہ ہے۔ پھر یہ خیال آتا کہ ڈرامہ اور ڈرانا کے معنی ایک ہی ہیں۔

مصنف کے پڑوس میں ایک افغان سردار رہتا تھا اس کا ایک نوکر تھا جسے سب "آغا آغا" کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ بہت گھبرو جوان تھا۔ سیاہ گنجان داڑھی۔ زلفیں چھٹی ہوئیں وہ اکثر اوقات تو ہنستا ہوا گذر جاتا تھا لیکن کبھی لڑکوں کے نعرے سن کر رک جاتا اور چلا چلا کر کچھ کہتا اور سرخ سرخ آنکھیں نکال کر ہماری طرف اس طرح دیکھتا کہ سب سہم جاتے۔

مصنف کہتا ہے کہ انہی دنوں ہمارے قصبہ میں ایک اور آغا وارد ہوئے۔ یہ ہینگ بیچنے آئے تھے لمبی داڑھی۔ بال شانوں پر بکھرے ہوئے۔ واسکٹ پر میل کی تہہ جمی ہوئی۔ وہ سڑک پر کھڑے ہو کر پکارتے۔ "اینگ لے لو"۔ لیکن کبھی کسی نے ان سے ہینگ نہ خریدی۔ وہ غصے میں آ کر کہتے

"خوام تمہارے باپ کا نوکر ہے کہ تمہارے واسطے اتنی دور سے اینگ لایا۔ اینگ لے لو۔ ام سے مسخری مت کرو۔"

غرض آغا حشر اور ڈرامہ تینوں لفظ میرے نزدیک بہت ڈراؤنے اور بھیانک تھے اور انہوں نے میرے ذہن پر خوشگوار اثر نہیں چھوڑا۔

سوال: آغا حشر کے حلیے اور معاشرت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: مصنف بیان کرتا ہے کہ میں نے آغا صاحب کو اس حالت میں دیکھا کہ صرف لنگی باندھے اور ایک کرتا پہنے لیٹے ہیں۔ سر پر انگریزی فیشن کے بال، داڑھی منڈھی ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ دوہرا جسم۔ سرخ سپید رنگ، میانہ قد، ایک آنکھ میں نقص تھا۔ محفل میں بیٹھے ہوئے ہر شخص یہ سمجھتا کہ میری طرف ہی دیکھ رہے ہیں۔

مصنف بیان کرتا ہے کہ آغا صاحب نے اگرچہ ہزاروں کمائے اور لاکھوں اڑائے لیکن ان کی معاشرت ہمیشہ سیدھی سادی رہی۔ مکان میں نہ نفیس قالین تھے نہ صوفے نہ کوچ نہ ریشمی پردے نہ غالیچے۔ نفیس کپڑے پہننے کا بھی شوق نہ تھا۔ گھر میں ہیں تو لنگی باندھے، ایک بنیان پہنے، کھری چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ باہر نکلے ہیں تو ریشمی لنگی اور لمبا کرتا پہن لیا۔ میں نے پہلی مرتبہ انہیں اسی وضع میں دیکھا اور زندگی کے آخری ایام میں جب لاہور آئے تو ان کی یہی وضع تھی۔ ہاں اکثر لوگوں سے اتنا سنا ہے کہ لاہور آنے سے پہلے وہ کلکتہ میں بڑے ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔

سوال: آغا حشر کی حاضر جوابی اور لطیفہ گوئی کا حال بیان کریں؟

جواب: آغا حشر کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ حافظہ بہت عمدہ تھا۔ اعلیٰ ذہانت کے مالک تھے اس لئے وسیع معلومات کا ذخیرہ رکھتے تھے۔ بہت حاضر جواب لطیفہ گو شخص تھے۔ جس محفل میں جا بیٹھتے تھے سب پر چھا جاتے تھے۔ ان کے ملنے والوں میں اکثر لوگ ضلع جگت میں طاق اور پھبتی میں مشتاق تھے اور جب شام کو صحبت گرم ہوتی تین تین چار چار آدمی مل کر آغا پر پھبتیوں کا جھاڑ باندھ دیا کرتے تھے لیکن آغا جو مکھی لڑنا جانتے تھے۔ مدمقابل دم بھر میں ہتھیار ڈال دیتا لیکن آغا کی زبان نہ رکتی تھی۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بانکا وار پر وار کئے جا رہا ہے اور سب کو مات دے کر گرائے جا رہا ہے۔ اس فن میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔

سوال: آغا حشر کے شوق مطالعہ کا حال لکھیے؟

جواب: آغا حشر ہر قسم کی کتابیں پڑھتے تھے ادنیٰ قسم کے بازاری ناولوں اخباروں رسالوں سے لے کر فلسفہ و منطق کی اعلیٰ تصانیف تک سب پر ان کی نظر تھی اور فضل بک ڈپو سے دارالمصنفین تک وہ سارے اداروں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ کلکتہ میں ان کا معمول تھا کہ سہ پہر کو گھر سے نکلے اور سیدھے اخبار عصر جدید کے دفتر میں پہنچتے۔ پہلے سارے اخبار پڑھے۔ پھر رسالوں کی نوبت

آئی۔ کبھی تبصرہ کے لئے کوئی کتاب آگئی تو وہ بھی آغا صاحب کی نذر ہوئی۔ کچھ اخبار اور رسالے تو وہیں بیٹھے بیٹھے دیکھ لئے۔ جو بچ رہے انہیں گھر لے گئے۔ بازار میں چلتے چلتے کتابوں کی دکان نظر آگئی۔ کھڑے ہو کر اچھی اچھی کتابیں چھانٹ کے بغل میں دبائیں اور چپل کھڑے ہوئے۔ راستے میں کسی کتاب کا گرا پڑا ورق دکھائی دیا تو اسے اٹھا لیا اور وہیں کھڑے کھڑے پڑھ ڈالا۔ نوکر بازار سے سودا سلف لے کر آیا ہے۔ بنیئے نے اپنے اخباروں اور کتابوں کے اوراق میں پڑیاں باندھ کے دی ہیں اچانک آغا صاحب کی نظر پڑ گئی۔ نوکر سے پوچھ رہے ہیں۔ اس پڑیا میں کیا ہے؟ شکر! اچھا شکر ڈبے میں ڈالو۔ پڑیاں خالی کر کے لاؤ۔ اسے کہیں پھینک نہ دیجیو۔ یہ بڑے کام کی چیز معلوم ہوتی ہے خدا جانے کس اخبار کے ورق ہیں یا کتاب کے۔ بہر حال مجھے ان پر شبلی کا نام لکھا نظر آیا ہے۔

سوال: آغا حشر کی غریب پروری کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: آغا نے اگرچہ لاکھوں کمائے اور لاکھوں ہی اڑائے ہیں۔ لیکن وہ تنہا کھانے کے عادی نہیں تھے۔ جب روپیہ آتا تھا اس میں سب عزیزوں کے حصے لگائے جاتے تھے۔ قریب کے رشتہ داروں کو تو انہوں نے ہزاروں لاکھوں دے ڈالے۔ والدہ کی ایسی خدمت کی کہ کوئی کیا کرے گا۔ لیکن دور کے رشتہ داروں کو بھی وہ کبھی نہ بھولے۔ ان کے عزیزوں میں کئی بیوہ عورتیں اور یتیم بچے تھے۔ ان سب کے ماہانہ مقرر تھے۔ روپیہ آتا تھا تو جس کا جو حصہ مقرر تھا اسے گھر بیٹھے پہنچ جاتا تھا۔ غرض آغا کی ذات کئی بے کسوں کی زندگی کا سہارا بنی ہوئی تھی۔ ان کے اٹھتے ہی یہ سہارا مٹ گیا۔

سوال: آغا حشر ڈرامے میں کس بات کا خاص خیال رکھتے تھے؟

جواب: آغا حشر ڈرامے میں لوگوں کے ذوق اور میلان کا خاص خیال رکھتے تھے وہ خود بھی اکثر کہا کرتے تھے کہ میں لوگوں کے مذاق کو ملحوظ رکھ کر ڈرامے لکھتا ہوں۔ ورنہ اگر میں عوام کے مذاق کی پرواہ نہ کر کے اپنے اصلی رجحان طبیعت کے مطابق کچھ لکھوں تو اور ہی عالم نظر آئے۔ مصنف نے ایک مرتبہ پوچھا کہ آغا صاحب آپ اپنی طبیعت کے حقیقی جوش کو ظاہر کیوں نہیں ہونے دیتے اور عوام کے مذاق کا اتنا خیال کیوں رکھتے ہیں؟ یہ سن کر آغا کے ابرو پر بل پڑ گئے اور کہنے لگے کہ اگر میں اپنی طبیعت کے صحیح رجحان کی پیروی کرتا تو جوتیاں چٹخاتا پھرتا۔ وہ تو بڑی خیر گذری کہ میں نے زمانے کی نبض کو پہچان لیا لوگوں کے مذاق کے مطابق لکھتا ہوں اور موٹروں میں اڑتا پھرتا ہوں۔

سوال: آغا حشر کی شعر گوئی کا حال بیان کیجئے؟

جواب: بقول مصنف آغا حشر شعر بہت جلد کہتے تھے۔ مولانا ظفر علی خان کے بعد اگر میں نے کسی کو اس قدر جلد شعر کہتے دیکھا تو وہ آغا تھے۔ کئی موقعوں پر ایسا ہوا کہ مصنف نے ایک مصرعہ پڑھا۔ انہوں نے برجستہ دوسرا مصرعہ کہہ دیا اور چند منٹوں میں غزل ہو گئی۔ ان کی غزلوں میں ایک خاص سرمستی اور جوش ہے جو اردو میں کسی کے ہاں ان کے سوا نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ غزل گوئی کا اثر ان کے ڈراموں پر بھی پڑا ہے لوگوں میں ان کا اندازِ شعر گوئی بہت مقبول تھا۔ وہ جب لاہور آئے تو لوگوں نے ان کے اس انداز کو بہت پسند کیا اور اسے اپنا لیا۔

مولانا محمد حسین آزاد
۱۸۳۰ء — تا — ۱۹۱۰ء

مولانا محمد حسین آزاد اردو کے سب سے بڑے انشا پرداز ہیں۔ وہ شاعر بھی ہیں مؤرخ بھی، نقاد بھی ہیں اور مضمون نگار بھی۔ وہ نثر میں شاعری کرتے ہیں۔ ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات مرصع کاری یا نثر میں شاعری، اعلیٰ قوت متخیلہ، تمثیل نگاری اور مکالمہ نگاری، تشبیہ و استعارہ، فن برائے فن، افسانوی انداز، طنز و ظرافت، مرقع نگاری، ایجاز و اختصار، مبالغہ آرائی اور زورِ بیان ہیں۔

ایران کا موسم

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
نوروز	نئے سال کا پہلا دن	حدت	گرمی : حرارت	تاثیر	اثر
مسامات	مسام کی جمع :	بلور	ایک چمکدار جوہر	موقوف ہونا	بند ہونا
〃	بدن کے باریک	〃	جو کان سے نکلتا ہے	زمستاں	موسم سرما
〃	سوراخ جن میں	تلاؤ	تالاب : جوہڑ	سبزہ	ہریالی
〃	سے پسینہ نکلتا ہے	خانہ باغ	گھر کا باغ	آشنا	جان پہچان والا
داربستیں	بیلیں	شفاف	آئینے کی طرح صاف	طراوت	تر و تازگی،
زمرد	ایک سبز رنگ	سبزہ خودرو	خود بخود اگنے والی	〃	ٹھنڈک
〃	کا قیمتی پتھر	〃	ہریالی	آسودہ حال	خوشحال
ہزار داستان	ہزاروں بولیاں	عالم	حالت : کیفیت	زمزمہ	نغمہ ، ترانہ
خوش الحان	بولنے والی	گل لالہ	ایک قسم کا	اصلیت	حقیقت
گنبد	برج : گول چھت	〃	سرخ پھول	اذیت	تکلیف
〃	جو مسجدوں اور مقبروں	اہل درد	دردمند لوگ	فصل بہار	موسمِ بہار
〃	میں ہوتی ہے	ہم طبع	ہم نفس، ہم مزاج	ہمدم	ساتھی
زندہ دلی	شوخی، امنگ	جذبہ	ولولہ	بیائید امشب	آج رات آؤ تاکہ
کارواں	قافلہ	دساور	باہر کا سوداگری	شب گل کنیم	ہم بہار کی رات
پن چکی	پانی سے چلنے والی	〃	کا مال	〃	منائیں
〃	چکی	دم لینا	ستانا : آرام کرنا	نگار خانہ	تصویروں کا
بوقلموں	رنگ برنگ	قندیل	ایک قسم کا فانوس	〃	مکان
لطافت	نرمی : عمدگی	〃	جس میں چراغ	قمقمہ	چھوٹی قندیل
سیاحت	سیر سفر	〃	جلائے جاتے ہیں	حجرہ	چھوٹا کمرہ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مرزا منش	راجکماروں یا مغلوں	خوش وضع	خوش شکل ؛	ولایت	ایک حکومت
〃	جیسا، خوشپوشاک	〃	خوبصورت	〃	غیر ملک
〃	خوش لباس	آسائش	سکھ، آرام	گلابی جاڑا	نامکمل یا ادھورا
یخنی	اُبلے ہوئے گوشت	فالودہ	پکا اور جما ہوا نشاستہ	〃	موسم سرما
〃	کا پانی	〃	جو شربت کے ذریعہ	آفتاب	سورج
یخ بندی	برف جمنا	〃	سے گرمی میں پیتے	میزان	ترازو،
آثار	اثر کی جمع	〃	ہیں	〃	ایک برج کا نام
〃	نشانیاں	پوستین	بالوں دار کھال کا	توشک	گدیلا
آتش دان	انگیٹھی	〃	کوٹ	دنبے بلیمہ کئے	بھونے ہوئے
سناٹا	گہری خاموشی	زعفران	ایک خوشبودار	ہوئے	دنبے
گرگ آشتی	بھیڑیئے کی دوستی	〃	زرد رنگ کا پھول	گلہ	ریوڑ
حاجت مند	ضرورت مند	نمدی چغہ	اونی جُبّہ	جھکڑ	طوفان
مشتری	مول لینے والا	اسپی قافلے	گھوڑوں کے قافلے	دفعتہً	اچانک
〃	گاہک	〃	پیدل	جھکولا	لہر، موج
برگ ریز	پتے جھڑنا	دھنکنا	دھننا	سوا	بڑھ کر
انبار	ڈھیر	پنج شاخہ	پانچ شاخوں والا	بنجاری	وہ چمنی جو چھت
قاق	سوکھا ہوا گوشت	〃	پھاوڑا	〃	میں دھواں نکلنے
کلّا	جبڑا، گال	بھٹ	غار، کھوہ	〃	کیلئے بناتے ہیں

خلاصہ

بہارِ نوروز

آمد بہار

گرمی کی آمد کے ساتھ ہی بہار کا موسم شروع ہو جاتا ہے۔ در و دیوار میں پسینہ سا بہتا ہے۔ ۲۱ یا ۲۲ مارچ کو نوروز ہوتا ہے۔ درختوں پر پتوں کا نام نہ تھا زمین آسمان برف ہی برف نظر آتے ہیں۔ اب برف باری بند ہوتی۔ برف پگھلنے لگتی ہے نہروں

کی نالیوں میں چپکے چپکے پانی سرسرانے لگتا ہے۔ حوضوں کے کناروں میں سبزہ اور سبزے پر کلیاں آجاتی ہیں، زمیندار اپنے کھیتوں پر آتے ہیں، باغ والے باغوں میں پہنچتے ہیں، باغیچے سب کے پاس ہیں بعض کے گھروں میں چھوٹے چھوٹے خانہ باغ ہیں۔ لوگ باغوں میں کام کرتے ہیں، درخت جو سوکھی جھاڑیاں نظر آتے ہیں ان میں پھر جان آتی ہے، ہری ہری کونپلیں نکل آئیں، سبزی ایسی صاف شفاف کہ آنکھوں میں طراوت آئے۔ جس وقت کی طرف دیکھو زمرد کی ٹہنیاں بن گئیں۔ آٹھ دس دن میں ہرا بھرا درخت لہلہا رہا ہے۔

سیر و تفریح

باغ و گلزار میں بلکہ گھر گھر کی کیاریوں میں گلاب کھل گیا ہے درودیوار پر خودرو سبزہ اور پھول اگ آتے۔ لوگ گھروں میں سکڑے بیٹھے تھے نکل کھڑے ہوئے، بند کام جاری ہو گئے، خوشحال لوگ گھوڑوں پر چڑھے، دوست آشناؤں کے ساتھ باغوں میں گئے۔ بہاریں منائیں۔ عورتیں بھی باغوں اور کھیتوں میں گئیں اور دل خوش کرنے لگیں۔

گل و بلبل

ادھر گلاب کھلا، ادھر بلبل ہزار داستاں اس کی شاخ پر بیٹھی نظر آئی۔ وہ گھر گھر درختوں پہ بولتی ہے، چہچہے کرتی ہے۔ اس پر مستی چھائی ہوئی ہے۔ پھول پر منہ رکھ دیتی ہے اور آنکھیں بند کر کے گیت گاتی ہے۔ گویا شاعروں نے جو اس کے اور بہار اور گل لالہ کے مضمون باندھے ہیں، اصلیت رکھتے ہیں۔ گھروں میں سیب ناشپاتی بہی، انگور کے درخت ہیں، چاندنی رات میں بلبل اس جوش و خروش سے چہچہاتی ہے۔ گویا اس کا سینہ پھٹ جائے گا۔ اہل درد کے دلوں میں سن کر درد ہوتا ہے اور جی بے چین ہو جاتے ہیں۔

بہار کے تاثرات

میں ایک موسم بہار میں اسی ملک میں تھا، چاندنی رات میں صبح کے درخت پر آن بیٹھی تھی اور چہکارتی تھی تو دل پر ایک کیفیت گذر جاتی تھی جسے بیان کرنا مشکل ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں نے دستک دے دے کر اڑا دیا۔ یہ موسم دلوں میں جوش پیدا کرتا ہے، چاندنی رات میں دوست احباب اور ہم مزاج حضرات زندہ دلی کی امنگ میں باغ میں اکر دل بہلاتے ہیں، رات کو وہی رہتے ہیں، بہار مناتے ہیں اور زندگی کی بہاریں لوٹتے ہیں۔

گرمی

کاروبار زندگی

گرمی کا موسم آیا، برف سے ہٹے ہوئے راستے کھل گئے، سوداگروں کے قافلے تیار ہوئے، کاریگروں کے کارخانے جاری ہوتے، درختوں پر میوے دانے ہرے دکھائی دینے لگے، پہاڑوں پہ برف پگھلتی ہے، سبز مخمل پر سفید چادریں بچھی ہیں۔ چشمے

بہہ نکلے ہیں، دریا موجیں مارتے ہیں۔ آبشاروں کا شور ہے۔ پن چکیاں چلتی ہیں۔ گھر گھر گنگا بہتی ہے کھیتیاں دھوپ کی گرمی سے روز بروز زرد ہوتی ہیں۔ کسان کھیت کاٹ، اناج نکال کر ٹھکانے لگاتے ہیں۔ آپ دم لیتے ہیں اور زمین کو بھی دم لینے دیتے ہیں۔

میوے پھل کی بھرمار

باغوں میں میوے پک کر تیار ہو جاتے ہیں۔ بازاروں میں دکانیں نگار خانہ بنی ہوئی ہیں۔ سیب، ناشپاتی، بہی، انگور کے درختوں اور بیلوں سے کوئی گھر خالی نہیں۔ لوگ آپ میوے توڑتے ہیں، کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں میوہ خانوں کے کمروں میں پھل یوں لٹکائے جاتے ہیں کہ قندیلیں اور قمقمے نظر آتے ہیں۔ پھل اس قدر ہوتے ہیں کہ بھیڑ بکریاں بھی نہیں کھا سکتیں، پھلوں کو سٹور کر لیتے ہیں۔ ہوا کی لطافت اور پاکیزگی یہ ہے کہ سڑنے نہیں دیتی بلکہ پرورش کرتی ہے

بازاروں کی رونق

گرم ملکوں کے لوگ اپنی اپنی اجناس لے کر ٹھنڈے ملکوں کی طرف نکل جاتے ہیں کہ سیاحت وہاں کی زندگی کا حصہ بن گئی ہے شہروں میں بازار گرم ہوتے ہیں۔ بھیڑ بھاڑ سی رونق ہو جاتی ہے۔ خوش پوش لوگ جا بجا پھرتے ہیں۔

گرمی کے مشاغل

گرمی کا موسم یہاں بند کاموں کو کھولتا ہے اور منافع کو پھیلاتا ہے وہاں کی گرمی ایسی ہے جیسا یہاں کا گلابی جاڑا۔ لیکن اکثر گرم میوے اور دنبوں کے میوشت کھاتے ہیں، یخنی اور چائے پیتے ہیں۔ اس لئے مزاجوں کی گرمی برداشت نہیں، دکاندار پہاڑوں سے برف کے ڈھیمے کاٹ کر لاتے ہیں اور فالودے کی دکانیں سجاتے ہیں لوگ خوب کھاتے ہیں۔

خزاں

جاڑے کا پیام

سورج میزان میں آکر جاڑے کا پیام لایا۔ یخ بندی شروع ہو گئی پہاڑوں پر چشمے بند ہو گئے، دریا اترنے لگے۔ نہریں سوکھنے لگیں۔ پانی کے اوپر انگل دو انگل برف جمی ہے۔ برف توڑ کر پانی لیتے ہیں۔

گھروں کا رُخ

یخ بندیاں دیکھتے ہی کسان زمینیں جوت کر بیج بو دیتے ہیں اسی عرصہ میں برف کے آثار نظر آتے ہیں۔ سب کھیتوں اور باغوں کو چھوڑ کر گھروں کا رخ کرتے ہیں۔ جو بیج بوئے تھے خدا کے سپرد یا برف کے حوالے۔

خانہ نشینی

موسم خزاں میں کھیتوں اور باغوں میں اُداسی کا عالم ہوتا ہے باہر کے کام والے شہروں میں آئے، پوستینیں، لحاف، گدیلے، انگیٹھیاں گھر گھر

موجود ہیں۔ میوہ خانوں میں تر و خشک میوے دھرے ہیں۔ خشک گوشت کا ذخیرہ ہے۔ یخنیاں اور دیگیں پکائیں گے۔ پلاؤ دم دیں گے اور گھروں میں بیٹھے کھائیں گے۔

جاڑے کا اثر
اتنے میں ہوا جاڑے کی سواری لائی۔ دیکھتے دیکھتے کیا باغ یا جنگل تمام درخت زرد ہو گئے گویا زعفران کا کھیت ہے۔

گربہ آشتی
بھیڑیوں کو اس موسم میں سخت مشکل ہوتی ہے وہ گوشت کے سوا اور کچھ نہیں کھاتے۔ لیکن وہ دستیاب نہیں ہوتا۔ یہ ٹولیوں کی صورت میں بیٹھ جاتے ہیں کسی کی ذرا آنکھ جھپکی اور سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑے اور چیر پھاڑ کر کھا گئے۔ اس سے اہلِ ملک نے بھیڑیئے کی دوستی کی اصلاح نکالی کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

سردی کے باوجود رونق زندگی
لوگ اسی برف کے کپڑے انہیں سردی زیادہ دکھ نہیں دیتی اس لئے بازار چلتے رہتے ہیں ضرورت مند سفر بھی کرتے ہیں ان کے لباس اور جسم پر برف جمی ہے لیکن سفر جاری ہے۔

جھکڑ و برف باری
اس عالم میں پرند جانور بھی کم نکلتے ہیں۔ جھکڑ چلنے لگتا ہے اور برف خاک کی طرح اڑتی ہے اور بدن اور چہرے پر چھرے کا کام کرتی ہے۔

ایک جاڑے کا موسم
میں نے ایک سال جاڑے کا موسم اسی ملک میں گذارا۔ برفیں پڑ رہی تھیں۔ دو مہینے برابر سفر کرنا پڑا۔ پیادہ اور سوار قافلے چلے جا رہے تھے۔ راستے میں کوئی سرا یا مکان نہ تھا۔ ہم نے ایک پتھر کی آڑ میں برف ہٹا کر زمین نکالی۔ کچھ لکڑ اکٹھے کئے آگ سلگائی اور پڑ رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد چائے سے سینے گرم کرتے اور پھر پڑ رہتے تھے۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔

جاڑا

پت جھڑ
اچانک ہوا بند ہوئی۔ ابر گر آیا۔ برفباری شروع ہوئی۔ درختوں پر پتے کا نام نہیں۔ جیسے کسی نے کپڑے اتار لئے۔ ایک دن رات جو برف کا تار لگا تو در و دیوار زمین آسمان تمام سفید۔ جھاڑیاں برف جم کر بلور کے درخت اور شیشے کی شاخیں ہو گئیں۔

برف سے کاروبار زندگی معطل
پہاڑیوں پر برف کے پہاڑ چڑھ گئے۔ جنگلوں میں برف سے رستے رک گئے۔ سوداگر ٹھہر گئے۔ میدان کھیت گلی کوچہ میں قد آدم برف چڑھ گئی۔ بازاروں میں سناٹا۔ کارخانے بند۔ کوٹھوں پر برف کے انبار رہیں اگر

برف ہٹائی نہ جائے تو گھر بیٹھ جائیں۔ لوگ گھروں میں آگھسے۔ آگ بغیر گذارہ نہیں۔

جاڑے کا سامان انگیٹھیاں، آتشدان اور بخاریاں روشن ہیں، کمروں کے دروازے بند ہیں۔ گھروں میں دنبے کاٹتے ہیں، مرغ ذبح کرتے ہیں۔ نہیں تو خشک گوشت کے پلاؤ اڑتے ہیں۔ چائے کا دور چلتا ہے لیکن باہر تمام عالم ویرانہ ہے۔ گیدڑ لومڑی، خرگوش بلکہ چوہا تک جنگل میں نظر نہیں آتا اور اپنے بھٹوں اور بلوں میں گھس رہتے ہیں۔

پیروں کی تشریح

پیرا ۱ : ادھر گلاب کھلا۔ اُدھر بلبل ہزار داستاں اس کی شاخ پر بیٹھی نظر آئی۔ بلبل نہ فقط پھول کی ٹہنی پر بلکہ گھر گھر درختوں پر بولتی ہے۔ چہچہے کرتی ہے۔ گلاب کی ٹہنی پر تو یہ عالم ہوتا ہے کہ بولتی ہے۔ بولتی ہے، حد سے زیادہ مست ہوتی ہے تو پھول پر منہ رکھ دیتی ہے اور آنکھیں بند کر کے زمزمہ کرتے رہ جاتی ہے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اس کے اور بہار کے اور گل لالہ کے مضمون باندھے ہیں وہ کیا ہیں اور کچھ اصلیت رکھتے ہیں یا نہیں۔

حوالۂ متن یہ اقتباس مولانا محمد حسین آزاد کے مضمون "ایران کے موسم" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ ایران میں موسم بہار بہت پُر بہار اور پر لطف ہوتا ہے۔ درخت جو سوکھی جھاڑیاں نظر آتے تھے، ان میں پھر جان آجاتی ہے۔ برف غائب ہو جاتی ہے اور ٹہنیوں پر ہری ہری کونپلیں نکل آتی ہیں جن کی لطافت سے آنکھوں میں طراوت آتی ہے جس درخت کی طرف دیکھو زمرد کی ٹہنیاں بن گئیں۔ آٹھ دس دن میں ہرا بھرا درخت لہلہا رہا ہے۔ باغ و گلزار میں بلکہ گھر گھر کی کیاریوں میں گلاب کھل گیا ہے۔ لوگ گھروں میں سکڑے بیٹھے تھے نکل کھڑے ہوئے، بند کام جاری ہو گئے۔ خوشحال لوگ گھوڑوں پر چڑھے۔ دوست آشناؤں کے ساتھ باغوں میں گئے، بہاریں منائیں عورتیں بھی باغوں اور کھیتوں میں گئیں اور دل خوش کرنے لگیں۔

تشریح یہ بہار کے دلکش مناظر ہیں۔ ادھر گلاب کا پھول کھلا جسے پھولوں کا سردار کہا جاتا ہے اور ادھر خوش الحان اور ہزاروں گیت اور نغمے گانے والی بلبل اس کی شاخ پر بیٹھی نظر آتی ہے اور پھول پر قربان ہوئی جاتی ہے۔ بلبل نہ صرف پھول کی ٹہنی پر بلکہ گھر گھر درختوں پر بولتی ہے، چہچہاتی ہے اور نغمے اور گیت گاتی ہے وہ گلاب کے پھول کی خاص شیدائی ہے اس کی ٹہنی کی یہ کیفیت ہے کہ بار بار بولتی ہے اور تھکتی نہیں، حد سے زیادہ مست ہو جاتی ہے۔ گویا اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ مستی کی حالت میں اپنا منہ پھول پر رکھ دیتی ہے اور

آنکھیں بند کر کے نہایت سرور کے عالم میں نغمے اور گیت گاتی ہے۔ بلبل کو اس حالت میں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاعروں نے جو اس قدر گل بلبل، بہار اور لالہ کے سُرخ پھول پر جس قدر نئے نئے مضمون پیش کئے ہیں وہ کچھ حقیقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ مثلاً مرزا غالب کا شعر ہے :-

اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی　　آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج

اکبر الہ آبادی نے اس پر یوں طبع آزمائی کی ہے :-

عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر　　بہار آئی کھلے گل زیب صحن گلستاں ہو کر

پیرا ۲ : باغوں میں میوے پک کر تیار ہو جاتے ہیں۔ بازاروں میں باسلیقہ دکاندار ایسی خوبصورتی سے دکانیں سجاتے ہیں کہ گویا نعمت الٰہی کا نگار خانہ کھلا۔ سیب، ناشپاتی، بہی، انگور رنگا رنگ بوقلموں گھروں میں کوئی گھر خالی نہیں دو دو چار چار قسم کے درخت موجود ہیں۔ آپ میوے توڑتے کھاتے ہیں۔ کھلاتے ہیں۔ باغ والوں کے گھروں میں باغوں سے کٹے میوے آتے ہیں۔ میوہ خانہ میں حجروں میں انگور خربوزے تربوز لٹکاتے ہیں کہ قندیلیں قمقمے نظر آتے ہیں۔

حوالۂ متن یہ عبارت مولانا محمد حسین آزاد کے مضمون "ایران کے موسم" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق مصنف نے بڑی خوبی اور عمدگی کے ساتھ ایران کے موسم گرما کا نقشہ کھینچا ہے۔ کہتے ہیں کہ گرمی کا موسم آیا جو رستے برف سے اٹے پڑے تھے سب کھل گئے۔ قافلے تیار ہو گئے۔ سوداگروں نے سفر کی تیاری کی۔ کاریگروں کے کارخانے جاری ہوئے۔ درختوں پر میوے دانے ہرے دکھائی دینے لگے۔ پہاڑوں پر برفیں پگھلتی ہیں۔ جہاں باقی ہیں، سبز مخمل پر سفید چادریں بچھی ہیں۔ چشمے بہہ نکلے ہیں۔ دریا چڑھاؤ پر ہے اور موجیں مارتا ہے۔ نہریں بہتی ہیں۔ آبشاریں اور پن چکیاں چل رہی ہیں۔ کسان کھیت کاٹ، اناج نکال کر ٹھکانے لگاتے ہیں۔ چند روز دم لیتے ہیں اور زمین کو بھی دم دیتے ہیں۔

تشریح گرمی کا موسم آتا ہے تو طرح طرح کے پھل اور میوے پک کر تیار ہو جاتے ہیں ہر طرف پھلوں کی کثرت اور بھرمار ہوتی ہے۔ بازاروں میں سلیقہ مند اور سمجھدار دکاندار ایسی خوبصورتی سے دکانوں کی سجاوٹ کرتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دکانیں تصویروں کا گھر ہیں۔ عجیب خوبصورت منظر نظر آتا ہے۔ سیب، ناشپاتی، بہی طرح طرح اور قسم قسم کے انگور اور دوسرے پھل بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے اور اسے قدرت خداوندی کا عجیب کرشمہ خیال کرتا ہے۔ گھروں میں کوئی گھر ایسا نہیں ہے جہاں دو دو چار چار قسم کے درخت اور پودے موجود نہ ہوں۔ گویا جنت کے نظارے ہیں۔ لوگ آپ میوے اور پھل توڑتے ہیں۔ خود کھاتے ہیں اوروں کو کھلاتے ہیں۔ باغ والوں کے گھروں میں باغوں سے کٹ کر پھل میوے لائے جاتے ہیں۔ میوہ گھروں کے

چھوٹے چھوٹے کمروں میں انگور، خربوزے، تربوز اس طرح سلیقہ اور خوبصورتی سے لگائے جاتے ہیں کہ یہ دور سے بڑے اور چھوٹے فانوس کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم ایران کو پھلوں اور میوؤں کا گھر کہہ سکتے ہیں، پھلوں اور میوؤں کی اس قدر کثرت اور بہتات ہوتی ہے کہ حیرت گم ہو جاتی ہے۔

پیرا ۱۳: موسم خزاں میں کھیتوں اور باغوں میں اداسی کا عالم ہوتا ہے، غرض باہر کے کام والے شہر میں آئے۔ پوستین، لحاف، توشک، انگیٹھیاں، آتش دان گھر گھر میں موجود ہیں۔ ضروری سامان کے ذخیرے بھرے ہیں، میوہ خانوں میں تر و خشک میوے دھرے ہیں۔ دُنبے کے دُنبے بلمہ کئے ہیں اور نمک...... کرکے لٹکا دیئے ہیں۔ گوشت قاق تیار ہے یخنیاں اور شب دیگیں پکائیں گے۔ پلاؤ دم دیں گے اور گھروں میں بیٹھے کھائیں گے

حوالۂ متن یہ اقتباس مولانا محمد حسین آزاد کے مضمون "ایران کے موسم" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق مصنف نے بڑے عمدہ پیرائے میں ایران کے موسم خزاں کا نقشہ کھینچا ہے۔ کہتے ہیں سورج میزان میں آیا، جاڑے کا پیغام لایا، برف جمنی شروع ہو گئی۔ پہاڑوں پر چشمے بند ہو گئے۔ دریا اترنے لگے۔ نہریں سوکھنے لگیں۔ پانی کے اوپر انگل دو دو انگل برف کی پپڑی ہے اور نیچے پانی بہتا چلا جا رہا ہے۔ پپڑی کو مُکّا مار کر توڑا، پانی بھرے گئے۔ پھر محلوں میں حوض بھر لیتے ہیں اور سب یخ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یخ بندیاں دیکھتے ہی کسان زمین جوت کر بیج بو دیتے ہیں۔ اسی عرصہ میں برف کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ سب کھیتوں اور باغوں کو چھوڑ کر گھروں کا رُخ کرتے ہیں جو بیج بوئے تھے وہ خدا کے سپرد یا برف کے حوالے۔

تشریح خزاں (یعنی بت جھڑ) کے موسم میں کھیتوں اور باغوں میں اداسی اور بے رونقی کی کیفیت ہوتی ہے۔ ہر طرف ویرانی نظر آتی ہے۔ مختصر طور پر یوں سمجھ لیں کہ جو لوگ باہر کام کر رہے تھے وہ شہروں میں واپس آ گئے۔ بالوں والی کھال کے کوٹ لحاف، گدیلے، انگیٹھیاں، آگ کے چولہے گھر گھر میں موجود ہیں تاکہ سردی سے بچاؤ کیا جا سکے۔ گھروں میں تمام ضروری سامانوں کے ذخیرے بھرے پڑے ہیں تاکہ باہر نہ جانا پڑے۔ میوہ گھروں میں تر و تازہ اور خشک میوے رکھے ہوئے ہیں پورے پورے دنبے بھنے ہوئے ہیں اور ان میں نمک لگا کر لٹکا دیئے گئے ہیں۔ خشک اور سوکھا ہوا گوشت تیار ہے۔ اُبلے ہوئے گوشت کا پانی تیار کریں گے اور رات کو دیگیں چڑھائیں گے۔ پلاؤ پکیں گے اور گھروں میں بیٹھ کر مزے سے کھائیں گے۔ اس طرح ایرانی لوگ خزاں کے موسم میں شب و روز گذارتے ہیں۔ یہ لوگ حالات اور ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتے ہیں اور تمام ضروریات فراہم کر لیتے ہیں۔

سوالات

سوال مولانا محمد حسین آزاد نے ایران کے موسموں بہار، گرمی، خزاں اور جاڑے کا الگ الگ کس طرح نقشہ کھینچا ہے؛ اپنے الفاظ میں بیان کیجئے

جواب: دیکھئے خلاصہ مضمون۔

سوال "گرگ آشتی" سے کیا مراد ہے؛ اہلِ ایران نے یہ اصطلاح کیسے وضع کی؟

جواب: گرگ آشتی سے مراد ہے بھیڑیئے کی دوستی۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اہل ایران نے یہ اصطلاح یوں وضع کی ہے کہ ایران میں بھیڑیوں کو جاڑے کے موسم میں سخت مشکل ہوتی ہے۔ وہ گوشت کے سوا اور کچھ کھاتے نہیں اور کسی قسم کا ذخیرہ جمع نہیں رکھتے۔ باہر برف کی کثرت سے کتا تک نظر نہیں آتا۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بند ہو جاتے ہیں۔ بھیڑیئے دس دس بیس بیس جمع ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مگر ہر بھیڑیا اس طرح بیٹھتا ہے کہ اس کی آنکھ سب پر پڑے۔ اگرچہ بھوک، پیاس، تھکن سے چور ہوتے ہیں مگر ایک کو دوسرے پر اعتبار نہیں۔ اس لئے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھے رہتے ہیں۔ آخر نیند تو ظالم ہے۔ کسی کی ذرا آنکھ جھپکی اور جتنے بیٹھے تھے، جھٹ اس پر ٹوٹ پڑے۔ فوراً چیر پھاڑ تکا بوٹی کر کے کھا ہی جاتے۔

سوال مولانا محمد حسین آزاد نے گل و بلبل کی منظر کشی کیسی کی ہے؟

جواب: مولانا محمد حسین آزاد نے ایران کے موسم بہار کا نقشہ کھینچتے ہوئے گل و بلبل کی نہایت دلکش انداز میں منظر کشی کی ہے۔ کہتے ہیں کہ ادھر گلاب کھلا۔ ادھر بلبل ہزار داستاں اس کی شاخ پر بیٹھی نظر آئی بلبل صرف پھول کی ٹہنی پر نہیں۔ بلکہ گھر گھر درختوں پر بولتی ہے، چہچہاتی ہے۔ گلاب کی ٹہنی پر تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ حد سے زیادہ مست ہوتی ہے تو پھول پر منہ رکھ دیتی ہے اور آنکھیں بند کر کے گیت گاتی ہے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ شاعروں نے جو اس کے اور بہار کے اور گل لالہ کے مضمون باندھے ہیں وہ کیا ہیں؛ اور کچھ اصلیت رکھتے ہیں یا نہیں۔ مثلاً مرزا غالب اس کی یوں عکاسی کرتے ہیں۔ ؎

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

اکبر الٰہ آبادی نے یوں اظہار خیال کیا ہے۔ ؎

بہار آئی کھلے گل زیب صحن گلستاں ہو کر عنادل نے مچائی دھوم سرگرم نغاں ہو کر

ایران میں گھروں میں نیم بیکر کے درخت تو ہیں نہیں، سیب، ناشپاتی، بہی، انگور کے درخت ہیں، چاندنی رات میں بلبل کسی ٹہنی پہ آن بیٹھتی ہے اور اس جوش و خروش سے بولنا شروع کرتی ہے کہ رات کا کالا گنبد بڑا گونجتا ہے، وہ بولتی ہے اور زمزمے میں تانیں اڑاتی ہے اور اس زور سے چہچہاتی

ہے گویا اس کا سینہ پھٹ جائے گا۔ اہل درد کے دلوں میں سن کر درد ہوتا ہے اور جی بے چین ہو جاتے ہیں۔

مولانا آزاد بیان کرتے ہیں کہ میں ایک موسمِ بہار میں ایران میں تھا، چاندنی رات میں صحن کے درخت پر بلبل آن بیٹھتی ہے اور چہکارتی تھی تو دل پر ایک کیفیت گذر جاتی تھی جسے بیان نہیں کیا جاسکتا کئی دفعہ نوبت ہوئی کہ میں نے دستک دے دے کر اڑا دیا۔ لیکن وہ پھر وہیں آن بیٹھتی اور پھر سے چہکارنے لگتی۔

اشفاق احمد

ولادت ۱۹۲۵ء

خوابوں کا جزیرہ

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بوئنگ طیارہ	ایک قسم کا امریکی	لینڈ کرنا	زمین پر اترنا	فلک بوس عمارتیں	بہت بلند و بالا
"	مسافر بردار	ہستی	وجود	"	عمارتیں
"	ہوائی جہاز	آنکھ مچولی	بچوں کا ایک کھیل	آتشدان	انگیٹھی
فریج	برقی الماری جس	متصور کرنا	خیال کرنا	باسی	باشندہ
"	میں چیزیں ٹھنڈی	علمبردار	حامل: جھنڈا	بھونڈا سا	بھدا سا
"	رہتی ہیں	"	اٹھانے والا	صلح جو	وہ جو جھگڑے
ایئرپورٹ بلڈنگ	ہوائی اڈے کی	تلف کرنا	ضائع کرنا	"	اور فساد کو پسند
"	بلڈنگ	حتی الوسع	طاقت کے مطابق	"	نہ کرے
پورچ	باہر کو نکلی ہوئی	کوچ	ایک قسم کی چار	شفاف	نہایت صاف
"	ڈیوڑھی	"	پہیوں والی گاڑی	اجلے اجلے	صاف ستھرے
طرح دار	خوبصورت	نک سک	موزوں ناک	بزنس مین	کاروباری آدمی
شیور	شیو کرنے والا آلہ	سے درست	نقشے والی	"	دکاندار
ایئر ٹرمینل	جہاں ہوائی اڈے	بوسیدہ	پرانی	ردعمل	جوابی عمل
"	کی حد ختم ہوتی ہے	اسٹیرنگ	ہینڈل	کرخت	سخت
کٹار	خنجر	ریزگاری	روپے وغیرہ کا	مبادا	ایسا نہ ہو
خوف زدگی	ڈر خوف	"	خوردہ چینج	بکنگ	مخصوص کرنا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
کاؤنٹر	دکان میں سودے	سروس	خدمت	نامی گرامی	مشہور و معروف
〃	کا تختہ	نفیس	عمدہ	نیگرو	حبشی
لفٹ	بڑی عمارت میں	کشادہ	وسیع : کھلا	دبیز رنگ	گہرا رنگ
〃	لوگوں اور سامان	وضع	بناوٹ	ایستادہ	کھڑے
〃	کو اوپر نیچے لے	آلتی پالتی	چار زانو بیٹھنا	نان جویں	جو کی روٹی
〃	جانیوالی مشین	بقعہ نور	نور کا مکان۔ نور	اشیائے خوردنی	کھانے کی چیزیں
ریسٹوران	طعام خانہ	〃	کی چار دیواری سی	آٹومیٹک	خود بخود کھلنے
رعشہ	ایک بیماری کا نام	ریگولیٹر	کنٹرول کرنے والا	دروازہ	والا دروازہ
〃	جس میں ہاتھ پیر	〃	آلہ	کوزہ مصری	نہایت میٹھا کوزہ
〃	تھرتھراتے ہیں	پائنتی	پلنگ کا وہ حصہ	〃	نبات
سیماب	پارہ	〃	جدھر ادوائن ہوتی	جمبو سائز	بڑے سائز کا
اے وینیو	کشادہ سڑک	〃	ہے یا جدھر سوتے وقت	زقند	چھلانگ
محیر العقول	حیرت انگیز	〃	پاؤں پھیلاتے ہیں	کہکشاں	چاند ستارے جو
استطاعت	طاقت	جملہ صلاحیتیں	تمام قابلیتیں	〃	سڑک کی شکل
انکوائری	معلومات کا دفتر	فیلٹ	نمدے کی ٹوپی	〃	میں آسمان پر
دریچے	کھڑکیاں	نسیم سحری	صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی	〃	نمودار ہوتے ہیں
سکتہ	ایک دماغی مریض	〃	ہوا	ستانا	آرام کرنا
〃	جس میں مردہ کی	سال خوردہ	بوڑھا	نیم دراز	آدھا لیٹا ہوا
〃	طرح حس و حرکت	پلے کارڈ	چھوٹے اشتہار	تپ دق	جس بخار میں
〃	نہیں رہتی۔	موذی	دکھ دینے والا	〃	مریض کے پھیپھڑے
〃	مرض بے ہوشی	جزدان	بستہ	〃	خراب ہو جاتے ہیں
خندہ پیشانی	ہنس مکھ ہونا	ڈائم	ایک امریکی سکہ	واہیات	واہی کی جمع۔
سرگوشی	کانا پھوسی کان	خلا شگاف	پتھر میں شگاف	〃	بیہودہ باتیں
〃	میں بات کہنا		ڈالنے والا	〃	خرافات
بو باس	مہک، خوشبو	بار	ہوٹل کی شراب گاہ	کاک ٹیل	ملی جلی شراب
اعزاز	عزت	مرغولہ	گول محراب، گول دائرہ	آرکسٹرا	ایک انگریزی ساز

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اطلسی	ریشمی	کاخ و کو	محلات، کوٹھیاں	امارت	امیری دولتمندی
جست	چھلانگ	ــ	ــ	ــ	ــ

خلاصہ

اصل امریکہ کون سا

گوریا اور میری آپس میں جھگڑ رہی تھیں۔ "اصل امریکہ نیویارک ہے" "اصل امریکہ کیلیفورنیا ہے" "سان فرانسسکو ہے"

نیویارک پر پرواز

بوئنگ طیارہ بڑے بڑے پر پھیلائے نیویارک شہر پر منڈلا رہا تھا۔ کیپٹن نے کہا کہ زمین پر اترنے کا ہمارا ساتواں نمبر ہے چنانچہ جب جہاز زمین پر اترا تو ہمیں اپنی ہستی کا پھر سے یقین ہونے لگا موسیقی بج رہی تھی اور جہاز ہولے ہولے ہوائی اڈے کی عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے شیشوں میں سے نیویارک کی بلند و بالا عمارتیں دیکھیں جو ایک دوسری کے پیچھے آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں۔

اختلاف رائے

مجھے بریڈلاف کی بھیگی ہوئی شام یاد آگئی جب ہم کمرے میں آتشدان کے گرد بیٹھے فریج میں سے خربوزے نکال کر کھا رہے تھے۔ گلوریا نیویارک میں رہتی تھی اور اسے امریکہ کا نمائندہ شہر تصور کرتی تھی۔ میری سان فرانسسکو کی باشندہ تھی اور وہ اسے امریکی تہذیب کا علمبردار سمجھتی تھی۔

نوٹس بورڈ

ہم ہوائی اڈے کی عمارت کے بڑے ہال میں کھڑے سامان کا انتظار کر رہے تھے کہ میری نظر سرخ رنگ کے نوٹس بورڈ پر پڑی۔ لکھا تھا "جاپانی پسوؤں سے ہوشیار رہیئے اور انہیں تلف کرنے میں ہماری مدد کیجیئے۔ میں کمبل کندھے پر رکھے بس پکڑنے نیچے پورچ پر چلا آیا۔

تصوراتی نیویارک

نیویارک کے بارے میں لڑکپن میں بڑے بڑے خواب دیکھے تھے میرا خیال تھا۔ نیویارک کی سڑکیں شفاف اور یہاں کے گھر اُجلے اُجلے ہوں گے، سڑکوں پر بلا کی بھیڑ ہو گی۔ کوئی آدمی پیدل نہیں ہو گا، ہر شخص نے خوبصورت سوٹ پہن رکھا ہو گا اور ہر میم فلم کی ہیروئن نظر آتی ہو گی۔ لیکن میرے خوابوں کی تعبیریں مجھے ڈرا رہی تھیں اور کوچ بھاگتی جا رہی تھی۔ کوچ میں سوائے میرے اور کوئی غیر ملکی نہیں تھا۔ لیکن ہر ملکی میری طرح گردن گھما گھما کر شہر کا نظارہ کر رہا تھا اور روشنیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

مشاغل

ایک بزنس مین گود میں سفری ٹیپ ریکارڈر رکھے چٹھیاں ریکارڈ کر رہا تھا دوسرا شیور سے داڑھی بنا رہا تھا۔ ایک عورت ہینڈ بیگ کے آئینے میں مسلسل اپنی شکل دیکھ رہی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور

ایئر ٹرمینل پر ایک ٹیکسی والے نے مجھ پر رحم کھایا اور پچھلا دروازہ کھول کر مجھے اندر بیٹھنے کی دعوت دی۔ وہ ایک لمبا تڑنگا و دبلا پتلا ادھیڑ عمر آدمی تھا جس نے نہایت بوسیدہ برساتی پہن رکھی تھی جب ہم اس عمارت سے باہر نکلے تو اس نے منزل کے بارے میں پوچھا میں نے کوٹ کی جیب سے میزبان حکومت کا لفافہ نکالا جس میں میرے نیویارک ہوٹل کا نام اور پتہ درج تھا۔ میں نے تین مرتبہ باآواز بلند اسے پڑھا۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس نے ایک ہاتھ ہینڈل سے اٹھایا اور وہ کاغذ مجھ سے لے لیا اور پتہ دیکھنے کے بعد واپس کر دیا۔ اور آرام سے موٹر چلانے لگا

منزل

باہر برفیلی اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ جو ٹیکسی کے کھلے شیشے میں سے ٹکریں مار رہی تھیں۔ میں نے میٹر کی طرف دیکھا جو تیزی سے چل رہا تھا۔ ڈرائیور نے ہاتھ کا اشارہ دے کر بریکیں باندھی اور ٹیکسی ہوٹل کے دروازے پر آن رکی میں نے جلدی سے اپنا سامان نکالا اور چار ڈالر ڈرائیور کے ہاتھ میں تھما کر کہا "شکریہ! باقی کی ریزگاری رہنے دیجئے"

کاؤنٹر کلرک سے تعارف

ہوٹل کا کاؤنٹر کلرک بہت شریف آدمی تھا۔ اس نے مسکرا کر سلام کیا اور خوش آمدید کہا۔ میں نے اپنا نام بتایا اور کہا کہ میری بکنگ یہاں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی معرفت ہے۔ اس نے رجسٹر سے تصدیق کی اور پوچھا کہ آپ پاکستان سے آئے ہیں؟ میں نے کہا "جی" واہ وا کیا کہنے پاکستان کے! بہت بڑا ملک ہے۔ ہمارا دوست ہے ہمارے ہوٹل نے آپ کے ہم وطنوں کی بڑی خدمت کی ہے۔" پھر اس نے مشہور پاکستانی مصور صادقین کا نام لیا کہ وہ ہمارے ہوٹل میں دو مہینے رہا۔ وہ آپ کی طرح بہت نفیس آدمی تھا۔ اس کے بال بہت لمبے تھے۔

اپنائیت کا احساس

یہ سن کر مجھے اس ہوٹل سے اپنائیت کا احساس ہوا۔ میں نے دل میں سوچا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر صادقین ان دنوں یہاں ہوتا۔ پھر اس بڑے شہر میں مجھے گھومنے پھرنے کی آسانی ہو جاتی۔ لیکن وہ لندن جا چکا تھا۔ اب راشد کے سوا اور کوئی سہارا نہ تھا۔

نیگرو ملازم

میں نے اپنا بکس اٹھایا، چابی لی اور نیگرو ملازم کے ساتھ لفٹ میں سوار ہو کر پانچویں منزل پر اپنے کمرے میں پہنچ گیا میں نے حوصلہ کر کے جیب سے پچاس سینٹ کا ایک سکہ نکالا اور ملازم کے حوالے کیا۔ وہ غور سے اسے دیکھنے لگا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں کہ خدا خیر کرے۔ بہر حال پھر کھٹ سے پٹ بھڑا، قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں نے

آنکھیں کھول دیں۔ نیگرو ملازم جا چکا تھا۔

کمرہ ہوٹل یہ آٹھ ڈالر روز کا ایک سستا سا کمرہ تھا۔ خاصہ کشادہ اور ہوادار تھا۔ دیواروں پر بسکٹی روغن پھرا تھا اور کھڑکیوں کے سامنے گہرے رنگ کے پردے لٹک رہے تھے۔ پلنگ کے سرہانے چھوٹی سی تپائی پر پرانی وضع کا ٹیلیفون رکھا تھا اور کونے میں ایک فریج پڑا تھا۔ لکھنے کی میز پر قلمدان میں نیلے اور سُرخ رنگ کے دو قلم تھے لیکن دواتوں میں روشنائی نہ تھی۔ درازوں میں ہوٹل کے چھپے ہوئے کاغذ اور لفافے اور ان کے نیچے سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے بیج بکھرے ہوئے تھے۔

ناشتہ میں نے دانت صاف کیے، منہ دھویا، بوٹ اتارے اور پلنگ پر چار زانو بیٹھ گیا اور وہ تھیلا کھولا جس میں پنیر اور ڈبل روٹی تھی۔ کچھ لقمے لئے اور لوٹنٹی کا ٹھنڈا پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کر کے کافی پینے چلا گیا۔

انیسویں گلی انیسویں گلی روشنیوں سے بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ گاڑیاں ایک دوسرے کے پیچھے چیختی چنگھاڑتی جا رہی تھیں اور پٹڑی پر جوتے پالش کرنیوالے اپنے اڈے جمائے بیٹھے تھے۔ شام کے اخبار دھڑا دھڑ بک رہے تھے اور قہوہ خانوں اور ریسٹورانوں میں بڑی رونق تھی۔ میں نے سیاہ کافی کی ایک پیالی لی اور اس میں آٹھ چمچ چینی ڈال کر وہ شیرہ پی گیا اس سے تھکن بھی کم ہوئی اور رات کے کھانے کا بھرم بھی رہ گیا۔

زلزلہ آدھی رات کے وقت میرے خوابوں کے جزیرے میں گڑگڑاہٹ سی ہوئی اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ مجھے یوں لگا جیسے زلزلہ آگیا ہو اور فلک بوس عمارتیں بے بس ہو کر دوسرے سے سر ٹکرا رہا ہو۔ میں خوف سے کانپنے لگا اور اس کے ساتھ ہی میرا پلنگ لرزنے لگا۔

فریج کی خرابی پھر اچانک دھڑ دھڑ اور گھرر گھرر کی آواز آئی۔ کمرے میں رکھا ہوا پرانا فریج چل رہا تھا اور اس کی آواز سے کمرہ گونج رہا تھا۔ میں نے بستر سے نکل کر فریج بند کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا سوئچ کہیں نظر نہ آیا۔ فریج اس قدر بھاری تھی کہ اکیلا اس کو ہلا نہ سکتا تھا۔ اس کارخانے کا گیئر خراب تھا۔ میں نے اس کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا چھوٹے سے بلب کی پیلی پیلی روشنی سارے کمرے میں پھیل گئی۔ فریج خالی تھی اور اس کے خانوں میں کوزہ مصری کی سی برف جمی ہوئی تھی۔ میں فریج کے دروازے کو یوں ہی کھلا چھوڑ کر بستر پر پڑ کر سو رہا۔

ہوٹل میں چوہا کوئی گھنٹہ بعد مجھے یوں لگا جیسے میرے پلنگ کی پائنتی کوئی حرکت ہو۔ فریج کی طرف دیکھا تو اس کی بہت سی برف پگھل چکی تھی۔ پھر مجھے ایک بڑا سا چوہا نظر آیا جو قالین پر پڑے ہوئے میرے چمڑے کے تھیلے سے شغل

کر رہا تھا۔ نان بوبیں اور سوکھے پنیر کا لفافہ بند تھا۔ چوہے نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور پھر چھلانگ لگا کر لکھنے والی میز کے نیچے بھاگ گیا۔ اس وقت مجھے سمجھ آئی کہ ہوٹل کے چھپے ہوئے پیڈ اور لفافوں کے نیچے کالے بیج بیج سے کیا تھے؟

احساس برتری

اگلے دن صبح سویرے میرے قدم کشادہ سڑک کی پٹڑی پر یوں پڑ رہے تھے جیسے میں کہکشاں پر چلا جا رہا ہوں اور میرے ہم وطن نیچے کھڑے مجھے حسرت کی نظروں سے دیکھ رہے ہوں۔ اپنی برتری کا احساس مجھے اوپر ہی اوپر لئے جا رہا تھا۔ اور ان لوگوں پر مسلسل ترس آرہا تھا جنہوں نے امریکہ نہیں دیکھا تھا یا صرف دیکھا تو تھا فلموں کی حد تک۔ اب میں یو۔ این۔ او کی عمارت کی طرف چلا جا رہا تھا۔

یو۔ این۔ او کی عمارت

یو۔ این۔ او کی عمارت دیکھ کر خوشی سے میری چیخ نکل گئی۔ اس وقت مجھے اپنی برتری کا اور بھی احساس ہوا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو صرف ٹکٹوں، کیلنڈروں اور دیگر اشتہارات پر اس عمارت کو دیکھ سکتے ہیں۔

راشد سے ملاقات

میں نے انکوائری سے ن م راشد کا پتہ پوچھا اور لفٹ پکڑ کر اکیسویں منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ راشد صاحب اپنے کمرے میں کاغذات پر جھکے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر اٹھے اور فارسی کا ایک شعر پڑھا۔ میں بولا، فارسی کم سمجھتا ہوں، کہا، پھر تمہاری آدھی عمر ضائع ہو گئی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ابھی میری آدھی عمر باقی ہے۔ پھر پوچھا، کہو، نیویارک پسند آیا۔ میں نے کہا، جی بہت۔ کہنے لگے کچھ آنکھیں کھلیں۔ میں نے کہا، جی بہت۔ پھر انہوں نے لاہور کا حال پوچھا۔

نادر موٹر لانچ

اگرچہ راشد صاحب کے کمرے کے دریچے اچھی طرح بند تھے۔ پھر بھی نسیم سحری کی خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی میں شیشوں سے باہر مٹیالی عمارتوں اور کالا سیاہ دھواں چھوڑتے دخانی جہازوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر راشد نے کہا "وہ دیکھو ایک موٹر لانچ بجلی کی سی تیزی سے نیلے پانیوں پر پھیلتی جا رہی ہے۔ یہ نئی ایجاد ہے۔ کشتی پانی پر نہیں پانی کی سطح سے دو فٹ اونچا چلتی ہے۔" میں حیران رہ گیا۔

مزیدار دھوپ

پھر ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور جب ان کی ڈاک کا پلندہ آگیا تو میں اگلے دن پھر آنے کا وعدہ کر کے نیچے اتر آیا۔ باہر بڑی مزیدار دھوپ پھیلی تھی یو۔ این۔ او کی عمارت کے ساتھ کچھ لوگ لکڑی کے بنچوں پر بیٹھے تھے۔ میں بھی ان میں شامل ہو گیا۔

یاد وطن

دوسرے کونے پر ایک بوڑھا نیگرو آنکھوں پر فیلٹ گرائے نیم دراز تھا۔ میں

نے تھیلے میں سے اپنی بیوی کا خط نکالا اور بچوں کی رنگین تصویریں دیکھنے لگا جو انہوں نے میری غیر حاضری میں شالا مار جا کر خاص میرے لئے اتروائی تھیں ۔

نیگرو کا بلغم

بنچ کے دوسرے کونے پر بیٹھے ہوئے نیگرو بوڑھے کو کھانسی کا دورہ پڑا اور اس نے پٹاخ سے اپنے سامنے تھوک دیا ۔ اس کے بلغم سے گھن کھا کر میں نے تصویروں کا لفافہ بند کر دیا اور تھیلے میں ڈال کر سامنے کھڑی بس میں سوار ہو گیا ۔

اشتہار و پلے کارڈ

بس کے اندر بہت سے خوبصورت اشتہار تھے اور محکمہ تعلقات عامہ کا پلے کارڈ بھی ۔ " اچھی صحت مند اور ستھری غذا کھائیے ۔ " " خود کو تپ دق سے محفوظ رکھیئے ، اس کے خلاف جہاد کیجئے ۔ " ایک خوبصورت بچے کی تصویر تھی جو اسکول جا رہا تھا ۔ نیچے لکھا تھا ۔ " اسے دودھ اور تازہ پھلوں کی ضرورت ہے ۔ " وغیرہ

احساس تنہائی

جب یہ بس مجھے میری منزل سے آگے جاتی ہوئی نظر آئی تو میں اگلے سٹاپ پر اتر گیا ۔ اس بھرے پرے شہر میں میں تنہائی سے گھبرا رہا تھا ۔ اور راستہ بھولنے کی وجہ سے میں احمق بنا ہوا تھا ۔

امریکی فقیر

اچانک دور سے ایک مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا ۔ اس نے ٹوپی اٹھا کر سلام کیا اور بڑی خندہ پیشانی سے میرے قریب آ کر کہا ۔ " ایک ڈائم جناب عالی ۔ " میں نے کہا ۔ " تم کوئی کام کیوں نہیں کرتے ۔ " وہ بولا " کام کرنا مجھے پسند نہیں ۔ " فضول ، واہیات ۔ " لائیے ایک عدد ڈائم عنایت فرمائیے ۔ " میں نے کہا ۔ " تمہاری بیوی بھی کام نہیں کرتی ۔ " اس نے کہا ۔ " وہ گندے کام کرتی ہے ۔ لائیے ایک ڈائم ۔ " اس کے بعد پھر کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی ۔ اگر میں ایسا کرتا تو وہ تیز دھار چاقو میرے پیٹ میں اتار دیتا ۔ یوں نیویارک کا فقیر پاکستانی فقیر سے ایک ڈائم لے کر چلا گیا ۔

خط بنام ریاض

رات کے گیارہ بجے میں نے اپنا تھیلا کھولا اور ریاض کو خط لکھنے لگا ۔ نیویارک کی ایک اپنی فضا اور بو باس ہے جو دنیا کے کسی اور شہر میں نہیں ملتی ۔ اس وقت میں ہلٹن کی بار میں کٹ گلاس جام تھامے تمہیں یاد کر رہا ہوں ۔ ہال کی مدہم روشنیوں میں دھوئیں کے مرغولے بل کھا رہے ہیں ۔ نیویارک کے باہر کی بو باس یہاں اندر بھی ہے سامنے آرکسٹرا بج رہا ہے جب کبھی دروازے پر ریشمی پردہ کھلتا ہے تو باہر کی بلند و بالا عمارات نظر آتی ہیں ۔ نیویارک اونچی عمارتوں اور اونچی اماراتوں کا شہر ہے اور یوں لگتا ہے کہ اس خوابوں کے جزیرے میں ہر شخص کے ہاتھ میں الہ دین کا چراغ ہے جو چاہتا ہے مل جاتا ہے ۔ "

پھر چوہے کا سامنا

میں ابھی یہ خط اتنا ہی لکھ پایا کہ کل رات والا چوہا میز کے نیچے سے بے باکانہ نکل کر میرے پلنگ کے پاس گھومنے لگا ۔ میں

نے بوگرن گیا کر دیکھا تو وہ ہڑبڑا کر بھاگا اور ایک ہی جست میں پھر میز کے نیچے جا چھپا۔ میں نے اپنا تھیلا اچھی طرح بند کر کے اسے کھونٹی پر لٹکا دیا۔ مجھے معلوم ہے وہ نان ہوبیں اور سوکھے پنیر کی تلاش میں آیا تھا۔

مرکزی خیال

مصنف امریکہ کے شہر نیویارک کو خوابوں کا جزیرہ قرار دیتا ہے۔ اس نے پہلے امریکہ تصورات میں دیکھا تھا۔ اب سچ مچ اس کی سیر کر رہا تھا۔ اگرچہ اس نے کئی حیرت انگیز چیزیں بھی دیکھیں لیکن اصل امریکہ تصوراتی امریکہ سے مختلف تھا۔ اس کے خیال میں امریکہ اونچی عمارتوں اور اونچی امارتوں کا شہر ہے۔ وہاں احساس تنہائی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ وہاں کوئی آشنا ہو تو پھر سیر کا لطف ہے۔ ریسٹورنٹ، قہوہ خانے، بار اور کلب یہاں کی اصل رونق ہیں۔ لوگ ساز اور گانوں سے دل بہلاتے ہیں۔ یہاں کے کچھ منفی پہلو بھی ہیں۔ یعنی یہاں بھی ماڈرن امریکی فقیر نظر آتے ہیں اور ہوٹلوں میں بڑے بڑے چوہے دندناتے پھرتے ہیں اور کچھ لوگ صفائی کا خیال بھی نہیں رکھتے۔ یوں میلے کچیلے لباس میں نظر آتے ہیں۔ الغرض یہاں بھی کئی رنگوں کا امتزاج ہے۔

پیروں کی تشریح

پیرا ۱: جس وقت ہمارے بوئنگ کے پاؤں زمین پر پڑے تو اپنی ہستی کا پھر سے یقین ہونے لگا۔ موسیقی بج رہی تھی اور جہاز ہوے ہوے ٹیکسی کرتا ہوا۔ ہوائی اڈے کی عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا میں نے شیشوں میں سے دیکھا۔ نیویارک کی فلک بوس عمارتیں ایک دوسرے کے پیچھے آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں۔ میرے کانوں میں پھر گلوریاں اور میری کے فقرے گونجنے لگے اور مجھے بریڈ لائف کی وہ بھیگی ہوئی شام یاد آگئی جب ہم بیسٹی کے کمرے میں آتشدان میں لکڑیاں رکھے ہوئے ادب اور تھیٹر پر زور دار بحث کر رہے تھے۔

حوالہ متن یہ اقتباس اشفاق احمد کے مضمون "خوابوں کا جزیرہ" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق مصنف نے امریکہ کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا کچھ لوگوں کے نزدیک اصل امریکہ نیویارک ہے اور کچھ کے نزدیک کیلیفورنیا اصل امریکہ ہے اور بعض سان فرانسسکو کو اصل امریکہ تصور کرتے ہیں۔ مصنف پہلے صرف تصورات کی دنیا میں تھا۔ اب اسے سچ مچ امریکہ دیکھنے اور اس کی سیر کرنے کا موقع ملا۔ وہ ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ گلوریاں اور میری امریکہ کے نمائندہ شہر کے بارے میں بحث کر رہی تھیں۔ بوئنگ طیارہ بڑے بڑے پر پھیلائے زوں زوں کی آواز نکالتا نیویارک شہر پر منڈلا رہا تھا۔ کیپٹن نے کہا: "خواتین و حضرات! زمین پر اترنے کا اس

وقت ہمارا ساتواں نمبر ہے۔ ساتوں جہاز کافی دیر تک فضا میں تیرتے رہے۔ پھر ایک ایک کر کے اُترنے لگے۔

تشریح مصنف کہتا ہے کہ جس وقت ہمارے بوئنگ ہوائی جہاز کے پاؤں زمین پر پڑے یعنی وہ زمین پر اترا تو ہمیں اس بات کا یقین آگیا گویا ہمیں نئی زندگی مل گئی ہے۔ کیونکہ جب ہوائی جہاز محض خلا میں اڑتا ہے تو بڑا خطرہ محسوس ہوتا ہے اور انسان حالات کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ گانے بجانے کی آوازیں آرہی ہیں اور ہوائی جہاز آہستہ آہستہ زمین پر اتر کر ہوائی اڈے کیطرف کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے جہاز کے شیشوں میں جھانک کر دیکھا کہ نیویارک کی بے حد اونچی اور بلند عمارتیں ایک دوسرے کے پیچھے اس طرح بھاگ رہی تھیں جیسے بچے آنکھ مچولی کا کھیل کھیل رہے ہوں میرے کانوں میں دوبارہ گلوریاں اور میری کے بحث کے فقرے گونج رہے تھے کہ امریکہ کا اصل نمائندہ شہر کون سا ہے؟ اور مجھے بریڈلاف کی وہ سرد برسات والی شام یاد آگئی جب ہم بیٹی کے کمرے میں انگیٹھی میں لکڑیاں جلا کر اس کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور شعر و ادب اور تماشہ گاہ یا ناٹک پر بڑی زوردار بحث کر رہے تھے اور اس طرح فرصت کی گھڑیاں گزار رہے تھے۔

پیرا ۲، آدھی رات کے وقت میرے خوابوں کے جزیرے میں گڑگڑاہٹ سی ہوئی اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ مجھے یوں لگا جیسے مین ہٹن میں زلزلہ آگیا ہو اور فلک بوس عمارتوں نے بے بس ہو کر ایک دوسرے سے سر ٹکرایا ہو۔ میں خوف سے کانپنے لگا اور اس کے ساتھ ہی میرا پلنگ لرزنے لگا۔ آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور جب تک آنکھیں نہیں کھلتی تھیں اس وقت تک پلنگ کا رعشہ کم ہونے کی اُمید نہیں تھی۔

حوالہ متن یہ عبارت اشفاق احمد کے مضمون "خوابوں کا جزیرہ" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق مصنف امریکہ کے شہر نیویارک کی سیر کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کر رہا ہے کہتے ہیں کہ میں وہاں ایک ہوٹل میں ٹھہرا اور وہاں سے میں شہر کی سیر کو نکل کھڑا ہوا۔ انیسویں گلی روشنیوں سے بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ گاڑیاں ایک دوسرے کے پیچھے چنگھاڑتی جا رہی تھیں اور پٹڑی پر جوتے پالش کرنے والے اپنے اڈے جمائے بیٹھے تھے۔ شام کے اخبار دھڑا دھڑ بک رہے تھے اور قہوہ خانوں اور ریسٹورانوں کے اندر کھانا کھانے والی اشیائے خوردنی کے ٹرے اٹھائے خالی میز کی تلاش میں چکر لگا رہے تھے۔ ہوٹل کے پہلو میں ایک آٹومیٹک دروازہ تھا۔ میں اندر گیا اور سیاہ کافی کی ایک پیالی لی اور اس میں آٹھ چمچ چینی کے ڈال کر وہ شیرہ پی گیا۔ اس سے تھکن بھی کم ہوئی اور رات کے کھانے کا بھرم بھی رہ گیا۔

تشریح مصنف کہتا ہے کہ میں ہوٹل کے کمرے میں سو رہا تھا کہ آدھی رات کو میرے خوابوں کے جزیرے اور حسین تصور یعنی نیویارک میں بہت زوردار شور ہوا

اور میں اچانک گھبرا کر اور پریشانی کی حالت میں اُٹھ بیٹھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ ہلٹن میں بھونچال آگیا ہو اور بے حد اونچی اونچی آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عمارتیں مجبوری کی حالت میں ایک دوسری سے سر ٹکرا رہی ہوں۔ میں ڈر کے مارے کانپنے اور لرزنے لگا۔ میں اس بات پر سخت حیران و پریشان تھا کہ یکایک کیا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی میری چارپائی بھی زور زور سے کانپنے لگی میں اس قدر خوفزدہ تھا کہ آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ عجیب ایک خوف و ہراس کا عالم تھا۔ زمین و آسمان گھومتے چکراتے محسوس ہوتے تھے اور جب تک آنکھیں نہیں کھلتی تھیں۔ اس وقت تک چارپائی کا کانپنا کم ہونے کی اُمید نہیں تھی۔ مختصر یہ کہ میرے لئے یہ انتہائی پریشان کن صورت حال تھی۔

پیرا ۱۳۔ ہال کی مدھم روشنیوں میں دھوئیں کے مرغولے بل کھا رہے تھے۔ نیویارک کے باہر کی بو باس یہاں اندر بھی ہے سامنے سے پیلی پیلی رشنیوں کے گول گول ہالوں میں ساٹھ پیس کا آرکسٹرا بج رہا ہے جب کبھی دروازے پر اطلسی پردہ کھلتا ہے تو باہر کے بلند و بالا کاخ و کو نظر آجاتے ہیں نیویارک اونچی عمارتوں اور اونچی امارتوں کا شہر ہے یوں لگتا ہے کہ ان خوابوں کے جزیرے میں ہر شخص کے ہاتھ میں الہ دین کا چراغ ہے جو چاہتا ہے۔ مانگتا ہے۔ مل جاتا ہے۔

حوالہ متن

یہ اقتباس اشفاق احمد کے مضمون "خوابوں کا جزیرہ" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق

مصنف امریکہ کے شہر نیویارک کی سیر کے تاثرات بیان کر رہا ہے۔ اس شہر کے بارے میں جو خواب دیکھا تھا، کچھ چیزیں اس کے مطابق ہیں اور کچھ خلاف توقع، مثلاً وہ لکھتا ہے کہ میں نیویارک کی ایک سڑک پر چلا جا رہا تھا کہ راستہ بھول گیا۔ میں عجیب احمق سا لگ رہا تھا۔ اتنے میں میرے سامنے ایک امریکی فقیر آیا جو بڑے بارعب اور زور دار آواز میں ایک ڈائم کا سوال کر رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ اگر میں اس کا سوال رد کر دوں گا تو وہ میرے پیٹ میں چاقو گھونپ دے گا چنانچہ نیویارک کا فقیر پاکستانی فقیر سے ایک ڈائم لے کر چلا گیا۔ اب پھر مصنف ہوٹل کے کمرے میں واپس آگیا۔ اس نے رات کے گیارہ بجے اپنا تھیلا کھولا نیلے رنگ کا پیڈ نکالا اور ہوٹل کی لکھنے والی میز پر ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس رکھ کے ریاض کو خط لکھنے لگا۔

تشریح

مصنف نے اپنے دوست ریاض کو خط لکھا کہ نیویارک کی ایک اپنی فضا ایک اپنی بو باس اور خوشبو ہے۔ ایک اپنی کیفیت ہے جو دنیا کے کسی اور شہر میں نہیں ملتی۔ اس وقت میں ہلٹن کی بار میں کٹ گلاس کا جام تھامے تمہیں یاد کر رہا ہوں یہ پارٹی میرے اعزاز میں ٹائم اینڈ لف کے ایک ڈائریکٹر نے دی ہے۔ ہال کی دھیمی دھیمی روشنیوں میں دھوئیں کے گولے اور دائرے بل کھا رہے ہیں۔ نیویارک کے باہر کی کیفیت اور بو باس یہاں اندر ملتی ہے۔ سامنے پیلی پیلی روشنی کے گول گول ہالوں میں ساٹھ پیس کا ایک انگریزی باجا اور ساز بج رہا ہے۔ جب کبھی دروازے پر ریشمی پردہ

کھلتا ہے تو باہر کی اونچی اونچی شاندار عمارتیں نظر آجاتی ہیں گو یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ نیویارک اونچی عمارتوں اور اونچی امارتوں (یعنی دولت مندیوں) کا شہر ہے۔ عمارتوں اور امارتوں اگرچہ ہم آواز الفاظ ہیں، لیکن معنی مختلف ہیں۔ عمارتوں سے مراد بلڈنگیں ہیں اور امارتوں سے دولت مندیاں مراد ہے۔ یعنی یہ امیر لوگوں کا شہر ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ خوابوں کے اس حسین جزیرے میں ہر شخص کے ہاتھ میں الٰہ دین کا چراغ ہے گویا جن والا چراغ ہے۔ وہ جو شخص کرتا ہے یا سوال کرتا ہے وہ اسے مل جاتا ہے گویا وہاں ہر طرح کی سہولتیں اور آسائشیں موجود ہیں اور کسی قسم کی کوئی دقت یا مشکل نہیں ہے۔

سوالات

سوال: مصنف نے تصوراتی نیویارک کا کیا نقشہ کھینچا ہے؟

جواب: مصنف نے تصوراتی نیویارک کا عجیب وغریب نقشہ کھینچا ہے۔ کہتے ہیں کہ نیویارک کے بارے میں لڑکپن میں بڑے بڑے خواب دیکھے تھے اور یہ خواب اپنی اصل تعبیر۔ بس لے کر کوچ کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے۔ میرا خیال تھا۔ نیویارک کی سڑکیں شفاف اور یہاں کے گھر اُجلے اُجلے ہوں گے۔ گندگی کا نام ونشان نہیں ہوگا اور ہر چیز چمک رہی ہوگی۔ سڑکوں پر بلا کی بھیڑ ہوگی۔ کوئی آدمی پیدل چلتا نظر نہیں آئے گا۔ ہر شخص نے بڑا خوبصورت سوٹ پہن رکھا ہوگا اور ہر میم ٹک ٹک سے درست فلم کی ہیروئن نظر آتی ہوگی۔ خاص کر میں نے نیویارک کے بارے میں بڑے بڑے سہانے خواب دیکھے تھے۔

سوال: مصنف نے امریکی ہوٹل کے کمرے کا کیا نقشہ کھینچا ہے؟

جواب: مصنف لکھتا ہے کہ نیویارک کے ہوٹل کے جس کمرے میں میں ٹھہرا تھا۔ یہ آٹھ ڈالر روز کا ایک سستا سا کمرہ تھا۔ خاصا کشادہ اور ہوادار ایک کھڑکی کمرے میں تھی۔ دوسری غسل خانہ میں۔ دیواروں پر بسکٹی رنگ یا روغن پھرا تھا۔ اور کھڑکیوں کے سامنے گہرے رنگ کے دبیز پردے لٹک رہے تھے پلنگ کے سرہانے چھوٹی سی تپائی پر پرانی وضع کا ٹیلیفون رکھا تھا۔ اور کونے میں ایک فریج پڑا تھا جس کے بارے میں بعد میں پتہ چلا کہ یہ خراب ہے اور گھرر گھرر کی آواز دیتا ہے۔ لکھنے کی میز پر قلمدان میں نیلے اور سُرخ رنگ کے دو قلم رکھے۔ لیکن دواتوں میں روشنائی نہ تھی۔ دراز وں میں ہوٹل کے چھپے ہوئے کاغذ اور لفافے اور ان کے نیچے سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے سے بیج بکھرے ہوئے تھے جن کے متعلق بعد میں معلوم ہوا کہ یہ چوہے کی مینگنیں تھیں۔

سوال: مصنف نے نیویارک میں کون کون سی چیزیں۔ بس خلاف توقع دیکھیں

جواب: مصنف نے نیویارک میں کچھ چیزیں۔ بس خلاف توقع بھی دیکھیں۔ مثلاً اس نے دیکھا کہ یہاں بھی لوگ

میلے کچیلے کپڑوں میں نظر آتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو حفظانِ صحت اور صفائی کا کوئی خیال نہیں رکھتے مثلاً ایک بوڑھے نیگرو نے یو۔ این۔ او کی عمارت کے سامنے بنچ پر بیٹھے ہوئے کھانستے ہوئے بلغم پھینک دیا جس سے مصنف کو بہت گھن آئی۔ پھر مصنف کو ایک امریکی چور سے واسطہ پڑا جو ہٹا کٹا لیکن کام چور تھا۔ وہ مصنف سے ایک ڈائم (ایک امریکی سکہ) کا سوال کر رہا تھا۔ اور اس کا انداز ایسا تھا کہ مصنف کو اس کا سوال رد کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ مصنف نے امریکی ہوٹل میں کئی خرابیاں دیکھیں۔ جس کمرے میں وہ ٹھہرا ہوا تھا وہاں ضرورت و آسائش کی چیزیں مہیا نہ تھیں۔ فریج خراب تھا اور بڑی طرح شور پیدا کر رہا تھا۔ قلمدان کی دواتوں میں روشنائی غائب تھی اور پھر سب سے بڑی خرابی یہ دیکھی کہ چوہے کمرے میں دندنا رہے تھے اور کمرے میں کاغذ کی کترن پڑی ہوئی تھی۔ غرض اس قسم کی خلاف توقع چیزیں دیکھ کر مصنف کو بڑی مایوسی ہوئی۔

سوال: مصنف نے ریاض کے نام خط میں نیویارک کا کیا نقشہ کھینچا ہے؟

جواب: مصنف نے ریاض کو خط لکھا کہ نیویارک کی ایک اپنی فضاء ایک اپنی بوباس ہے جو دنیا کے کسی اور شہر میں نہیں ملتی۔ اس وقت میں ہلٹن کی بار میں کٹ گلاس کا جام تھامے تمہیں یاد کر رہا ہوں۔ یہ کاک ٹیل پارٹی میرے اعزاز میں ٹائم اینڈ لف کے ایک ڈائریکٹر نے دی ہے۔ ہال کی مدھم روشنیوں میں دھوئیں کے مرغولے بل کھا رہے ہیں نیویارک کے باہر کی بوباس یہاں اندر بھی ہے۔ سامنے پیلی پیلی روشنی کے گول گول ہالوں میں آرکسٹرا بج رہا ہے۔ جب کبھی دروازے پر اطلسی پردہ کھلتا ہے تو باہر کے بلند و بالا کاخ و کو نظر آجاتے ہیں۔ نیویارک اونچی عمارتوں اور اونچی امارتوں کا شہر ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اس خوابوں کے جزیرے میں ہر شخص کے ہاتھ میں الہ دین کا چراغ ہے جو چاہتا ہے، مانگتا ہے، مل جاتا ہے۔

احمد شاہ بخاری پطرس
۱۸۸۹ء ــ تا ــ ۱۹۵۸ء

پطرس بخاری طنز و مزاح میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اگرچہ کم لکھا ہے، لیکن لاجواب لکھا ہے۔ ان کا مزاح ایک ذہنی کیفیت ہے۔ ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات واقعہ نگاری، تحریف نگاری، مغربی مزاح کا اثر، کردار نگاری، فن برائے فن، خالص مزاح، ایجاز و اختصار اور زبان و بیان کی سادگی ہیں۔

لاہور کا جغرافیہ

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
دلائل و براہین	دلیل و برہان کی جمع	کرہ	مراد گلوب نقشہ	طول البلد	زمین پر شمالاً جنوباً کھینچے
〃	دلیلیں واضح ثبوت۔	محل وقوع	واقع ہونے کی جگہ	〃	ہوئے خط

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
عرض البلد	زمین پر شرقاً غرباً	مقام انقطاع	وہ مقام یا جگہ جہاں	فاترالعقل	جس کی عقل میں
〃	کھینچے ہوئے خط	〃	خطوط ایک دوسرے		فتور ہو
فاتر	سست	〃	کو کاٹتے ہیں	پنج آب	پانچ پانی یعنی دریا
اصطلاح	کسی لفظ کو اصل	راوی ضعیف	بڈھا راوی دریا	حدود اربعہ	چاروں سمتیں
〃	معنی کی بجائے کسی	مونسپلٹی	(مونسپل کمیٹی) جو شہر	〃	شمال، جنوب
〃	خاص معنی میں	〃	کے متعلق صفائی، پانی	〃	مشرق، مغرب
〃	استعمال کرنا	〃	روشنی وغیرہ کا انتظام	مواد فاسد	گندہ مادہ
ورم	سوجن	〃	کرتی ہے)	عارضہ	بیماری
بحث وتمحیص	بحث مباحثہ	ہوم رول	گھر کی حکومت	آثار	اثر کی جمع
غور وخوض	فکر کی جمع	〃	خود اختیاری حکومت	〃	نشانیاں
مستحق	حقدار	قلت	کمی	مفاد عامہ	عام فائدہ۔ عام
بیجا	غلط	مرکبات	مرکب کی جمع	〃	لوگوں کا فائدہ
اسکیم	منصوبہ	〃	مختلف چیزوں کو ترتیب دینا	بہم رسانی آب	پانی مہیا کرنا
نظام سقہ	نظام ماشکی جس	مسودات	مسودہ کی جمع۔ وہ	تلف ہونا	ضائع ہونا
〃	نے دریا میں ڈوبتے	〃	عبارت جو سرسری لکھی	تدقیق	غور وفکر سے کسی
〃	ہوئے بادشاہ ہمایوں	〃	جائے اور جس کے صاف	〃	چیز کو دیکھنا
〃	کی جان بچائی تھی	〃	کرنیکی ضرورت پڑے	دقت	مشکل
رائے دہندگی	رائے دینے والا	نل	نلکہ	ہائیڈروجن و آکسیجن	گیسیں جن کے
تاخیر	دیر	دل شکنی	دل توڑنا	〃	ملنے سے پانی بنتا ہے
سیاح	سیر و سفر کرنیوالا	کماحقہ	جیسا کہ اس کا حق ہے	اثر پذیر ہونا	اثر ہونا
آثار قدیمہ	پرانے زمانے کی	ردوبدل	تبدیلی	گوارا کرنا	برداشت کرنا
〃	نشانیاں یا عمارتیں	خندق	کھائی، گڑھا	عظمت رفتہ	گزری ہوئی عظمت
عبرت	سبق	موم جامہ	موٹی کپڑا	〃	یا بڑائی
بناسپتی گھوڑے	مراد نقلی گھوڑے	ساخت	بناوٹ	سنجیدہ	بزرگ، مہذب
اعتدال	میانہ روی	مسام	جسم کا سوراخ جس	قابل دید	دیکھنے کے قابل
مژدہ	خوشخبری	〃	سے پسینہ نکلتا ہے	دبازت	موٹائی، گہرائی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
سخن فہم	کلام یا بات کو	گریجویٹ	بی۔ اے	نادر	نایاب
"	سمجھنے والے	کمیاب	عجیب و غریب	خلق خدا	مخلوق خدا
غائبانہ	غیر حاضری میں	رفتہ رفتہ	آہستہ آہستہ	ڈائریکٹری	کتاب جس میں پتے و
خانگی حالات	خاندانی یا گھر کے	بالوضاحت	وضاحت یا تفصیل	"	فون نمبر وغیرہ
"	حالات	"	کے ساتھ	"	درج ہوں
عقبی دیوار	پچھلی دیوار	سرکس	ورزشوں اور زور	اصطبل	گھوڑے باندھنے
سرعت	تیزی	"	آزمائیوں کے کرتبوں	"	کی جگہ
انقلاب عظیم	بڑا انقلاب ،	"	کا تماشا	محاسن	خوبیاں
"	تبدیلی	چشم زدن	پلک جھپکنے میں	ساکن	ٹھہری ہوئی
صنعت	کاریگر، ہنر،	کسب	پیشہ	رسالہ سازی	رسالے بنانا
"	حرفت	انجمن سازی	انجمن یا تنظیم بنانا	تنقید	پرکھنا، جانچنا
پریذیڈنٹ	صدر	اغراض ومقاصد	غرض و مقصد کی جمع	بسا اوقات	بعض اوقات
کانفرنس	صلاح مشورے	افتتاح	آغاز کرنا، کھولنا	ڈنر	رات کا کھانا یا
"	کی مجلس	مطمع نظر	نقطۂ نظر	"	بڑا کھانا
سامعین	سامع کی جمع	دساور	پردیس	اواخر	آخر کی جمع
"	سننے والے	جمالی	جلوہ دکھانیوالے	بعدازاں	بعد میں
ریستوران	طعام گاہ	جلالی	رعب داب دکھانے	شجرہ	نسب نامہ
درباری	ساتھی	"	والے	سلسلہ نسب	"
خم	شراب کا مٹکا	فروکش ہونا	قیام پذیر ہونا، رہائش	آواگون	تناسخ: مرکر پھر
آفرینش	پیدائش	"	اختیار کرنا	"	جنم لینا
ارتقائے انسانی	انسان کا درجہ	علی الصباح	صبح سویرے	ڈنٹر	ایک قسم کی
"	بدرجہ ترقی کرنا	آلائش	گندگی	"	ورزش، ڈنڈ
خرخشہ	لڑائی جھگڑا	خلل انداز ہونا	گڑبڑ کرنا	معصومیت	پاکیزگی
ملوث ہونا	آلودہ: لپھڑا ہوا	محدب شیشہ	جس سے حروف یا	انّا	دایہ: دودھ
—	—	"	چیزیں بڑی نظر آئیں	"	پلانے والی عورت

خلاصہ

تمہید لاہور کو دریافت ہوئے بہت عرصہ گذر چکا ہے۔ گلوب پر اس کا محل وقوع معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، مختصر طور پر یوں سمجھ لیں کہ لاہور لاہور ہی ہے۔ اگر اس پتہ سے آپ کو لاہور نہیں مل سکتا تو آپ کی تعلیم ناقص اور عقل میں فتور ہے۔

محل وقوع لاہور پنجاب میں واقع ہے، لیکن پنجاب میں اب پانچ کی بجائے ساڑھے چار دریا بہتے ہیں جو نصف دریا ہے وہ اب بہنے کے قابل نہیں رہا۔ اس کو بڈھا راوی کہتے ہیں۔ یہ دریا دو پلوں کے نیچے ریت میں لیٹا رہتا ہے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ شہر دریا کے دائیں کنارے پر واقع ہے یا بائیں کنارے پر۔

حدود اربعہ کسی زمانے میں لاہور کا حدود اربعہ بھی تھا، لیکن اب اسے طلبہ کی سہولت کے لئے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اب لاہور کے چاروں طرف بھی لاہور ہی واقع ہے۔ دس بیس سال کے اندر لاہور ایک صوبے کا نام ہوگا جس کا دارالخلافہ پنجاب ہوگا۔ گویا لاہور کے جسم کو بیماری لگ چکی ہے۔

آب و ہوا لاہور کی آب و ہوا کی سب روایات غلط ہیں یہاں کے باشندوں کی ہدایت کے مطابق میونسپل کمیٹی نے انہیں آب و ہوا دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ دورِ جدید میں کئی ملک آزاد ہو چکے ہیں۔ بدقسمتی سے کمیٹی کے پاس ہوا کی قلت تھی۔ اس لئے بےجا استعمال نہ کرنے کی ہدایت کی گئی، چنانچہ آب و ہوا کی بجائے گرد اور دھواں استعمال ہوتا ہے امید ہے اس کے مفید نتائج نکلیں گے۔ پانی مہیا کرنے کے لئے ایک اسکیم نظام سقے کے وقت سے چلی آتی ہے۔ لیکن اس کے مسودے ضائع ہو چکے ہیں۔ اس لئے مزید تحقیق میں ابھی چند سال اور لگ جائیں گے۔ فی الحال بارش کے پانی کا انتظام کیا گیا ہے۔ گویا ہر محلے کا اپنا ایک دریا ہوگا جس میں مچھلیاں پیدا ہوں گی۔ نظام سقے والی اسکیم سے اس قدر ضرور ثابت ہوا ہے کہ پانی کے لئے نل ضروری ہیں لیکن ان میں ابھی صرف ہائیڈروجن اور آکسیجن بھری ہے۔ اہلِ شہر کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے گھڑے نلوں کے نیچے رکھ چھوڑیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ شہری اس پر خوشیاں منا رہے ہیں۔

ذرائع آمد و رفت لاہور کے سیاحوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو سڑک بل کھاتی ہوئی لاہور کے بازاروں سے گذرتی ہے۔ اسے شیر شاہ سوری نے بنوایا تھا اس کا بڑا احترام ہوتا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی یہاں

کے تاریخی گڑھے اور خندقیں لوگوں کے تختے اُلٹنے کے لئے کافی ہیں۔ یہاں ایسی سواری بھی چلتی ہے جسے آپ تانگہ کہہ سکتے ہیں یہ پھسلنے کے کام خوب آتے ہیں۔ اصلی اور خالص گھوڑے لاہور میں خوراک کے کام آتے ہیں۔ تانگوں میں بناسپتی گھوڑے استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ گھوڑے دم دار تارے کی مانند ہوتے ہیں۔ حرکت کے وقت اپنی دُموں کو دبا لیتے ہیں اور رفتار میں ایک بزرگانہ میانہ روی پیدا کر لیتے ہیں۔ سڑک کا ہر تاریخی گڑھا اور تانگے کا ہر ہچکولہ آپ کی صحت کے لئے مفید ہے۔

قابلِ دید مقامات

لاہور میں قابلِ دید مقامات مشکل سے ملتے ہیں کیونکہ عمارتیں اینٹوں اور چونے سے بنتی ہیں ان پر اشتہاروں کا پلستر ہوتا ہے اس سے دیوار کی تہہ موٹی ہوتی رہتی ہے۔ اشتہار کئی قسم کے ہوتے ہیں: "اہلِ لاہور کو خوشخبری"، "گریجویٹ درزی ہاؤس"، "کہتی ہے ہم کو خلقِ خدا غائبانہ کیا"۔ ان سے پوری ڈائریکٹری بنتی ہے۔ بوٹ پالش، تازہ مکھن، حافظہ کی گولیاں، انجمن خدامِ ملت، سرکس کے جانوروں کی فہرست، مس نغمہ کی تصویر وغیرہ۔ یہ اشتہار تیزی سے بدلتے رہتے ہیں اور نئی نئی خوشخبریاں سامنے آتی رہتی ہیں اس لئے عمارتوں کو پہچاننے میں اہلِ شہر کو دقت پیش آتی ہے۔

صنعت و حرفت

اشتہاروں کے علاوہ لاہور کی سب سے بڑی صنعت رسالہ سازی سے اور سب سے بڑی حرفت انجمن سازی، ہر رسالے کا نمبر عموماً خاص نمبر ہوتا ہے۔ عام نمبر میں صرف ایڈیٹر کی تصویر اور خاص نمبروں میں مس سلوچنا اور مس کجن کی تصاویر ہوتی ہیں اس سے ادب اور تنقید کو ترقی ملتی ہے۔ لاہور کے ہر مربع انچ میں ایک انجمن موجود ہے۔ صدر صرف دو تین حضرات ہیں جو مختلف انجمنوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک ہی صدر کئی انجمنوں کا افتتاح کرتا ہے۔ اس سے ان کا مطمعِ نظر وسیع رہتا ہے۔ تقریر یہ عام طور پر ایسی ہوتی ہے جو سب کے کام آسکے تاکہ سامعین کو سہولت رہے۔

پیداوار

لاہور کی سب سے مشہور پیداوار یہاں کے طلبہ ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں برآمد کئے جاتے ہیں۔ فصل شروع سرما میں بوئی جاتی ہے اور آخر بہار میں پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ طلبہ کی کئی قسمیں ہیں۔ جمالی، طلبہ درزیوں کے ہاں تیار ہوتے ہیں پھر دھوبی اور نائی سے ہوتے ہوئے ریستورانوں میں نمائش کے لئے جاتے ہیں۔ جلالی طلبہ اکبر بادشاہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے تخت و تاج کے مالک وہی ہیں۔ شام کو اپنے مصاحبوں کے ساتھ نکلتے ہیں اور دوستی کے خم لنڈھاتے ہیں۔ کالج کی خوراک انہیں راس نہیں آتی۔ اس لئے ہوسٹل میں رہتے۔ تیسری قسم خیالی طلبہ کی ہے۔ یہ اکثر روپ اخلاق اور سیاسیات پر گفتگو کرتے ہیں۔ اور مختلف نظریئے وضع کرتے ہیں۔ صحت جسمانی کے لئے ڈنٹر پیلتے ہیں گاتے ضرور ہیں لیکن اکثر بے سُرے

ہوتے ہیں۔ چوتھی قسم خالی طلبہ کی ہے۔ یہ طلبہ کی خالص ترین قسم ہے۔ ان کا دامن پاک صاف ہوتا ہے۔ کتابیں امتحانات، مطالعہ اور اس قسم کے جھگڑوں سے دور رہتے ہیں۔ ابتدائی معصومیت کو قائم رکھتے ہیں تعلیم نصاب اور درسگاہوں کے ہنگاموں میں یوں زندگی بسر کرتے ہیں جس طرح بتیس دانتوں میں زبان۔ پچھلے چند سالوں سے طلبہ کی ایک اور قسم بھی ملی ہے۔ لیکن ان کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے محدب شیشے کا استعمال ضروری ہے انہیں ریل کا ٹکٹ نصف قیمت پر ملتا ہے۔ یہ اپنی اناکے ساتھ سفر کرتے ہیں۔

مرکزی خیال

مصنف نے مزاحیہ انداز میں لاہور کا جغرافیہ پیش کیا ہے۔ طنز و مزاح سے جہاں تحریر پر لطف ہو گئی ہے۔ وہاں اصلاح کے بھی کئی پہلو نکلتے ہیں۔ مصنف یوں کئی خرابیوں کی نشاندہی کرتا ہے تاکہ ان کی اصلاح ہو سکے۔ مثلاً لاہور کی حد حدود سے نہیں بڑھنی چاہیئے۔ حفظانِ صحت کا خیال رکھنا چاہیئے۔ خالص پینے کا پانی مہیا کیا جائے۔ ذرائع آمد و رفت کو بہتر بنایا جائے۔ سڑکوں کی حالت بہتر بنائی جائے۔ دیواروں پر بلاوجہ اشتہار بازی نہ کی جائے۔ بے تحاشا رسالہ سازی اور انجمن سازی سے گریز کیا جائے۔ طلبہ اپنے فرائض سمجھیں اور حصولِ تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دیں تاکہ قوم کا مستقبل سنور سکے۔

پیروں کی تشریح

پیرا ا۔ا، لیکن بدقسمتی سے کمیٹی کے پاس ہوا کی قلت تھی۔ اس لئے لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ مفادِ عامہ کے پیشِ نظر اہلِ شہر ہوا کا بیجا استعمال نہ کریں بلکہ جہاں تک ہو سکے کفایت شعاری سے کام لیں، چنانچہ اب لاہور میں عام ضروریات کے لئے ہوا کی بجائے گرد اور خاص خاص حالات میں دھواں استعمال کیا جاتا ہے، کمیٹی نے جابجا دھوئیں اور گرد کے مہیا کرنے کے لئے مرکز کھول دیئے ہیں جہاں یہ مرکبات مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اس سے نہایت تسلی بخش نتائج برآمد ہوں گے۔

حوالہ متن یہ عبارت احمد شاہ پطرس بخاری کے مضمون "لاہور کا جغرافیہ" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق مصنف نہایت مزاحیہ انداز میں لاہور کا جغرافیہ بیان کرتا ہے وہ اس کی آب و ہوا کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس سلسلے میں

جو روایات مشہور ہیں وہ سب کی سب غلط ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لاہور کے باشندوں نے حال ہی میں یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ اور شہروں کی طرح ہمیں بھی آب و ہوا دی جائے۔ میونسپل کمیٹی اہل لاہور کی اس خواہش پر ہمدردانہ غور و خوض کر رہی ہے۔

تشریح

مصنف آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ اسے بدقسمتی اور بدنصیبی کہ میونسپل کمیٹی کے پاس ہوا کی کمی تھی۔ اس لیئے لوگوں کو اس بات کی تلقین کی گئی کہ لوگوں کے عام فائدے اور بہتری کی خاطر لاہور کے باشندے ہوا کا غلط استعمال نہ کریں۔ ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کریں اور اس سلسلے میں بچت سے کام لیں اور فضول خرچی نہ کریں۔ کیونکہ فضول خرچی اچھی اور پسندیدہ بات نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے۔

"بے شک فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں"

اس لیئے اس ہدایت پر عمل شروع کر دیا گیا ہے اور لاہور میں عام ضرورتوں کے لیئے ہوا کی جگہ گرد و غبار اور خاص خاص حالات میں دھواں استعمال کیا جاتا ہے تاکہ تازہ ہوا محفوظ رہ سکے۔ اس لیئے میونسپل کمیٹی نے جگہ جگہ لوگوں کو دھوئیں اور گرد و غبار کے مہیا کرنے کے لیئے مرکز کھول دیئے ہیں جہاں یہ دونوں ملی جلی چیزیں لوگوں کو مفت حاصل ہو سکتی ہیں۔ انہیں کچھ خرچ نہیں کرنا پڑے گا۔ اُمید کی جاتی ہے کہ اس بات سے نہایت عمدہ اطمینان بخش نتائج نکلیں گے۔ لوگوں کا مسئلہ حل ہو جائیگا۔ اور ان کی پریشانی دور ہو جائے گی۔

پیرا: ۲:۔ رفتہ رفتہ گھر کی چار دیواری مکمل ڈائریکٹری کی صورت اختیار کر لیتی ہے دروازے کے اوپر بوٹ پالش کا اشتہار ہے۔ دائیں طرف تازہ مکھن ملنے کا پتہ ہے۔ بائیں طرف حافظہ کی گولیوں کا بیان ہے۔ اس کھڑکی کے اوپر "انجمن خدام ملت" کے جلسے کا پروگرام چسپاں ہے۔ اس کھڑکی پر مشہور لیڈر کے خانگی حالات بالوضاحت بیان کر دیئے گئے ہیں۔ عقبی دیوار پر سرکس کے تمام جانوروں کی فہرست ہے اور اصطبل کے دروازے پر مس نغمہ جان کی تصویر اور ان کے فلم کے محاسن گنوا رکھے ہیں۔ یہ اشتہارات بڑی سرعت سے بدلتے رہتے ہیں اور ہر نیا مژدہ اور نئی دریافت یا انقلاب عظیم کی ابتداء چشم زدن میں ہر ساکن چیز پر لیپ دی جاتی ہے۔ اسی لئے عمارتوں کی ظاہری صورت ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے اور ان کو پہچاننے میں خود شہر کے لوگوں کو بڑی دقت پیش آتی ہے۔

حوالہ متن

یہ اقتباس احمد شاہ پطرس بخاری کے مضمون "لاہور کا جغرافیہ" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق

مصنف لاہور کا جغرافیہ مزاحیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے اس میں قابلِ دید مقامات مشکل سے ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہر کی ہر عمارت کی بیرونی دیواریں دوہری بنائی جاتی ہیں پہلے اینٹوں سے اور چونے سے دیوار کھڑی

کرتے ہیں اور پھر اس پر اشتہاروں کا پلستر کر دیا جاتا ہے۔ جو آہستہ آہستہ موٹا اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔ شروع شروع میں چھوٹے سائز کے مبہم اور غیر معروف اشتہار چپکائے جاتے ہیں اور اس کے بعد ان اشتہاروں کی باری آتی ہے جن کے مخاطب اہلِ علم اور سخن فہم لوگ ہوتے ہیں۔

تشریح آہستہ آہستہ گھر کی پوری چار دیواری مکمل ڈائریکٹری بن جاتی ہے جس میں مکمل پتے اور فون نمبر وغیرہ درج ہوتے ہیں۔ لوگوں کی رہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً دروازے کے اوپر بوٹ پالش کا اشتہار ہے۔ دائیں طرف تازہ مکھن ملنے کا پتہ لکھا ہوا ہے بائیں طرف یہ اشتہار ہے کہ آپ حافظہ کیسے طاقتور بنا سکتے ہیں۔ اس کھڑکی کے اوپر "انجمن خدام ملت" کے جلسے کا پروگرام چپکا دیا گیا ہے۔ اس کھڑکی پر کسی مشہور لیڈر کے گھر کے اور ذاتی حالات پر بڑی تفصیل سے لکھ دیئے گئے ہیں۔ پچھلی دیوار پر سرکس کے تمام جانوروں کی لمبی چوڑی فہرست دی گئی ہے جو تماشے کے لئے استعمال ہوں گے اور گھوڑے باندھنے والی جگہ کے دروازے پر مس نغمہ جان کی تصویر ہے اور اس کی فلم کی تمام خوبیاں بیان کر دی گئی ہیں۔ یقین مانیے کہ یہ اشتہار بڑی تیزی کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور ہر نئی خوشخبری اور ہر نئی دریافت یا ایجاد یا بہت بڑی تبدیلی کی ابتداء پلک جھپکتے میں ہر ٹھہری ہوئی چیز پر تھوپ دی جاتی ہے۔ پرانے اشتہار مٹ جاتے ہیں اور نئے اشتہار اُبھر آتے ہیں اسی لئے ان عمارتوں کی ظاہری شکل و صورت ہر گھڑی تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی ایسی ہوتی ہے کہ خود اسی شہر کے لوگوں کو انہیں پہچاننے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ اس انقلاب اور تبدیلی کے بارے میں علامہ اقبال کے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں :۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

پیرا ۳۔ چوتھی قسم خالی طلبہ کی ہے۔ یہ طلباء کی خالص ترین قسم ہے۔ ان کا دامن کسی قسم کی آلائش سے تر ہونے نہیں پاتا۔ کتابیں، امتحانات، مطالعہ اور اسی قسم کے خرخشے کبھی ان کی زندگی میں خلل انداز نہیں ہوتے۔ جس معصومیت کو لے کر وہ کالج میں پہنچے تھے۔ اسے آخر تک ملوث نہیں ہونے دیتے اور تعلیم اور نصاب اور درس گاہوں کے ہنگاموں میں اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں جس طرح بتیس دانتوں میں زبان رہتی ہے۔

حوالۂ متن یہ پیرا احمد شاہ پطرس بخاری کے مضمون "لاہور کا جغرافیہ" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق مصنف لاہور کا جغرافیہ مزاحیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ لاہور کی سب سے مشہور پیداوار یہاں کے طلبا ہیں جو بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ان کی کئی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم جمالی طلباء کی ہے جو ہر وقت بنے ٹھنے رہتے

ہیں، دوسری قسم جلالی طلباء کی ہے جو خود کو شہزادے خیال کرتے ہیں گویا وہ اس ملک کے حکمران ہیں تیسری قسم خیالی طلباء کی ہے جو اخلاقیات اور سیاسیات اور اس قسم کے تصورات پر بحث کرتے رہتے ہیں، چوتھی قسم ان طلباء کی ہے جن کا تعلیم سے کوئی واسطہ نہیں۔

تشریح

چوتھی قسم ان طلباء کی ہے جنہیں ہم خالی یا فارغ طلباء کہہ سکتے ہیں، یہ طلباء کی خالص اصل اور صحیح ترین قسم ہے، اس کا دامن بالکل پاک و صاف رہتا ہے اور کوئی گندگی ان کے نزدیک آنے نہیں پاتی۔ یہ ویسے کے ویسے اور کورے کے کورے رہتے ہیں، کتابیں، امتحانات، مطالعہ اور اسی قسم کے دوسرے جھگڑے کبھی ان کی زندگی میں داخل نہیں ہوتے اور اس طرح کسی قسم کی گڑبڑ پیدا نہیں ہوتی۔ گویا وہ ان باتوں کو بے کار اور فضول خیال کرتے ہیں۔ جو سادگی اور پاکیزگی وہ اپنے ساتھ لے کر کالج میں داخل ہوئے تھے۔ اسے آخر تک اسی حالت میں قائم و برقرار رکھتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آنے دیتے۔ ایسے طلباء تعلیم اور کورس اور تعلیمی اداروں کے ہنگاموں اور سرگرمیوں میں یوں زندگی کے دن کاٹتے ہیں۔ جس طرح بتیس دانتوں میں زبان رہتی ہے۔ بقول مولانا حالی ؒ

رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

سوالات

سوال: مصنف نے لاہور کی آب و ہوا، ذرائع آمد و رفت، قابل دید مقامات، صنعت و حرفت اور پیداوار کے بارے میں کیا تاثرات پیش کئے ہیں؟

جواب: دیکھئے خلاصہ سبق

سوال: لاہور کا جغرافیہ پیش کرتے ہوئے مصنف نے لطیف طنز و مزاح اور وسعت مطالعہ کا ثبوت دیا ہے، واضح کیجئے؟

جواب: لاہور کا جغرافیہ پیش کرتے ہوئے پطرس بخاری نے بڑے لطیف طنز و مزاح کا مظاہرہ کیا ہے، ان کے مزاح میں بازاری پن، پھکڑ پن یا عامیانہ پن نہیں ہے بلکہ ان کا مزاح اپنے دامن میں لطیف و پر لطف انداز لئے ہوئے ہے۔ ان کی تحریر پڑھ کر لبوں پر بے ساختہ ہلکی سی مسکراہٹ پھیل جاتی ہے اور پھر قاری غور و فکر کرکے اُلجھے ہوئے مسائل کی گتھیاں سلجھانے لگتا ہے۔ یوں ان کی مزاح نگاری تعمیری اور بامقصد بن جاتی ہے، مثلاً بڈھے دریا کے متعلق رکھتے ہیں کر دو پلوں کے نیچے ریت میں لیٹا رہتا ہے، گویا وہ کوئی حب ندار چیز ہے۔ یا دس بیس سال کے اندر لاہور ایک صوبے کا نام ہوگا جس

کا دارالخلافہ پنجاب ہوگا۔ یہ بڑا پر لطف مزاح ہے۔ آب و ہوا کے بارے میں لکھا ہے کہ کمیٹی نے بڑی بحث و تمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ترقی کے دور میں جب کہ دنیا میں کئی ممالک کو ہوم رول مل رہا ہے لوگوں کی اس کے لئے خواہش بے جا ہے۔ فی الحال اس کی بجائے دھواں اور گرد استعمال کیا جائے۔ پانی کے بارے میں لکھا ہے کہ نلوں میں فی الحال ہائیڈروجن اور آکسیجن بھری گئی ہے۔ دیواروں پر اشتہار بازی کے مرض کو نہایت مزاحیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اس پر گہری طنز کی ہے۔

مصنف نے لطیف طنز و مزاح کے ساتھ ساتھ وسعت مطالعہ کا بھی ثبوت دیا ہے مثلاً بہم رسانی آب کی اسکیم کے بارے میں نظام سقے کا حوالہ دیا ہے جس نے ہمایوں بادشاہ کی اس وقت جان بچائی جبکہ وہ دریا میں ڈوب رہا تھا۔ آب و ہوا کے بارے میں لکھا ہے کہ اس ترقی کے دور میں کئی ممالک کو ہوم رول مل رہا ہے۔ پانی کے سلسلے میں نلوں میں ہائیڈروجن اور آکسیجن گیسیں بھرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ بات مصنف کے سائنسی مطالعے پر شاہد ہے۔ سڑک کے لئے شیر شاہ سوری کا حوالہ دیا ہے۔ بناسپتی گھوڑے کے لئے دم دار ستارہ کا استعمال کیا ہے۔ اشتہار بازی کو دائریکٹری قرار دیا ہے اور طلبہ کی اقسام بتاتے ہوئے جمہوریت، آداگون اور نفسیات وغیرہ کا حوالہ دیا ہے اور محدب شیشے کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ الغرض ان مختلف مثالوں سے مصنف کے وسیع علمی، تاریخی ادبی اور سائنسی مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ پطرس بخاری بہت بڑے مزاح نگار ہیں اور ہر شخص ان کی مزاح نگاری سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ اس میں ہمہ گیری اور ہر ذوق کے قاری کے لئے دلچسپی کا سامان موجود ہے۔ ان کا مزاح دلوں کو لبھاتا اور جذبات کو گدگداتا ہے۔

ابن انشاء

۱۹۲۷ء تا ۱۹۷۸ء

"اشتہارات ضرورت نہیں ہے" کے

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
فہمائش	ہدایت، نصیحت	گھامڑ	احمق، بھوہڑ	دور اندیش	عقلمند
"	تنبیہہ	بلب فیوز ہونا	بلب بیکار ہونا	تعارف	جان پہچان
حاذق	کامل، ماہر	"	روشنی نہ دینا	غسال	مردے کو غسل
خدانخواستہ	خدا نہ کرے	گورکن	قبر کھودنے والا	"	دینے والا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
حلقہ احباب	دوستوں کا حلقہ	پپیتا	ایک پھل کا نام	زحمت	تکلیف
"	یا سلسلہ	معذرت	معافی چاہنا	گمان	خیال
ربڑی	دودھ کو گاڑھا کر	بے بہرہ	ناواقف	ٹینڈر	ٹھیکے کی درخواست
"	کے بناتے ہیں	فرزندی	مراد دامادی	"	مع تخمینہ لاگت
عاق	ماں باپ سے سرکش	من وعن	بالکل اُسی طرح	شارٹ ہینڈ	مختصر نویسی
"	اولاد کو نافرمانی	"	جوں کی توں	مشتاق	خواہش مند
"	کے باعث ورثہ سے	ریفریجریٹر	چیزوں کو ٹھنڈا کرنے	دانست	سمجھ
"	محروم کرنا	"	والی الماری	بیڈروم	سونے کا کمرہ
کریانہ مرچنٹ	پنساری	راقم	لکھنے والا۔ مصنف	فرزند	بیٹا
اوباش	آوارہ بدمعاش	کنڈیشن	حالت	کیپسٹ	ڈبہ۔ خول
عدم ضرورت	ضرورت نہ ہونا	دوشیزہ	کنواری لڑکی	صیغہ راز میں رکھنا	چھپا کر رکھنا
انٹر	الیف۔ اے	ڈگری	بی۔ اے	—	—

خلاصہ

احمق اور سمجھدار نوکر

ایک بزرگ اپنے نوکر کو تنبیہ کر رہے تھے کہ تم بہت احمق ہو۔ میر صاحب کا نوکر کتنا سمجھ دار ہے کہ ضرورت کی ایک چیز منگواؤ تو کئی اور ضروری اشیاء بھی ہمراہ لے آتا ہے۔ تم ٹیکسی لینے گئے لیکن خالی ہاتھ واپس آگئے۔ نوکر بہت شرمندہ ہوا اور آئندہ کے لئے محتاط ہو گیا۔ ایک دن آقا کو بخار تھا اس نے نوکر کو حکیم لانے کے لئے بھیجا۔ نوکر حکیم کو لے آیا لیکن اس کے پیچھے تین آدمی اور تھے۔ کفن والا، مردے کو نہلانے والا اور قبر کھودنے والا۔ نوکر نے بتایا کہ انہیں اس لئے ہمراہ لایا ہوں کہ آپ اگر خدانخواستہ مرجائیں تو بار بار بھاگنا نہ پڑے۔

ایک بزرگ دوست

ایسے ہی ہمارے ایک بزرگ دوست ہیں۔ گلی سے پھل بیچنے والے نے ہانک لگائی تو اسے بلا کر کہا : میاں جی معاف کیجئے۔ ہمیں "ضرورت نہیں ہے"۔ وجہ یہ بتائی کہ بیچارے کو مایوسی نہ ہو۔ اسی طرح یہ بزرگ ایک دفعہ

کار میں گولی مار سے گزر رہے تھے۔ ایک جگہ لکھا تھا "تشریف لائیے، ربڑی، قلفی اور لسی تیار ہے" وہ رُکے اور دکاندار سے کہا کہ ہمیں معاف کریں۔ ہم فارغ نہیں ہیں۔ اور ویسے بھی ہم یہ چیزیں استعمال نہیں کرتے۔" یہ کہا اور واپس آ گئے۔

آداب سے ناواقفیت

ہمارے دوست نے وضاحت کی کہ یہاں کے لوگ آداب نہیں جانتے۔ دعوت نامہ آتا ہے لکھا ہوتا ہے کہ جواب سے مطلع فرمائیں، لیکن یہ چپ رہتے ہیں۔ حالانکہ انہیں جواب دینا چاہیئے کہ ہم آنے سے معذور ہیں۔ میزبان بیچارے کا کھانا ضائع جاتا ہے۔

ضرورت کے اشتہارات

ہم بھی یہ آداب نہیں جانتے۔ لوگ اخباروں میں "ضرورت ہے" کے اشتہار چھپواتے ہیں لیکن ہم ان کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ کوئی ٹینڈر نوٹس جاری کرتا ہے۔ کوئی بیٹے کو عاق کرتا ہے۔ کوئی ضرورت رشتہ کا اشتہار دیتا ہے۔ کوئی شارٹ ہینڈ کا پتہ دیتا ہے۔ کوئی پرانا فریج بیچنے کی فکر میں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سب ضرورت مندوں سے کیسے عہدہ برآ ہوں۔

ہماری سمجھ کے مطابق ان اشتہارات کی صورت کچھ یوں ہونی چاہیئے۔

ضرورت نہیں ہے کے اشتہارات

کرائے کیلئے خالی نہیں ہے

ایک رہائشی بنگلہ جس کا کرایہ تین سو روپے ماہوار ہے کرائے کے لئے خالی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہم سے رجوع نہ کریں

اطلاع عام

محمد دین ولد فتح دین پنساری نے اپنے بیٹے کو عاق نہیں کیا ہے۔ آئندہ کے لئے میں اس کا پوری طرح ذمہ دار ہوں گا۔

ضرورت نہیں ہے

ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ پہلے ہمارے پاس موجود ہیں۔ بے آواز ریڈیو، ویسپا موٹر سائیکل، پنکھے پلنگ وغیرہ قسطوں پر یا بغیر قسطوں کے۔

عدم ضرورت رشتہ

ایک پنجابی نوجوان برسر روزگار کے لئے کسی سلیقہ مند خوبصورت، شریف خاندان کی تعلیم یافتہ دوشیزہ کے رشتے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ لڑکا پہلے سے شادی شدہ ہے۔ خط وکتابت راز میں نہیں رہے گی۔

داخلے جاری نہ رکھیے

ایف اے اور بی اے کلاسوں میں داخلے کے لئے اشتہارات شائع کرا کے اپنا وقت ضائع نہ کریں ہمیں داخلہ نہیں چاہیئے۔ ہم نے کئی سال پہلے ایم اے پاس کر لیا تھا۔

مرکزی خیال

یہ ایک مزاحیہ مضمون ہے۔ مصنف لکھتا ہے کہ ہم اخبارات میں "ضرورت ہے" کے اشتہارات تو دیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں اس قسم کے اشتہارات دینے چاہئیں کہ "ضرورت نہیں ہے"۔ مثلاً مکان کرائے کے لئے خالی نہیں ہے۔ میں نے بیٹے کو عاق نہیں کیا۔ ہمیں رشتے کی ضرورت نہیں ہے۔ داخلے جاری نہ رکھے، وغیرہ۔ اگر کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے تو دکاندار سے کہہ دینا چاہیئے کہ معاف کرنا۔ ہمیں اس چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

پیروں کی تشریح

پیرا ۱:- نوکر بہت شرمندہ ہوا۔ آقا کی بات پلے باندھ لی۔ چند دن بعد اتفاق سے آقا پر بخار کا حملہ ہوا تو انہوں نے حکیم صاحب کو لانے کے لئے بھیجا۔ تھوڑی دیر میں حکیم صاحب تشریف لائے تو ان کے پیچھے پیچھے تین آدمی اور تھے جو سلام کر کے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ ایک کی بغل میں کپڑے کا تھان تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں لوٹا اور تیسرے کے کاندھے پر پھاوڑا۔ آقا نے نوکر سے کہا، یہ کون لوگ ہیں میاں؟ نوکر نے تعارف کرایا کہ جناب ویسے تو حکیم صاحب بہت حاذق ہیں لیکن اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔ خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے تو میں درزی کو لے آیا ہوں اور وہ کفن کا کپڑا ساتھ لایا ہے۔ یہ دوسرے صاحب غسال ہیں اور تیسرا گورکن ایک ساتھ اس لئے لے آیا ہوں کہ بار بار بھاگنا نہ پڑے۔

حوالۂ متن یہ اقتباس ابن انشاء کے مزاحیہ مضمون "اشتہارات "ضرورت نہیں ہے" کے" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق مصنف مزاحیہ انداز میں لکھتا ہے کہ ایک بزرگ اپنے نوکر کو تنبیہہ کر رہے تھے کہ تم بالکل گدھے ہو، دیکھو میر صاحب کا نوکر کتنا سمجھدار ہے، میر صاحب نے بازار سے بلب منگوایا تو وہ اس کے ساتھ ہی ایک بوتل مٹی کے تیل کی اور دو موم بتیاں بھی لے آیا کہ بلب فیوز ہو جائے تو لالٹین سے کام چل سکتا ہے۔ تم ٹیکسی لینے کے لئے گئے تو آدھ گھنٹے بعد ہاتھ لٹکاتے آ گئے۔ حالانکہ تم اس کے ساتھ رکشہ بھی لا سکتے تھے۔ اس پر نوکر بہت شرمندہ ہوا اور آئندہ کے لئے محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔

تشریح مصنف لکھتا ہے کہ جب ہمارے بزرگ دوست نے اپنے نوکر کو تنبیہہ کی تو

وہ بہت شرمندہ ہوا اور اپنے آقا کی بات ذہن نشین کر لی اور اسے خوب یاد رکھا۔ کچھ روز کے بعد اتفاق ایسا ہوا کہ آقا پر بخار کا حملہ ہوا تو انہوں نے اسے حکم دیا کہ کسی بیا نے حکیم کو لے آؤ۔ نوکر چلا گیا، تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب تشریف لائے تو ان کے پیچھے پیچھے تین آدمی بھی آئے جو سلام کر کے ایک طرف کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے۔ ایک کی بغل میں کپڑے کا تھان تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں لوٹا پکڑا تھا اور تیسرے کے کاندھے پر پھاوڑا رکھا ہوا تھا۔ آقا نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کون آدمی ہیں اور کیوں آئے ہیں۔ نوکر نے جان پہچان کرائی کہ جناب یوں تو حکیم صاحب اپنے فن میں بڑے ماہر اور کامل ہیں لیکن انسان بے بس ہے وہ تقدیر الہٰی کے سامنے کچھ نہیں کر سکتا۔ تمام اختیارات کا مالک اللہ ہے۔ ہم اس کے کاموں میں ہرگز دخل نہیں دے سکتے۔ میر تقی میر کہتے ہیں۔

ناحق مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی

چاہے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

نوکر نے کہا، میرے آقا، خدا نہ کرے کوئی حرج مرج ہو جائے یعنی آپ کی وفات ہو جائے تو میں درزی کو ساتھ لایا ہوں اور کفن کا کپڑا اپنے ہمراہ لایا ہے تاکہ آپ کے کام آسکے۔ یہ دوسرے صاحب مردے کو غسل دینے والے ہیں۔ یہ آپ کو غسل دیں گے اور تیسرے قبر کھودنے والے ہیں میں انہیں اس لئے اپنے ساتھ لایا ہوں کہ بار بار ان کے لئے بھاگ دوڑ نہ کرنی پڑے۔

پیرا ۲۔۱ - ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہم خود انہی آداب سے بے بہرہ لوگوں میں سے ہیں لوگ اخباروں میں طرح طرح کے اشتہارات چھپواتے ہیں کہ ہم ان کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن ہم انہیں پڑھ کر ایک طرف ڈال دیتے ہیں۔ کوئی ہمارے لئے ٹھیکے کا بندوبست کرتا ہے اور ٹینڈر نوٹس شائع کراتا ہے۔ کبھی ہمارے ہاتھ پلاٹ یا مکان بیچتا ہوتا ہے۔ کوئی ہمیں یہ اطلاع دیتا ہے کہ اس نے اپنے نالائق فرزند کو جائیداد سے عاق کر دیا ہے کہیں کسی کی کوشش ہوتی ہے کہ ہم ان کی فرزندی قبول کر لیں اور ذات پات تعلیم اور تنخواہ کی شرطیں من وعن وہی رکھی جاتی ہیں جو ہم میں ہیں کوئی ہمیں گھر بیٹھے لاکھوں روپے کمانے کا لالچ دیتا ہے۔ کوئی شارٹ ہینڈ سکھانے کی کوشش کرتا ہے بہت سے کالج مشتاق ہیں کہ ہم ان کے ہاں داخلے لیں اور بعضے اپنی کاریں اور ریفریجریٹر معقول قیمت پر ہماری نذر کرنے کی فکر میں رہتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سب ضرورتمندوں سے آدمی کیسے عہدہ برآ ہو۔

حوالہ متن یہ اقتباس ابن انشاء کے مزاحیہ مضمون "اشتہارات ضرورت نہیں ہے" سے لیا گیا ہے۔

سیاق وسباق مصنف اس مزاحیہ مضمون میں لکھتا ہے کہ ہم لوگ آداب زندگی سے بے بہرہ ہیں۔ ہمارے پاس کسی کا دعوت نامہ آتا ہے اور اس پر لکھا ہوتا ہے کہ جواب سے مطلع فرمائیے جن کو شریک نہیں ہونا ہوتا وہ بھی چپ بیٹھے رہتے ہیں۔

میزبان کو مطلع کرنا ضروری نہیں سمجھتے کہ بندہ ہونے سے معذور ہے۔ اس بیچارے کا کھانا ضائع جاتا ہے اسی طرح مصنف بیان کرتا ہے کہ اخبارات میں "ضرورت ہے" کے اشتہارات چھپتے رہتے ہیں لیکن ہم ان کی پروا نہیں کرتے۔

تشریح

مصنف کہتا ہے کہ ہم نے خوب سوچا سمجھا تو ہمیں یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ ہم لوگ خود بھی ان آداب زندگی سے بہت دور ہیں۔ حالانکہ ان آداب کا جاننا ضروری ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ مختلف اخباروں میں قسم قسم کے اشتہارات شائع کراتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم انہیں پڑھ کر ان کی طرف توجہ دیں۔ لیکن ہم ایسا نہیں کرتے بلکہ انہیں پڑھ کر پرے رکھ دیتے ہیں۔ یہ اشتہارات مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ کوئی ہمارے لئے ٹھیکے کا انتظام کرتا ہے اور ٹھیکے کے ٹینڈر نوٹس چھپواتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ہمارے ہاتھ خالی پلاٹ یا مکان فروخت کرتا ہے۔ کوئی ہمیں یہ خبر دیتا ہے کہ اس نے اپنے نالائق بیٹے کو جائیداد سے محروم کر دیا ہے۔ کہیں کسی کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ہم کو اپنی دامادی میں لے لیں اور ذات پات تعلیم اور تنخواہ کی شرطیں یوں کی توں رکھی جاتی ہیں جو ہم میں پائی جاتی ہیں۔ کوئی ہمیں یہ لالچ دیتا ہے کہ ہم گھر بیٹھے لاکھوں روپے کما سکتے ہیں۔ کوئی مختصر نویسی سکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بہت سے کالج چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ہاں داخلہ لیں اور بعض اپنی کاریں اور فریج مناسب قیمت پر ہمارے پاس بیچنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ان حالات میں یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ ان سب ضرورتمند آدمیوں کی ضرورتیں کیسے پوری کریں اور اس ذمہ داری کو کیسے نبھائیں۔

سوالات

سوال: ابن انشاء کے نزدیک ایک اچھا نوکر کیسا ہونا چاہیئے؟

جواب: ابن انشاء نے مزاحیہ انداز میں ایک اچھے نوکر کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسا نوکر بہت عقلمند اور سمجھدار ہوتا ہے مثلاً بازار سے بجلی کا بلب منگایا جائے تو نوکر کو چاہیئے کہ اس کے ساتھ ایک بوتل مٹی کے تیل کی اور دو موم بتیاں بھی لے آئے تاکہ بلب فیوز ہونے کی صورت میں لالٹین سے کام لیا جا سکے۔ پھر مصنف نے بتایا ہے کہ جب ایک نوکر کا آقا بیمار ہوا تو اس نے نوکر سے حکیم کو لانے کے لئے بھیجا۔ تھوڑی دیر میں حکیم صاحب تشریف لائے تو ان کے پیچھے پیچھے تین آدمی اور تھے جو سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ ایک کی بغل میں کپڑے کا تھان تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں لوٹا اور تیسرے کے کاندھے پر پھاوڑا۔ آقا نے نوکر سے کہا یہ کون لوگ ہیں نوکر نے تعارف کرایا کہ جناب ویسے تو

حکیم صاحب بہت ماہر ہیں۔ لیکن اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔ خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے تو میں درزی کو لے آیا ہوں اور وہ کفن کا کپڑا ساتھ لایا ہے۔ یہ دوسرے صاحب مردے کو غسل دینے والے ہیں اور تیسرے گورکن۔ ایک ساتھ اس لیئے لایا کہ بار بار بھاگنا نہ پڑے۔

سوال: مصنف کو "ضرورت ہے" کے اشتہاروں کے مقابلے میں "ضرورت نہیں" کے اشتہارات دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: مصنف بیان کرتا ہے کہ ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہم خود آداب زندگی سے بے بہرہ لوگوں میں سے ہیں۔ لوگ اخباروں میں طرح طرح کے اشتہارات چھپواتے ہیں کہ ہم پڑھ کر ان کی طرف دھیان دیں، لیکن ہم انہیں پڑھ کر ایک طرف ڈال دیتے ہیں کوئی ہمارے لئے ٹھیکے کا بندوبست کرتا ہے اور ٹینڈر نوٹس شائع کرتا ہے۔ کبھی کوئی ہمارے ہاتھ مکان بیچتا ہے۔ کوئی ہمیں یہ اطلاع دیتا ہے کہ اس نے اپنے نالائق بیٹے کو جائیداد سے عاق کر دیا ہے۔ کہیں ضرورت رشتہ کا اشتہار دیتا ہے۔ کوئی ہمیں گھر بیٹھے لاکھوں روپے کمانے کا لالچ دیتا ہے۔ کوئی شارٹ ہینڈ سکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بہت سے کالج مشتاق ہیں کہ ہم ان کے ہاں داخلہ لیں اور بعض اپنی کاریں اور فریج معقول قیمت پر بیچنے کو تیار ہوتے ہیں۔

مصنف کہتا ہے کہ جہاں میں نہیں آتا کہ ان سب ضرورت مندوں سے آدمی کیسے عہدہ برآ ہو بہت سوچنے کے بعد یہ ترکیب ہماری سمجھ میں آئی ہے کہ جہاں ہم "ضرورت ہے" کا اشتہار چھپوا دیں، وہاں ہمیں "ضرورت نہیں ہے" کے اشتہار بھی شائع کرانا چاہئیں جن کی صورت کچھ اس قسم کی ہونی چاہیئے۔ کرائے کے لئے خالی نہیں ہے۔ اطلاع نامہ (بیٹے کو عاق نہیں کیا) ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے: عدم رشتہ۔ داخلے جاری نہ رکھیئے وغیرہ

شفیق الرحمن

ولادت ۱۹۲۰ء

کلید کامیابی

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
کلید	چابی	حیرت انگیز	حیران کرنے والا	شاہراہ	بڑا راستہ
گامزن ہونا	قدم بڑھانا۔ چلنا	موضوع	عنوان	نکتہ	باریک بات

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
مخدوش	خطرناک، خدشے	مویشیاں	مویشی کی جمع	ازراہ تشکر	شکریے کے طور پر
	ہیں بھری ہوئی		جانور	افادی ادب	مفید ادب
مرگی	ایک مرض جس میں	کلاسیکی موسیقی	اعلیٰ و معیاری	″	فائدہ دینے والا
″	اچانک غشی آ	″	موسیقی	فن کار	کسی فن کا ماہر
″	جاتی ہے اور منہ	تخلیق	پیداوار	″	آرٹسٹ
″	سے جھاگ نکلتے ہیں	مرہونِ منت	احسان مند	مغموم موڈ	غمگین انداز یا
حزن والم	رنج و غم	طعنہ	چبھتی ہوئی بات	″	لب و لہجہ
مدعو کرنا	دعوت دینا	شکن	بل	احساس برتری	بڑائی کا احساس
سدا	ہمیشہ	نطشے	ایک جرمن فلاسفر	فوق الانسان	انسانِ کامل،
مرد عاقل	عقلمند آدمی	سکونِ قلب	دلی اطمینان	″	سُپرمین
نقش قدم پر چلنا	پیروی کرنا	بے سود	بے کار	طبیب	حکیم
احساس کمتری	اپنے آپ کو کمتر	بے خوابی	نیند نہ آنا	انہماک	پوری توجہ
″	یا گھٹیا سمجھنا	فلاسفی	فلسفہ: موجودات	مجرب نسخہ	تجربہ شدہ یا
بور کرنا	بیزار کرنا، اکتاہٹ	″	کی تحقیق کا علم	″	آزمودہ نسخہ
″	محسوس کرنا	قطع کلامی	بات کاٹنا	مجلسی	مجلس یا محفل
تکلفات	تکلیف کی جمع	بناوٹ	اوپری دل سے	″	سے تعلق
اطفال	طفل کی جمع، بچے	″	کام کرنا	خلل	خرابی، گڑبڑ
جینئس	غیر معمولی طور پر	تحت الشعور	لاشعور، دبی ہوئی	تواضع	آؤ بھگت
″	ذہین شخص	″	حس	تجزیہ نفسی	ذات کا جائزہ
—	—	رائیگاں	ضائع	—	—

خلاصہ

ترقی کے مواقع

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم ایک ایسے حیرت انگیز دور سے گذر رہے ہیں جس میں ترقی کرنے کے لیۓ بے شمار مواقع فراہم

دیئے گئے ہیں۔ اس موضوع پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ اگر آپ کی مالی حالت کمزور ہے تو "لاکھوں کماؤ" خرید لیجئے۔ اسی طرح اور بھی کئی رہنما کتب ہیں۔ مثلاً رہنمائے قانون۔ گھر کا طبیب۔ کامیاب زندگی۔ کامیاب مرغی خانہ۔ ریڈیو کی کتاب۔ کلید کامیابی۔ کلید مویشیاں وغیرہ۔ مصنف نے اس سلسلے میں چند کار آمد نکتے دریافت کئے ہیں۔

عظمت کا راز

دنیا کے بڑے انسان غمگین رہتے ہیں۔ کارلائل کا ہاضمہ خراب تھا سیزر کو مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ کلائیو نے بار بار خودکشی کی کوشش کی۔ رسکانٹ کا یہ غم تھا کہ اس کا قد چھوٹا تھا۔ یورپ کی معیاری موسیقی بیمار اور بیزار فن کاروں کی مرہون منت ہے۔ دنیا کا عظیم ادب اکثر جیلوں میں لکھا گیا ہے۔ لہٰذا غم ہی عظمت کا راز ہے۔

اس لئے آج سے غمگین رہنا شروع کر دیجئے۔ ہمارے ہاں اس کے بڑے مواقع ہیں۔ ہماری شاعری رنج و غم سے بھرپور ہے۔ رشتہ داروں اور ان کے طعنوں کو یاد کیجئے۔ پڑوسی آپ کو ستائیں گے آپ کو قرض وصول نہیں ہوا۔ زندگی کتنی مختصر ہے؟ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اچانک پندرہ بیس رشتہ دار آگئے۔ یہ حبشی اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے؟ مجھے دعوت میں کیوں نہیں بلایا گیا وغیرہ۔ اب آپ غمگین ہیں۔ آہیں بھریں۔ ماتھے پر بل لائیں۔ ہر ایک سے لڑیئے۔ آپ میں بڑائی کا احساس پیدا ہوگا یہ وہ احساس ہے جو انسان کو نطشے کا انسان کامل بناتا ہے۔ اب آپ کوئی بڑا کام کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد موڈ بدلنا ہو تو بازار سے "مسرور رہو" ایسی ہی کوئی کتاب لے کر پڑھیں۔

حافظہ تیز کرنا

اگر آپ کا حافظہ کمزور ہے تو ساری باتیں یاد رکھنے کی کوشش ہی مت کریں۔ ہمیشہ پہلے سے سوچ کر رکھیئے تاکہ آپ کو پچھتانا نہ پڑے۔ مشاہدہ تیز کرنے کے لئے پھرتی سے کچھ دیکھئے۔ پھر فہرست بنائیے۔ آج سے جیب میں کاغذ اور پنسل رکھیئے۔ آپ کو بڑی آسانی اور خوشی ہوگی۔ مشہور فلسفی شوپنہار سیر کے وقت چھڑی سے درختوں کو چھوا کرتا تھا۔ اگر کوئی درخت رہ جاتا تو پھر سے چھوتا۔ اس کی پیروی کیجئے آپ کا حافظہ تیز ہو جائے گا۔

خوف سے مقابلہ

ہمیں بچپن سے ڈرانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ اگر آپ تاریکی سے ڈرتے ہیں تو تاریکی میں مت جائیں۔ تنہائی سے ڈرتے ہوں تو لوگوں سے ملتے رہیئے۔ ایک وقت میں ایک چیز سے ڈریئے۔

وقت کی پابندی

دوسرے لوگ اکثر دیر سے آتے ہیں چنانچہ آپ بھی ذرا سے دیر سے جلیئے۔

وہم کا علاج

اگر آپ کو وہم ہو گیا ہے کہ آپ تندرست ہیں تو کسی حکیم یا ڈاکٹر سے ملئے کوئی وہمی بیماری کا ہے تو اپنے آپ سے کہیئے۔ میری صحت اچھی ہو رہی ہے۔ احساس کمتری ہو تو یہ فقرے دہرائیے۔ میں قابل ہوں مجھ میں کوئی خامی نہیں۔ میں بہت بڑا آدمی ہوں۔

بیخوابی سے نجات

اگر نیند نہ آتی ہو تو سونے کی کوشش مت کیجئے. تو بہ سے فلاسفی یا ریاضی کی کتاب پڑھیں آپ کو فوراً نیند آجائے گی۔

گفتگو کا آرٹ

جتنی دیر جی چاہیں باتیں کریں. دوسرے کو بولنے کا موقع نہ دیں، دوسرے کی بات کاٹیے اور بولنا شروع کر دیں. آپ کو بحث میں ہار نہیں ماننی چاہیئے اپنی غلطی مت تسلیم کریں. "آپ" کی بجائے "میں" کا لفظ زیادہ اہم ہے اگر آپ نے اپنے متعلق نہ کہا تو دوسرے اپنے متعلق کہنے لگیں گے۔

تربیت اطفال

بچے سوال پوچھیں تو اس انداز میں جواب دیں کہ دوبارہ سوال نہ کریں. انہیں بھوتوں سے ڈراتے رہیئے. بچے بیوقوف ہیں تو فکر نہ کریں بڑے ہو کر ذہین ہو جائیں گے. بچے کو تنہائی میں ڈانٹیے. اس بات کا خیال رکھیں کہ بچے ضرورت سے زیادہ نہ پل جائیں. اگر بچے ضد کرتے ہیں تو آپ بھی ضد کرنا شروع کر دیجئے. بچوں کا شخصی معائنہ کرانے سے پہلے اپنا معائنہ کرائیں. بچے صرف دو تین نہیں، ہمیشہ دس بارہ ہونے چاہئیں تاکہ ایک بھی لاڈلا نہ بن سکے

نوٹ اگر اس مضمون سے ایک کا بھی بھلا ہو گا تو مصنف سمجھے گا کہ اسکی محنت ضائع گئی۔

مرکزی خیال

مصنف مزاحیہ انداز میں بیان کرتا ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں کامیابی اور ترقی کے بہت سے آسان نسخے میسر ہیں. آپ کی مدد کے لئے بہت سی رہنما کتب موجود ہیں. عظمت کا راز غم میں پوشیدہ ہے. حافظہ کمزور ہے تو ساری باتیں مت یاد رکھنے کی کوشش کریں. خوف کھانے کے عادی بنیئے اور ایک وقت میں ایک چیز سے ڈریئے. وقت کی پابندی غیر ضروری ہے. وہم کا علاج احساس برتری سے کریں نیند نہ آتی ہو تو سونے کی کوشش مت کیجیے. باتیں خوب کریں اور دوسروں کو بولنے نہ دیں بچوں سے درشت لہجے میں بات کریں. انہیں بھوتوں سے ڈراتے رہیئے. اس بات کا خیال رکھیں کہ بچے ضرورت سے زیادہ نہ پل جائیں۔

پیروں کی تشریح

پیرا ۱. اس موضوع پر بے شمار کتابیں موجود ہیں. اگر آپ کی مالی حالت مخدوش ہے تو فوراً "لاکھوں کماؤ" خرید لیجئے. اگر مقدمہ بازی میں مشغول ہیں تو "رہنمائے قانون" لے آیئے. اگر بیمار ہیں تو "گھر کا طبیب" پڑھنے سے شفا یقینی ہے. اس طرح "کامیاب زندگی" "کامیاب مرغی خانہ" "ریڈیو کی کتاب" "کلید کامیابی"

"کلید مویشیاں" اور دوسری لاتعداد کتابیں بنی نوع انسان کی جو خدمت کر رہی ہیں اس سے ہم واقف ہیں مصنف ان کتابوں سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے ازراہ تشکر حصہ دوم لکھنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ چند نکتے جو اس افادی ادب میں پہلے شامل نہ ہو سکے اب شریک کر لئے جائیں۔

حوالہ متن: یہ اقتباس شفیق الرحمن کے مزاحیہ مضمون "کلیہ کامیابی" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق: مصنف نے اس مزاحیہ مضمون میں کامیابی اور ترقی حاصل کرنے کے اصول اور گُر بتائے ہیں اور عظمت کے راز بیان کئے ہیں کہتے ہیں کہ ہم لوگ خوش قسمت ہیں کیونکہ ایک حیرت انگیز دور سے گذر رہے ہیں۔ آج تک انسان کو ترقی کرنے کے اتنے موقعے کبھی میسر نہیں ہوئے۔ پرانے زمانے میں ہر ایک کو ہر ہُنر خود سیکھنا پڑتا تھا۔ لیکن آج کل ہر شخص دوسروں کی مدد پر خواہ مخواہ تلا ہوا ہے اور بلا وجہ دوسروں کو شاہراہ کامیابی پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔

تشریح: مصنف بیان کرتا ہے کہ کامیابی اور ترقی حاصل کرنے کے عنوان پر آج کل ان گنت کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے آپ کامیابی اور ترقی کے راستے پر رواں دواں ہو سکتے ہیں مثلاً اگر آپ کی مالی حالت خراب ہے تو فوراً "لاکھوں کماؤ" نامی کتاب پڑھیے، آپ کی مالی حالت بہتر ہو جائے گی۔ اگر آپ کو کوئی مقدمہ لڑنے کا شوق ہے تو "رہنمائے قانون" نامی کتاب لے لیں، آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اگر آپ کسی بیماری میں مبتلا ہیں تو "گھر کا طبیب" (یعنی ڈاکٹر) نامی کتاب پڑھیئے، اللہ تعالےٰ آپ کو صحت عطا فرمائے گا۔ اسی طرح "کامیاب زندگی" "کامیاب مرغی خانہ" "ریڈیو کی کتاب"، "کلید کامیابی" یعنی کامیابی کی چابی یا راز "کلید مویشیاں" (یعنی حیوانات کی چابی یعنی ان کی پرورش کا راز) اور دوسری بے شمار کتابیں انسانوں کی جو خدمت بجا لا رہی ہیں۔ اس سے ہم سب باخبر اور آگاہ ہیں اس طرح ہر شخص ان مواقع اور آسان نسخوں سے فائدہ اٹھا کر کامیابی اور ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ مصنف نے ان کتابوں سے اس قدر اثر قبول کیا کہ اس نے اس شکریے کے اظہار کے طور پر "کامیابی کا راز" کا حصہ دوم لکھنے کا ارادہ کر لیا تاکہ وہ چند باریک باتیں جو اس مفید اور کار آمد ادب میں پہلے شامل نہ ہو سکیں اب شامل کر لی جائیں تاکہ اس ضروری کام اور مقصد کی تکمیل ہو سکے اور کوئی کمی نہ رہ جائے۔

پیرا ۲: اب آپ غمگین ہیں آہیں بھریئے۔ ماتھے پر شکنیں پیدا کیجئے۔ ہر ایک سے لڑیئے عنقریب آپ اس احساس برتری سے آشنا ہوں گے جو سدا بیزار رہنے والوں کا ہی حصہ ہے۔ وہ احساس جو انسان کو نطشے کا فوق الانسان بناتا ہے۔ اب آپ شائد کوئی عظیم کام کرنے والے ہیں ــــ: عظیم کام کر چکنے کے بعد اگر موڈ بدلنا منظور ہو تو فوراً بازار سے "مسرور رہو" "مسکراتے رہیئے" یا ایسی ہی کوئی کتاب لے کر پڑھیے اور خوش ہو جائیے۔

حوالہ متن: یہ عبارت شفیق الرحمن کے مزاحیہ مضمون "کلیہ کامیابی" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق

مصنف اس مزاحیہ مضمون میں بیان کرتا ہے کہ عظمت کا راز غم میں پوشیدہ ہے۔ دنیا کے عظیم ترین انسان غمگین رہتے تھے۔

آپ بھی آج ہی سے رنجیدہ رہنا شروع کر دیجیے اور آج کل تو غمگین رہنے کے بڑے مواقع حاصل ہیں اپنے رشتہ داروں کے طعنوں کو یاد کیجیے۔ پڑوسی آپ کے متعلق نئی افواہیں اڑانے والے ہیں۔ آپ کا قرض واپس نہیں ہوا۔ زندگی کتنی مختصر ہے؟ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ بے موقع مہمان آ رہے ہیں۔ فلاں صاحب خود کو کیا سمجھتے ہیں؛ وغیرہ وغیرہ۔

تشریح

مصنف کے نزدیک کامیابی کا گر یہ ہے کہ آپ رنجیدہ اور افسردہ ہیں آہیں بھریں۔ فریاد کریں۔ رونی صورت بنائیں۔ ماتھے پر بل پیدا کیجیے تاکہ خوب ناگواری اور ناراضگی کا اظہار ہو اور غم کے مارے آپ کا حال بقول میر درد یہ ہو جائے۔

دیکھیے غم سے اب کے جی میرا　　نہ بچے گا بچے گا کب ہوگا!

آپ ہر ایک سے لڑائی کریں۔ بہت جلد آپ کو بڑائی کا ایسا احساس پیدا ہوگا جو ہمیشہ بیزار رہنے والے لوگوں کے حصے میں آتا ہے آپ بھی اس طرح ان عظیم لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ وہ احساس ہے جو انسان کو ایک ایسا عظیم انسان بناتا ہے جس کا نظریہ جرمنی کے مشہور فلاسفر نطشے نے پیش کیا تھا علامہ اقبال نے اسی کے بارے میں کہا ہے

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں　　تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے

اب آپ میں یہ صفت اور خصوصیت پیدا ہو چکی ہے کہ آپ کوئی بڑا کام سرانجام دے سکیں۔ اب عظمت آپ کی دہلیز پر ہے۔ اگر بڑا کام سرانجام دینے کے بعد آپ کو اپنا انداز اور رویہ بدلنے کی ضرورت ہو تو اس کی ترکیب یہ ہے کہ آپ فوراً بازار سے یہ کتابیں خریدیں "مسرور رہو" (یعنی خوش رہو) "مسکراتے رہیے" یا ایسی ہی کوئی کتاب لے کر پڑھیں اور خوش ہو جائیں۔ آپ کا موڈ یا انداز بدل جائے گا یہ ایک آزمایا ہوا نسخہ ہے۔ آپ اسے استعمال میں لائیں۔

سوالات

سوال: شفیق الرحمن کے خیال میں ہم دور جدید میں کامیابی اور ترقی کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟

جواب: شفیق الرحمان کے خیال میں ہم لوگ بڑے خوش نصیب ہیں کہ ہم ایک ایسے حیرت انگیز دور سے گزر رہے ہیں جس میں ترقی کرنے کے بے شمار مواقع ہیں۔ پہلے زمانوں میں اتنے مواقع کہاں ہوتے تھے؟ پرانے زمانے میں ہر ایک کو ہر ہنر خود سیکھنا پڑتا تھا۔ لیکن آج کل ہر شخص دوسروں کی مدد پر خواہ مخواہ

تلا ہوا ہے۔ وہ ہر قیمت پر دوسروں کے کام آنا چاہتا تھا اور بلاوجہ انہیں شاہراہ ترقی پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔

اس موضوع پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ اگر آپ کی مالی حالت خراب ہے تو فوراً "لاکھوں کماؤ" خرید لیجئے۔ اگر مقدمہ بازی کا شوق ہے تو "رہنمائے قانون" لے آئیے۔ اگر بیمار ہیں تو "گھر کا طبیب" پڑھنے سے شفا یقینی ہے۔ اسی طرح "کامیاب زندگی" "کامیاب مرغی خانہ" "ریڈیو کی کتاب" "سلیمہ کامیابی" "کلید مویشیاں" اور دوسری لاتعداد کتابیں بنی نوع انسان کی جو خدمت کر رہی ہیں۔ اس سے ہم واقف ہیں۔ مصنف ان کتابوں سے بہت متاثر ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے شکریے کے طور پر حصہ دوم لکھنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ چند نکتے جو اس مفید ادب میں پہلے شامل نہ ہو سکے۔ اب شریک کر لئے جائیں۔

سوال: مصنف کے نزدیک عظمت کا راز کس بات میں مضمر ہے؟

جواب: مصنف کے نزدیک عظمت کا راز غم میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ دنیا میں جتنے بڑے آدمی ہوئے وہ ہمیشہ غمگین رہتے تھے۔ کارلائل کا معدہ خراب رہتا تھا۔ سیزر کو مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ خودکشی کی کوشش کرنا کلائیو کا محبوب مشغلہ تھا۔ کانٹ کو یہ غم لے بیٹھا کہ اس کا قد چھوٹا ہے۔ یورپ کی معیاری موسیقی بیمار اور بیزار فنکاروں کی مرہون منت ہے۔ دنیا کا عظیم ادب مغموم اور افسردہ موڈ کی پیداوار ہے اور اکثر جیلوں میں لکھا گیا ہے۔ لہٰذا غمگین ہوئے بغیر کوئی عظیم کام کرنا ممکن نہیں ہے۔ غم ہی عظمت کا راز ہے۔

یا غم آسرا تیرا!

چنانچہ آپ ہی غمگین رہنا شروع کر دیجئے! ہمارے ملک میں غمگین رہنے کے بڑے بڑے مواقع حاصل ہیں۔ ابھی چند اشعار پڑھیے، آپ افسردہ ہو جائیں گے۔ ہماری شاعری رنج و غم سے بھری پڑی ہے۔ سوچئے کہ زندگی پیاز کی طرح ہے چھیلتے رہئیے، اندر سے کچھ بھی برآمد نہیں ہوگا۔ رشتہ داروں اور ان کے طعنوں کو یاد کیجئے۔ پڑوسی آپ کے متعلق نئی افواہیں پھیلائیں گے۔ جن لوگوں نے آپ سے قرض لیا تھا، ایک پائی بھی ادا نہیں کی۔

اور آپ نے جو قرض لیا ہے وہ بھی ادا نہیں ہوا۔ زندگی کتنی مختصر ہے؟ مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ شام کی گاڑی سے کوئی پندرہ بیس رشتہ دار بغیر اطلاع دیئے آجائیں گے۔ ان کے لئے بستروں کا انتظام کرنا ہوگا۔ یہ چشتی صاحب اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ پچھلے ہفتے قطب الدین صاحب نے کھانے پر سارے شہر کو مدعو کیا، سوائے آپ کے ...... وغیرہ۔

اب آپ غمگین ہیں۔ آہیں بھریئے۔ ماتھے پر شکنیں پیدا کیجئے۔ ہر ایک سے لڑیئے۔ عنقریب آپ اس احساس برتری سے آشنا ہوں گے جو ہمیشہ بیزار رہنے والوں کا ہی حصہ ہے۔ وہ احساس جو انسان کو نطشے کا فوق الانسان بناتا ہے۔ اب آپ شاید کوئی عظیم کام کرنے والے ہیں! —— عظیم کام

کر چکنے کے بعد اگر آپ کو اپنا موڈ بدلنا منظور ہو تو فوراً بازار سے "مسرور رہو" "مسکراتے رہئے"، یا ایسی ہی کوئی کتاب لے کر پڑھیے اور خوش ہو جائیے۔

سوال: مصنف کے نزدیک حافظہ تیز کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب مصنف نے حافظہ تیز کرنے کے کئی طریقے بتائے ہیں۔ اگر آپ کو باتیں بھول جاتی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کا حافظہ کمزور ہے۔ فقط آپ کو باتیں یاد نہیں رہتیں۔ اس کا علاج بہت آسان ہے۔ آئندہ ساری باتیں یاد رکھنے کی کوشش ہی مت کیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ باتیں آپ کو ضرور یاد رہ جائیں گی۔

بہت سے آدمیوں کو یہ بار بار کہتے سنا ہے کہ ہائے یہ میں نے پہلے کیوں نہیں سوچا! اس سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ ہمیشہ پہلے سے سوچ کر رکھیئے اور یا پھر ایسے لوگوں سے دور رہیئے جو ایسے فقرے کہا کرتے ہیں۔ داناؤں نے مشاہدہ تیز کرنے کے طریقے بتائے ہیں کہ پہلے پھرتی سے کچھ دیکھیے پھر فہرست بنائیے کہ ابھی آپ نے کیا کیا دیکھا ہے اس طرح حافظے کی ٹریننگ ہو جائے گی اور آپ حافظ بنتے جائیں گے۔ لہٰذا اگر کوئی کام نہ ہو تو آج سے جیب میں کاغذ اور پنسل رکھیئے۔ پھر چیزوں کی فہرست بنائیے اور فہرست کو چیزوں سے ملایا کیجیے۔ بڑی فرحت حاصل ہوگی۔

مشہور فلسفی شوپنہار سیر پر جاتے وقت اپنی چھڑی سے درختوں کو چھوا کرتا تھا۔ ایک روز اسے یاد آیا کہ پل کے پاس جو لمبا سا درخت تھا، اسے نہیں چھوا۔ وہ مردِ دانا ایک میل واپس گیا اور جب تک درخت نہ چھو لیا، اسے سکونِ قلب حاصل نہ ہوا۔ آپ شوپنہار کے نقشِ قدم پر چلیے۔ اس سے آپ کا مشاہدہ اس قدر تیز ہوگا کہ آپ اور سب حیران رہ جائیں گے۔

حسن عسکری

۱۹۰۹ء تا ۱۹۷۱ء

جابر بن حیان۔ ایک نامور مسلم سائنسدان

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معنی
محقق	تحقیق کرنے والا	کیمیا دان	علمِ کیمیا کا ماہر کیمیا	کائنات	دنیا مراد سرمایہ
صادق آنا	صحیح آنا۔ سچا	"	چیزوں کی خاصیت معلوم	"	یا پونجی
"	ثابت ہونا	"	کرنے ان کے اجزا کو	دھوسی گری	کیمیا گری

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ہوس کرنا	سونا بنانے کا	〃	ملانے اور جدا	محور	بنیاد، وہ کیلی
〃	فن	〃	کرنے کا علم	〃	جس پر پہیہ گردش
کوشش رائیگاں	ضائع جانے والی	مہوس	کیمیا دان	〃	کرتا ہے، وہ فرضی
〃	کوشش	فلٹر	مائع کو ٹھوس اجزاء	〃	خط جس کے گرد
کشید کرنا	عرق کھینچنا	〃	سے الگ کرنا	〃	کرۂ زمین کو
عمل تصعید	بخارات میں منتقل	قلماؤ	قلمیں بنانا	〃	گردش ہے۔
〃	کرنا اور پھر	خصوصیت	خوبی	ممتاز	نمایاں
〃	ٹھوس بنانا	انحصار	دار و مدار	عظمت	بڑائی
نظریہ	خیال جو مکمل غور و	کثافت	گندگی ۔ آلودگی	کمی بیشی	کمی و زیادتی
〃	غوض کے بعد	کم و بیش	کم و زیادہ	حیران کن	حیران کر دینے
〃	قائم کیا گیا	چنداں	خاص	〃	والی
اوکسائیڈ	آکسیجن کا کسی اور	مصفا کرنا	صاف کرنا	وارنش کرنا	روغن کرنا
〃	عنصر کے ساتھ	مقام اتصال	ملنے کی جگہ ۔ ترمیم یافتہ	کٹوری	چھوٹی پیالی
〃	کیمیائی مرکب	〃	تبدیل شدہ	ٹمپریچر	درجہ حرارت
شیر خوارگی	بچے کا دودھ پینے	دور افتادہ	دور دراز	ناسازگار	ناموافق
〃	کا دور	مغضوب	جس پر غضب ہوا ہو	—	—

خلاصہ

پہلا کیمیادان یورپی محققین اس بات پر متفق ہیں کہ جابر بن حیان پہلا کیمیا دان تھا۔

سونے تک محدود جابر کے زمانے میں کیمیا کا تمام علم کم قیمت دھاتوں کو سونا بنانے تک محدود تھا۔ یہی لوگوں کا مقصد زندگی تھا۔ اگرچہ جابر اس کا قائل تھا۔ لیکن اس کا دیژ وسیع تھا۔

ممتاز سائنسدان وہ کیمیا کے تمام عملی تجربات سے واقف تھا۔ مثلاً حل کرنا نتھارنا ، فلٹر کرنا ، کشید کرنا ، عمل تصعید سے جوہر اڑانا اور قلماؤ وغیرہ ۔ اسی لئے وہ قدیم زمانے کے ممتاز سائنسدانوں میں شمار ہوتا ہے۔

کیمیا اور تجربہ جابر کے نزدیک کیمیا میں سب سے ضروری چیز تجربہ ہے۔ اس کے بغیر صحیح علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک کیمیادان کی عظمت تجربات میں ہے۔

دھاتوں کی ترکیب اس کا نظریہ یہ تھا کہ تمام دھاتیں گندھک اور پارے سے بنی ہیں۔ جب دونوں اشیاء خاص حالت میں کیمیائی ملاپ کرتی ہیں تو سونا بنتا ہے، ورنہ دیگر کثافتوں کے باعث دیگر دھاتیں چاندی، سیسہ، تانبا، لوہا وغیرہ بنتی ہیں

سونے کی ترکیب اس نظریے کے مطابق دھاتوں اور سونے کی کیمیائی ترکیب میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کم قیمت دھاتیں سونے میں منتقل ہو سکتی ہیں۔

سونے کی تلاش یہ نظریہ اٹھارویں صدی تک قائم رہا، اور ہزاروں انسان سونا بنانے کے فن میں سرگرداں رہے۔

سونا بنانا ناممکن جابر نے سونا بنانے کی خاص کوشش نہ کی۔ کیونکہ اس کے نزدیک گندھک اور پارے کو ملا کر سونا بنانا بعض وجوہ کی بناء پر عملاً ممکن نہیں۔ سونا بنانے کے لئے عام گندھک کے علاوہ کوئی اور شے مطلوب ہے۔

فرضی گندھک بعض لوگوں نے اسی فرضی گندھک کا نام کبریت احمر رکھ لیا ہے جس کی تلاش میں وہ اپنی ساری عمر اور اپنے سارے وسائل صرف کر دیتے تھے۔

کشتہ بنانا جابر دھات کا کشتہ یا آوکسائیڈ بنانے کا عمل جانتا تھا۔ اس نے اس خاص عمل پر ایک جامع کتاب لکھی ہے۔

کیمیائی اشیاء جابر نے اپنی کیمیا کی کتابوں میں کئی کیمیائی اشیاء بنانے کے طریقے بیان کئے ہیں۔ مثلاً فولاد بنانا، چمڑا رنگنا، دھاتوں کو مصفا کرنا، موم جامہ بنانا، لوہے کو زنگ سے بچانے کے لئے اس پر وارنش کرنا، بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے خضاب وغیرہ بنانا۔ ان کی تیاری موجودہ زمانے میں بھی مشکل ہے۔ اس سے قدیم دور میں جابر کی اعلیٰ اور بےمثال فنی مہارت ظاہر ہے۔

قرع انبیق کی ایجاد قرع انبیق جابر کی خاص اور قابل قدر ایجاد ہے جس سے کشید کرنے، عرق کھینچنے اور جوہر نکالنے کا کام لیا جاتا تھا۔ قرع صراحی کی شکل میں ہوتا ہے اور انبیق بھبکے کی شکل کا تھا جس کے پہلو میں ایک لمبی نالی لگی ہوتی تھی۔

قرع کو اس حالت میں چولہے پر رکھ کر حرارت پہنچائی جاتی۔ حرارت کے اثر سے ان اشیاء میں سے جو قرع کے اندر پڑی ہوتیں بخارات اٹھنے شروع ہوجاتے۔ بخارات دوبارہ مائع بن کر بوتل میں جمع ہوجاتے اس طرح اشیاء کا عرق، جوہر یا عطر تیار ہوجاتا تھا۔

تیزاب کی دریافت

جابر نے شورے کے تیزاب کو جو اس کی اہم ترین دریافتوں میں سے ہے اسی قرع انبیق کی مدد سے بنایا تھا موجودہ طریقہ اسی طریقہ کی ایک ترمیم شدہ صورت ہے

تیزاب کے اجزاء

جابر نے شورے کے تیزاب کی تیاری میں گندھک کو براہ راست استعمال نہیں کیا تھا بلکہ اس مقصد کے لئے اس نے عام ملنے والی چیزیں مثلاً پھٹکری، قلمی شورہ اور ہیراکسیس سے کام لیا تھا۔

تیزاب کے اوصاف

تیزاب بنانے کے تجربہ میں جابر نے دیکھا کہ یہ تانبے کے برتن چاندی کی کٹوری اور چمڑے کی تھیلی میں سوراخ کر دیتا ہے اور جب اس نے اس میں اپنی انگلی ڈالی تو وہ جل گئی اسے کئی روز بہت تکلیف رہی۔ اس نے اس مائع کا نام تیزاب رکھا۔ عام اشیاء میں سے ایک سونا اور دوسرا شیشہ دو چیزیں ایسی تھیں جن پر تیزاب کا کچھ اثر نہ ہوا۔ چونکہ اس تیزاب کی تیزی میں قلمی شورے کا جزو غالب تھا۔ اس لئے اسے قلمی شورے کا تیزاب کہا گیا۔

ہیراکسیس کا تیل

اس کامیابی سے متاثر ہوکر جابر نے ان تجربات کو جاری رکھا اور اسی طریقہ سے پھٹکڑی اور ہیراکسیس کو حرارت پہنچا کر ایک اور مائع حاصل کیا۔ یہ شربت کی طرح گاڑھا تھا اور اس کی دھار تیل کی سی تھی۔ اس لئے جابر نے اس کا نام ہیراکسیس کا تیل رکھا۔ یہ مائع کاغذ کو گلا دیتا تھا اور کھانڈ پر ڈالنے سے اس کا رنگ سیاہ ہوجاتا تھا۔ یہ مائع بھی ایک قسم کا تیزاب تھا جو شورے کے تیزاب جتنا تیز نہ تھا، مگر سرکہ اور لیموں کے رس سے بہت طاقتور تھا۔ موجودہ زمانے میں اس تیزاب کو گندھک کا تیزاب کہتے ہیں اسے گندھک سے براہ راست حاصل کیا جاتا ہے۔

حالات زندگی

جابر شیرخوارگی میں یتیم ہوگیا اور اس کا باپ حکومت کے زیر عتاب اور بغاوت کے جرم میں قتل ہوا تھا۔ اس کی تربیت عرب کے ایک بدوی قبیلے میں ہوئی تھی۔ اس لئے اسے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکا۔ لیکن ان ناسازگار حالات کے باوجود اس نے اپنی محنت، قابلیت اور ذہانت سے سائنس میں اپنے لئے اتنا شاندار مقام حاصل کر لیا جو اس کے زمانے میں کسی اور کو حاصل نہ ہوا تھا۔

مرکزی خیال

اس مضمون کا مرکزی خیال یہ ہے کہ سائنس کی دنیا میں نامور مسلم سائنسدان ہو گذرے ہیں۔ جابر بن حیان ایک ایسا ہی نامور سائنسدان تھا۔ وہ بچپن میں یتیم ہو گیا اور اسے حصولِ تعلیم کے مواقع میسر نہ آسکے۔ لیکن اپنی محنت، قابلیت اور ذہانت سے سائنس میں ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ تیزاب اسی کی دریافت ہے۔ اس نے قرع انبیق کا آلہ ایجاد کیا جس سے عرق کھینچنے کا کام لیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اس نے بہت سی کیمیائی اشیاء تیار کیں۔ مثلاً فولاد بنانا، چمڑے رنگنا، دھاتوں کو مصفا کرنا، موم جامہ بنانا، لوہے کو زنگ سے بچانے کے لئے اس پر وارنش کرنا۔ بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے خضاب بنانا وغیرہ۔ اس نے کیمیا میں تجربے پر بڑا زور دیا ہے۔

پیروں کی تشریح

پیرا ۱: کیمیا میں سب سے ضروری شے تجربہ ہے جو شخص اپنے علم کی بنیاد تجربے پر نہیں رکھتا وہ ہمیشہ غلطی کھاتا ہے۔ پس اگر تم کیمیا کا صحیح علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو تجربوں پر انحصار کرو اور صرف اس علم کو صحیح جانو جو تجربے سے ثابت ہو جائے۔ ایک کیمیا دان کی عظمت اس بات میں نہیں ہے کہ اس نے کیا کچھ پڑھا ہے بلکہ اس بات میں ہے کہ اس نے کیا کچھ تجربے کے ذریعے ثابت کیا ہے۔

حوالہ متن یہ اقتباس حمید عسکری کے مضمون "جابر بن حیان" ایک نامور مسلم سائنسدان سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق مصنف نے اس مضمون میں بیان کیا ہے کہ جابر بن حیان ایک نامور مسلم سائنسدان تھا۔ اسے اپنے زمانے میں سائنس کی دنیا میں ایک ممتاز اور منفرد مقام حاصل تھا۔ وہ کیمیا کے تمام تجرباتی عملوں مثلاً حل کرنا، فلٹر کرنا، کشید کرنا، عمل تصعید سے اشیاء کا جوہر اڑانا اور قلماؤ کے ذریعے اشیاء کی قلمیں بنانا، ان سب سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اپنے کیمیائی تجربوں میں ان سے بکثرت کام لیتا تھا۔ اس لحاظ سے وہ تجرباتی کیمیا کا ماہر تھا اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کے باعث اس کا شمار قدیم زمانے کے ممتاز سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ اپنی ایک کتاب میں اس نے بڑی وضاحت سے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

تشریح: جابر اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے کہ علم کیمیا میں سب سے اہم اور بنیادی چیز

تجربہ ہے۔ جو آدمی اپنے علم کو تجربات سے نہیں بڑھاتا اور ان تجربات پر اپنے علم کی بنیاد نہیں رکھتا وہ ہمیشہ غلطی کو جاتا ہے۔ اس کا علم قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر تم کیمیا کا صحیح اور مکمل علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی بنیاد تجربوں پر رکھو اور صرف اس عمل کو درست اور قابلِ اعتماد جانو جو تجربے کی کسوٹی پر پورا اترے اور وہ عملی طور پر ثابت ہو جائے ایک ماہر علم کیمیا کی بڑائی اس بات میں نہیں ہے کہ اس نے کتنا علم پڑھا ہے، کتنی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور کتنے نظریات سیکھے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اس کی بڑائی اس بات میں ہے کہ اس نے جو کچھ حاصل کیا یا سیکھا ہے اسے تجربے کے ذریعے ثابت بھی کیا ہے یا نہیں۔ سائنس میں نظریہ کے مقابلے میں تجربہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہے جیسا کہ ایک سائنسدان کا قول ہے۔

"ایک ٹن نظریات کے مقابلے میں ایک اونس تجربہ بدرجہا بہتر ہے"۔

پیرا ۲۔ اس نے اپنی کیمیا کی کتابوں میں فولاد بنانے، چمڑے کو رنگنے، دھاتوں کو مصفا کرنے موم جامہ بنانے، لوہے کو زنگ سے بچانے کے لئے اس پر وارنش کرنے، بالوں کو سیاہ کرنے اور اس قسم کی بیسیوں مفید اشیاء بنانے کے طریقے بیان کئے ہیں۔ ان اشیاء کی تیاری موجودہ زمانے میں بھی کافی مشکل سمجھی جاتی ہے اور اسے سر انجام دینے کے لئے بہت زیادہ فنی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے زمانے میں جب کیمیا کا علم موجودہ زمانے کی نسبت بے حد محدود تھا، جابر کے لئے ان کارآمد اشیاء کا تیار کر لینا صنعتی کیمیا میں اس کے اعلیٰ علم اور بے فنی مہارت کی دلیل ہے۔

حوالہ متن یہ عبارت حمید عسکری کے مضمون جابر بن حیان۔ ایک نامور مسلم سائنسدان سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق اس مضمون میں مصنف نے بیان کیا ہے کہ جابر بن حیان ایک نامور مسلم سائنسدان تھا۔ وہ اپنے زمانے میں سائنس کی دنیا میں ایک ممتاز اور منفرد مقام رکھتا تھا۔ اس نے علم کیمیا میں بڑی خدمات سر انجام دی ہیں اور کئی کتابیں لکھی ہیں۔ عمل تکلیس جسے عام زبان میں دھات کا کشتہ بنانا کہتے ہیں، وہ عمل ہے جس کے ماتحت ایک دھات کو گرمی پہنچا کر آکسائیڈ اور بعض حالتوں میں اس کا کوئی اور مرکب تیار کیا جاتا ہے۔ جابر اس علم سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ اس نے اس خاص عمل پر ایک جامع کتاب تصنیف کی ہے۔ جس میں اس نے دھاتوں کے مرکبات یعنی کشتے بنانے کے طریقے وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

تشریح جابر نے اپنی کیمیا کی کتابوں میں بے شمار کارآمد کیمیائی چیزیں بنانے کے طریقے خوب وضاحت سے بیان کئے ہیں۔ مثلاً کچھ چیزوں کے نام

یہ ہیں۔ فولاد بنانا، چمڑے کو رنگنا، دھاتوں کا صاف کرنا، موم جامہ بنانا، لوہے کو زنگ سے بچانے کے لئے اس پر روغن کرنا، بالوں کو سیاہ اور کالا کرنا کے لئے خضاب تیار کرنا (ایک طرح کی مہندی) وغیرہ ان کیمیائی چیزوں کی تیاری اس جدید دور میں بھی بہت مشکل خیال کی جاتی ہے اور اسے مکمل کرنے کے لئے کافی علمی و فنی لیاقت کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ فنی مہارت کے بغیر یہ کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا اس سے آپ بخوبی اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک ایسے زمانے میں جب علم کیمیا جدید دور کے مقابلے میں بہت ہی مختصر تھا اور اس کا دائرہ محدود تھا۔ جابر نے ان مفید چیزوں کو تیار کر کے کس قدر قابلیت اور فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ اپنے زمانے کے لحاظ سے اس کی یہ مہارت اور فنی لیاقت حیرت انگیز ہے۔ اس نے اپنے نظریات کی بنیاد ٹھوس تجربات پر رکھی اور سائنس کی دنیا میں قابل قدر چیزوں کا اضافہ کیا۔

پیرا ۳:۔ جابر شیر خوارگی میں یتیم ہو گیا اس کا باپ حکومت کا معتوب تھا اور بغاوت کے جرم میں قتل ہوا تھا۔ اس کی تربیت عرب کے ایک دور افتادہ علاقے کے ایک بدوی قبیلے میں ہوئی تھی جہاں اس نے اپنے بچپن اور جوانی کے ایام گزارے تھے۔ یہ تینوں امور ایسے تھے جن کے باعث اس زمانے کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا کوئی موقع اسے میسر نہیں آ سکتا تھا۔ لیکن ان کے ناساز حالات کے باوجود اس نے اپنی محنت، قابلیت اور ذہانت سے سائنس میں اپنے لئے اتنا اونچا مقام حاصل کر لیا جو اس کے زمانے میں کسی اور کو حاصل نہ ہوا تھا۔

حوالہ متن یہ اقتباس حمید عسکری کے مضمون "جابر بن حیان ۔ ایک نامور مسلم سائنسدان" سے لیا گیا ہے۔

سیاق و سباق اس مضمون میں مصنف نے بیان کیا ہے کہ جابر بن حیان ایک نامور مسلم سائنس دان تھا۔ اس نے سائنس کے میدان میں قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس نے کئی کیمیائی اشیاء تیار کیں اور ان کے طریقے تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں بیان کئے۔ وہ شورے کے تیزاب کا موجد ہے۔ اس نے قرع انبیق کا آلہ ایجاد کیا جو عرق کھینچنے کے کام آتا ہے۔ اسی طرح اور بھی اس نے کئی مفید اضافے کئے۔ اگرچہ اسے اعلیٰ تعلیم کا موقع نہ مل سکا پھر بھی وہ اپنے فن میں یکتا تھا۔

تشریح جابر بن حیان کا باپ اس وقت فوت ہو گیا تھا جب وہ ایک دودھ پیتا بچہ تھا۔ اس طرح اسے پیدائش کے ساتھ ہی یتیمی کا داغ اٹھانا پڑا۔ اس کا باپ وقت کی حکومت کے زیر عتاب تھا اور حکومت نے اسے بغاوت کے جرم میں قتل کر دیا تھا یوں اسے گہرے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کی پرورش عرب کے ایک دور دراز علاقے کے ایک دیہاتی

عرب قبیلے میں ہوئی۔ وہیں اس نے اپنے بچپن اور جوانی کا زمانہ گذارا۔ یہ تینوں باتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے اسے اس زمانے کے لحاظ سے کسی قسم کی باقاعدہ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا اور وہ کسی باقاعدہ تعلیمی ادارے سے اپنی علمی پیاس نہ بجھا سکا لیکن اس کے باوجود ان ناموافق اور مخالف حالات کے ہوتے ہوئے اس نے اپنی خداداد محنت، قابلیت اور لیاقت و ذہانت سے سائنس کی دنیا میں اپنے لیے اس قدر بلند مقام سے نوازا تھا اور اپنی مسلسل محنت سے یہ اونچا مقام حاصل کر لیا۔ مولانا حالی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

نہ بونصر تھا نوع میں ہم سے بالا ۔۔۔ نہ تھا بو علی کچھ جہاں سے نرالا
طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا ۔۔۔ ہوئے اس لئے صاحب قدر والا

سوالات

سوال: جابر بن حیان نے سونا بنانے کے بارے میں کیا نظریات پیش کئے؟

جواب: جابر کے زمانے میں کیمیا کا علم ہوس تک محدود تھا۔ یہ وہ علم تھا جس کے ذریعے کم قیمت دھاتوں مثلاً پارے یا تانبے یا چاندی کو سونے میں منتقل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ جابر اگرچہ یہ یقین رکھتا تھا کہ کم قیمت دھاتوں کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی تحقیقات کا دائرہ اس سے کہیں وسیع تھا۔

دھاتوں کے متعلق جابر کا نظریہ یہ تھا کہ تمام دھاتیں گندھک اور پارے سے بنتی ہیں۔ جب دونوں اشیاء بالکل خاص حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ کیمیائی ملاپ کرتی ہیں تو سونا پیدا ہوتا ہے اس نظریے کے مطابق چونکہ دیگر دھاتوں اور سونے کی کیمیائی ترکیب میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کم قیمت دھاتوں کو سونا میں تبدیل کر لینا عین ممکن ہے۔

یہ امر بظاہر حیران کن ہے کہ خود جابر نے اس طور سے کم قیمت دھاتوں کو تبدیل کرنے کی چنداں کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ابتدائی تجربوں سے جان گیا تھا کہ گندھک اور پارے کو ملا کر سونا بنانے کی کوشش بعض نامعلوم وجوہ سے عملی طور پر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس کے مطابق وہ گندھک جس کو پارے کے ساتھ کیمیائی طور پر ملانے سے سونا بنتا ہے۔ اس عام گندھک کے علاوہ اور شے ہے جابر کے اس بیان کے بعد لوگوں نے اس فرضی گندھک کا نام کبریت احمر رکھ لیا تھا جس کی تلاش میں وہ اپنی ساری عمر اور اپنے سارے وسائل صرف کر دیتے ہیں۔ لیکن بے سود۔

سوال: جابر بن حیان نے کون کون سی کیمیائی اشیاء تیار کیں؟

جواب: جابر نے اپنی کیمیا کی کتاب میں فولاد بنانے، چمڑے کو رنگنے، دھاتوں کو مصفا کرنے، موم جامہ بنانے، لوہے کو زنگ سے بچانے کے لئے اس پر وارنش کرنے، بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے خضاب تیار

کرنے اور اس قسم کی بیسیوں مفید اشیاء بنانے کے طریقے بیان کئے ہیں۔ ان اشیاء کی تیاری موجودہ زمانے میں بھی کافی مشکل سمجھی جاتی ہے اور اسے سرانجام دینے کے لئے بہت زیادہ فنی قابلیت کی ضرورت ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے زمانے میں جب کیمیا کا علم موجودہ زمانے کی نسبت بے حد محدود تھا، جابر کے لئے ان کارآمد اشیاء کا تیار کر لینا صنعتی کیمیا میں اس کے اعلیٰ علم اور بے مثل فنی مہارت کی دلیل ہے۔

سوال: جابر بن حیان کی ایجاد قرع انبیق کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: قرع انبیق جابر بن حیان کی ایک خاص اور قابل قدر ایجاد ہے جس سے کشید کرنے، عرق کھینچنے اور ست یا جوہر نکالنے کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ آلہ دو علیحدہ علیحدہ برتنوں پر مشتمل ہوتا تھا جن میں سے ایک کو قرع اور دوسرے کو انبیق کہتے تھے۔ قرع عموماً ایک صراحی کی شکل کا ہوتا تھا جس کی گردن چوڑی مگر چھوٹی ہوتی تھی انبیق بھبکے کی شکل کا تھا جس کے پہلو میں ایک لمبی نالی لگی ہوتی تھی۔ یہ دوسرا حصہ پہلے حصے کے اوپر صحیح طور سے آ جاتا ہے اور اس میں پھنس جاتا ہے جب قرع انبیق سے کسی مائع کو کشید کرنا ہو تو اسے قرع میں ڈال دیا جاتا یا اگر کسی چیز کا عرق نکالنا ہوتا تو اسے بھی پانی میں بھگو کر قرع میں بھر دیا جاتا۔ پھر اس کی گردن میں انبیق کو اٹکا کر کے لٹکا دیا جاتا اور دونوں کے مقام اتصال (ملنے کی جگہ) کو ہوا روک بنانے کے لئے وہاں گندھے ہوئے آٹے یا بھیگی ہوئی گاچنی مٹی کی لیپ کر دی جاتی۔

اس کے بعد قرع کو اسی حالت میں چولہے پر رکھ کر حرارت پہنچائی جاتی۔ حرارت کے اثر سے ان اشیاء میں سے جو قرع کے اندر پڑی ہوتیں۔ بخارات اٹھنے شروع ہو جاتے ہیں جو انبیق میں داخل ہو کر اس کی لمبی نالی میں نکلتے۔ اس نالی کے ساتھ ایک بوتل لگا دی جاتی۔ اور بوتل کے بیرونی حصے کو ٹھنڈے پانی میں ڈبو کر رکھ دیا جاتا۔ بوتل کے اندر ٹھنڈک سے یہ بخارات دوبارہ مائع بن جاتے یہی مائع قرع میں ڈالی ہوئی اشیاء کا عرق یا جوہر یا عطر ہوتا تھا۔

سوال: جابر نے شورے کا تیزاب کس طرح تیار کیا؟

جواب: جابر نے شورے کے تیزاب کو جو اس کی اہم ترین دریافتوں میں سے ہے قرع انبیق کی مدد سے بنایا تھا۔ موجودہ زمانے میں شورے کے تیزاب کو تیار کرنے کا طریقہ سے جسے تجربہ گاہوں میں برتا جاتا ہے، یہ ہے کہ ایک ریٹارٹ میں دراصل قرع انبیق کی ترمیم شدہ صورت ہے۔ قلمی شورا ڈال کر اس میں گندھک کا تیزاب ملا دیا جاتا ہے۔

جابر نے شورے کے تیزاب کی تیاری میں گندھک کو براہ راست استعمال نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس مقصد کے لئے اس نے عام دستیاب ہونے والی تین چیزوں یعنی پھٹکری، ہیرا کیس اور قلمی شورے سے کام لیا تھا، یہ تیار شدہ مائع اتنا تیز تھا کہ اس نے تانبے کے برتن چاندی کی کٹوری اور چمڑے کی تھیلی میں

سوراخ کر دیئے خود قرع انبیق کو بھی اس سے نقصان پہنچا اور اس کا رنگ اتر گیا۔ جب اس مائع کو انگلی لگائی گئی تو وہ جل گئی۔ جابر نے اس مائع کا نام تیزاب رکھا اور چونکہ اس کی تیزی میں قلمی شورے کا جزو غالب تھا۔ اس لئے اس کو قلمی شورے کا تیزاب کہنا مناسب ہوگا۔ عام اشیاء میں سے ایک سونا اور دوسرا شیشہ ہی دو چیزیں ہیں جن پر اس تیزاب کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

سوال: جابر نے ہیرا کسیس کا تیل کیسے ایجاد کیا؟

جواب: شورے کے تیزاب والی کامیابی سے متاثر ہو کر جابر نے ان تجربات کو جاری رکھا اور قرع انبیق کے اسی طریقے سے پھٹکری اور ہیرا کسیس کو حرارت پہنچا کر ایک اور مائع حاصل کیا۔ یہ شربت کیطرح گاڑھا تھا اور اس کی دھار تیل کی سی تھی۔ اس لئے جابر نے اس کا نام ہیرا کسیس کا تیل رکھا۔ یہ مائع کاغذ کو گلا دیتا ہے اور جب اس کو کھانڈ پر ڈالا جاتا تھا تو کھانڈ کا رنگ سیاہ ہو جاتا تھا۔ پانی ملانے سے اس مائع میں بہت حرارت پیدا ہوتی تھی جس کی وجہ سے اس کا ٹمپریچر بڑھ جاتا تھا۔ یہ مائع بھی ایک قسم کا تیزاب تھا جو شورے کے تیزاب جتنا تیز نہ تھا مگر سرکہ اور لیموں کے رس سے بہت زیادہ طاقتور تھا موجودہ زمانے میں اس تیزاب کو گندھک کا تیزاب یا سلفیورک ایسڈ کہتے ہیں۔

سوال: جابر بن حیان کی تربیت کیسے ہوئی؟

جواب: جابر شیر خوارگی ہی میں یتیم ہوگیا تھا۔ اس کا باپ حکومت کے زیر عتاب تھا اور بغاوت کے جرم میں قتل ہوا تھا۔ اس کی تربیت عرب کے ایک دور دراز کے بدوی قبیلے میں ہوئی تھی جہاں اس نے اپنے بچپن اور جوانی کے ایام گذارے تھے۔ یہ تینوں امور ایسے تھے جن کے باعث اس زمانے کی اعلی التعلیم حاصل کرنے کا کوئی موقع اسے میسر نہیں آسکتا تھا۔ لیکن ان ناموافق حالات کے باوجود اس نے اپنی قابلیت محنت اور ذہانت سے سائنس میں اپنے لئے اتنا اونچا مقام حاصل کر لیا جو اس زمانے میں کسی اور کو حاصل نہ ہوا تھا۔

آفتاب حسن

ولادت ۱۹۰۹ء

پیٹرولیم

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
انمول	نہایت قیمتی	جدید	نئی	نقل و حمل	سامان ایک جگہ سے
تیزرو	تیز رفتار	طول طویل	بہت لمبے	״	دوسری جگہ لے جانا

الفاظ	معانی	الفاظ		الفاظ	معانی
ایندھن	جلانے کی لکڑی	مزاحمت	۔ نوک	مؤرخ	تاریخ لکھنے والا
"	وغیرہ	برما	لکڑی میں سوراخ	آلات	آلہ کی جمع
نقطہ نگاہ	اندازِ فکر	"	کرنے کا آلہ سنبہ	مزین	سجا ہوا
عناصر	عنصر کی جمع۔	آمیزہ مکسچر	دو یا دو سے زیادہ	تعجب انگیز	حیران کرنے والی
"	اصلی جزو	"	چیزوں سے مرکب	قطعی	بالکل مکمل طور پر
نامیاتی	نشوونما سے متعلق	شیل	خول، چھلکا	رسوبی چٹانیں	تہہ دار چٹانیں
ماخذ	اصل بنیاد	مدوجزر	اتار چڑھاؤ	نامیہ	بڑھنے کی قوت
تحلیل ہونا	حل ہونا	آتش فشانی	لاوا اگلنا	"	نشوونما پانے
سنگِ خارا	سخت پتھر	ارضیات	ارض کی جمع۔ زمینیں	"	والی چیز
قبل	پہلے	"	یا زمینی طبقات	ارضیاتی	زمین سے متعلق
کوہان	اونٹ کی پیٹھ	گنبد	برج۔ مدور چھت جو	خم	جھکاؤ
"	کی بلندی	"	مسجد اور مقبروں میں	کثافت	گاڑھا پن
—	—	"	ہوتی ہے	—	—

خلاصہ

پٹرولیم کی اہمیت

ہماری زمین انمول خزانوں سے بھری پڑی ہے۔ ان خزانوں میں پٹرولیم کا کوئی بدل نہیں۔ جدید دنیا مشین کی دنیا ہے مشین قوت سے چلتی ہے۔ قوت کے تین ذریعے ہیں۔ بجلی۔ کوئلہ اور پٹرول۔ بجلی ایک جگہ قائم رہنے والی مشینوں کے لئے موزوں۔ تار کے ذریعے بجلی کے کارخانوں سے تعلق ہوتا ہے۔ بجلی سے موٹر اور ہوائی جہاز چلانے ممکن نہیں۔ کوئلہ کارخانوں، جہازوں اور ریلوں میں استعمال ہوتا ہے۔ زیادہ وزن کے باعث تیز اور ہلکی مشینوں میں یہ کام نہیں دے سکتا۔ پٹرول صاف ستھری جلد بھڑک اٹھنے والی چیز ہے جو مشینوں کے جسم میں خون کی حیثیت رکھتا ہے۔ تیز ترین مشینیں اسی سے چلتی ہیں۔ پٹرول مشینوں میں ایندھن اور چکنائی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

پٹرولیم کو معدنی تیل بھی کہا جاتا ہے۔ پودوں سے جو تیل حاصل ہوتا ہے اسے نباتاتی تیل کہتے ہیں۔

پرانے لوگ پٹرولیم سے واقف تھے

پرانے لوگ اس سے واقف تھے۔ انجیل میں اس کا ذکر موجود ہے۔ قدیم مورخ ہیروڈوٹس نے بابل کے قریب اس کی نشاندہی کی۔ ملیناس نے صقلیہ کے قریب اس کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ پرانی جاپانی اور چینی کتابوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔ مشہور سیاح مارکوپولو نے اس کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ تیل کھانے کے لائق نہیں۔ پرانے لوگ اسے جلانے کے علاوہ دوا کے کام میں بھی لاتے ہیں۔ اس کی پرچ کو کشتیوں کو پانی کے اثر سے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ چینی لوگ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے زمین سے تیل نکالتے تھے برما میں ابراوادی ندی کے کنارے جو چشمے ہیں۔ بہت قدیم ہیں۔

زمین کے اندر تیل کس طرح بنا؟

بظاہر پٹرولیم ایک بہت سادہ چیز ہے۔ یہ صرف دو عناصر کاربن اور ہائیڈروجن سے مل کر بنا ہے یہ صنعت اس قدر اہم ہے لیکن ابھی تک یہ قطعی طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ چیز کس طرح وجود میں آئی؟ مختلف لوگ مختلف خیال رکھتے ہیں۔ ایک نظریئے کے مطابق پٹرول کاربن اور ہائیڈروجن معدنیات سے آیا ہے۔ یہ غیر نامیاتی نظریہ ہے۔ اگر یہ نظریہ صحیح ہوتا تو پٹرولیم کا ذخیرہ کبھی ختم نہ ہوتا۔ زیادہ تر رائے نامیاتی نظریے کی طرف ہے اس نظریے کے مطابق پٹرولیم کے کاربن اور ہائیڈروجن کے ماخذ مردہ معدنی اشیاء نہیں بلکہ ننھے ننھے حیوانی اور نباتاتی جاندار ہیں۔ آج سے کروڑوں سال پہلے زمین کی حالت مختلف تھی۔ آج جہاں خشکی ہے، وہاں سمندر موجزن تھا اور جہاں سمندر ہے وہاں گھنے جنگل اور پہاڑ اپنے زمانے کے جانوروں سے بھرے ہوئے تھے۔ مٹی سمندر کی تہہ میں تہہ دار جمتی گئی اور پتھر کی صورت اختیار کر گئی۔

زمین کے اندرونی مادے میں ہلچل مچی رہتی ہے۔ اس طرح سطح زمین پر مسلسل تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ آج ہم خشک زمین پر کبھی سطح کے اوپر اور کبھی سطح کے نیچے پتھروں کی تہہ پر جمی ہوئی چٹانیں دیکھتے ہیں نامیاتی نظریئے کے مطابق دریا کی مٹی کے ساتھ بے شمار ننھے ننھے جاندار (حیوانی اور نباتاتی) بھی سمندر میں داخل ہوتے رہتے ہیں اور سمندر کی تہہ میں جمتے رہتے ہیں۔ پھر اندرونی حرارت اور زبردست دباؤ کے تحت ان کی آہستہ آہستہ تحلیل شروع ہو جاتی ہے۔ لاکھوں سال یہ عمل قائم رہتا ہے اس کا نتیجہ آخر کار پٹرولیم کی صورت میں سامنے آتا ہے اور یہ ریتلی جگہ پر جمع ہو جاتا ہے۔

نامیاتی نظریئے کے ماننے والوں کے تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ کے مطابق تیل صرف ننھے ننھے کیڑوں کی تحلیل سے پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ننھے ننھے پودوں کے سبب سے اور تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ اس میں دونوں قسم کے جانداروں کا حصہ ہے۔

کن جگہوں میں تیل پایا جاتا ہے

اب یہ دیکھنا ہے کہ خطہ زمین پر تیل کس جگہ پایا

جاتا ہے اور کہاں اس کے موجود ہونے کا امکان نہیں ہے ؟ زمین کے ہر حصے میں پٹرول پائے جانے کا امکان نہیں ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ تیل پائے جانے کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس جگہ مسام دار چٹانیں موجود ہوں جن میں تیل جمع رہے۔ دوسری ضروری چیز ایک غیر مسام دار تہہ کے اوپر تیل کو محفوظ رکھ سکے۔ تیسری ضروری چیز یہ ہے کہ زمین کی بناوٹ اندرونی ایسی ہونی چاہیئے کہ تیل دور دور سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جائے، ورنہ تیل کا حاصل کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ چوتھی اور سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ایسا ماخذ ہونا چاہیئے جس سے تیل نکل سکے۔

زمین کے بہت سے حصے ہیں جو بڑی سخت آتش فشانی چٹانوں سے بنے ہوئے ہیں۔ ایسے خطوں میں تیل کی تلاش بیکار ہے۔ جہاں تیل پایا نہیں جا سکتا۔ سطح زمین کا تقریباً آدھا حصہ سخت چٹانوں سے بنا ہے۔ اس لئے جب تیل ڈھونڈنا ہو تو صرف ایسی جگہیں دیکھی جائیں جہاں تہہ دار چٹانیں موجود ہوں یا قریب ہوں۔ ارضیات کا ماہر سطح کے اندر سے نکالی ہوئی مٹی اور پتھر کا امتحان کر کے یہ بتا سکتا ہے کہ تیل کہاں سے نکل سکتا ہے ؟ اس کے بعد یہ دیکھتا ہے کہ زمین کی بناوٹ ایسی ہے یا کہ نہیں اس میں دور دور سے تیل آکر ایک محدود علاقے میں جمع ہو سکے اور مسام دار تہہ کے اوپر ایک غیر مسام دار تہہ بھی موجود ہے یا نہیں۔

جب زمین کے کسی حصے میں تیل تیار ہو چکا ہے تو وہ مٹی کی تہہ میں پھیلا رہتا ہے۔ وہاں دباؤ پڑنے سے تیل ریت وغیرہ کی تہہ میں چلا جاتا ہے۔ پھر کسی دباؤ کے تحت یہ اپنی جگہ سے حرکت کرنا شروع کرتا ہے اور اس جگہ جمع ہونے لگتا ہے جہاں سے وہ نہیں نکل سکتا۔

ارضیاتی تبدیلیوں اور زمین کی سطحی حرکات کے باعث اس کی تہوں میں شکنیں پڑ جاتی ہیں اور جگہ بہ جگہ تہہ بہ تہہ اٹھ کر کوہان اور گنبد نما بن جاتی ہے اور یہی حصے آئندہ تیل کے ماخذ بن جاتے ہیں۔

جہاں تیل ہوتا ہے وہاں گیس بھی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن یہ لازمی نہیں کہ جہاں گیس ہو وہاں سے تیل بھی نکلے۔ گیس سب سے ہلکی ہوتی ہے اس لئے اوپر رہتی ہے۔ اس کے نیچے تیل ہوتا ہے اور سب سے نیچے پانی۔ پاکستان میں سوئی گیس بلوچستان کے علاقے میں تیل تلاش کرتے ہوئے اسی طرح اتفاقیہ دریافت ہو گئی۔

مرکزی خیال

پٹرول زمین کے انمول خزانوں میں سے ایک ہے۔ جس کا کوئی بدل نہیں۔ پٹرول دور جدید کی مشینوں کے جسم میں خون کی حیثیت رکھتا ہے۔ قدیم زمانے کے لوگ بھی پٹرولیم (تیل) سے واقف تھے اور

اسے استعمال کرتے تھے۔ پٹرولیم صرف دو عناصر کاربن اور ہائیڈروجن سے مل کر بنا ہے، عام نظریئے کیمطابق تیل ننھے ننھے کیڑوں کی تحلیل سے پیدا ہوتا ہے اور زمین کے خاص حصّوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی موجودگی کے لئے مسام دار چٹانیں اور زمین کی مخصوص بناوٹ ضروری ہے۔ زمین کے کسی حصے میں تیار ہو کر مٹی کی تہہ میں بیٹھا رہتا ہے۔ جہاں تیل ہے وہاں گیس بھی ضروری ہے لیکن یہ لازمی نہیں کہ جہاں گیس ہو وہاں سے تیل بھی نکلے۔

پیروں کی تشریح

پیرا ۱: ۔ خشکی، تری اور ہوا میں جب کسی مشین کو آپ حرکت کرتے ہوئے دیکھیں تو یقین کیجئے کہ اس میں پٹرولیم کسی نہ کسی صورت میں استعمال ہو رہا ہے۔ اگر ایندھن کی حیثیت سے نہیں تو کم از کم چکنائی کی حیثیت سے۔ کیونکہ پٹرولیم سے ایسے گاڑھے تیل نکلتے ہیں جن سے مشینوں کے مختلف حصوں کو چکنا کر کے مزاحمت کو کم کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔

حوالہ متن یہ عبارت آفتاب حسن کے مضمون "پٹرولیم" سے لی گئی ہے۔

سیاق و سباق مصنف نے اس مضمون میں پٹرولیم کی اہمیت بیان کی ہے اور اس کے بارے میں دیگر تفصیلات بتائی ہیں۔ کہتے ہیں ہماری زمین انمول خزانوں سے بھری پڑی ہے اور ان خزانوں میں پٹرولیم ایک بیش بہا دولت ہے، جدید دنیا دراصل مشین کی دنیا ہے، مشین قوت سے چلتی ہے مشینوں کو قوت پہنچانے کے لئے اس وقت تین اہم ذریعے ہیں بجلی، کوئلہ اور پٹرول۔ جہاں تک بجلی اور کوئلے کا تعلق ہے، ان کے استعمال میں کچھ مشکلات حائل ہیں اب صرف پٹرول ہی وہ صاف ستھری اور جلد بھڑک اُٹھنے والی چیز ہے جو مشینوں کے جسم میں خون کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا کی تیز ترین مشینیں اس سے چلتی ہیں۔

تشریح مصنف پٹرول کی اہمیت بیان کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اس کے ذریعے ہر قسم کی مشینیں رواں دواں ہیں۔ جدید دنیا کی تمام آٹو مشینری کا دار و مدار اسی پٹرولیم پر ہے۔ آپ زمین، سمندر یا ہوا میں جب کسی مشین کو حرکت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو یقین کریں اس میں پٹرولیم کسی نہ کسی صورت اور انداز میں استعمال ہو رہا ہوتا ہے۔ اگر پٹرولیم نہ ہو تو تمام مشینیں اور گاڑیاں جام ہو کر رہ جائیں اور زندگی کا تمام کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائے، یہ پٹرولیم مشینوں میں یا تو ایندھن یعنی جلنے والے مواد کے طور پر استعمال ہوتا ہے یا کم سے کم یہ چکنائی کے طور پر مشینوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پٹرولیم سے ایسے گاڑھے اور گہرے تیل بھی نکلتے ہیں جن سے مشینوں کے مختلف حصوں کو چکنا کر کے ان کی رکاوٹ کی قوت کو کم کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس طرح مشینوں کو

کم قوت استعمال کرنی پڑتی ہے اور زیادہ عمدگی اور روانی سے کام کرتی ہیں ۔

پیرا ۲۔ زمین کے بہت سے حصے ایسے ہیں جو بڑی سخت آتش فشانی چٹانوں سے بنے ہوئے ہیں یہ چٹانیں جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے۔ زمین کے اثرات کے سبب سے بنی ہیں، آتش فشاں دھاتوں سے جو مادہ اندر ہی اندر جم جاتا ہے وہ سنگ خارا اور دوسرے سخت پتھروں کی شکل میں نظر آتا ہے۔ ان کے علاوہ ایسی بھی چٹانیں ہیں جن کی حالت بدلی ہوئی ہے۔ ابتداء میں جو حالت ہوتی ہے وہ آتش فشانی یا دوسرے اسباب کے سبب سے بالکل بدل جاتی ہے ۔

حوالہ متن

یہ اقتباس آفتاب حسن کے مضمون "پٹرولیم" سے لیا گیا ہے ۔

سیاق و سباق

اس مضمون میں مصنف نے پٹرولیم کی اہمیت بیان کی ہے۔ آج کے مشینی دور کی تمام ترقی اور چہل پہل کا انحصار پٹرول پر ہے پٹرول مشینوں کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو خون کو جسم کے لئے حاصل ہے۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ پٹرول ممکن جگہوں پر پایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب تک کوئی خطہ ایسا نہ ہو جس میں کسی زمانے میں تیل تیار ہوا ہو جس سے تیل نکل کر موزوں مقامات پر جمع ہو سکے ۔ باقی سب چیزوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے جب تک یہ چاروں چیزیں ایک جگہ پائی جائیں، تیل پائے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ چار چیزیں ہیں مسام دار چٹانیں، غیر مسام دار چٹانیں زمین کی اندرونی مخصوص بناوٹ اور ایسا خطہ جس سے تیل نکل سکے ۔

تشریح

مصنف ان تبدیلیوں کا ذکر کرتا ہے جو وقتاً فوقتاً زمین کے اندر پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ زمین کے بہت سے حصے ایسے ہیں جو ان چٹانوں سے بنے ہیں جو آتش فشاں پہاڑوں کے لاوے سے بنتی ہیں اور یہ چٹانیں بہت سخت ہوتی ہیں جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے، یہ چٹانیں زمین کے اثرات اور تبدیلیوں کے باعث بنتی ہیں۔ لاوے سے بنی ہوئی ان دھاتوں سے جو مادہ اندر ہی اندر جم کر ٹھوس شکل اختیار کر لیتا ہے۔ وہ ایک خاص ٹھوس اور سخت پتھر اور دوسرے عام سخت پتھروں کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ایسی چٹانیں بھی ہیں جن کی حالت مکمل طور پر تبدیل شدہ ہوتی ہے اور وہ نئی شکل اختیار کر لیتی ہے شروع میں ان کی جو حالت ہوتی ہے وہ لاوے کے بہنے یا کچھ دوسری وجوہات کی بناء پر بالکل تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس طرح زمین کی حالت مسلسل بدلتی رہتی ہے۔ کچھ حصے اوپر ابھرتے رہتے ہیں اور کچھ حصے پست ہوتے جاتے ہیں ۔

سوالات

سوال: دورِ جدید میں پٹرولیم کی اہمیت بیان کیجئے؟

جواب: دورِ جدید میں پٹرولیم کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ہماری زمین کے خزانوں میں سے ایک بیش قیمت خزانہ ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ جدید دنیا دراصل مشین کی دنیا ہے۔ مشینیں قوت سے چلتی ہے۔ اگرچہ قوت کی فراہمی کے لیے بجلی اور کوئلہ بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کے استعمال کی راہ میں کچھ ایسی مشکلات حائل ہیں جن پر قابو پانا ممکن نہیں۔ لیکن پٹرول ایک ایسی صاف ستھری جل بھڑک اٹھنے والی چیز ہے جو مشینوں کے جسم میں خون کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا کی تیز ترین مشین اس سے چلتی ہیں۔ ہوائی جہاز، موٹریں اور طرح طرح کی گاڑیاں اس کے بل پر لمبے لمبے فاصلے پل بھر میں طے کر لیتی ہیں۔ خشکی، تری اور ہوا میں جب کسی مشین کو حرکت کرتے ہوئے دیکھیں تو یقین کیجیے کہ اس میں پٹرولیم کسی نہ کسی صورت میں استعمال ہو رہا ہے۔ اگر ایندھن کی حیثیت سے نہیں تو کم از کم چکنائی کی حیثیت سے کیونکہ پٹرولیم سے ایسے گاڑھے تیل بھی نکلتے ہیں جن سے مشینوں کے مختلف حصوں کو چکنا کر کے ان کی مزاحمت کو کم کرنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔

سوال: کیا پرانے لوگ پٹرولیم سے واقف تھے؟

جواب پٹرولیم کوئی نئی دریافت نہیں ہے۔ پرانے لوگ اس سے واقف تھے۔ انجیل میں اس کا ذکر موجود ہے قدیم مؤرخ ہیروڈوٹس، بابل کے قریب ایک تیل کے چشمے کا ذکر کرتا ہے۔ پلینا اس نے صقلیہ میں معدنی تیل کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ پرانی جاپانی اور چینی کتابوں میں جگہ جگہ معدنی تیل کا بیان ہے۔ مشہور سیاح مارکوپولو اپنے سفرنامے میں باکو کے قریب تیل کے چشموں کا بڑی تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ صرف ایک چشمے سے اسقدر تیل نکلتا ہے کہ اس سے سو جہازوں کو بھرا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مارکوپولو یہ بھی بتاتا ہے کہ تیل کھانے کے لائق نہیں۔ اس کو صرف جلانے کے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

پرانے لوگ تیل کو جلانے کے علاوہ دوا کے کام میں لایا کرتے تھے۔ زخموں کو اچھا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ پٹرولیم سے جب تمام آسانی سے بخارات میں تبدیل ہونے والے اجزا نکل جاتے ہیں تو ایک گاڑھی شے بن جاتی ہے جسے پچ کہتے ہیں۔ اس کو قدیم زمانے میں کشتیوں کو پانی کے اثر سے محفوظ کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔

چینی لوگ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے بہت پہلے زمین کو کھود کھود کر تیل نکالا کرتے تھے برما میں ابراودی ندی کے کنارے جو چشمے ہیں۔ بہت قدیم ہیں۔ آج بھی زبردست برموں سے کھودے ہوئے کنوؤں اور جدید آلات سے مزین کارخانوں کے پہلو بہ پہلو ہاتھ سے کھودے ہوئے تیل کے کنویں موجود ہیں جن سے برمی لوگ تیل نکالا کرتے تھے۔

سوال: زمین کے اندر تیل کس طرح بنا؟ **سوال:** کن جگہوں میں تیل پایا جاتا ہے؟

جواب: دیکھیے خلاصہ سبق ہذا۔

حصّہ نظم

مری انتہائے نگارش یہی ہے ۔۔ ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

نظم کی تشریح کے اصول

تمہید: نظم کی تشریح نثر کی تشریح سے یکسر مختلف ہے نثر میں مصنف اپنے خیالات کو کھول کر وضاحت سے بیان کر سکتا ہے، جبکہ نظم میں شاعر کو اپنے خیالات کے اظہار کے لیے اختصار سے کام لینا پڑتا ہے بلکہ بعض اوقات اسے اشارے کنائے سے کام لینا پڑتا ہے اس لیے نظم کی تشریح کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کے نفسِ مضمون کو سمجھا جائے اور پھر جس مفہوم کو شاعر نے اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے، اسے کھول کر وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے شاعر تو قافیے اور ردیف کی پابندی کی وجہ سے کسی خیال یا تصور کو دو مصرعوں میں بیان کرنے پر مجبور ہے لیکن تشریح کرتے وقت آپ پر ایسی کوئی پابندی یا مجبوری نہیں ہے بلکہ آپ زیادہ سے زیادہ الفاظ میں اس خیال یا مضمون کو خوب کھول کر وضاحت کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں

ذیل میں نظم کی تشریح کے کچھ اصول بیان کیے جاتے ہیں :-

(۱) **درست ادائیگی:** سب سے پہلے آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ نظم کے اشعار کو صحیح طور پر ادا کیا جائے، نظم کو سمجھنے کے لیے نظم کی صحیح اور درست ادائیگی نہایت ضروری ہے۔ ظاہر ہے نظم کو پڑھتے وقت ہمیں کہیں رکنا پڑتا ہے اور کہیں کم اور کہیں زیادہ

زور دینا پڑتا ہے۔ اس لیے آپ تشریح کرنے سے پہلے شعر کو دو تین مرتبہ درست ادائیگی کے ساتھ پڑھیں اور منہ میں دھرائیں۔ اس سے شعر کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملے گی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ قوالی گیت اور نغموں کو بڑے اہتمام سے ترنم کے ساتھ موسیقی کے سازوں کی مدد سے خاص لَے سے پیش کیا جاتا ہے جس سے سننے والے محظوظ بھی ہوتے ہیں اور پیش کردہ اشعار کو خوب سمجھ بھی لیتے ہیں۔

۲۔ **حوالۂ متن**:- اس عنوان کے تحت متعلقہ نظم اور شاعر کا حوالہ دیں۔

۳۔ **نثری ترتیب**:- ظاہر ہے شعر میں الفاظ کی ترتیب نثر سے بالکل مختلف ہوتی ہے، کیونکہ شاعر کو قواعد کے اصولوں کے مقابلے میں شعر کے وزن کا زیادہ خیال رکھنا پڑتا ہے، اس لیے اکثر الفاظ آگے پیچھے ہو جاتے ہیں لہٰذا آپ تشریح کرنے سے پہلے شعر کو نثری ترتیب دے لیں، اس سے شعر کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ مثلاً یہ شعر ہے کہ:-

آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر ؛ گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر (انیسؔ)

اس کی نثری ترتیب یوں ہوگی:-

"خلق خاک پر آبِ خنک کو ترستی تھی۔ گویا ہوا سے خاک پر آگ برستی تھی۔"

اس سلسلے میں یہ خیال رہے کہ نثری ترتیب میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ شعر کے الفاظ ہی کو ترتیب میں لانا ہے۔ البتہ حسبِ ضرورت حروفِ اضافت، عطف اور بیان وغیرہ کا استعمال ہو سکتا ہے اور وہ بھی واوین (بریکٹ) میں۔ مثلاً کا، کے، و، تو، کہ وغیرہ۔

۴۔ **حلِ لغت**: تشریح طلب شعر میں جو مشکل الفاظ ہوں، ان کے معنی لکھ دیں۔

۵۔ **سیاق و سباق**:- اگرچہ اشعارِ نظم کی تشریح کے لیے سیاق و سباق مطلوب نہیں ہے بلکہ صرف حوالۂ متن ہی کافی ہے تاہم تشریح کرتے ہوئے متعلقہ نظم کے مجموعی نفسِ مضمون، پس منظر اور مرکزی خیال کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، اس کے بغیر شعر کی تشریح صحیح طور پر نہیں ہو سکتی۔ مثلاً علامہ اقبالؒ کی نظم "شکوہ" کے اشعار کی تشریح کرنی ہو تو یہ بتانا پڑے گا کہ شاعر نے اس نظم میں اللہ تعالےٰ سے شکایت کی ہے کہ مسلمان تیرے نام لیوا ہوتے ہوئے دنیا میں ذلیل و رسوا کیوں ہیں؟

۶۔ **مرکزی خیال**:- اگرچہ شعر کے مرکزی خیال کا الگ عنوان قائم کرنا ضروری نہیں ہے تاہم اس کا تعین کر لینا ضروری اور مفید ہے کیونکہ مرکزی خیال واضح ہو جائے تو شعر کی تشریح بہتر طور پر ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مرکزی خیال ہی شعر کا بنیادی تصور ہوتا ہے جس کی پھر آگے مزید تشریح ہو سکتی ہے۔

۷۔ **تشریح :-** جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، تشریح میں شعر کے مفہوم کو خوب واضح کریں اور اُسے کھول کر بیان کریں۔ صرف شعر کے ظاہری اور مختصر الفاظ کو نہ دیکھیں بلکہ اس مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں جو ان الفاظ کے پردے میں پوشیدہ ہے۔ پھر آپ مختلف، مثالوں، واقعات اور تجربات کی مدد سے تشریح کریں۔ حوالے دیں، مقولے لکھیں۔ ہم مضمون اشعار پیش کریں اور جہاں ضروری اور موقع ہو، قرآنی آیات واحادیث (یا ان کا ترجمہ) کا بھی حوالہ دیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس سلسلے میں آپ کا مطالعہ وسیع ہونا چاہیئے۔ اس مطالعے کی مدد سے آپ مختلف معلومات حوالوں اور مثالوں سے کام لے سکتے ہیں اور اس طرح اپنی تشریح کو زیادہ سے زیادہ مفصل، مؤثر اور جامع بنا سکتے ہیں یعنی جتنا گُڑ ڈالیں گے، اتنا ہی میٹھا ہوگا۔ اگر شعر میں کوئی تلمیح یعنی تاریخی حوالہ ہے تو اس کی وضاحت کر دیں مثلاً دمِ عیسیٰ ایک تلمیح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دیا تھا کہ مردے کو زندہ کر دیتے تھے اور مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں جان ڈال دیتے تھے۔ اسی طرح خضر ایک تلمیح ہے، جو ایک بزرگ ہیں، جنھوں نے آبِ حیات پیا ہے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کسی نہ کسی روپ میں خشکی اور تری میں بھولے بھٹکوں کو راستہ بتا جاتے ہیں۔

۸۔ **تبصرہ :-** تبصرہ کا مطلب ہے رائے زنی۔ یعنی آپ شعر کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں کہ وہ زبان و معنی کے لحاظ سے کیسا ہے؟ آپ اسے تنقید یا ادبی محاسن کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ تنقید کے معنی ہیں پرکھنا، یعنی کسی چیز کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لینا۔ ادبی محاسن سے مراد ہے۔ ادبی خوبیاں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو مختصر طور پر یہ بتانا ہے کہ شعر میں زبان و الفاظ کیسے استعمال کیے گئے ہیں اور اس کا مضمون کیسا ہے؟ اگرچہ اس کا الگ عنوان قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم آپ تشریح کے دوران ہی رائے زنی اور تبصرہ کر سکتے ہیں اس کے لیے اعلیٰ ذہانت اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر آپ اس قسم کے جملے استعمال کر سکتے ہیں (اس سلسلے میں موقع محل اور مناسبت کا خیال رکھنا ضروری ہے) (۱) زبان و معنی (مضمون) کے لحاظ سے عمدہ شعر ہے (۲) شعر میں سادگی، سلاست اور روانی پائی جاتی ہے (۳) شعر فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یاد رہے کہ فصاحت زبان کی عمدگی کو اور بلاغت معنی کی عمدگی کو کہتے ہیں (۴) بہت عمدہ تشبیہ بیان کی گئی ہے (ایک چیز کو کسی دوسری چیز کی مانند قرار دینا) (۵) الفاظ و تراکیب ایسی ہیں جیسے ہیرے جواہرات جڑے ہوں (۶) فلاں لفظ یا ترکیب قواعد کے لحاظ سے درست نہیں۔ (۷) خوب منظر کشی کی ہے (۸) مجھے شاعر کے تصور سے اتفاق ہے/ اتفاق نہیں ہے (۹) جذبات کی بہترین ترجمانی کی ہے (۱۰) شاعر نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

حصۂ نظم
تشریحات

نظیر اکبر آبادی :- نظیر اکبر آبادی عوامی شاعر کہلاتے ہیں۔ ان کی شاعری ہیں عوام کی خوشیاں دکھ درد، رسم و رواج، دلچسپیاں، مشاغل اور احساسات و جذبات کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات قادر الکلامی، انسان دوستی، مقامی رنگ، منظر کشی اور وعظ و نصیحت کا انداز ہے۔

بند ۱: بٹ مار اجل کا آپہنچا ٹک اس کو دیکھ ڈرو بابا — اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آہیں سرد بھرو بابا
دل ہاتھ اٹھا اس جینے سے لے بس جی مار مرو بابا — جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

حل لغت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بٹ مار	راہزن، ڈاکو	ٹک	تھوڑا سا
اجل	موت	اشک	آنسو

تشریح

شاعر موت کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ ڈاکو یا راہزن کے بھیس میں آن پہنچی ہے۔ اس سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس کو دیکھ کر ڈرو اور دل میں خوف کھاؤ کہ اس میں اب ایک لمحہ کی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ جب اجل آپہنچے تو نہ تو ایک لمحہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے لہٰذا اب تم آنسو بہا کر اپنے رنج و غم کا اظہار کر لو اور ٹھنڈی آہیں بھر لو۔ افسوس کرو تاسف کرو لیکن اب تمہارے ہاتھ میں بھی کچھ نہیں آئے گا۔ اب اس زندگی سے دل اور ہاتھ اٹھا لو یعنی اس زندگی کو خیر باد کہو۔ اے میاں! اب تمہیں اپنے نفس کو مارنا پڑے گا۔ ایک وقت تھا کہ جب تمہارا باپ اس دنیا سے رخصت ہوا اور تم اس کی وفات پر آنسو بہاتے رہے اور اب تمہیں خود اپنی خاطر رونا پڑے گا۔ اب تم اپنے لئے ماتم کرو گے۔ تمہارا جسم سوکھ کر کانٹا بن گیا ہے۔ یہ محض ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا ہے۔ تمہاری پیٹھ جھک کر کمان بن گئی ہے۔ ارے بابا! اب گھوڑے کی پیٹھ پر زین کسو اور کوچ کی تیاری کرو۔ اب موت کا ڈنکا بج چکا ہے اس لئے اپنی منزل کی طرف چلنے کی تیاری کرو۔ اب دنیا کو چھوڑ دیجئے کیونکہ اب تمہاری منزل آخرت قریب ہے۔

بند ۲: اب جینے کو تم رخصت دو اور مرنے کو مہمان کرو — خیرات کرو، احسان کرو، یا پن کرو، یا دان کرو!

یا پوری لڈو پتوا و باخاصہ حلوا دان کرو — کچھ لطف نہیں اس جینے کا اب مرنے کا سامان کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

حل لغت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
پن	خیرات	دان	خیرات، صدقہ	خاصہ	شاہی کھانا
تن	جسم	کبڑی	جھکی ہوئی	زین	چار جامہ جو گھوڑے پر کسا جاتا ہے
نقارا	دمامہ، نوبت	—	—	—	

تشریح اب تم زندگی کو رخصت کرو۔ اسے الوداع کہو کیونکہ اب تمہاری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں اور تم اپنی مہلت عمر پوری کر چکے ہو۔ اب تم موت کو اپنا مہمان بناؤ۔ اسے خوش آمدید کہو اسے لبیک کہو۔ گویا اب علامہ اقبال کے الفاظ میں تمہارا یہ حال ہے۔

رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں

آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں

اب تم اس آخری وقت میں خوب خیرات، احسان، نیکی، سخاوت اور صدقہ کر لو تاکہ تمہاری آخرت کی منزل آسان ہو جیسا کہ ایک حدیث کے مطابق صدقہ ردِ بلا ہے اس سے خدا خوش ہوتا ہے اور بندوں کے حقوق پورے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالے نے تم کو رزق میں کشادگی دی ہے اور تمہیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے اس لئے تم شکرِ نعمت کے طور پر پوری، لڈو، عمدہ کھانا یا حلوہ مستحق اور غریب لوگوں میں تقسیم کرو۔ اب تمہارے لئے زندگی میں کوئی لطف یا مزہ باقی نہیں ہے، زندگی تمہارے لئے بے کیف ہو چکی ہے اب تم مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ، تمہارا جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ یہ محض ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا ہے تمہاری پیٹھ جھک کر کمان بن گئی ہے ارے بابا! اب گھوڑے کی پشت پر زین کسو اور تیاری کرو، اب موت کا ڈنکا بج چکا ہے اس لئے اپنی منزل کی طرف چلنے کی فکر کرو۔ اب دنیا کو چھوڑ دو کیونکہ اب تمہاری منزل آخرت ہے۔

بند ۳: گر اچھی کرنی نیک عمل تم دنیا سے لے جاؤ گے — تو گھر بھی اچھا پاؤ گے، رہ بیٹھ کے سکھ سے کھاؤ گے

اور ایسی دولت چھوڑ کے تم خالی ہاتھوں جاؤ گے — کچھ بات نہیں بن آنے کی گھبراؤ گے پچھتاؤ گے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

حل لغت: بات بن آنا: مقصد پورا ہونا۔ کامیابی ہونا۔

تشریح اگر تمہارے عمل اور کام اچھے ہوں گے اور ان اچھے اعمال کا توشہ اپنے ساتھ لے جاؤ گے تو اس میں سراسر تمہارا اپنا بھلا ہے یہ آخرت میں تمہارے کام آئے گا۔ وہاں تمہیں اچھا عمدہ اور پسندیدہ گھر ملے گا۔ یعنی تم جنت کے مزے لوٹو گے اور اللہ تعالےٰ کی طرح طرح کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو گے۔ ورنہ جہاں تک مال دولت کا تعلق ہے، یہ تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے بلکہ یہیں دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور تم خالی ہاتھ آخرت کو سدھارو گے۔ تمہاری مراد کوئی بر نہیں آئے گی۔ کوئی مقصد پورا نہیں ہو گا اور تمہیں کوئی کامیابی نہ ہو گی۔ سوائے اس کے کہ تم گھبراؤ گے، پریشان ہو گے اور اپنے کئے پر شرمندہ ہو گے۔ حدیثِ رسولؐ کے مطابق انسان کے تین دوست ہیں، مال، رشتہ دار اور اعمال۔ مال تو مرنے کے ساتھ ہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، رشتہ دار اسے قبر تک پہنچا آتے ہیں۔ اب صرف اعمال ہی اس کا ساتھ دیتے ہیں اچھے ہیں تو، بُرے ہیں تو...... ایضاً

بند ۴: یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے ۔۔۔ جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات وہ لکڑی گھنتی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی اور دیکھ اجل سر دھنتی ہے ۔۔۔ اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

حل لُغت: گھنا: گھن لگنا۔ اجل: موت۔ سر دھننا: جھومنا

تشریح اے غافل انسان! جسے تم عمر خیال کرتے ہو یہ دراصل تمہارے جسم کو گھلا کر ختم کر رہی ہے، تمہاری مہلتِ حیات ہر لحظہ کم سے کم تر ہو رہی ہے۔ بقول شخصے ؎

غافل! تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی ۔۔۔ گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

تم جس لکڑی کے بھروسے پر تکیہ کئے بیٹھے ہو اس میں گھن لگ چکا ہے اور وہ رفتہ رفتہ شکستہ ہو کر ختم ہو جائے گی۔ شاعر نے انسانی عمر کو ایک سوکھی ہوئی گھن لگی ہوئی لکڑی سے تشبیہ دی ہے اور اسے آخر ایک دن ختم ہو کر رہ جانا ہے۔ اب تم چلنے کی تیاری کرو۔ اپنا سامان گٹھری میں باندھ لو یعنی توشۂ آخرت تیار کر لو موت تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے اور جھوم رہی ہے تمہیں ہرگز اس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا بقول شخصے ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے ۔۔۔ آج ان کی، کل ہماری باری ہے

اب موت تمہارے جسم کا اسی طرح تانا بانا بن رہی ہے جس طرح ایک جولاہا کھڈی پر تانے پیٹے سے کپڑا بنتا ہے یعنی عنقریب تم موت کی آغوش میں چلے جاؤ گے اور تمہیں کفن پہنا دیا جائے گا...... ایضاً

بند ۵: بیوپار تو یاں کا بہت کیا اب واں کا بھی کچھ سودا لو ۔۔۔ جو کھیپ ادھر کو چڑھتی ہے اس کھیت کو یاں سے لدوا لو
اس راہ میں جو کچھ کھاتے ہوں اس کھانے کو بھی منگوا لو ۔۔۔ سب ساتھی پہنچے منزل پر اب تم بھی اپنا رستہ لو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

حل لغت: بیوپار: تجارت، پیشہ، خرید و فروخت۔ کھیپ: بہت سے گدھوں پر بوروں میں بھر کر جو مٹی یا اینٹیں لاتے ہیں۔ اس کا ہر پھیرا کھیپ کہلاتا ہے۔ بوجھ لادنا۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ اے غافل انسان! تم نے دنیاوی تجارت پیشہ اور خرید و فروخت کا کاروبار خوب کر لیا اور نفع کما کر بہت سا مال جمع کر لیا لیکن تمہارا یہ مال یہیں دھرا رہ جائے گا اور آخرت میں یہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا، یہ دنیا کا ساز و سامان ہے اس کا تعلق اسی دنیا سے ہے آخرت میں یہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا، یہ دنیا کا ساز و سامان ہے۔ اس کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ آخرت سے اس کا کچھ لگاؤ نہیں ہے۔ اس لئے تمہیں آخرت کی منزل کے لئے ایسا ساز و سامان تیار کرنا چاہیئے جو وہاں تمہارے کام آسکے، وہ زادِ سفر اپنے ساتھ لو جو تمہارے لئے وہاں کارآمد ثابت ہو سکے۔ قرآن مجید کے مطابق انسان کی اصل تجارت یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان لائے اور جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرے۔ تم نے دنیا میں طرح طرح کی نعمتوں کے مزے اڑائے ہیں۔ لیکن یہ نعمتیں آخرت کی منزل پر کام نہیں آئیں گی۔ وہاں کے کھانے پینے کا سامان اور نعمتیں اور ہیں اس لئے ان کا اہتمام کرو۔ تمہارے تمام رشتہ دار، دوست اور ساتھی اپنی آخرت کی منزل پر پہنچ چکے ہیں، وہ تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، اب تمہیں بھی اپنی اسی منزل کی راہ پکڑنی ہے کیونکہ موت سے کسی کو مفر نہیں ہے .... ایضاً

بند ۱۶: دو چار گھڑی یا دو دن میں اب تن سے جان نکلتی ہے
یہ ہڈی پسلی جتنی ہے یا گلنی ہے یا جلنی ہے
ہے رات جو باقی تھوڑی سی کوئی دم میں وہ بھی ڈھلتی ہے
اٹھ باندھ کمر سویرے سے تم کو بھی منزل چلنی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

تشریح اے غافل انسان! تمہیں یہاں ہمیشہ نہیں رہنا ہے یہاں تمہارا قیام عارضی ہے۔ تمہیں تھوڑی سی مہلت عمر حاصل ہے تھوڑے ہی عرصے کے بعد تمہارے جسم سے تمہاری روح پرواز کر جائے گی کیونکہ موت اٹل ہے اور کسی کو اس سے مفر نہیں۔ قبر میں تمہارے جسم کی ایک ایک ہڈی اور پسلی الگ الگ ہو جائے گی۔ یہ ہڈیاں گل سڑ جائیں گی اور تمہارا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ تمہاری مہلت عمر تیزی سے گذر رہی ہے۔ یہ جو تھوڑی سی رات باقی رہ گئی ہے وہ بھی بس جلد ہی ڈھلنے والی ہے۔ اب کچھ سستا لو اور آرام کر لو۔ پھر جب رات ختم ہو جائے گی تو سویرا ہو جائے گا اور تمہیں پھر اپنی منزل کا سامان کرنا ہو گا۔ شاعر نے یہاں رات کو مہلتِ عمر سے تشبیہ دی ہے اور صبح سویرے کے سفر و کوچ کو آخرت کا کوچ قرار دیا ہے۔ بقول انشاء اللہ خاں انشاء ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
ایضاً

خلاصہ نظم

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اے غافل انسان! اب موت کا پیغام آن پہنچا ہے اس لئے اب آنسو بہاؤ اور سرد آہیں بھرو اب زندگی کو خیر باد کہو اور اپنا ماتم کرو۔ تمہارا بدن ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا ہے اور نقارا بج چکا ہے اس لئے اب کوچ کی تیاری کرو۔ اب تم زندگی کو رخصت کر رہے ہو اور موت تمہاری مہمان ہے اس لئے کچھ صدقہ خیرات کر لو۔ اب جینا بے لطف ہے لہٰذا تم مرنے کا سامان کرو۔ اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تو اچھا صلہ پاؤ گے اور تمہیں آخرت میں اچھا مقام ملے گا۔ دنیا کی دولت یہیں رہ جائے گی۔ اب کوئی تدبیر کارگر نہ ہو گی بلکہ تمہیں گھبراہٹ اور پشیمانی اٹھانی پڑے گی۔ تمہاری عمر مسلسل گھٹتی جا رہی ہے کیونکہ تمہاری عمر کو لکڑی کو گھن لگ چکا ہے۔ اب زادِ سفر باندھ لو کیونکہ موت سر پر کھڑی ہے۔ اب موت تمہارا کفن تیار کر رہی ہے۔ تم نے دنیاوی کاروبار خوب کر لیا اب آخرت کی فکر کرو اور وہاں کا کچھ بندوبست کرو۔ تمہارے ساتھی تم سے بچھڑ چکے ہیں۔ اب تمہاری باری ہے اب تم چند روز کے مہمان ہو۔ تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا۔ تمہاری عمر کی جو تھوڑی سی رات باقی رہ گئی ہے وہ ڈھلنے والی ہے اب اپنی کمر باندھ لو کیونکہ تمہیں سویرے ہی اپنی منزل کی راہ لینی ہے۔

مرکزی خیال اس نظم کا مرکزی خیال ہے کہ انسان فانی ہے۔ اسے دنیا میں تھوڑی سی مہلت عمر حاصل ہے اس کے بعد اسے آخرت کی طرف کوچ کرنا ہے۔ موت اٹل ہے اس سے کسی کو مفر نہیں، مال و دولت اور کاروبارِ تجارت انسان کے کام نہیں آئیں گے بلکہ نیک اعمال ہی اس کے کام آئیں گے۔ انسان کو زندگی یوں گزارنی چاہیئے کہ اسے مرنے کے وقت پچھتاوے کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ؛

"جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہیں پروردگار کی ذات (بابرکت) جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی۔"

میر انیسؔ :-

انیسؔ اُردو مرثیہ گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات فصاحت و بلاغت، منظر نگاری، جذبات نگاری، واقعہ نگاری، بسرت نگاری قادر الکلامی اور شاعرانہ فنی محاسن ہیں

دُنیا

بند ۱: دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد، حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی بھی یکساں نہیں گزری

حلِ لغت: راحت: سکھ، چین۔ گُل: پھول۔ بوئے محبت: محبت کی خوشبو۔ مروت رعایت: خلق۔ لحاظ۔ حلاوت: مٹھاس: شیرینی۔ الم: رنج و غم۔ شامِ غریباں: مصیبت کی شام جو بحالت سفر ہو۔ عاشورہ محرم کے بعد گیارھویں شب جس میں آلِ رسولؐ کربلا میں حضرت امام حسین کی شہادت اور خیمے جلنے کے بعد جلی ہوئی قناتوں میں بیٹھی: یکساں۔ ایک جیسی۔

تشریح گھر کی تعریف اور خوبی یہ ہے کہ اس میں سکھ چین اور آرام ہو لیکن دنیا ایک ایسا گھر ہے جس میں ان چیزوں کا نام و نشان نہیں ہے۔ اس کے برعکس اسے دکھوں کا گھر کہنا چاہیئے۔ اسی طرح پھول کی خوبی یہ ہے کہ اس میں خوشبو ہوتی ہے لیکن دنیا ایک ایسا پھول ہے جس میں محبت کی خوشبو نہیں ہے۔ یہاں خلوص محبت ناپید ہے۔ اس کی بجائے خود غرضی اور لالچ کا دور دورہ ہے۔ دوست کی تعریف اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خلق و لحاظ کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہ مصیبت میں کام آئے جیسا کہ ایک کہاوت ہے کہ دوست وہ جو آڑے وقت میں کام آئے لیکن دنیا ایک ایسا دوست ہے جس میں خلق و لحاظ اور رعایت و رواداری ناپید ہے۔ شہد کی خوبی یہ ہے کہ اس میں شیرینی اور مٹھاس ہوتی ہے لیکن دنیا ایک ایسا شہد ہے جو شیرینی اور مٹھاس سے محروم ہے۔ سفر کی حالت میں مصیبت کی شام کبھی رنج و غم اور دکھ درد کے بغیر نہیں گزری جس طرح آلِ رسولؐ کو رنج و غم اٹھانے پڑے، دنیا میں کسی شخص کی زندگی کبھی ایک جیسی نہیں گزری۔ اسے راحت و آرام کے ساتھ دکھ درد بھی اٹھانے پڑتے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

خوشی کے ساتھ دنیا میں ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں۔

بند ۲: اس منزلِ فانی پہ نہ دل اپنا لگاؤ
الفت نہ کرو اس سے جسے چھوڑ کے جاؤ
یہ عاریتی جا ہے یہاں گھر نہ بناؤ
پابندیِ دنیا سے بھلا اس ہاتھ اٹھاؤ
چلتے ہوئے ہرگز کوئی کام نہ آسکے گا
ہمراہ کچھ اسباب جہاں جا نہ سکے گا

حل لغت: عارضی جا: مستعار یا ادھار لی ہوئی جگہ

تشریح: یہ دنیا ایک فنا ہونے والی منزل یا مقام ہے۔ اسے دوام حاصل نہیں ہے یہاں انسان کا قیام عارضی اور چند روزہ ہے اس لئے دنیا سے اپنا دل نہیں لگانا چاہیئے۔ یعنی اس سے محبت نہیں کرنی چاہیئے۔

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے — یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

جس چیز کو تم نے خیر باد کہہ دینا ہے اسے چھوڑ دینا ہے اس سے پھر محبت نہ کرو کیونکہ ایسی محبت لاحاصل اور بے نتیجہ ہے۔ تم خواہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر کڑھتے رہو گے۔ دنیا ایک ایسی جگہ اور مقام ہے جو مستعار یا ادھار لیا گیا ہے جب انسان کسی سے کوئی چیز عارضیاً یا ادھار لیتا ہے تو میعاد مقررہ کے بعد اُسے اسے واپس کرنا پڑتا ہے۔ دنیا کی بھی یہی مثال ہے۔ اس لئے یہاں اپنا گھر نہ بناؤ۔ کیونکہ تمہیں یہاں مستقل طور پر قیام نہیں کرنا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ" دنیا میں میری مثال ایسی ہے جیسے ایک مسافر ایک درخت کے نیچے کچھ دیر آرام کرنے کے لئے ٹھہر جائے۔" تم اپنے اوپر دنیا کے جھمیلوں کی پابندی مت عائد کرو۔ اس کے محکوم اور بندے بن کر نہ رہو بلکہ اس سے آزاد ہو کر رہو اور اس کا خیال دل سے نکال دو ورنہ یہ تمہیں غافل کر دے گی۔ تم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ دنیا سے رخصت ہونے کے وقت کوئی بھی تمہارے کام نہ آسکے گا۔ مال و دولت رشتہ دار اور دوست احباب یہیں رہ جائیں گے اور دنیا کا کوئی ساز و سامان تمہارے ساتھ نہ جا سکے گا۔ ساتھ اگر جائیں گے تو وہ صرف تمہارے اعمال ہیں۔ یہی تمہارا اصل توشۂ آخرت ہے اس لئے اس کا اہتمام کرو۔ میرانیس کے کلام میں سلاست و روانی پائی جاتی ہے۔

بند ۳:

یاں رخصت اقامت کا سرانجام ہے بے جا — اس منزل پر خوف میں آرام ہے بے جا
عقبیٰ کے سوا یاں کا ہر اک کام ہے بے جا — مانندِ نگیں آرزوئے نام ہے بے جا
سینے میں یہ دم مثلِ چراغ سحری ہے
کر لو عمل خیر، یہی ناموری ہے

حل لغت: رخت: اسباب۔ اقامت: قیام: ٹھہراؤ۔ بے جا: غلط: نامناسب۔ عقبیٰ: آخرت: دوسرا جہان۔ نگین: نگینہ: ناگ: مثل: طرح: مانند۔ چراغِ سحری: صبح کا چراغ: بجھنے کے قریب چراغ عمل خیر: نیک عمل۔ ناموری: شہرت: مشہوری۔

تشریح: اس دنیا میں قیام اور ٹھہراؤ کے سامان اور اسباب کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اگر تم ایسا کرو گے یعنی یہاں مستقل طور پر قیام کا ارادہ کرو گے تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا بلکہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔ یہ دنیا ایک ایسا پر خطر مقام ہے جہاں راحت و آرام کا کوئی موقع و محل

نہیں ہے میر تقی میر نے کیا خوب کہا ہے ۔

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت   اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

آخرت اور فکر آخرت کے سوا یہاں کا ہر کام غلط و ناروا ہے۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ "آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں قطرہ" عقل مند انسان وہی ہے جو دنیا کی خاطر آخرت کو برباد کرے۔ جس طرح نگینہ و جوہر یعنی زر و مال کی آرزو اور تمنا غلط اور ناروا ہے اسی طرح شہرت و ناموری کی تمنا اور آرزو بھی غلط اور ناروا ہے کیونکہ اس میں سراسر خسارہ اور نقصان ہے۔ اے غافل انسان! تمہارے سینے میں اس سانس کی وہی حیثیت ہے جو صبح کے وقت جلنے والے چراغ کو حاصل ہے کہ وہ ٹمٹماتا رہتا ہے اور کسی وقت بھی بجھ سکتا ہے یہی انسان کا حال ہے اس کی زندگی کا چراغ کسی وقت بھی بجھ سکتا ہے۔ اس لئے انسان کے لئے اصلی شہرت و نیک نامی اس بات میں ہے کہ وہ نیک عمل کرے کیونکہ مال و دولت اور رشتہ دار و احباب اس کے کام نہ آئیں گے بلکہ اعمال ہی اس کے لئے اصل سہارا ہیں ۔

بند۴: امید نہیں جینے کی یاں صبح سے تا شام   ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لب بام

یاں کام کرو ایسا کہ جو آئے وہاں کام   آجائے خدا جانیئے کب موت کا پیغام

اپنی نہ کوئی ملک نہ املاک سمجھنا

ہونا ہے تمہیں خاک یہ سب خاک سمجھنا

حل لغت: ہستی: زندگی۔ خورشید: سورج۔ لب بام: چھت کے کنارے پر۔ ملک: ملکیت املاک: ملک کی جمع۔

تشریح انسان کو کچھ پتہ نہیں کہ کب موت کا بلاوا آجائے کیونکہ اس کا علم صرف خدائے عزوجل کو ہے یہاں پر کسی کو یہ توقع اور امید بھی نہیں ہے کہ وہ صبح سے لے کر شام تک زندہ بھی رہے گا یا نہیں کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے ۔

کچھ بھروسہ نہیں زندگانی کا   آدمی بلبلہ ہے پانی کا

تم زندگی کی مثال یوں سمجھو کہ یہ چھت کے کنارے پر پہنچا ہوا سورج ہے یعنی عنقریب غروب ہونے والا ہے تمہیں آخر کار دنیا سے آخرت کو سدھارنا ہے۔ تمہاری آخری اور دائمی منزل آخرت ہے اس لئے تم یہاں ایسے کام کرو اور اپنے ساتھ ایسا توشۂ آخرت لے چلو جو وہاں تمہارے کام آئے۔ ظاہر ہے کہ وہاں صرف نیک اعمال ہی کام آئیں گے یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب موت کا پیغام آجائے۔ انسان اس سلسلے میں بالکل مجبور اور بے بس ہے اس کے اختیار اور ملکیت میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے یہاں سے خالی ہاتھ جانا ہے ۔ وہ اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جا سکے گا۔ سب کچھ یہیں دھرا رہ جائے گا۔ دنیا کے

مال و دولت کی کچھ حیثیت و وقعت نہیں ہے۔ یہ سب کچھ خاک ہو کر رہ جائے گا اور تمہیں بھی آخر خاک ہو جانا ہے۔ تمہارا اور تمہارے مال و دولت ساز و سامان کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔

بند ۵: بھائی نہ تو کام آئے گا اس وقت نہ فرزند ۔ عرصہ نہیں، کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
وہ کام کرو جس سے خدا ہووے رضامند ۔ ہوشیار کہ ہونا ہے تمہیں خاک کا پیوند
پیری کی بھی مدت ہے جوانی کی بھی حد ہے
آرام گہ شاہ و گدا کنج لحد ہے

حل لغت: فرزند: بیٹا۔ پیوند: لگاؤ، رشتہ، ربط۔ پیری: بڑھاپا۔ آرام گہ: آرام گاہ آرام کرنے کی جگہ۔ کنج لحد: قبر کا کونہ۔ شاہ و گدا: بادشاہ اور فقیر۔

تشریح: اے غافل انسان! تجھے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ جب موت کا پیغام آئے گا تو اس وقت کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ نہ بھائی کام آئے گا نہ بیٹا اور نہ ہی کوئی رشتہ دار یا دوست۔ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ جب قیامت قائم ہو گی تو ہر شخص اپنے ساتھی باپ، بیٹے اور بھائی وغیرہ سے بھاگے گا یعنی وہ نفسا نفسی اور افراتفری کا عالم ہو گا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرے گا کہ جب تمہاری آنکھ بند ہو جائے گی۔ تم موت کی آغوش میں چلے جاؤ گے۔ اور ساری حقیقت حال کھل کر سامنے آجائے گی اور سارا بھرم کھل جائے گا اس لئے تم اس مہلتِ عمر کو غنیمت سمجھو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ تمہیں ایسے کام کرنے چاہئیں جن سے خدا کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ "خدا وہ ہے جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کون کرتا ہے"۔ تم سنبھل جاؤ اور ہوشیار ہو جاؤ کہ آخر کار تمہیں پیوندِ زمین ہونا ہے۔ یعنی تمہیں مٹی میں دفن کر دیا جائے گا اور تم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالے نے انسان کی عمر کا تعین کر دیا ہے۔ جوانی کی اپنی ایک حد ہے اور بڑھاپے کی اپنی ایک حد ہے اور انسان کا انجام فنا و موت ہے۔ بادشاہ ہو یا فقیر قبر کا کونہ ہی سب کی آخری آرام گاہ ہے وہاں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں اور سب کو خاک نشین ہونا ہے۔

بند ۶: ہیں زیرِ زمیں صاحبِ تخت و علم و تاج ۔ جو صاحبِ نوبت تھے، نشاں ان کے نہیں آج
جو شاہ کہ لیتے رہے شاہوں سے سدا باج ۔ وہ بعد فنا آپ، کفن کے رہے محتاج
درویش و غنی اس کے ہمیشہ رہے شاکی
بتلاؤ کہ دنیا نے کسی سے بھی وفا کی

حل لغت: زیرِ زمیں: زمین کے نیچے۔ علم: جھنڈا۔ صاحب نوبت: نقارہ یا دمامہ رکھنے والا امراد بادشاہ، حکمران۔ سدا: ہمیشہ۔ باج: خراج: لگان۔ درویش: فقیر۔ غنی: امیر۔ شاکی: گلہ کرنیوالا۔

تشریح: دبدبہ تھا۔ موت نے ان سے یہ سب کچھ چھین لیا ہے اور اب وہ زمین کے نیچے دفن

ہیں اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں۔ بڑے بڑے حکمران جن کے اعزاز میں دمامے اور نقارے بجتے تھے اور ان کی بڑی دھوم دھام تھی۔ آج موت نے ان کا نام ونشان بھی نہیں چھوڑا۔ ان کی عظمت اور شان وشوکت کے تمام آثار مٹ چکے ہیں۔ جو بادشاہ اس قدر اقتدار و اختیار رکھتے تھے کہ اپنے ماتحت بادشاہوں سے ہمیشہ خراج لیا کرتے تھے اور ان سے اپنی اطاعت کراتے تھے۔ ان کی اپنی حالت موت و فنا کے بعد ایسی ہو گئی کہ وہ کفن کے محتاج رہے۔ ان کی دولت اور شان وشوکت ان کے کسی کام نہ آسکی اور وہ فنا کے ہاتھوں فنا ہو کر رہ گئے۔

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا　　　　زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے　　　　بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

آخر میں شاعر قاری سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ آپ ہی از رہ انصاف بتائیں کہ کیا دنیا نے کسی سے بھی وفا کی ہے کسی کا بھی ساتھ دیا ہے؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہے فقیر ہوں یا امیر سبھی اس دنیا کے ستائے ہوئے اور ظلم رسیدہ ہیں اور وہ ہمیشہ اس کی شکایت کرتے رہے ہیں۔

خلاصہ نظم

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گل ہے، یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں

دنیا کا گھر سکھ چین سے محروم ہے یہ ایک ایسا پھول ہے جس میں محبت کی بُو نہیں۔ یہ بے مروت دوست اور بلا میٹھا سا شہد ہے دنیا میں خوشی کے ساتھ رنج و غم لازمی ہے۔ اس فانی منزل سے دل نہ لگاؤ یہ مستعاری ہوئی جگہ ہے۔ یہاں مستقلاً گھر نہ بناؤ۔ دنیا کی پابندی سے آزاد ہو جاؤ۔ رحلت کے وقت کوئی کام نہ آئے گا اور اسباب جہاں یہیں دھرا رہ جائے گا۔ یہاں ڈیرے جمانا لاحاصل اور غلط ہے اس پُر خار منزل میں آرام کا کوئی موقع نہیں۔ اصل چیز آخرت ہے باقی سب بے سود ہے۔ ناموری کی آرزو فضول ہے عمر کا چراغ سحری کسی وقت بھی بجھ سکتا ہے انسان کا اصل سرمایہ نیک عمل ہے۔

سینے میں یہ دم مثل چراغ سحری ہے　　　　کر لو عمل خیر یہی ناموری ہے

موت کا پیغام کسی وقت بھی آسکتا ہے۔ زندگی ایک ڈھلتا ہوا سورج ہے یہاں ایسے کام کرو جو وہاں کام آئیں۔ تمہیں کسی چیز پر اختیار حاصل نہیں ہے۔ تمہیں خاک میں مل جانا ہے۔ موت کے وقت نہ بھائی کام آئے گا نہ بیٹا۔ آنکھ بند ہونے پر سارا بھرم کھل جائے گا۔ وہ کام کرو جس سے خدا راضی ہو۔ آگاہ رہو کہ تمہیں پیوندِ زمین ہونا ہے۔ جوانی اور بڑھاپے کی ایک مدت ہے۔ شاہ و گدا کی آرام گاہ قبر کا کونہ ہے۔ جو تخت و تاج کے مالک تھے وہ زمین کے نیچے چلے گئے ہیں۔ آج ان کا نام و نشان نہیں ہے جو بادشاہوں سے خراج لیتے تھے وہ فنا کے بعد کفن کے محتاج رہے۔ الغرض دنیا نے کسی سے بھی وفا نہیں کی۔ درویش و غنی ہمیشہ اس کی شکایت کرتے رہے ہیں۔

مرکزی خیال اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ دنیا راحت و آرام کی جگہ نہیں ہے۔ انسان کو عارضی مہلت عمر دی گئی ہے ۔ دنیائے فانی سے دل نہیں لگانا چاہئیے اصل چیز آخرت ہے۔ موت کا پیغام کسی وقت بھی آسکتا ہے۔ انسان کو نیک عمل کرنے چاہئیں جو آخرت میں کام آئیں اور خدا خوش ہو۔ شاہ و گدا کی آخری آرام گاہ قبر ہے دنیا بے وفا ہے ۔ سبھی اسی کی شکایت کرتے رہے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے :

" دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔" نیز فرمایا " دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۔"

غربت (میر انیسؔ)

(غربت سے مسافرت مراد ہے)

بند۱: ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں
سو شغل ہو، پر دھیان لگا رہتا ہے گھر میں
پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی نظر میں
سنگ غم فرقت دل نازک پہ گراں ہے
اندوہِ غریب الوطنی کاہش جاں ہے

حل لغت: راحت: سکھ چین، آرام ۔ پہر: دن کا چوتھا حصہ ۔ سنگِ غم فرقت: جدائی کے غم کا پتھر۔ گراں: بھاری ۔ اندوہ: رنج، فکر۔ غریب الوطنی: پردیس، مسافرت ۔ کاہش جاں: جان کیلئے زوال یا نقصان ۔

تشریح شاعر بیان کرتا ہے کہ مسافر کو سفر میں بہت رنج و غم اور دکھ درد اٹھانے پڑتے ہیں۔ وطن اور گھر میں تو اسے سکون میسر ہوتا ہے لیکن سفر میں اسے بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ " السفر سقر" یعنی سفر عذاب ہے۔ مسافر کو رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں ایک لمحہ کے لئے بھی سکھ چین نہیں ملتا بلکہ وہ ہمیشہ بے آرام اور بے چین رہتا ہے۔ سفر میں اگرچہ سو طرح کی مصروفیات ہوں لیکن مسافر کا دھیان گھر کی طرف رہتا ہے۔ گھر کی یاد ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل سے محو نہیں ہوتی ۔ اسے رہ رہ کر عزیزوں اور رشتہ داروں کی یاد ستاتی ہے وہ انہیں کسی وقت بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ جدائی کے غم کا پتھر نازک سے دل پر بہت بھاری گذرتا ہے یعنی دل کے لئے غم ناقابل برداشت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پردیس و مسافرت کا رنج و غم جان کے لئے بہت نقصان اور تکلیف کا باعث ہے۔ بقول میر دردؔ ؎

دیکھئے غم سے اب کے جی میرا
نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا

بند۲: گو راہ میں ہم راہ بھی ہو راحلہ و زاد
جاتی نہیں افسردگی خاطر ناشاد

جب عالمِ تنہائی میں آتا ہے وطن یاد ہر گام پہ دل، مثلِ جرس کرتاہے فریاد
اک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ملتی
منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ملتی

حل لغت: ہمراہ: ہمسفر: ساتھی۔ راحلہ: سواری کا جانور، زاد: توشہ راہ۔ افسردگی: مرجھانا بجھنا، خاطر ناشاد: ناخوش طبیعت۔ عالم تنہائی: تنہائی کی حالت، گام: قدم، مثل جرس: گھنٹی کی طرح۔ آن: لمحہ۔

تشریح سفر کی حالت میں راستے میں اگرچہ ہمسفر اور ساتھی بھی ہو، سواری کا جانور بھی ہو اور توشۂ راہ بھی ہو۔ پھر بھی طبیعت بہلتی نہیں ہے بلکہ یہ خاموش رہتی ہے اور مرجھائی رہتی ہے اور کیفیت یہ ہوتی ہے۔

دل کو بہلاؤں کہاں تک کہ بہلتا ہی نہیں یہ تو بیمار سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں

جب تنہائی کی حالت میں وطن اور گھر یاد آتا ہے تو مسافر کا برا حال ہوتا ہے اس کا دل ہر قدم پر قافلے کی گھنٹی کی طرح فریاد کرتا ہے۔ یہ کڑھتا رہتا ہے اور اسے کسی پل چین نہیں آتا مسافر کو سفر میں ایک گھڑی کے لئے بھی رنج و غم اور دکھ درد سے فراغت نہیں ملتی بلکہ وہ ہر وقت رنجیدہ و افسردہ رہتا ہے اور اس کے دل کی کلی مرجھائی رہتی ہے اگرچہ راستے میں منزل بھی آتی ہے جہاں پر مسافر کچھ دیر کے لئے ستا لیتا ہے لیکن اسے وہاں پر بھی آرام اور سکون نصیب نہیں ہوتا بلکہ وہ مسلسل پریشان رہتا ہے اور وہ وطن اور گھر کی یاد میں کھویا رہتا ہے۔

بند ۱۳ دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پاؤں کے چھالے منزل پہ پہنچنے کے بھی پڑجاتے ہیں لالے
ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹوں کو نکالے ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
واماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی
تھک کر کبھی بیٹھے تو اٹھاتا نہیں کوئی

حل لغت: لالے پڑنا، جینے کی امید نہ رہنا، واماندہ: تھک ہار کر پیچھے رہنے والا۔

تشریح مسافر جب سفر طے کرتا ہے تو ایک ایک قدم پر اس کے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں اور اس کے پاؤں لہولہان ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے لئے چلنا دوبھر ہو جاتا ہے اور اسے منزل مقصود پر زندہ سلامت پہنچ جانے کی امید نہیں ہوتی وہ زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے اس وقت اس کی مایوسی، ناامیدی اور پریشانی حد سے بڑھ جاتی ہے۔ اگر مسافر بیچارہ راہ چلتا ہوا بیٹھ کر ہاتھوں سے اپنے پاؤں سے کانٹے نکالنے کے لئے بیٹھ جائے تو اسے یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں قافلے والے اسے پیچھے چھوڑ کر آگے نہ بڑھ جائیں اور اس طرح اس کی منزل کھوٹی نہ ہو جائے جو مسافر تھک ہار کر قافلے سے بچھڑ جائے اسے کوئی بھی اپنے ساتھ لینے کو نہیں آتا کسی کو اس

مسافر سے ہمدردی نہیں ہوتی اور وہ اسے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں وہ بے شک تھک کر بیٹھا رہے لیکن کسی کو اس کی پروا نہیں ہوتی۔ کوئی گرے ہوئے مسافر کو اٹھانے نہیں آتا۔ بقول مولانا حالی ؎

یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا　　ہم محوِ نالۂ جرس کارواں رہے

بند۴: کتنے ہیں مسافر کہ پھر نہ آئے سفر سے　　جنگل میں عزیزوں کو اجل لے گئی گھر سے
رک جاتی ہے شمشیر کی ضرب تو سپر سے　　ساعت وہ اجل کی ہے کہ ٹلتی نہیں سر سے
کتنے ہیں مسافر کہ تہ خاک نہاں ہیں
قبریں تو ہیں ویرانے میں بستی میں مکاں ہیں

حلِ لغت: اجل: موت۔ شمشیر: تلوار۔ ضربت: ضرب، مار، وار۔ سپر: ڈھال۔ ساعت گھڑی۔ تہ خاک: مٹی کے نیچے۔ نہاں: چھپے ہوئے۔

تشریح کہتے ہیں کہ سفر ایک ایسا عذاب ہے کہ کئی مسافر اس کی نظر ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور انہیں سفر سے دوبارہ اپنے گھر پہنچنا نصیب نہیں ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کئی لوگوں سے ان کے عزیز اور رشتہ دار بچھڑ جاتے ہیں گویا موت انہیں گھر سے جنگل کی طرف لے جاتی ہے اور وہ جنگل میں بھٹکتے ہوئے جان دے دیتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ڈھال کے ذریعے تلوار کا وار روکا جا سکتا ہے لیکن موت کی گھڑی ایسی ہے کہ یہ اپنے وقت پر آ کر رہتی ہے اور سر سے ہرگز نہیں ٹلتی۔ قرآن مجید کے مطابق "جب موت آ جائے تو ایک لمحہ نہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے"۔ موت اٹل ہے۔ اس سے کسی کو مفر نہیں۔ بےشمار مسافر ایسے ہیں جو حالت سفر میں مر کھپ جاتے ہیں اور وہ مٹی میں دفن ہو کر رہ جاتے ہیں مٹی نے انہیں اپنے اندر چھپا لیا اور اس طرح ان کی قبریں ویرانے جنگلوں میں بنائی گئیں جبکہ ان کے مکانات بستیوں اور آبادیوں میں بدستور موجود ہیں۔

بند۵: دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے　　جانے وہی بلبل جو بچھڑ جائے چمن سے
واقف ہے مسافر کا دل اس رنج و محن سے　　چھٹتا نہیں گھر جان نکل جاتی ہے تن سے
آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر
طائر بھی پھڑکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر

حلِ لغت: چمن: باغ۔ محن: محنت کی جمع: رنج، غم، دکھ۔ تن: جسم: بدن۔ مسکن: رہنے کی جگہ۔ طائر: پرندہ۔ نشیمن: گھونسلہ۔

تشریح انسان کو اپنے وطن میں سکون و آرام میسر ہوتا ہے اور سفر سراسر تکلیف ہے یہ ایسی بری اور تکلیف دہ ہے کہ خدا دشمن کو بھی اپنے وطن سے جدا نہ کرے۔

بلبل کو باغ میں کس قدر سکون حاصل ہوتا ہے لیکن جب وہ باغ سے بچھڑ جائے تو اس کا بہت برا حال ہوتا ہے لیکن ان حالات میں مسافر کا دل سفر کے رنج و غم، دکھ درد اور تکلیف سے خوب واقف اور آگاہ ہے اس لئے وہ حتی الوسع اپنا گھر نہیں چھوڑتا اور جب اسے کسی مجبوری کے تحت گھر چھوڑنا پڑتا ہے تو اس کے بدن سے گویا جان نکل جاتی ہے اور وہ بے جان لاشہ بن کر رہ جاتا ہے۔ انسان کو اپنے گھر میں رہتے ہوئے مکمل آرام و سکون حاصل ہوتا ہے لیکن گھر سے بچھڑ کر اسے بیشمار پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ ایک فطری جذبہ ہے کہ ایک پرندہ بھی اس سے خالی نہیں وہ جب اپنے گھونسلے سے بچھڑتا ہے اور بے قراری و بے چینی کا اظہار کرتا ہے اور اسے اس وقت تک سکون نہیں ملتا جب تک وہ اپنے گھونسلے میں نہ پہنچ جائے۔

بند ۶: غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام — کرتا ہے سفر قافلہ بے راحت و آرام
وہ دشت نوردی وہ غم و صدمہ و آلام — منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام
نیند آتی ہے کب، لاکھ جو ٹیکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا!

حل لغت: دشت نوردی: جنگل اور بیابان میں در بدر پھرنا۔ آلام: الم کی جمع: رنج و غم

تشریح مسافرت کی تکلیف اس قدر ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتیں۔ اس کی صبح بھی تکلیف میں گزرتی ہے اور شام بھی تکلیف ہیں۔ مسافر بیچارے کو کسی لمحے بھی آرام نصیب نہیں ہوتا اور پورا قافلہ بغیر کسی آرام اور سکھ چین کے سفر کرتا ہے۔ سفر میں اسے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ مسافر بیچارے جنگلوں اور بیابانوں میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں تھکان اور بھوک پیاس کی وجہ سے ان کا برا حال ہوتا ہے۔ وہ قدم قدم پر رنج و غم اور دکھ درد اٹھاتے ہیں اور منزل پر پہنچ کر بھی انہیں راحت و آرام اور سکون حاصل نہیں ہوتا۔ میر انیس اس نظم کے شروع میں فرماتے ہیں۔ ؎

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں — راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں

مسافر لاکھ جتن کرے کہ اسے نیند آجائے تاکہ وہ تکان دور کر سکے۔ لیکن اس مقصد میں وہ سراسر ناکام رہتا ہے اس کی نیند بھی اچاٹ ہو جاتی ہے۔ اس طرح سفر میں قدم قدم پر ایسی پریشانیاں اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں کہ اسے رہ رہ کر اپنا گھر یاد آتا ہے وہ گھر کا سکون و آرام یاد کر کے اور بھی بے قرار اور بے چین ہوتا ہے۔

خلاصہ نظم ؎ ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں

مسافر کو سفر میں بہت رنج و غم اٹھانے پڑتے ہیں۔ اسے ذرا سکون و آرام میسر نہیں آتا۔ اس کا دھیان ہر وقت گھر کی طرف رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ عزیزوں کو یاد کرتا ہے۔ جدائی کا غم اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ مسافرت سراسر دکھ اور تکلیف ہے اگرچہ ہمسفر بھی ساتھ ہوں لیکن پھر بھی مسافر کی طبیعت اداس رہتی ہے۔ جب تنہائی کی حالت میں وطن یاد آتا ہے تو اس کا دل بیقراری سے فریاد کرتا ہے۔ اسے ایک لمحہ بھی سکون نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ منزل پر بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی

سفر میں مسافر کے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں اور وہ منزل پر پہنچنے سے مایوس ہو جاتا ہے اگر وہ ذرا ٹھہر جائے تو اسے قافلے سے بچھڑنے کا خوف ہوتا ہے کیونکہ پیچھے رہ جانیوالوں کو کوئی بھی لینے نہیں آتا

؎ واماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی　　تھک کر کبھی بیٹھے تو اٹھاتا نہیں کوئی

کئی مسافر بیچارے سفر میں ہی مر کھپ جاتے ہیں اس طرح لوگ عزیزوں سے محروم ہو جاتے ہیں ڈھال سے تلوار کا وار تو رک سکتا ہے لیکن موت ہرگز نہیں ٹل سکتی۔ بہت سے مسافر مٹی میں دب جاتے ہیں اور ان کی قبریں ویرانوں میں بنتی ہیں۔ اللہ دشمن کو بھی وطن سے نہ چھڑائے۔ چمن سے بچھڑ کر بلبل کا بہت برا حال ہوتا ہے۔ مسافر کا دل ہی سفر کی تکلیفوں کو خوب جانتا ہے اور گھر چھوڑتے ہوئے اس کی جان نکلتی ہے۔ گھر سے بچھڑ کر آرام کی کوئی صورت نہیں۔ پرندہ بھی گھونسلے سے بچھڑ کر بھٹکتا ہے مسافرت کی صبح و شام عجیب ہوتی ہے۔ قافلے کو ذرا آرام و سکون نہیں ملتا۔ مسافر جنگل میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ منزل پر بھی آرام نہیں ملتا۔ وہ لاکھوں جتن کریں انہیں نیند نہیں آتی منزل پر مسافر کو رہ رہ کر اپنا گھر یاد آتا ہے۔

مرکزی خیال اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مسافر کو سفر میں بہت دکھ درد اٹھانے پڑتے ہیں۔ تکان اور بھوک پیاس کی وجہ سے اس کا برا حال ہوتا ہے اسے رہ رہ کر اپنا گھر یاد آتا ہے۔ اسے کسی لمحے بھی سکھ چین نصیب نہیں ہوتا وہ منزل پر بھی بے آرام رہتا ہے وہ جنگل میں مارا مارا پھرتا ہے۔ اگر وہ قافلے سے بچھڑ جائے تو کوئی اسے لینے نہیں آتا۔ کئی مسافر سفر میں مر کھپ جاتے ہیں۔ گھر سے بچھڑ کر آرام نصیب نہیں ہوتا۔ مسافر سفر میں ہر وقت بے قرار و بے چین رہتا ہے۔ ایک عربی مقولہ ہے کہ "السفر سقر" یعنی سفر عذاب ہے۔

شہادت (میر انیس)

بند ۱: لاشے سبھوں کے سبطِ نبی خود اُٹھا کے لائے　　قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے　　فرماتے تھے بچھڑ گئے ہم سب سے ہائے ہائے

اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پہ وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

حل لغت: سبطِ نبیؐ: حضور نبی اکرمؐ کے نواسے یعنی حضرت امام حسینؓ۔ فرقت: جدائی خم ہونا: جھک جانا۔ مجمع: ہجوم: بھیڑ۔ بہم ہونا: اکٹھے ہونا: مہیا ہونا۔

تشریح: شاعر میدان کربلا میں شہدائے کربلا کا حال بیان کرتا ہے۔ ایک طرف حضرت امام حسینؓ کے مٹھی بھر ساتھی تھے اور دوسری طرف یزید کا لشکر جرار تھا حضرت امام حسینؓ کے ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے اور امام عالی مقام ان کی لاشیں خود اٹھا کر لا رہے تھے تاکہ دشمن ان شہیدوں سے کسی شہید کا سر کاٹ کر اس کی بے حرمتی نہ کر سکے۔ امام عالی مقام کے دوست اور ساتھی ایک ایک کر کے بچھڑ رہے تھے۔ یہ آپ کے لئے بہت بڑا صدمہ اور غم تھا۔ خدا دشمن کو بھی دوست کی جدائی سے دوچار نہ کرے۔ امام عالی مقام فرما رہے تھے کہ ہائے افسوس! ہم اپنے تمام ساتھیوں سے جدا ہو گئے رب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ امام عالی مقام پر غم کے بے شمار پہاڑ گر پڑے لیکن وہ نہ جھکے آپ کے پائے استقلال لغزش نہ ہوئی۔ آپ صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے امام عالی مقام فرماتے ہیں کہ اگر میں سو برس بھی زندہ رہوں تو میرا یہ خاندان اور ساتھی جمع نہیں ہو سکتے جو مجھ سے بچھڑ گئے۔ دشمن نے امام عالی مقام کو زیر کرنے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کی لیکن وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔

بند ۲: لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام ۔۔۔ ڈوبی ہوئی تھی خون میں نبی کی قبا تمام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام ۔۔۔ برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

حل لغت: قبا: ایک قسم کا کھلا ہوا جامہ۔ افسردہ: اداس: مرجھایا ہوا۔ حزین: غمگین۔ تشنہ کام: پیاسا۔ اعدا: عدد کی جمع: دشمن۔

تشریح: حضرت امام حسینؓ کے تمام ساتھیوں کی لاشیں امام عالی مقام کے گرد جمع تھیں اور درمیان میں امام کھڑے تھے۔ حضرت امام عالی مقام نے اپنے تمام ساتھیوں کو حق کی خاطر قربان کر دیا۔ اس عظیم قربانی کی مثال نہیں ملتی۔ امام کی قبا سب کی سب خون میں تر تھی۔ یہ وہی قبا تھی جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ امام عالی مقام اداس مرجھائے ہوئے غمگین، پریشان حال اور پیاسے تھے آپ تھک کر چور ہو چکے تھے۔ دشمن فتح کے باجے اور شادیانے بجا رہا تھا اور ہر طرف ان کی دھوم تھی۔ یہ دھوم دھام امام عالی مقام کے دل پر برچھی کی طرح زخم کرتی تھی۔ دشمن

نوشیاں منا رہا تھا اور امام اداس و نڈھال تھے۔ آپ کے ساتھی ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کر رہے تھے اور جب دشمن کسی شہید کا نام لے کر اس کی شہادت کا اعلان کرتے تو امام عالی مقام لرز جاتے تھے۔ کانپ جاتے تھے اور صدمے اور غم کی وجہ سے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کو اپنے ساتھیوں کے بچھڑنے کا گہرا صدمہ تھا۔

بند ۱۳: پوچھو اسی سے جس کے جگر پہ ہوں اتنے داغ
اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
فرصت نہ اب بکا سے نہ ماتم سے ہے فراغ
جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تن پاش پاش پر
چادر بھی اِک نہ تھی علی اکبرؓ کی لاش پر

حل لغت: ریاض: محنت مشقت۔ بکا: رونا۔ فراغ: فراغت: فرصت۔ چراغ گل ہونا: چراغ بجھ جانا۔ تنِ پاش پاش: جسم جو ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہو۔

تشریح امام عالی مقام انتہائی غم اور صدمے سے دوچار تھے اور صرف آپ ہی اس صدمے کو جانتے تھے کیونکہ وہی شخص اپنے غم کا اندازہ کر سکتا ہے جس کے جگر پر رنج و غم کے اتنے داغ آئے ہوں۔ ایک عمر بھر کی محنت و مشقت سے یہ باغ کھلا تھا۔ اب وہ دشمنوں کے ہاتھ لٹ رہا ہے۔ شاعر نے حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو ایک باغ سے تشبیہ دی ہے۔ یہ باغ اب پائمال ہو رہا ہے یہ رنج و غم اتنا گہرا تھا کہ کسی شخص کو رونے دھونے آہ و زاری اور ماتم سے فراغت و فرصت نہ تھی۔ وہ چراغ بجھ گئے جن سے گھر روشن و منور تھا یعنی جو افراد خاندان گھر کی رونق تھے وہ شہید ہو گئے شہیدوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ ان پر کوئی سایہ بھی نہ تھا بلکہ دھوپ سے وہ جسم تپ رہے تھے۔ حضرت امام حسینؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت علی اکبرؓ کی لاش بھی میدان میں چادر کے بغیر پڑی ہوئی تھی۔

بند ۱۴: مقتل سے آئے خیمے کے اندر شہِ زمن
پر شدتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بہ صد محن
اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن
پھر ایک بار اس مہ انور کو دیکھ لیں
اکبر کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

حل لغت: مقتل: قتل گاہ۔ شہِ زمن: وقت یا زمانے کے بادشاہ مراد امام حسینؓ۔ شدتِ عطش: پیاس کی شدت۔ طاقتِ سخن: بات کرنے کی طاقت۔ بہ صد محن: صدہا دکھوں کے ساتھ۔ گاہوارہ: گہوارہ جھولا: ہنڈولا۔ مہ انور: روشن چاند مراد بیٹا۔ شیر خوار: دودھ پیتا بچہ۔ برادر: بھائی۔

تشریح وقت یا زمانے کے بادشاہ حضرت امام حسینؓ میدان کربلا کی قتل گاہ سے اس خیمے کے اندر آئے جہاں آپ کے اہل خانہ ٹھہرے ہوئے تھے لیکن پیاس کی شدت کی

وجہ سے آپ بولنے کی طاقت بھی نہ رکھتے تھے۔ آپ تھکان اور بھوک پیاس کے مارے نڈھال ہو رہے تھے
امام عالی مقام نے خیمے کے پردے پر ہاتھ رکھا اور آپ اپنے دل میں صدہا صدمے اور دکھ لئے ہوئے بولے
کہ اے میری پیاری بہن زینب رضؓ! ننھے اصغر کو جھولے سے اٹھا کر لے آؤ تاکہ میں ایک دفعہ پھر اس چاند
سے روشن مکھڑے کو دیکھ لوں۔ میں علی اکبر رضؓ کے دودھ پیتے بھائی کو دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دے سکوں
اس کے بعد معلوم نہیں کہ پھر ملاقات ہو سکے گی یا نہیں؟

بند ۵: بچے سے ملتفت تھے نہ آسماں سریر   تھا اس طرف کمیں میں بن کاہل شریر
مارا جو مین بھال کا اس بے حیا نے تیر   بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردن صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

حل لغت: ملتفت: التفات یا توجہ کرنے والا، متوجہ۔ آسمان سریر: آسمان کے تخت والا
یعنی بڑی عظمت والا۔ کمیں، گھات۔ بن: بیٹا۔ بُن: تخم۔ کاہل: سست الوجود: بھاری بھرکم۔ دفعتاً:
اچانک۔ گردنِ صغیر: چھوٹے بچے کی گردن۔

تشریح: حضرت امام حسین رضؓ جو تخت آسمان کے والی تھے یعنی بڑی عظمت کے مالک تھے چھوٹے
بچے کی طرف توجہ نہ دے سکے یا اس وقت ان کا دھیان بچے کی طرف نہ تھا، کیونکہ
بدطینت سست الوجود بھاری بھرکم دشمن گھات میں تھا اور وہ بچہ کو نشانہ بنائے ہوئے تھا۔ اس بے حیا
اور بے رحم دشمن نے جب مین پھلوں والا تیر کھینچ کر مارا تو اچانک نشانہ چھوٹے بچے کی گردن پر لگا اور آر پار
ہو گیا۔ تکلیف کی شدت سے وہ دودھ پیتا بچہ تڑپ اٹھا تو امام عالی مقام نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ آپ
کا دل انتہائی صدمے سے پاش پاش تھا۔ ظالم دشمن نے ایک شیر خوار بچے پر بھی ترس نہ کھایا تھا۔ اس طرح
یہ معصوم اور بھولا بھالا بچہ بادشاہ زمانہ امام عالی مقام کی گود میں یوں ذبح ہو گیا جس طرح قربانی کے کسی
جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔

بند ۶: جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفل شیر خوار   چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحال زار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار   اے خاک پاک حرمتِ مہمان نگاہ دار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علی رضؓ کی ہے۔
دولت ہے فاطمہ رضؓ کی امانت نبی ص کی ہے۔

حل لغت: طفلِ شیر خوار: دودھ پیتا بچہ۔ تیغ: تلوار۔ بحال زار: بری و خستہ حالت میں
ذی وقار: بڑی قدر و منزلت والا۔ حرمت: عزت، آبرو۔ نگاہ دار: حفاظت و نگرانی کرنا۔

تشریح: جس وقت وہ دودھ پیتا بچہ یعنی علی اصغر تیر لگنے کی شدت سے تڑپ تڑپ کر

وفات پا گیا۔ امام عالی مقام نے انتہائی صدمے سے نہایت خستہ حالی کے ساتھ اپنی تلوار کے ساتھ ایک چھوٹی سی قبر کھودی اور اس معصوم کو اس میں دفن کر دیا گیا اور پھر وہ بڑی قدر و منزلت والے امام عالی مقام بلند آواز سے بولے کہ اے اس میدان کربلا کی مٹی! تجھ میں ایک معصوم اور مقدس مہمان دفن ہے۔ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا۔ یہ تمہارے پاس اہل بیت کی امانت ہے تو اس کی محافظ ہے۔ اسے اپنے دامن میں سنبھال کر رکھنا کیونکہ یہ شیر خوار حضرت علیؓ کی محبت کی نشانی ہے۔ یہ خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کی دولت ہے۔ یعنی آپ کی اولاد ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت ہے اور یہ وہی نبی برحق ہیں جن کا کلمہ سبھی پڑھتے ہیں۔

خلاصہ نظم

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام
ڈوبی ہوئی تھی خون میں نبی کی قبا تمام

یہ ایک مرثیہ ہے جس میں امیر انیس نے شہدائے کربلا کا حال بیان کیا ہے۔ ایک طرف حضرت امام حسینؓ کے مٹھی بھر ساتھی تھے اور دوسری طرف یزید کا لشکر جرار تھا۔ امام عالی مقام کے ساتھی ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کر رہے تھے اور آپ ان کی لاشیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے تاکہ قاتل کسی شہید کا سر نہ کاٹ دے۔ خدا دشمن کو بھی دوستوں کی جدائی نہ دکھائے۔ آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے لیکن حوصلہ نہ ہارا آپ لاشوں کے درمیان کھڑے تھے اور آپ کی قبا خون میں تر تھی۔ دشمن فتح کے شادیانے بجا رہا تھا اور آپ افسردہ، غمگین اور تشنہ لب تھے۔ اہل بیت کا باغ اجڑ رہا تھا۔ کسی کو رونے اور ماتم سے فراغت نہ تھی سب کے تن پاش پاش پر دھوپ پڑ رہی تھی۔ امام قتل گاہ سے خیمہ کی طرف آئے تاکہ شیر خوار علی اصغرؓ کی ایک جھلک دیکھ لیں۔ بچہ آپ کے ہاتھوں میں تھا کہ اچانک دشمن کا ایک تیر آیا جو معصوم کے گلے سے آر پار ہو گیا۔ امام آہ کر کے رہ گئے ؎

تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

جب وہ معصوم فوت ہو گیا تو آپ نے تلوار سے چھوٹی سی قبر کھود کر اسے اس میں دفن کر دیا اور کہا کہ اے خاک پاک! اس مہمان کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا کیونکہ یہ علیؓ کی محبت، فاطمہؓ کی دولت اور نبیؐ کی امانت ہے۔

مرکزی خیال

اس نظم یا مرثیے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں نے میدان کربلا میں بڑی مظلومیت کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔ امام عالی مقام کے ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے۔ یہ آپ کا بہت بڑا امتحان تھا جس سے آپ سرخرو ہوئے۔ سب سے دردناک واقعہ شیر خوار علی اصغر کی شہادت تھی۔ دشمن نے ایک معصوم بچے پر بھی ترس نہ کھایا آپ امتحان میں کامیاب ہوئے۔ بقول علامہ اقبال ؎

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ

مولانا الطاف حسین حالی :

مولانا حالی قومی شاعری کے بانی ہیں۔ انہوں نے شاعری کو اصلاحی مقصد کے لئے استعمال کیا۔ انہوں نے "مقدمہ شعر و شاعری" لکھ کر اردو شاعری کی اصلاح کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ "مسدس حالی" ان کی شاہکار نظم ہے جس میں اسلام کے عروج و زوال کی داستان نہایت سلیس موثر اور دلنشین انداز میں پیش کی گئی ہے۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات سادگی، خلوص، صداقت، سوز و گداز، دھیما لب و لہجہ اور اصلاحی رنگ ہیں۔

مسلمانوں کا تابناک ماضی

بند ا:
گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی ۔۔۔ پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی ۔۔۔ جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

حل لغت: بطحا: مکہ معظمہ کا نام۔ چارسو: چاروں طرف۔ ٹیگس: اسپین میں سب سے بڑی ندی یا اسپین کا ایک دریا۔ گنگا: ہندوستان کا ایک مشہور دریا۔ آبی: پانی کی مخلوق۔

تشریح: شاعر طلوع اسلام اور اشاعت اسلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مکہ معظمہ کے پہاڑوں سے خدا کی رحمت کی ایک گھٹا اٹھی جو چاروں طرف پھیل گئی اور ہر طرف اس کی دھوم دھام ہو گئی۔ مراد یہ ہے کہ اسلام کا آغاز مکہ معظمہ سے ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہیں مبعوث ہوئے اور اسی جگہ پر قرآن مجید نازل ہوا۔ گویا اسلام رحمت کی گھٹا بن کر ہر طرف پھیل گیا۔ اس گھٹا کی کڑک اور دمک دور دور تک پہنچی یعنی اسلام کی اشاعت دنیا کے کونے کونے میں ہوئی۔ ایک طرف تو رحمت کی یہ گھٹا اسپین کی ندی یا دریائے ٹیگس پہ گرجی تو دوسری طرف ہندوستان کا مشہور دریا گنگا بھی اس سے فیضیاب ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام سپین سے لے کر ہندوستان تک پھیل گیا اور پوری دنیا اس کی رحمتوں سے مالا مال ہوئی۔ اس گھٹا سے نہ تو سمندر کی مخلوق محروم رہی اور نہ زمین پر بسنے والی مخلوق بلکہ اس سے خدا کی ساری کی ساری کھیتی سیراب ہو گئی یعنی کرہ ارضی کا کوئی حصہ یا کونہ اسلام کی برکتوں اور رحمتوں سے محروم نہ رہا۔ پوری دنیا اسلام سے متاثر ہوئی۔

بند ۲:
لئے علم و فن ان سے نصرانیوں نے ۔۔۔ کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے ۔۔۔ کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

حل لغت: نصرانی: عیسائی۔ کسب اخلاق: اخلاق سیکھنا۔ روحانی: جو لوگ مذہب کو صرف روحانی باتوں تک محدود رکھتے ہیں۔ صفاہانی: ایرانی۔ یزدانی: اس سے مراد پارسی لوگ ہیں جو ایک خیر کا دوسرا شر کا خالق مانتے ہیں پہلے کو یزدان اور دوسرے کو اہرمن کہتے ہیں۔

تشریح اس بند میں بتایا گیا ہے کہ دنیا بھر کی قوموں نے مسلمانوں سے علوم وفنون سیکھے مثلاً یورپ کے عیسائیوں نے اسپین کے مسلمانوں سے علوم وفنون سیکھے۔ اسپین کے ذریعے یورپ میں علوم وفنون کا چرچا ہوا اور روحانیت کو مذہب قرار دینے والوں نے اخلاق کا درس مسلمانوں سے لیا۔ کیونکہ اسلام نے اخلاق پر سب سے بڑھ کر زور دیا ہے۔ ایرانیوں نے مسلمانوں سے ادب سیکھا اور پھر اسے دنیا میں پھیلایا۔ اسی طرح پارسی لوگوں نے بھی بڑھ کر مسلمانوں کا خیر مقدم کیا اور ان سے علوم وفنون سیکھے۔ مسلمانوں نے دنیا میں علوم وفنون کو فروغ دیا اور دنیا میں کوئی گھر تاریک نہ رہنے دیا یعنی دنیا کے گوشے گوشے میں علم کی روشنی پھیلا دی۔ اسلام نے علم پر بڑا زور دیا ہے ایک حدیث ہے کہ "جو شخص حصولِ علم کے لئے گھر سے نکلتا ہے وہ جنت کے راستے پر چلتا ہے۔" ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ "علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔" وغیرہ

بند۱۳:

ہر اک میکدے سے بھرا جب کے ساغر ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثلِ پروانہ ہر روشنی پر گرہ میں لیا باندھ حکم پیغمبرؐ
کہ حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

حل لغت: میکدہ: شراب خانہ۔ ساغر: شراب کا پیالہ۔ مثلِ پروانہ: پروانے کی طرح۔

تشریح مسلمان حصولِ علم کے جذبے سے سرشار تھے۔ انہوں نے علم حاصل کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی انہوں نے علم وحکمت کے ہر شراب خانے سے اپنے پیالے خوب بھر لئے اور ہر ایک گھاٹ سے اس قدر جی بھر کر پانی پیا کہ خوب سیراب ہو گئے۔ یعنی حکمت وعلم کے حصول کے لئے ہر ایک ملک اور قوم سے استفادہ کیا مسلمان علم کی روشنی پر پروانوں کی طرح گرے اور اپنے دل ودماغ کو اس سے روشن ومنور کیا۔ بقول علامہ اقبال ؎

زندگی ہو میری پروانے کی صورت یارب علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب

مسلمانوں نے حصول علم کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو اپنے لئے باندھ لیا کہ "تم حکمت کو ایک کھویا ہوا مال سمجھو، اسے جہاں بھی پاؤ اپنا مال سمجھو۔" مقصد یہ ہے کہ حکمت ودانائی مسلمانوں کی گمشدہ چیز ہے، جہاں ملے اسے اپنا لو۔" ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔ "ہر اچھی چیز کو اپنا لو اور ہر بری چیز کو چھوڑ دو۔" اس طرح مسلمانوں نے پہلے تو خود ہر طرح کے علوم وفنون سیکھے اور پھر انہیں جہان میں پھیلا دیا۔

بند۱۴:

ہر اک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
فلاحت میں بے مثل دیکھتا ہوئے وہ سیاحت میں مشہور دنیا ہوئے وہ

ہر اک ملک میں ان کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے ان سے سیکھی تجارت

حل لغت: جویا: تلاش کرنے والا۔ بالا: اوپر، بڑھ کر۔ فلاحت: زراعت، کھیتی باڑی یکتا منفرد۔ سیاحت: سیر و سفر۔

تشریح: اسلام نے حصول علم پر بہت زور دیا۔ قرآن و حدیث میں علم سے متعلق احکامات بھرے پڑے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی دعا کرو کہ اے رب میرے علم میں اضافہ فرما (وقل ربّ زدنی علما) اس لئے مسلمانوں نے ہر علم حاصل کیا۔ اسے سیکھا اور اس میں تحقیق کر کے مزید اضافہ کیا۔ اس طرح مسلمان ہر علم و فن میں ترقی کر کے سب پر بازی لے گئے اور انہیں دوسروں پر برتری اور فوقیت حاصل ہو گئی۔ مسلمانوں نے زراعت اور کھیتی باڑی میں نئے نئے طریقے ایجاد کئے اور اس میدان میں منفرد حیثیت حاصل کر لی۔ اس طرح مسلمانوں نے سیر و سیاحت میں بھی بڑا نام پیدا کیا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ سیروا فی الارض یعنی زمین میں چلو پھرو۔ اسی طرح مسلمانوں نے فن تعمیر میں بڑی ترقی کی اور دوسرے ملکوں نے اس فن میں ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنے ہاں ایسی عمارات تعمیر کیں۔ اسی طرح مسلمانوں نے تجارت میں بڑا نام پیدا کیا اور دوسری قوموں نے ان سے تجارت کے طور طریقے سیکھے۔ ایک حدیث کے مطابق دس میں سے نو حصے رزق تجارت میں ہے۔

بند ۵:

نہیں اس طبق پر کوئی برِ اعظم — نہ ہوں جس میں ان کی عمارات محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم — بناؤں سے ہیں ان کی معمور عالم
سرِ کوہِ آدم سے تا کوہِ بیضا
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے ان کا

حل لغت: طبق: مراد روئے زمین۔ محکم: ٹھوس و مضبوط۔ بنا: بنیاد۔ معمور: بسا ہوا، بھرا ہوا۔ کوہ آدم: لنکا کا ایک پہاڑی سلسلہ۔ کوہ بیضا: اندلس کا ایک پہاڑ۔ کھوج: سراغ، پتا۔

تشریح: اس روئے زمین پر کوئی برِ اعظم ایسا نہیں ہے جس میں مسلمانوں کی تعمیر کردہ مضبوط اور ٹھوس عمارتیں نہ ہوں۔ یہ عمارتیں آج بھی مسلمانوں کی شان و شوکت اور عظمت کی یاد دلاتی ہیں۔ کوئی ملک ان سے خالی نہیں۔ عرب، ہندوستان، مصر، اندلس یا (ہسپانیہ) شام اور دیلم وغیرہ کے تمام ممالک ایسی ٹھوس اور مضبوط عمارتوں کی بنیادوں سے آباد اور بسے ہوئے ہیں۔ لنکا (ہندوستان) کے پہاڑی سلسلے سے لے کر اندلس (اسپین یا ہسپانیہ) کے پہاڑی سلسلے تک آپ جہاں بھی جائیں گے انہیں کا سراغ و پتا پائیں گے۔ کرہ ارضی کا کوئی حصہ ان عظیم الشان آثار سے

خالی نہیں ہے۔ دیگر علوم وفنون کی طرح فن تعمیر میں بھی مسلمانوں نے اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے

بند۶: ہوا اندلس ان سے گلزار یکسر — جہاں ان کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھے آج جا کر — یہ ہے بیتِ حمرا کی گویا زباں پر
کہ تھے آلِ عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی

حل لغت: گلزار: باغ۔ یکسر: مکمل طور پر۔ آثار: اثر کی جمع: نشانیاں۔ آلِ عدنان: بنی امیہ جو کئی صدیوں تک اسپین میں حکمران رہے۔

تشریح اندلس (یا اسپین) پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک نہایت شان وشوکت سے حکومت کی اور اسے ترقی وفروغ دے کر مکمل طور پر باغ بنا دیا۔ اسے علم و فن، تہذیب وتمدن اور شان وشوکت کا مرکز بنا دیا۔ اندلس میں آپ جہاں اور جدھر چلے جائیں ان مسلمانوں کی نشانیاں اکثر وبیشتر مل جاتی ہیں۔ آج بھی اگر کوئی مشاہدہ کرنا چاہے تو ملک کے چپے چپے میں مسلمانوں کی شوکت وعظمت کے نشان ملتے ہیں۔ بیت الحمرا اندلس کی بہترین عمارت ہے جو دنیا بھر میں ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ یہ عمارت آج بھی زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ میرے بانی آلِ عدنان یعنی بنی اُمیہ سے تعلق رکھتے تھے، میں سرزمین اندلس پر عرب کی نشانی ہوں۔ اس زمانے میں اندلس کے شہروں قرطبہ اور اشبیلیہ وغیرہ کو وہی حیثیت حاصل تھی جو آج لندن و پیرس کو حاصل ہے۔ اسی اندلس سے اہلِ یورپ نے مختلف علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کے اطوار سیکھے، علامہ اقبال قدیم اندلس کی یوں ترجمانی کرتے ہیں۔

اے گلستانِ اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو — تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

بند۷: سمرقند سے اندلس تک سراسر — انہیں کی رصد گاہیں تھیں جلوہ گستر
سوادِ مراغہ میں اور قاسیوں پر — زمیں سے صدا آ رہی ہے برابر
کہ جن کی رصد کے یہ باقی نشاں ہیں
وہ اسلامیوں کے منجم کہاں ہیں

حل لغت: رصد گاہ: وہ مینار جس سے تاروں کے حالات دیکھے جاتے ہیں۔ صدا: آواز۔ منجم: ستاروں کے علم کا ماہر۔ جلوہ گستر تھیں: ظاہر تھیں، نمودار تھیں۔ سواد: آس پاس۔

تشریح اس بند میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ عظمت میں سائنس کے میدان میں بھی کافی ترقی حاصل کر لی تھی۔ سمرقند سے لے کر اندلس تک مسلمان سائنس دانوں کی رصد گاہیں موجود تھیں جن کے ذریعے وہ تاروں کے حالات کا مشاہدہ کرتے تھے۔ انہوں نے ان مشاہدات اور تجربات کے ذریعے بہت سے مفید نتائج ونکات معلوم کئے۔ آج بھی مراغہ کے آس پاس

اور فاسیلوں پر زمین سے برابر یہ آواز آرہی کہ جن کی رصد گاہوں اور تجربہ گاہوں کے یہ نشان باقی ہیں وہ مسلمان ماہرین نجوم کہاں گئے۔ جو ستاروں کی گردش کی صحیح کیفیات معلوم کر لیا کرتے تھے آج وہ ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن ان کی نشانیاں بدستور باقی ہیں۔

خلاصہ نظم

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

شاعر نے اس نظم میں مسلمانوں کے تابناک ماضی کا حال بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ اسلام رحمت کی ایک گھٹا بن کر مکہ معظمہ سے اٹھا اور اس کی برکتیں اور رحمتیں ہر طرف پھیل گئیں۔ پوری دنیا اس سے فیضیاب ہوئی۔ دنیا کی مختلف قوموں نصرانیوں، روحانیوں، صفاہانیوں اور یزدانیوں نے مسلمانوں سے تمام علوم وفنون سیکھے۔ اس طرح ہر طرف علم کی روشنی پھیل گئی۔

مسلمانوں نے علم و فن میں ہر ملک اور قوم سے استفادہ کیا انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ذہن نشین کر لیا کہ "حکمت مسلمانوں کی گمشدہ چیز ہے جہاں ملے اسے اپنا لو"

کہ حکمت کو اک گمشدہ لال سمجھو جہاں پاؤ اسے اپنا مال سمجھو

مسلمانوں نے ہر علم و فن میں حصول میں بڑی جستجو کی ہے۔ وہ سب پر بازی لے گئے۔ زراعت، سیاحت، فن تعمیر اور تجارت میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا۔ ان کی ٹھوس اور مستحکم عمارتیں دنیا کے گوشے گوشے میں موجود ہیں۔ اندلس پر مسلمانوں نے نہایت شان وشوکت سے حکومت کی اور اسے علم وفن اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ بنا دیا۔ وہاں اب بھی بنی امیہ کے دور کی عمارات اور دیگر نشانیاں موجود ہیں مسلمانوں نے سائنس کے میدان میں بھی بہت ترقی کی۔ ان کی رصدگاہیں سمرقند سے اندلس تک کام کرتی تھیں۔ جہاں وہ ستاروں کا مشاہدہ کرتے تھے۔ ابھی تک ان کے نشانات موجود ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھ کو تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

مرکزی خیال

اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کا ماضی بہت تابناک تھا۔ ساری دنیا اسلام کی برکتوں اور رحمتوں سے فیض یاب ہوئی اور مسلمانوں نے علوم وفنون، تہذیب وتمدن، زراعت، سیاحت، فن تعمیر اور تجارت میں بہت ترقی کی دوسری قوموں نے انہی سے یہ علوم وفنون سیکھے۔ ان کی عظیم الشان عمارتوں کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ اس سلسلے میں اندلس خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ مسلمانوں نے سائنس میں بھی بہت ترقی کی۔ بقول علامہ اقبال ؎

کبھی اے نوجوان مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

اسلامی مساوات

خواجہ الطاف حسین حالی

بند۱ کسی قوم کا جب الٹتا ہے دفتر | تو ہوتے ہیں مسخ ان میں پہلے تونگر
کمال ان میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر | نہ عقل ان کی ہادی نہ دین ان کا رہبر
نہ دنیا میں عزت نہ ذلت کی پروا
نہ عقبےٰ میں دوزخ نہ جنت کی پروا

حل لغت! دفتر: مجموعہ حساب وغیرہ: لمبی کہانی۔ مسخ ہونا: صورت بگڑنا: خراب ہو جانا تونگر: امیر: کھاتے پیتے لوگ۔ جوہر: خاصیت: خوبی۔ ہادی: رہنما۔ عقبےٰ: آخرت۔

تشریح جب کسی قوم کا دفتر الٹتا ہے یعنی اس پر تباہی و بربادی آتی ہے تو سب سے پہلے امیر اور خوشحال لوگ اس تباہی و بربادی کی لپیٹ میں آتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم جب کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سرکردہ لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں، پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔" ان لوگوں میں کوئی کمال، خاصیت یا خوبی باقی نہیں رہتی۔ وہ ہر اچھائی اور خصوصیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ نہ وہ عقل کو رہنما بنا کر اس سے کام لیتے ہیں، اور نہ ہی وہ دین و مذہب کو اپنا راہبر بناتے ہیں۔ یعنی وہ عقل اور مذہب دونوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ انہیں نہ تو دنیا میں عزت و ذلت کی پروا ہوتی ہے نہ وہ عزت و ذلت کے معنی یا مفہوم سے آشنا ہوتے ہیں۔ یہ تو دنیا کا حال ہے۔ اب جہاں تک آخرت کا تعلق ہے۔ انہیں جنت و دوزخ کی بھی پروا نہیں ہوتی۔ حالانکہ آخرت کی بڑی اہمیت ہے۔ جنت بہترین مقام ہے جو خدا کی رضا اور اطاعت سے ملتا ہے اور دوزخ بدترین مقام ہے جو خدا کی ناراضگی اور نافرمانی کی صورت میں ملتا ہے۔

بند۲: نہ مظلوم کی آہ و زاری سے ڈرنا | نہ مفلوک کے حال پر رحم کرنا
ہوا و ہوس میں خودی سے گذرنا | تعیش میں جینا نمائش پہ مرنا
سدا خواب غفلت میں بے ہوش رہنا
دم نزع تک خود فراموش رہنا

حل لغت! آہ و زاری: فریاد اور رونا دھونا۔ مفلوک: تباہ حال۔ ہوا و ہوس: لالچ و حرص۔ خودی: اپنی ہستی کی پہچان۔ تعیش: عیش و عشرت۔ سدا: ہمیشہ۔ نزع: جان کنی۔ خود فراموش رہنا: اپنے آپ کو بھلا دینا۔

تشریح اوپر کے بند میں امیر و خوشحال لوگوں کے بُرے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اس بند میں ان کی کچھ مزید خرابیاں بتائی ہیں کہتے ہیں کہ وہ بہت ظالم اور سنگدل ہوتے ہیں وہ مظلوم اور دکھی انسانوں کی فریاد اور رونے دھونے سے نہیں ڈرتے۔ ان کے دل میں خوفِ خدا نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ "مظلوم کی آہ اور دعا سے بچو۔ کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا" وہ کسی تباہ حال اور مصیبت زدہ انسان پر رحم نہیں کرتے اور حدیث میں ہے کہ "جو شخص رحم نہیں کرتا۔ اس پر خدا بھی رحم نہیں کرے گا" وہ لالچ و حرص کے بندے ہوتے ہیں اور اس کی خاطر اپنی عزت نفس کا بھی احساس نہیں رکھتے۔ بقول علامہ اقبال ؎

تری زندگی اسی میں تری آبرو اسی میں
جو رہی تو بادشاہی نہ رہی تو روسیاہی

وہ عیش و عشرت کو اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں اور نمود و نمائش اور دکھاوے پر جان دیتے ہیں وہ ہمیشہ غفلت کا شکار رہتے ہیں۔ گویا غفلت میں مدہوش رہتے ہیں۔ وہ جان کنی کے وقت تک اپنے آپ کو بھلائے رکھتے ہیں یعنی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ان کی کیا ذمہ داریاں اور فرائض ہیں۔

بند۳: کہاں بندگانِ ذلیل اور کہاں وہ
بسر کرتے ہیں بے غم قوت و ناں وہ
پہنتے نہیں جز سمور و کتاں وہ
مکاں رکھتے ہیں رشکِ خلدِ جناں وہ
نہیں چلتے وہ بے سواری قدم بھر
نہیں رہتے بے نغمہ و ساز دم بھر

حل لغت بندگانِ ذلیل: مراد عاجز و مسکین بندے۔ قوت: خوراک، روزی۔ ناں: روٹی۔ جز: سوائے۔ سمور: لومڑی کی قسم کے ایک جانور کی نہایت قیمتی پوستین۔ کتاں: ایک قسم کا باریک کپڑا جو چاند کی روشنی میں پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ خلدِ جناں: جنت، بہشت۔ بے نغمہ و ساز: گیت اور ساز کے بغیر۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ خدا کے عاجز و مسکین بندوں کا ان بدخصلت امراء سے کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خدا کے عاجز بندے عجز و انکسار سے رہتے ہیں جبکہ امراء اور خوشحال لوگ فخر و غرور سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں کبھی خوراک اور روزی کا غم نہیں ہوتا۔ وہ بھوک پیاس کا احساس ہی نہیں رکھتے وہ سمور اور کتان جیسے قیمتی کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا انہیں پہنتے۔ ان کے مکانات ایسے شاندار اور زیب و زینت سے آراستہ ہوتے ہیں کہ جنت بھی ان پر رشک کرے۔ وہ متاعِ دنیا کو ہی سب کچھ خیال کرتے ہیں وہ اتنے آرام پسند اور تن آسان ہوتے ہیں کہ سواری کے بغیر ایک قدم چلنا بھی پسند نہیں کرتے۔ وہ ہر لمحہ گانے بجانے میں مصروف رہتے ہیں اور عیش و نشاط ہی کو حاصل زندگی سمجھتے ہیں۔

بند۴: یہ ہو سکتے ہیں ان کے ہم جنس کیونکر
نہیں چین جن کو زمانے میں دم بھر

سواری کو گھوڑا نہ خدمت کو نوکر ۔ نہ رہنے کو گھر اور نہ سونے کو بستر
پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی
جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوٹی

حل لغت:

تشریح شاعر کہتا ہے کہ یہ خوشحال و مغرور اور آرام پسند امراء ان عاجز، مسکین اور کم وسیلہ لوگوں کے کیسے ہم جنس اور برابر ہو سکتے ہیں جنہیں دنیا میں ایک لمحہ کے لئے بھی آرام، سکون اور چین نصیب نہیں بلکہ ان کی زندگی ہمیشہ پریشان حالی میں گزری ہے انہیں سواری کے لئے گھوڑا وغیرہ میسّر نہیں ہوتا بلکہ وہ پیدل سفر کرتے ہیں وہ اپنے کام کاج خود اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں اور ان کی خدمت کے لئے امیر لوگوں کی طرح کوئی نوکر چاکر نہیں ہوتے۔ انہیں رہنے اور سر چھپانے کے لئے کوئی گھر میسر نہیں ہوتا بلکہ وہ آسمان کی کھلی نیلی چھت کے نیچے بسیرا کرتے ہیں۔ انہیں سونے اور آرام کرنے کے لئے کوئی بستر بھی میسّر نہیں ہوتا بلکہ وہ فرشِ خاکی پر آرام کرتے ہیں۔ انہیں اپنا تن ڈھانپنے کو کوئی کپڑا میسّر نہیں ہوتا بلکہ وہ عریاں یا نیم عریاں پھرتے رہتے ہیں۔ یا چیتھڑوں میں گذارہ کرتے ہیں۔ انہیں کھانے اور پیٹ بھرنے کو روٹی میسّر نہیں ہوتی۔ بلکہ اکثر وہ فاقہ کرتے ہیں وہ جو تدبیر کرتے ہیں الٹ پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قسمت ہی کھوٹی ہے اور ان کے دن نہیں پھریں گے۔

بند۵: یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا ۔ کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالقِ دوسرا کا ۔ خلائق سے ہے جس کا رشتہ ولا کا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

حل لغت: کتابِ ہدیٰ: ہدایت کی کتاب یعنی قرآن مجید۔ خالقِ دوسرا: دونوں جہان کا خالق۔ خلائق: خلق کی جگہ، مخلوقات۔ ولا کا رشتہ: دوستی اور محبت کا رشتہ یا تعلق۔

تشریح کتابِ ہدایت یعنی قرآن مجید کی پہلی تعلیم یہ تھی کہ ساری مخلوق گویا اللہ رب العزت کا کنبہ اور خاندان ہے۔ اسے اپنی مخلوق سے بے پناہ محبت ہے اور ارحم الرحمین یعنی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ وہی شخص دونوں جہانوں کے خالق کا دوست یا پیارا ہے جس کو اس کی مخلوقات سے دوستی اور محبت کا رشتہ یا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسے پسند کرتا ہے جو اس کی مخلوق سے محبت کرے۔ علامہ اقبال ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ ؎

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جسے خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

عبادت کی اصل روح اور دین وایمان کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا میں انسان انسان کے کام آئے وہ دوسروں کا ہمدرد ہو۔ ان کی مدد کرے، ان سے تعاون کرے اور مشکل میں ان کے کام آئے میر درد فرماتے ہیں۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

خلاصہ نظم

یہی ہے عبادت یہی دین وایمان
کہ کام آئے دنیا میں انسان کے انسان

شاعر کہتا ہے کہ جب کوئی قوم تباہی سے دوچار ہوتی ہے تو سب سے پہلے امیر اور خوشحال لوگ ہی اس کی زد میں آتے ہیں ان میں کمال اور جوہر باقی نہیں رہتے وہ عقل و دین سے رہنمائی حاصل نہیں کرتے انہیں دنیا میں عزت و ذلت کی اور آخرت میں جنت و دوزخ کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ مظلوم اور خستہ حال شخص پر رحم نہیں کرتے۔ وہ لالچ اور حرص میں اپنی خودی گنوا بیٹھے ہیں۔ عیش وعشرت اور نمائش کو وہ اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں۔ وہ خواب غفلت میں مدہوش رہتے ہیں۔

کہاں یہ لوگ اور کہاں خدا کے عاجز و مسکین بندے! انہیں خوراک اور روزی کی فکر نہیں ہوتی وہ سمور جیسے قیمتی کپڑے پہنتے ہیں اور عالی شان مکانوں میں رہتے ہیں۔ وہ سواری کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے اور ہر وقت گانے بجانے میں مشغول رہتے ہیں۔

یہ لوگ ان عاجز و مسکین بندوں کے کیسے برابر ہو سکتے ہیں جنہیں زمانے میں ایک لمحہ کے لئے بھی چین نہیں ملتا وہ سواری اور نوکر سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کے پاس رہنے کو گھر نہیں ہوتا، سونے کو بستر پہننے کو کپڑا اور کھانے کو روٹی نہیں ہوتی۔ ان کی تدبیر الٹی اور تقدیر کھوٹی ہے۔

قرآن مجید کی پہلی تعلیم یہ تھی کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے خدا کا دوست وہی ہے جسے اس کی مخلوقات سے محبت ہے، عبادت کی روح اور دین وایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان انسان کے کام آئے۔

مرکزی خیال

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اس نظم میں مساوات کا درس دیا گیا ہے امیر اور خوشحال لوگوں کو صرف اپنی ذات ہی میں گم نہیں رہنا چاہیئے بلکہ انہیں لوگوں کا بھی احساس ہونا چاہیئے جو کم ذرائع و وسائل رکھتے ہیں اور بہت سی محرومیوں کا شکار ہیں۔ یہ دونوں لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلا گروہ عیش پسند اور مغرور ہوتا ہے جبکہ دوسرا گروہ عاجز و مسکین ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی پہلی تعلیم یہ ہے کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور انسان کو انسان سے ہمدردی ہونی چاہیئے خدا کا دوست وہ ہے جو اس کی مخلوقات سے محبت کرے۔ بقول علامہ اقبال ؎

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جسے خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

اکبر الٰہ آبادی:۔ لسان العصر اکبر الٰہ آبادی طنزیہ اور ظریفانہ شاعری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ وہ طنز و مزاح کے پردے میں اصلاحی رنگ اور گہرے نکتے پیدا کرتے ہیں بقول علامہ اقبال "اکبر جیسا نکتہ دان شخص صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے"۔ وہ مغربی تہذیب سے بیزار اور اسلامی و مشرقی روایات کے شیدائی ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات چستی و روانی، زبان کی صفائی و سلاست، بیان میں بے تکلفی اور ظریفانہ انداز ہیں۔

رباعیات

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوہ ۔۔۔ سب سے بہتر ہے روز و شب کا جلوہ
کہتا ہے عجم، عجم میں جم ہے موجود ۔۔۔ کہہ دو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوہ

حل لغت: روز و شب: دن رات۔ عجم: غیر عرب ملک ایران و توران۔ جم: جمشید شاہ ایران۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ میری نظر سے سب کا جلوہ گذرا ہے۔ میں نے بہت سے جلوے دیکھے اور نظارے کئے ہیں۔ میں نے بے شمار چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے لیکن ان سب جلوؤں اور نظاروں میں مجھے دن رات کا نظارہ سب سے بہتر اور بڑھ کر نظر آیا۔ رات کے اندھیرے کا چھاجانا اور دن کی روشنی کا پھیل جانا کس قدر دلفریب مناظر ہیں۔ قرآن مجید میں رات دن کے اختلاف پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور اسے قدرت کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ ملک ایران کو اپنے شاندار ماضی پر بڑا فخر ہے مثلاً جمشید جو ایران کا بادشاہ تھا، اس کی شان و شوکت اور عظمت اپنی مثال آپ تھی۔ اس لئے ایران کو اس پر فخر حاصل ہے لیکن اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ملک عرب میں اللہ رب العزت کا جلوہ موجود ہے یعنی یہی وہ مقدس اور مبارک سرزمین ہے جہاں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور یہیں قرآن مجید نازل ہوا اور یہیں سے اسلام کا ظہور ہوا اور وہ تمام دنیا میں پھیل گیا۔

مرکزی خیال اس رباعی کا مرکزی خیال یہ ہے کہ روز و شب کا جلوہ سب جلوؤں سے بہتر ہے اور پھر ملک عرب کے جلوے کا جواب نہیں کہ یہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور یہی اسلام کا مرکز ہے یہیں بیت اللہ ہے۔

۲۔ مجلس میں خیال بادہ نوشی پایا ۔۔۔ مکتب میں سر سخن فروشی پایا
مسجد میں اگرچہ امن تھا اے اکبر ۔۔۔ لیکن اک عالم خموشی پایا

حل لغت: مجلس: محفل۔ بادہ نوشی: شراب نوشی۔ مکتب: مدرسہ۔ سر سخن فروشی: کلام یا علم بیچنے کا جذبہ یا خواہش۔ عالم خموشی: خاموشی کی حالت و کیفیت۔

تشریح شاعر مختلف مقامات کا مشاہدہ کرتے ہوئے ان کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتا ہے کہ وہاں شراب نوشی کا دور چل رہا ہے، ہر ایک پینے پلانے میں مدہوش ہے۔ جہاں تک مدرسے کا تعلق ہے وہاں بھی صحیح دینی جذبہ اور خلوص نظر نہیں آتا ہے اہلِ مدرسہ دنیاداری اور مادہ پرستی کا شکار ہیں۔ ان میں اپنے کلام یا علم بیچنے کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ "ہدایت سے محروم لوگ اللہ کی آیات کو کمتر قیمت پر بیچتے ہیں"۔ اے اکبر! مسجد میں امن وامان تھا اور وہاں کوئی شور و ہنگامہ نہ تھا لیکن وہاں کی حالت اطمینان بخش نہ تھی چاہیئے تو یہ کہ وہاں ذکر و اذکار، عبادت اور تعلیم و تدریس کا مظاہرہ ہوتا لیکن وہاں بالکل خاموشی کی حالت و کیفیت دیکھی، گویا وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا اور وہ مقصد نظر نہ آیا جس کی خاطر مسجد کی تعمیر کی جاتی ہے۔

مرکزی خیال شاعر محفل، مکتب اور مسجد کے بارے میں اپنی مایوسی کا اظہار کرتا ہے کہ ان تینوں مقامات سے اعلیٰ اور مطلوبہ مقاصد کی تکمیل نہیں ہو رہی ہے۔

۳۔ لے جاؤں لحد میں اپنا اسلام بخیر — لکھیں یا رب فلک مرا نام بخیر
اسلام سے جس نے بے وفائی کی ہے — پایا نہیں میں نے اس کا انجام بخیر

حل لغت: لحد: قبر۔ بخیر: خیر و خوبی اور سلامتی کے ساتھ۔ ملک: فرشتے

تشریح شاعر اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہے کہ میں اپنا اسلام اور ایمان قبر میں محفوظ و سلامت لے جاؤں یعنی میرا خاتمہ ایمان و اسلام پر ہو اور فرشتے جب میرا نامۂ اعمال لکھیں تو میرا نام نیکو کاروں کے زمرے میں لکھیں۔ ایمان و اسلام پر خاتمہ ایک مومن کا اصل مقصد حیات ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

'یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا'۔

ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ موت کے وقت جس کی زبان پر کلمہ جاری ہو جائے وہ جنتی ہے یعنی اس کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ آخر میں شاعر کہتا ہے کہ جس شخص نے بھی خدا کے سچے دین اسلام سے بے وفائی کی اور اس کے احکامات و تعلیمات کے مطابق زندگی بسر نہ کی۔ اس کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے ایسا شخص کبھی بھلائی اور سرخروئی حاصل نہیں کر سکتا۔

مرکزی خیال شاعر یہ دعا کرتا ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان و اسلام پر ہو، اسلام سے بے وفائی کرنے والا کبھی فلاح نہیں پاتا۔

۴: شیطان سے دل کو ربط ہو جاتا ہے — دشوار انسان کو ضبط ہو جاتا ہے
حد سے جو سوا ہو حرص یا خود بینی — اکثر ہے یہی کہ خبط ہو جاتا ہے

حل لغت: ربط: تعلق، واسطہ۔ دشوار: مشکل۔ ضبط: جوش کو روکنا: برداشت۔ سوا: بڑھ کر۔ حرص: لالچ۔ خود بینی: غرور، تکبر۔ خبط: دیوانگی: جنون۔

تشریح: شاعر کہتا ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے، دل کو شیطان سے تعلق پیدا ہو جاتا

ہے۔ وہ انسان کے دل میں وسوسے ڈال کر اسے گمراہ کر دیتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔" جب شیطان انسان کو ورغلاتا ہے اور گناہ پر آمادہ کرتا ہے تو پھر انسان تحمل و برداشت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے اور وہ گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ لالچ اور غرور و تکبر کا حد سے بڑھ جانا سخت ناپسندیدہ بات ہے اس سے انسان اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے اور یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ شخص جنون اور دیوانگی میں مبتلا ہو گیا ہے اور یہ جنون اسے اندھا کر دیتا ہے اور پھر وہ عقل و شعور سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ایک حدیث رسولؐ ہے کہ "کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔"

مرکزی خیال شیطان کی وسوسہ اندازی انسان کو گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے حد سے زیادہ لالچ اور غرور و تکبر سخت ناپسندیدہ ہے۔

۵۔ کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو ‏ ‏ ‏ لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو
عظمت دنیا کی جب دبائے دل کو ‏ ‏ ‏ خالق کا کر و خیال، تکبیر پڑھو

حل لغت: تفسیر: تشریح، تفصیل۔ عظمت: بڑائی۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ اس بات کی ممانعت نہیں ہے کہ انسان مختلف لوگوں کی تحریر (یعنی کتاب) نہ پڑھے۔ وہ اپنی ضروریات اور تقاضوں کے تحت مختلف کتابوں کا مطالعہ کر سکتا ہے اور ان سے استفادہ کر سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انسان قرآن مجید کی تفسیر کا مطالعہ کرے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ خالق کائنات اس سے کیا چاہتا ہے اور اسے اپنی زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیئے۔ قرآن مجید انسان کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ تمام انسانی مسائل کو بطریق احسن حل کرتا ہے۔ ایک حدیث رسولؐ ہے کہ "تم سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔" بقول علامہ اقبال ؎

قرآں میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان ‏ ‏ ‏ اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

جب تمہارے دل پر دنیا کی عظمت اور بڑائی اثرانداز ہونے لگے اور اس طرح تم غفلت کا شکار ہونے لگو تو اللہ رب العزت کو یاد کرو اور اللہ اکبر پڑھتے ہوئے اس کی بڑائی بیان کرو۔ اس کے نتیجے میں تمہارے دل سے غفلت کا پردہ ہٹ جائے گا۔

مرکزی خیال دیگر کتب کے علاوہ قرآن مجید کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ غفلت دور کرنے کے لئے خدا کا ذکر اور اس کی بڑائی بیان کی جائے۔

کانفرنس

(اکبر الہ آبادی)

بند۱: کانفرنس احباب سے پُر ہے جو صف ہے وہ سلکِ دُر ہے
سب کو یاد استاد کا گُر ہے دلکش ہر اسپیچ کا سُر ہے

حل لغت: کانفرنس: صلاح اور مشورے کی مجلس۔ احباب: حبیب کی جمع: دوست۔ سلکِ دُر: موتیوں کی لڑی۔ گُر: اصول، قاعدہ کلیہ۔ اسپیچ: تقریر۔

تشریح: شاعر روایتی کانفرنس کا حال بیان کرتا ہے کہتے ہیں کہ یہ کانفرنس دوست احباب سے بھری پڑی ہے۔ صلاح مشورے ہو رہے ہیں۔ تجویزیں پیش ہو رہی ہیں۔ ان پر بحث ہو رہی ہے۔ اس کانفرنس کی ہر صف گویا موتیوں کی لڑی ہے۔ یعنی نہایت ترتیب اور سلیقے سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کانفرنس کے تمام ممبران نہایت سلجھے ہوئے اور پختہ کار ہیں۔ سب کو اپنے استاد کا اصول اور قاعدہ کلیہ یاد ہے۔ ہر تقریر نہایت دلکش اور لچھے دار ہے اور تقریر کا انداز بڑا سریلا اور دلکش ہے۔ بظاہر تقریر بہت متاثر کرنے والی ہے۔

بند۲: قومی ترقی کی رادھیا پیاری بیٹھی ہے پہنے جوڑا بھاری
نو من تیل کی فکر ہے طاری چندے کی تحصیل ہے جاری

حل لغت: رادھا: کرشن جی کی محبوبہ کا نام۔ تحصیل: اکٹھا کرنا۔

تشریح: شاعر نے قومی ترقی کو ایک مجسم چیز فرض کیا ہے۔ یعنی اسے رادھا قرار دیا ہے جو کرشن چندر کی محبوبہ تھی۔ یہ پیاری رادھا بھاری اور خوبصورت جوڑا پہنے بیٹھی ہے اور کانفرنس نو من تیل جمع کرنے کی فکر میں ہے یہ تخیل اس کی کہاوت سے اخذ کیا گیا ہے کہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی۔ مطلب یہ ہے کہ قومی ترقی کے بارے میں جو پروگرام زیر بحث ہے وہ محض خیال خام ہے۔ یہ صرف باتوں ہی باتوں تک محدود ہے جبکہ عملی طور پر کچھ کام نہیں ہوتا۔ ہاں ہے کہ چندے کی فراہمی جاری رہے گی۔ گویا یہ بھی ایک بڑا اہم مقصد ہے۔ اکبر الہ آبادی ایک ہی مقام پر کہتے ہیں۔ ؎

بند۳: کریماں بہ بخشائے بر حال ما کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ
جمع ہے ممبر بھولے بھالے جاڑے کا موسم پھولے پھلے

آنکھیں پھاڑے دانت نکالے ‏ چندہ دے کر پھنسنے والے

حل لغت: بھولے بھالے: سیدھے سادے۔ جاڑے کا موسم: سردیوں کا موسم

تشریح اس کانفرنس میں سیدھے سادے اور بھولے بھالے ممبر جمع ہیں۔ ان بیچارے ممبران کو مفاد پرست لوگ اپنا آلۂ کار بناتے ہیں۔ سخت سردی کا موسم ہے اور وہ سردی سے پھولے پھالے ہیں۔ سردی سے ان کا برا حال ہے وہ ٹھٹھرا اور کانپ رہے ہیں وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غور سے دیکھ رہے ہیں اور دانت نکالے اپنی نفرت اور بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ ایک طرف تو وہ بیچارے چندہ جمع کراتے ہیں اور پھر الٹا مفاد پرست سیاستدانوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور وہ انہیں پھانس کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔

بند۴: بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں ‏ بعض نمود و نام کے خواہاں

بعض فقط آرام کے خواہاں ‏ کم ہیں فیض عام کے خواہاں

حل لغت: بادہ و جام: شراب و پیالہ مراد ہے نوشی۔ خواہاں: خواہش مند۔ نمود و نام: دکھاوا اور ناموری۔ فقط: صرف۔ فیض عام: عام لوگوں کو فائدہ پہنچانا۔

تشریح اب شاعر کانفرنس میں شریک مختلف لوگوں کی قسمیں اور ان کے اوصاف بیان کرتا ہے کہتے ہیں کہ ان سے بعض تو بادہ و ساغر یعنی مے نوشی کے متوالے ہیں یعنی وہ عیش و نشاط کے دلدادہ ہیں۔ اور بعض محض دکھاوے، ریاکاری اور ناموری و شہرت کے خواہش مند دلدادہ ہیں۔ ان کے دل خلوص نیت سے محروم ہیں بعض صرف آرام و سکون کے خواہش مند اور دلدادہ ہیں لیکن ان میں ایسے لوگ کم ہیں جو لوگوں کے عام فائدے اور بھلائی کے طلب گار ہیں۔ اپنا فائدہ اور مفاد تو سبھی دیکھتے ہیں لیکن دوسروں کے مفاد اور فائدے کا کسی کو خیال نہیں ہوتا حالانکہ ایک حدیث رسولؐ کے مطابق بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کی بھلائی کے لئے کام کرے۔

بند۵: مدعیان رونق دیں ہیں ‏ لیکن باہم برسرکیں ہیں

واقف فن و ہنر سے نہیں ہیں ‏ کم ہیں ان میں جو آخر بیں ہیں

حل لغت: مدعیان: مدعی کی جمع: دعوے دار۔ برسرکیں: دشمنی، بغض یا بیر رکھنے والے آخر بیں: انجام سے باخبر یا فکر آخرت رکھنے والے۔

تشریح بظاہر اس میں ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو دین کی رونق و عظمت کے مدعی ہیں یا دعویدار ہیں۔ یہ صرف دکھانے کی باتیں ہیں، حقیقت میں وہ دین سے بے بہرہ ہیں اور اس کی غلط ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی، بیر اور بغض رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ ان کے دل صاف نہیں ہیں وہ کسی طرح کا فن یا ہنر نہیں جانتے بلکہ وہ اپنی

نااہلی کا زندہ اور جاگتا ثبوت ہیں۔ ان میں کم لوگ ایسے ہیں جو انجام پر نظر رکھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں کچھ فکر آخرت نہیں ہے وہ اس احساس سے محروم ہیں بس وہ تو حرص و ہوا میں مبتلا ہیں اور مادہ پرست ہیں

بند ۶: دوڑاؤ تدبیر کے ریشے — قوم میں پھیلیں فن اور پیشے
صناعی کے چلاؤ تیشے — تا کہ کٹیں افلاس کے بیشے

حل لغت: ریشہ: درختوں کی رگیں: کچے سوت کا تار: آم کے پھل کا تار۔ صناعی: کاریگری، دستکاری۔ افلاس: غربت۔ بیشے: جنگل۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ تم تدبیر کے تار ہلاؤ یعنی کوئی تدبیر اختیار کرو تا کہ قوم میں فن اور پیشے فروغ پائیں۔ اور یہ راہ ترقی پر گامزن ہو۔ اگر قوم ترقی کرے گی تو تمہارا بھی بھلا ہوگا۔ تمہارا بھی اسی میں فائدہ ہے۔ کاریگری، دستکاری اور صنعت و حرفت کے تیشے و اوزار چلاؤ انہیں استعمال کر کے اپنے کام میں لاؤ تا کہ غربت کے جنگل کٹ جائیں۔ غریبی اور محتاجی کا مداوا ہو اور قوم خوشحالی سے ہمکنار ہو۔ غربت ایک بہت بڑا سنگین مسئلہ ہے اس کا حل کرنا ضروری ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ قریب ہے کہ مفلسی کفر تک پہنچا دے۔

بند ۷: تم ہو فکرِ جاہ میں اُلجھے — شہرت و شان کی چاہ میں اُلجھے
نافہموں کی واہ میں اُلجھے — دل کیونکر اللہ میں اُلجھے

حل لغت: جاہ: رتبہ، مرتبہ۔ چاہ: چاہت: محبت۔ نافہم: ناسمجھ، نادان

تشریح تم مرتبہ و رتبہ پانے کی فکر میں گرفتار و مبتلا ہو۔ یہی تمہاری زندگی کا مقصد اور مطمحِ نظر ہے۔ تم شہرت ناموری اور شان و شوکت حاصل کرنے کی تمنّا آرزو اور چاہت رکھتے ہو تم خلوص اور بے لوث جذبہ خدمت سے محروم ہو۔ تم تو بس اس بات سے خوش ہو جاتے ہو کہ نادان اور ناسمجھ لوگ تمہاری تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائیں اور تم اپنی تعریفیں سُن سُن کر پھولتے رہو۔ جب تمہاری یہ کیفیت ہو اور تم ان مادہ پرستانہ باتوں میں اُلجھے ہوئے ہو تو پھر تمہارا دل خدا کی یاد میں کیونکر اُلجھے۔ یعنی تمہارے دل میں خدا کی محبت اور عظمت کیسے پیدا ہو اور تمہارا رجوع خدا کی طرف کیسے ہو؟ ظاہر ہے کہ یہ امر محال ہے۔

بند ۸: خالق کی توحید سکھاؤ — عقبٰی کی تمہید سکھاؤ
ملحد کی تردید سکھاؤ — روحانی اُمید سکھاؤ

حل لغت: عقبٰی: آخرت۔ ملحد: خدا سے پھرنے والا کافر

تشریح اس آخری بند میں شاعر دوسروں کو نیک اور اچھی باتیں سکھانے کی تلقین کرتا ہے کہتے ہیں کہ سب سے پہلی اور بنیادی بات خدا کی توحید ہے۔ اس

تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ رب العزت کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں۔ توحید ہی اصل بنیاد ہے جس پر دین حق کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ لوگوں میں فکر آخرت پیدا کرو۔ یعنی یہ زندگی عارضی ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے۔ اس لئے انسان کو آخرت کی فکر کرنی چاہیئے۔ جو شخص خدا سے پھرا ہوا اس کا منکر اور بے دین ہے اس کی خود بھی تردید کرو اور دوسروں کو بھی اس کی تردید کرنا سکھاؤ اور پھر لوگوں میں روحانی جذبہ پیدا کرو۔ انہیں روحانیت سے روشناس کرو۔ انہیں امید کا درس دو۔ بقول علامہ اقبال ؔ ے

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں!

خلاصہ نظم

کانفرنس دوستوں سے بھری پڑی ہے۔ سب کو استاد کا گر یاد ہے اور ہر تقریر بڑی دلفریب ہے۔ گویا قومی ترقی کی رادھا بنی ٹھنی بیٹھی ہے اور چندے کی فراہمی جاری ہے۔ بھولے بھالے ممبر جمع ہیں وہ چندہ دے کر پھنسنے والے ہیں۔ بعض شراب نوشی کے دلدادہ ہیں۔ بعض نمود و نمائش کے خواہاں اور بعض صرف آرام کے خواہاں ہیں۔ فیض عام کے خواہاں کم لوگ ہیں۔ کچھ حضرات رونق دین کے مدعی ہیں۔ لیکن وہ آپس میں بغض و دشمنی رکھتے ہیں۔ وہ فن و ہنر سے واقف نہیں ہیں۔ ان میں فکرِ آخرت رکھنے والے کم ہیں۔ اصلاح کے لئے کوئی تدبیر اختیار کرو تاکہ قوم میں فن اور پیشے فروغ پائیں صنعت و حرفت کو ترقی دیں تاکہ غربت و افلاس کا خاتمہ ہو۔

تم سب عزت و جاہ کی فکر میں گرفتار ہو اور شہرت و ناموری کے بھوکے ہو۔ تم نادانوں کی واہ وا میں اُلجھے ہوئے ہو۔ اس لئے تمہارا دل اللہ کی طرف کیونکر رجوع کرے۔ لوگوں کو خدا کی خالص توحید سکھاؤ ان میں فکر آخرت پیدا کرو۔ ملحد (بے دین، منکرِ خدا) کی تردید کرو اور سکھاؤ اور لوگوں کے دلوں میں امید کے چراغ روشن کرو۔

مرکزی خیال

اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ یوں تو رسمی طور پر کانفرنس بڑے اہتمام سے منعقد ہوتی ہے، لیکن حقیقی قومی ترقی کا کام کم ہوتا ہے۔ صرف باتیں ہی باتیں ہوتی ہیں اور عمل بالکل نہیں ہوتا۔ اصل چیز خلوص اور قوم کی حقیقی فلاح و بہبود ہے۔ لوگوں کو توحید اور فکر آخرت کا درس دینے کی ضرورت ہے۔ صنعت و حرفت اور مختلف فنون کو ترقی دینی چاہیئے۔ لوگوں کے دلوں میں امید کے چراغ روشن کرنے چاہئیں۔ بغض، حسد اور دشمنی سے بچنا چاہیئے۔ اور چھوٹی عزت کی خاطر اپنی شخصیت کو مجروح نہیں کرنا چاہیئے۔

ز

متفرق اشعار (اکبر الہ آبادی)

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں ۔۔۔ کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

حل لغت: قابلِ ضبطی: روک لینے یا قابو میں کر لینے کے قابل خبطی: دیوانہ: جنون: سودائی ۔

تشریح

اس شعر میں نئی اور مغربی تعلیم کی خرابی کی مذمت کی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ اس جدید مغربی تعلیم نے نہایت مضر اثرات چھوڑے ہیں ۔ اس تعلیم سے مذہب اور بزرگوں کا احترام دلوں سے اٹھ گیا ہے ۔ اس تعلیم سے آراستہ ہو کر نوجوان مذہب اخلاقیات اور تہذیب و تمدن سے بیگانہ ہو جاتے ہیں ۔ ان کے دماغ میں فتور آجاتا ہے ۔ اور وہ پرانی قدروں کا مذاق اڑانے لگتے ہیں ۔ اس لئے ہمیں ایسی کتابیں روک لینی اور اپنے قابو میں کر لینی چاہیئے کہ جس کے مطالعہ کے نتیجے میں نوجوان اپنے والد کو مجنوں ، دیوانہ یا سودائی خیال کرتے ہیں ۔ باپ کا بڑا احترام ہوتا ہے اور اس کی رضامندی کو خدا کی رضامندی اور اس کی ناراضگی کو خدا کی ناراضگی قرار دیا گیا ہے ۔ لیکن اس جدید تعلیم کے اثر سے یہ سب عزت و احترام ختم ہو کر رہ جاتا ہے ۔ یہ نوجوان خود کو بڑا عقل مند اور باپ کو بیوقوف سمجھتے ہیں ۔ بقول علامہ اقبال ؔ

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ۔۔۔ ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

شاعر نے طنز کے پیرائے میں ایک سنگین حقیقت کی ترجمانی کی ہے ۔

۲ ۔ تھی شبِ تاریک ، چور آئے جو کچھ تھا لے گئے ۔۔۔ کر ہی کیا سکتا تھا بندہ کھانس لینے کے سوا

حل لغت: شبِ تاریک: اندھیری رات ۔

تشریح

اندھیری رات تھی ۔ چور چوری کی واردات کے لئے آئے اور گھر کا تمام اثاثہ و سامان چرا کر لے گئے ۔ گھر کا مالک اگرچہ جاگ رہا تھا اور اپنے گھر کو لٹتے دیکھ رہا تھا لیکن وہ بے بس تھا ، چوروں کو نہ تو روک سکتا تھا اور نہ ان کا مقابلہ کر سکتا تھا اس لئے وہ سوائے کھانسنے کے کچھ بھی نہ کر سکا ۔ اس شعر میں چور سے مراد انگریز ہیں جنہوں نے مسلمان قوم کے مذہب ، اخلاق اور تہذیب و تمدن کو خوب لوٹا اور اس قوم کو مذہبی ، سیاسی ، معاشرتی اخلاقی اور تہذیبی لحاظ سے کنگال کر دیا اور اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ۔ شاعر اپنے بارے میں کہتا ہے کہ اہلِ مغرب کی اس لوٹ مار پر میں سوائے احتجاج کے کچھ بھی نہ کر سکا ۔ میں بے بسی کے ساتھ اپنی قوم کی بربادی کا تماشا دیکھتا رہا بقول علامہ اقبال ؔ

نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑا اس باغ میں گلچیں

تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

۳ ۔ ان کو بھی ان کے ملنے سے بہتر ہے احتراز ۔۔۔ ملتے نہیں جو رات کو اپنے مکان پر

حل لغت: احتراز: کنارہ کشی کرنا، بچنا، پرہیز کرنا۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ دوستوں کو ان کے ملنے سے پرہیز اور کنارہ کشی بہتر ہے جو رات کو اپنے مکان پر نہیں ملتے بلکہ ہوٹلوں یا کلبوں میں بسیرا کرتے ہیں، اس شعر میں مغربی تہذیب کا ایک منفی پہلو پیش کیا گیا ہے۔ اس تہذیب میں گھریلو زندگی کا تصور نہیں ہے مشرقی تہذیب تو یہ ہے کہ ایک خاندان باہم مل جل کر زندگی گزارتا ہے، باپ گھر کا سربراہ ہوتا ہے وہ اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ رہتا ہے اور ان کی خوشی غمی میں برابر شریک ہوتا ہے لیکن مغربی تہذیب کا معاملہ الٹ ہے، اس میں گھریلو زندگی کا شیرازہ منتشر ہوتا ہے۔ کچھ افراد خانہ فیکٹریوں اور دفتروں میں کام کرتے ہیں اور باقی افراد ہوٹلوں یا کلبوں میں بسیرا کرتے ہیں ہر فرد آزاد اور ایک دوسرے سے بے نیاز ہوتا ہے کسی کو کسی کا احساس یا جذبا تی لگاؤ نہیں ہوتا۔ اس طرح ان کی زندگی مشینری بن کر رہ جاتی ہے۔ اکبر الہ آبادی ایک اور موقع پر کہتے ہیں ؎

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

۴۔ نہیں کچھ اس کی پرسش الفتِ اللہ کتنی ہے یہی سب پوچھتے ہیں آپکی تنخواہ کتنی ہے

حل لغت: پرسش: پوچھ کچھ، باز پرس۔ الفت: محبت۔

تشریح کہتے ہیں کہ آج کل زمانہ اور اس کی قدریں اس قدر بدل چکی ہیں کہ یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ آپ کو اللہ تعالےٰ سے کتنی اور کسقدر محبت ہے، بلکہ سب یہی سوال کرتے ہیں کہ آپ کس قدر تنخواہ لیتے ہیں؛ مطلب یہ ہے کہ یہ روحانیت کا نہیں بلکہ مادہ پرستی کا دور ہے۔ انسانیت کا اصل جوہر اور معیار یہ ہے کہ انسان کو اپنے خالق و مالک اور پروردگار سے تعلق کیسا ہے؛ اس میں نیکی اور پرہیزگاری کا جذبہ کس قدر ہے اور اس کا اخلاق و کردار کیسا ہے؛ وہ صداقت و دیانت پر کس قدر عمل پیرا ہے؛ ان اخلاقی قدروں کو کوئی نہیں پوچھتا بلکہ مادی قدروں کو اہمیت دیتے ہیں۔ لوگ بالعموم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس کس قدر دولت ہے؛ وہ حصولِ دولت کے کتنے اور کس قدر ذرائع و وسائل رکھتا ہے؛ وہ کتنا اثر و رسوخ رکھتا ہے؛ وہ کتنی شاندار کوٹھی میں رہتا ہے اور سواری کے لئے کس ماڈل کی کار استعمال کرتا ہے؛ الغرض روحانیت کی بجائے مادہ پرستی اور ظاہرداری معیار انسانیت بن گئے ہیں۔ شاعر نے ایک معاشرتی خرابی پر بھرپور طنز کی ہے۔

۵۔ شوقِ لیلائے سول سروس نے مجھ مجنوں کو اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

حل لغت: سول سروس: وہ امتحان جس کو پاس کر کے کمشنری یا سیکرٹری کے عہدے کا حق مل جاتا ہے سابقہ آئی، سی، ایس اور حالیہ سی، ایس، پی۔

تشریح شاعر نے اس شعر میں سول سروس کو لیلےٰ قرار دیا ہے اور اپنے آپ کو مجنوں کہتے ہیں کہ جس طرح مجنوں لیلےٰ کی خاطر جنگلوں اور بیابانوں میں مارا مارا پھرتا تھا اور وہ

دیوانہ ہو گیا تھا۔ اسی طرح میں نے بھی سول سروس کے حصول کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کی ہے کہ میری پتلون لنگوٹی بن گئی۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے حد سے زیادہ بھاگ دوڑ کی ہے۔ برطانوی دور میں سول سروس کو لوگ بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کے حصول کو بہت بڑا فخر اور اعزاز سمجھتے تھے اس وقت اسے آئی سی ایس یعنی انڈین سول سروس کہتے تھے اور اب اسے سی ایس پی یعنی سول سروس آف پاکستان کہتے ہیں۔ اس وقت لوگ یہ نہیں سوچتے تھے کہ انگریز ایک سامراجی قوم ہیں جس نے ہمیں غلام بنا رکھا تھا بلکہ وہ تو بس کوئی بڑا سا عہدہ حاصل کرنے کی فکر میں رہتے تھے اور اسے بہت بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔ شاعر نے گہری طنز کی ہے اور خوب مزاحیہ انداز اختیار کیا ہے لیکن ایک واضح حقیقت کی عکاسی کی ہے۔ اکبر الہ آبادی کا ایک اور مقام پر کہتے ہیں ؎

ہم کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

۶۔ اپنی گرہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے
اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے

تشریح شاعر کہتا ہے کہ بے شک آپ مجھے اپنے پلے یا جیب سے میری خدمت کا کچھ بھی معاوضہ نہ دیں لیکن اتنا کام کر دیجئے کہ میرا نام اخبار میں چھپ جائے۔ اس طرح مجھے تسکین حاصل ہو جائے اور میں یہ سمجھوں گا کہ مجھے اپنی خدمت کا صلہ مل گیا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے بہترین طنزیہ شاعری کی ہے، طنز و مزاح کے اس میدان میں کوئی ان کا حریف نہیں وہ ہنسی مزاح میں بڑے بڑے نکتے بیان کر جاتے ہیں بقول علامہ اقبال ؎ "اکبر جیسا نکتہ دان صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔"

اس شعر میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ لوگ بالعموم اپنی خدمت کا معاوضہ یا صلہ اسی بات کو سمجھتے ہیں کہ ان کا نام اخبار میں چھپ جائے۔ وہ نمود و نمائش کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کا ارمان ہوتا ہے کہ ان کا خوب چرچا ہو اور ان کا نام ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر آجائے۔ لوگ اپنی خوشامد کو بہت پسند کرتے ہیں اور دوسروں سے اپنی تعریف سن کر پھولے نہیں سماتے۔ بقول مولانا حالی ؎

اے دل! بشر وہ کون ہے جو خود ستا نہیں
پر خود ستائیوں کے ہیں عنوان جدا جدا

۷۔ کچھ لکھتا نہیں میں دلِ زار کے لئے
جو کچھ یہ ہو رہا ہے سب اخبار کے لئے

حل لغت: دلِ زار: ضعیف دل، رنج و غم اٹھانے والا دل۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ میرے ضعیف یا رنج و غم اٹھانے والے دل کی خاطر نہیں ہے میری اس تحریر کا مقصد اپنے رنجیدہ دل کے غم کا مداوا کرنا نہیں ہے اور نہ ہی یہ تحریر میرے غمزدہ دل کی ترجمان ہے بلکہ میں یہ سب کچھ اخبار کی خاطر کر رہا ہوں میں اخبار کی پالیسی کا پابند ہوں، اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔ میں دل کی آواز کو تو دبا سکتا ہوں لیکن اخبار کی طے شدہ پالیسی کے خلاف نہیں چل سکتا۔ اگر پہلے مصرعہ کے الفاظ یوں ہوں۔ ع

کچھ دیکھتا نہیں ہیں دلِ زار کے لئے

تو مطلب یہ ہوگا کہ مجھے یہ نہیں دیکھنا ہے کہ مجھے غم زدہ دل کی ترجمانی کرنی ہے میں ایسا نہیں کر سکتا بلکہ میں اخبار کی پالیسی اور موقف کا پابند ہوں۔ شاعر نے گہری اور بھرپور طنز کی ہے۔ بالخصوص سرکاری اخبار پر تو یہ بات بالکل صادق آتی ہے۔

8:۔ ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جاکر

حل لغت: مہذب: تہذیب یافتہ: ماڈرن۔

تشریح اس شعر کا مفہوم وہی ہے جو اوپر شعر نمبر ۳ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اکبر الہ آبادی مغربی تہذیب کے سخت خلاف تھے اور سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے انہوں نے اپنے کلام میں جابجا اس پر گہری طنز کی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس دورِ جدید میں صاحب بہادر اسقدر ترقی یافتہ اور ماڈرن ہو گئے ہیں کہ کبھی اپنے گھر تشریف نہیں لاتے۔ وہ اپنے بیوی بچوں میں گھل مل کر نہیں بیٹھتے۔ وہ گھریلو زندگی کی مسرتوں اور لذتوں سے آشنا نہیں ہیں بس یوں سمجھ لیں کہ ان کی ساری عمر ہوٹلوں اور کلبوں میں بسر ہوتی ہے اور جب بیمار پڑتے ہیں تو ہسپتال میں ڈیرا جما لیتے ہیں اور وہیں جان دے دیتے ہیں۔ مغربی زندگی میں گھریلو زندگی کا سفر نہیں ہے نہ ہی باپ کو اولاد سے محبت ہوتی ہے اور نہ اولاد کو باپ سے کوئی انس یا لگاؤ ہوتا ہے۔ دادا اور نانا میاں اپنے پوتوں اور نواسوں کے لئے ترستے رہتے ہیں۔ بس ہر فرد مادہ پرستی اور نفسا نفسی میں مبتلا ہے اور زندگی محض مشینی بن کر رہ جاتی ہے اس کے برعکس مشرقی تہذیب میں بھرپور گھریلو مسرتیں اور لذتیں ہیں اور یہ فطری جذبات و احساسات کی ترجمان ہے۔ شعر میں گہری طنز ہے۔

9۔ یہ ان کا کورس کیا کم ہے کہ میں بھی کچھ کہوں ان سے مری جانب سے بس کالج کے لڑکوں کو دعا کہیئے

تشریح اکبر الہ آبادی مغربی تعلیم کے سخت خلاف تھے۔ ان کی رائے میں یہ تعلیم انگریزوں نے اپنے مخصوص مقاصد کے تحت جاری کی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ انہیں اپنی مشینری کیلئے مناسب کل پرزے مل جائیں۔ یہ خالص مادہ پرستانہ تعلیم تھی اور بالخصوص مسلمانوں کی ملی و قومی روایات کے یکسر خلاف تھی۔ بقول علامہ اقبال؎

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کیخلاف

اکبر الہ آبادی اس شعر میں کہتے ہیں کہ جو نصابِ تعلیم طلبہ کو پڑھایا جاتا ہے وہ کیا کم ہے یا اس میں کیا کم خرابیاں ہیں کہ میں اپنی طرف سے کچھ کہوں۔ بس میری طرف سے کالج کے طلباء کو دعا کہیں کہ اللہ ان کے حال پر رحم فرمائے۔ یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس مغربی تعلیم کا انجام کیا ہوگا۔ اکبر الہ آبادی ایک اور مقام پر کہتے ہیں؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

۱۰۔ مصیبت میں بھی اب یاد خدا آتی نہیں ان کو ۔۔۔ دعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

تشریح اکبر الہ آبادی کا زمانہ انگریزوں کی غلامی کا زمانہ تھا۔ یہ مادہ پرستی کا دور تھا۔ اور یہاں کے باشندے محکومی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مذہب اور روحانیت سے لگاؤ ختم ہو چکا تھا یہاں کے لوگ انگریز آقا کی رضامندی و خوشنودی کو مقصد حیات اور اس کی نوکری و چاکری کو فخر و اعزاز جانتے تھے۔ کہتے ہیں کہ صاحب بہادر اتنے تبدیل ہو گئے ہیں کہ ان کو اب مصیبت کے وقت بھی خدا کی یاد نہیں آتی۔ حالانکہ مصیبت اور پریشانی کے عالم میں انسان خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور بے ساختہ اس کے منہ سے دعا نکلتی ہے لیکن صاحب بہادر کو اس بات کی توفیق حاصل نہیں ہوتی اور جب ان کی تلاشی لی گئی تو ان میں سے وہ درخواستیں برآمد ہوئیں جو انہوں نے حصولِ ملازمت کے لئے دی تھیں اور اس کے لئے بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ بہادر شاہ ظفر کا ایک شعر ہے۔

ظفر آدمی نہ اس کو جانیئے گا خواہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

۱۱۔ ان کے گلشن میں دیا کرتا ہے اسپیچ وفا ۔۔۔ زاغ ہو جائے گا اک دن آنزیری عندلیب

حل لغت: گلشن: باغ۔ اسپیچ: تقریر۔ زاغ: کوا۔ آنریری: اعزازی: بغیر تنخواہ و وظیفہ کے کام کرنے والا۔ عندلیب: بلبل۔

تشریح اکبر الہ آبادی کا زمانہ انگریزوں کی غلامی کا زمانہ تھا۔ یہ مادہ پرستی کا دور تھا اور یہاں کے باشندے محکوم تھے۔ وہ انگریزوں سے اپنی وفاداری کو بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔ اور ہمیشہ اسی کا دم بھرتے تھے۔ جس شخص کو انگریز کا قرب حاصل ہوتا وہ بڑا خوش قسمت انسان سمجھا جاتا تھا کہتے ہیں کہ یہاں کا ایک باشندہ یا مسلمان ایک اعزازی بلبل کی حیثیت میں انگریز کے دماغ میں وفاداری پر مشتمل تقریر کیا کرتا تھا۔ وہ اسے اپنے لئے بڑا اعزاز سمجھتا تھا۔ لیکن اسے اس کا انجام معلوم نہیں۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ کوے میں تبدیل ہو جائے گا۔ جیسا کہ مشہور کہاوت ہے "کوا چلا ہنس کی چال، اپنی چال بھی بھول گیا۔" مطلب یہ ہے کہ انگریز سے وفاداری کی صورت میں ایک مسلمان اپنی ملی و قومی روایات سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور اس کی اپنی شخصیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی ۔۔۔ خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ

شعر میں گہری طنز ہے۔

۱۲۔ ریزولیوشن کی شورش ہے مگر اس کا اثر غائب ۔۔۔ پلیٹوں کی صدا سنتا ہوں اور کھانا نہیں آتا

حل لغت: ریزولیوشن: قرارداد۔ شورش: شور و غوغا۔ صدا: آواز

تشریح: کہتے ہیں کہ قرارداد کا شور و غوغا اور ہنگامہ تو بہت ہے لیکن یہ لاحاصل اور

بے نتیجہ رہتی ہے اسے بڑے زور و شور سے ارکان مجلس سے منظور تو کرایا جاتا ہے لیکن جس مقصد کے لئے یہ منظور کی جاتی ہے وہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ مہمان ایک دعوت میں بیٹھے ہیں۔ پلیٹوں کے کھنکنے کی آواز تو بہت سنی جاتی ہے لیکن کھانا نہیں پہنچتا اور مہمان انتظار میں سوکھے جاتے ہیں۔ بہت عمدہ مثال دی ہے اور گہری طنز کی ہے یہ عام مشاہدہ ہے کہ کسی مجلس یا تنظیم کی طرف سے قرارداد پاس کرانے پر تو بہت زور دیا جاتا ہے لیکن نتیجہ صفر رہتا ہے۔ گویا عملی اقدام کی بجائے زبانی جمع خرچ پر سارا زور دیا جاتا ہے۔

مولانا ظفر علی خان: مولانا ظفر علی خان ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ برجستہ اور فی البدیہہ شعر کہنے میں یکتا تھے۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات، قدرت بیان، خطیبانہ انداز ہنگامی موضوعات، طنز و ظرافت، شوخی، جرأت و بے باکی اور نعت گوئی ہیں۔

نعت

شعر ۱: دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

تشریح شاعر بارگاہِ رسالت مآب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہمارا دل جس سے زندہ و متحرک ہے وہ آپ ہی کی ذات اقدس کی تمنا اور آرزو ہے۔ آپ کی محبت ہماری زندگیوں کا حاصل ہے یہی محبت میرے دل کو زندہ و توانا رکھتی ہے۔ اس محبت کے بغیر سب کچھ ادھورا اور ایمان نامکمل رہتا ہے۔ ہم جس دنیا میں بستے ہیں وہ آپ ہی کی دنیا ہے۔ اگر آپ کی محبت دل و دماغ میں جاگزیں نہ ہو تو ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "جب تک تمہارے دل میں میری محبت تمہاری جان، اولاد اور والدین سے بڑھ کر نہ ہو تم مومن نہیں ہو سکتے۔" اس لحاظ سے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی بنیاد ہے۔ حضورؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور حضورؐ کی محبت خدا کی محبت ہے۔ حفیظ جالندھری فرماتے ہیں۔

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے

شعر ۲: پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے اس نورِ اولیں کا اجالا تمہیں تو ہو

حل لغت: شبِ تار: تاریک رات۔ الست: اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ عالم ارواح میں تمام روحوں سے خدا نے یہ سوال کیا اور سب نے کہا "بالکل بجا"۔ (قالو بلیٰ)

نورِ اولین: پہلا نور۔ اجالا: روشنی

تشریح شاعر جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہتا ہے کہ الستؔ کی تاریک رات کے سینے سے جو سب سے پہلا نور پھوٹا آپ ہی اس نور کی روشنی ہیں۔ کائنات کی تخلیق سے پہلے جب اللہ تعالےٰ نے روحوں کو پیدا فرمایا تو ان سب کو

ایک جگہ جمع کیا اور ان سے یہ سوال کیا کہ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں"؛ سب نے بیک زبان ہو کر کہا "بالکل بجا"، یعنی سب نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ کسی روح نے اس کا انکار نہ کیا۔ لیکن بعد میں کچھ مشرک و کافر بن گئے اور کچھ مسلمان مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں جب اپنی ربوبیت کا اعلان فرمایا اور تمام ارواح نے اس کا اقرار کیا تو یہ گویا خدا کی توحید و ربوبیت کا پہلا نور تھا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی پہلے نور کی روشنی ہیں ایک حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب ابھی حضرت آدمؑ کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی۔

شعر ۳: سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا ۔ سب غائیتوں کی غایت اولیٰ تمہی تو ہو

حل لغت: غایت: غرض و غایت: مقصد۔ اولیٰ: برتر: بہتر۔

تشریح شاعر جناب رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ سب کچھ آپؐ کے ہی واسطے پیدا کیا گیا ہے اور تخلیق کائنات کے تمام اغراض و مقاصد میں اصل اور برتر آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات وجہ تخلیق کائنات بلکہ حاصل کائنات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو پیدا نہ فرماتا تو کائنات کو پیدا نہ فرماتا۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوتا ہے لولاک لِمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ یعنی (خدا فرماتا ہے) کہ اے نبیؐ اگر آپ نہ ہوتے تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا۔" آپ کا مرتبہ و مقام خدا کے بعد سب سے بڑھ کر ہے۔ آپ کائنات کی تخلیق کا اصل سبب اور شرف ہیں مولانا ظفر علی خاں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو ۔ یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

اس مضمون کو علامہ اقبال نے یوں پیش کیا ہے ؎

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو ۔ نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

شعر ۴: جلتے ہیں جبرئیلؑ کے پر جس مقام پر ۔ اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو

حل لغت: شناسا: آگاہ: واقف۔

تشریح شاعر جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ جس مقام پر حضرت جبرئیلؑ کے پر جلتے ہیں اس کی حقیقتوں کو سمجھنے والے آپ ہی ہیں یہاں معراج النبیؐ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت جبرئیلؑ کے ہمراہ ساتوں آسمان عبور کر گئے اور سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر پہنچے جو حضرت جبرائیلؑ کا آخری مقام ہے تو حضرت جبرائیل اس مقام پر رک گئے حضور اکرمؐ نے پوچھا کہ اے جبرائیلؑ! تم نے ہمارا ساتھ کیوں چھوڑ دیا؟ انہوں نے عرض کی کہ حضورؐ! یہ میرا آخری مقام ہے اگر میں ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھوں تو میرے پر جل کر راکھ ہو جائیں گے۔" چنانچہ وہاں سے آگے رسول اکرمؐ اکیلے عرش الٰہی کی طرف روانہ ہوئے۔ گویا جو مقام حضرت جبرائیلؑ

کی آخری منزل ہے وہاں سے حضور اکرمؐ کی منزل کا آغاز ہوتا ہے ۔ جیسا کسی نے کہا ہے ۔

جبرائیلؑ مقام سدرہ سے گر آگے بڑھے پَر جل جائیں
محبوبِ خدا کی منزل کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے

شعر ۵ : گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے ۔ اے تاجدار یثرب و بطحا تمہی تو ہو

حل لغت : تاجدار : بادشاہ ، حکمران ۔ یثرب : مدینہ منورہ کا پرانا نام بطحا : مکہ معظمہ کا نام ۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ اے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے بادشاہ جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہی کی وہ ذات گرامی ہے جس کے ہاتھوں نے گرتے ہوؤں کو تھام لیا یعنی مظلوموں بے کسوں اور بے سہارا افراد کی دستگیری کرنے والے آپ ہی ہیں ۔ آپؐ مصیبت زدہ غم زدہ انسانوں کے کام آتے ہیں اور ان کی دلدہی فرماتے تھے ۔ آپ مزدوروں ، تمندوں اور محتاجوں کی سرپرستی فرماتے تھے ۔ ایک بڑھیا جو سردارانِ قریش کے پراپیگنڈے کی وجہ سے حضورِ اکرم کے خوف سے مکہ شہر چھوڑ رہی تھی آپؐ نے اس کی دلدہی فرمائی اور اس کی گٹھڑی اپنے سر مبارک پر اٹھالی اور اسے اس کی منزل پر پہنچا دیا ۔ بعد میں اسے جب معلوم ہوا کہ آپ ہی محمدؐ ہیں تو وہ بہت متاثر ہوئی اور اس نے اسلام قبول کر لیا ۔ بقول مولانا حالی ۔

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

شعر ۶ : دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے ؟ ۔ جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہی تو ہو

حل لغت : نظیر : مثل : مثال

تشریح اے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے سوا کون دو جہان کے لئے رحمت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ یعنی " اے نبیؐ ! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے ۔ آپ انسانوں ، جنوں ، پرندوں اور جانوروں سمیت مخلوقات کے لئے سراپا رحمت تھے ۔ بقول مولانا حالی ۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ۔ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہی وہ ہستی ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے ۔ آپ ایک منفرد اور یکتا شان کے مالک ہیں ۔ آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے ۔ آپ امام الانبیاء اور افضل البشرؐ ہیں ۔ آپ پر تمام عظمتیں ختم کر دی ہیں ۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ " میں اولادِ آدمؑ کا سردار ہوں " ۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

رُخِ مصطفےٰؐ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

خلاصہ نعت شریف

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

اس نعت شریف میں شاعر نے نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول پیش کئے ہیں کہتے ہیں کہ ہمارا دل آپ کی محبت کی تمنا کی وجہ سے ہی زندہ ہے اور جس دنیائے محبت میں ہمارا بسیرا ہے وہ آپ کی ذات بابرکات ہے۔ اللہ تعالےٰ نے عالم ارواح میں تمام روحوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تھا۔ اس اولین نور کا اجالا آپ ہی کی ذات ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کائنات کو آپ کی خاطر پیدا کیا ہے اور آپ ہی تخلیق کائنات کی اصل غرض و غایت ہیں، سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھنے پر حضرت جبرائیلؑ کے پر جل جائیں لیکن آپ کی منزل کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے، آپ مظلوموں بے کسوں اور بے سہاروں کی دستگیری کرنے والے ہیں آپ کے سوا کوئی دونوں جہانوں کے لئے رحمت نہیں ہے۔ آپ کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ہے۔

خونِ جگر کی چند بوندیں

(مولانا ظفر علی خاں)

شعر۱: اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول　　تڑپی ہے تجھ پہ نعش جگر گوشۂ بتولؓ

حل لغت: کربلا: عراق کے اس مقام کا نام جہاں حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے۔ جگر گوشہ: جگر کا ٹکڑا مراد بیٹا۔ بتول: حضرت فاطمہؓ بنتِ رسولؐ کا لقب۔

تشریح: شاعر سرزمین کربلا کو مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تو اس احسان کو نہ بھول کہ تجھ پر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے پیارے فرزند حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے اور آپ کی لاش تڑپی، جناب حضرت امیر معاویہؓ کے بعد آپ کا بیٹا یزید جانشین بنا۔ اس نے حضرت امام حسین سے بیعت کا مطالبہ کیا لیکن آپ نے اس سے انکار کر دیا کیونکہ آپ کے خیال میں یزید خلافت کا اہل نہ تھا، اہل کوفہ نے اصرار کر کے حضرت امام حسینؓ کو اپنے پاس بلایا۔ لیکن جب ان پر حکومت کی طرف سے سختی ہوئی تو انہوں نے آپکا ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ کربلا کے میدان میں پہنچ گئے۔ وہاں یزید کا لشکر مقابلے پر آیا یہاں پھر یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا گیا۔ لیکن آپ اس پر آمادہ نہ ہوئے، چنانچہ جنگ شروع ہو گئی۔ آپ نے لشکر یزید کو بہت سمجھایا لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور آپ نہایت ظالمانہ انداز میں شہید کر دیئے گئے۔

شعر۲: اسلام کے لہو سے تری پیاس بجھ گئی　　سیراب کر گیا تجھے خونِ رگِ رسولؐ

تشریح: اے سرزمینِ کربلا! تو گرمی کی شدت سے تپ رہی تھی اور سخت پیاسی تھی

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی صورت میں گویا اسلام کا خون بہا جس سے تیری پیاس بجھ گئی اور تجھے نواسۂ رسولؐ کے خون نے سیراب کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت اسلام کی ایک بہت بڑی قربانی تھی۔ امام عالی مقام نے اسلام کی سربلندی اور حق کی خاطر اتنے مظالم برداشت کئے اور آخر جام شہادت نوش کر لیا۔ حضرت امام حسینؓ معیارِ حق تھے اور آپ نے یہ قربانی دے کر حق کے علمبرداروں کے لئے ایک زریں مثال قائم کر دی۔ آپ پر دین اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر عائد ہوتی تھی جسے آپ نے بطریق احسن پورا کیا۔ بقول مولانا محمد علی جوہر ؎

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے ۔۔۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

شعر ۳: کرتی رہے گی پیش شہادت حسینؓ کی ۔۔۔ آزادیٔ حیات کا یہ سرمدی اصول

حل لغت: سرمد: ہمیشہ رہنے والا؛ اللہ تعالیٰ صفاتی نام۔

تشریح حضرت امام حسین کی شہادت یہ دائمی اور ہمیشہ رہنے والا اصول پیش کرتی رہے گی یعنی آپ نے ہمیشہ کے لئے یہ زریں اصول قائم کر دیا وہ اصول اگلے شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

شعر ۴: چڑھ جائے کٹ کے سر ترا نیزے کی نوک پر ۔۔۔ لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

تشریح وہ زریں اور ہمیشہ رہنے والا اصول یہ ہے کہ اگر تیرا سر کٹ کر نیزے کی نوک پر چڑھ جائے یعنی تجھے شہید کر دیا جائے تو بھی ظالم یزیدیوں کی اطاعت و فرمانبرداری قبول نہ کر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ یزید چاہتا تھا کہ حضرت امام حسینؓ بلا چوں و چرا اس کی بیعت کر کے اس کی اطاعت قبول کر لیں لیکن آپ کی نظر میں یزید قطعاً خلافت کا اہل نہ تھا اس لئے آپ نے اس ظالم کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا اور حق کی خاطر جام شہادت نوش کر لیا۔ اس طرح آپ نے ایک قابلِ تقلید نمونہ پیش کر دیا کہ یزید جیسے ظالم لوگوں کی اطاعت قطعاً قبول نہ کی جائے خواہ اس کے نتیجے میں شہید ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔

شعر ۵: تھی داستان دراز بھی اور دل گداز بھی ۔۔۔ لیکن کہاں یہ دل کہ دیا جائے اس کو طول

حل لغت: داستان: قصہ، کہانی، حکایت۔ دراز: طویل، لمبی۔ دل گداز: دل کو پگھلانے والی یا نرم کرنے والی۔ طول دینا: لمبا کرنا۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا قصہ طویل بھی تھا اور دل کو پگھلانے والا یا نرم کرنے والا بھی۔ یہ دردناک قصہ نہایت المناک اور دل کو متاثر کرنے والا ہے لیکن دل اس بات کی تاب نہیں رکھتا کہ اسے زیادہ لمبا کیا جائے۔ یہ ایسا پُر درد واقعہ ہے کہ اسے سن کر سخت سے سخت دل بھی موم ہو جاتا ہے اور اس کے سننے کی تاب نہیں رکھتا۔

خلاصہ و مرکزی خیال

شاعر سرزمین کربلا سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تو اس احسان کو کبھی نہیں بھول سکتی کہ تجھ پر حضرت فاطمہؓ کے فرزند حضرت امام حسین رضؓ شہید ہوئے۔ تیری پیاس اسلام کے لہو سے بجھ گئی اور تجھے نواسۂ رسولؐ کے خون نے سیراب کر دیا۔ حضرت امام حسین رضؓ کی شہادت یہ دائمی سنہری اصول پیش کرتی رہے گی کہ بے شک تیرا سر کٹ کر نیزے کی نوک پر چڑھ جائے لیکن تو ظالم یزیدوں کی اطاعت قبول نہ کر۔ یہ دردناک داستان بہت طویل ہے۔ لیکن دل اس کے سننے کی تاب نہیں رکھتا۔

حضرت امام حسین نے حق و صداقت کی خاطر عظیم قربانی دی اور جام شہادت نوش کر کے اسلام کو سر بلند کر دیا۔ ~ قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

علامہ محمد اقبالؒ :-

دنیائے شعر و ادب میں علامہ اقبال ایک منفرد و بے مثال مقام رکھتے ہیں وہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ عظیم مفکر اور فلاسفر تھے۔ ایسے لوگ صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ انہوں نے شاعری کو ایک عظیم مقصد اور پیغام کا ذریعہ بنایا۔ یہ مقصد ہے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات جوشِ عمل، اثر آفرینی، جذبۂ عشق، تصورِ خودی، اعلیٰ تخیل، پیام امید، ملی درد اور دیگر اعلیٰ شعری محاسن ہیں۔

شکوہ سے اقتباس

بند ۱:

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کوکو بیٹھے
دورِ ہنگامۂ گلزار سے یک سو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ہُو بیٹھے
اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

حل لغت: بادہ کش: شراب نوش۔ غیر سے غیر مسلم اقوام مراد ہیں جو دنیا میں عیش کر رہی ہیں لبِ جو: نہر کے کنارے۔ جام بکف: ہاتھ میں شراب کا پیالہ لئے ہوئے۔ نغمۂ کوکو: کوئل کا نغمہ۔ تیرے دیوانے: یعنی مسلمان۔ ہُو: لغوی معنی "وہ" مراد ذات خداوندی۔ یہاں عشق کی وہ باطنی تحریک مراد ہے جو اللہ کی عنایت سے مسلمان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ منتظرِ ہُو: تائیدِ ایزدی اور فضل ربی کے منتظر۔ یک سو: مطمئن۔ ذوقِ خود افروزی: خود کو روشن کرنے کا جذبہ۔ برقِ دیرینہ: مراد عشق الٰہی کی آگ۔ جگر سوزی: جگر یا دل کو جلانا۔

تشریح

اے خدا! غیر نہر کے کنارے شراب نوشی کرتے ہوئے دادِ عیش دے رہے ہیں۔ وہ ہاتھوں میں شراب کا پیالہ لئے ہوئے کوئل کا نغمہ سن رہے ہیں۔ یعنی غیر قومیں عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہی ہیں وہ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہی ہیں۔ باغ کے ہنگامے اور رونق چہل پہل سے بہت دور مسلمان بھی ایک طرف مطمئن اور سمٹے سمٹائے بیٹھے ہیں۔ وہ فاقہ مست ہیں اور تیری نگاہ کرم کے منتظر ہیں۔ انہیں تیری تائید اور تیرے فضل کی ضرورت ہے اے خدا! اپنے پروانوں کو پھر خود کو روشن کرنے

کا جذبہ عطا فرما۔ اس قدیم بجلی کو پھر حکم دے کہ وہ دلوں کو جلا دے یعنی مسلمانوں کے دلوں میں پھر اپنی محبت کی آگ روشن کر دے۔ انہیں پھر اسی جذبۂ عشق و محبت سے سرشار کر دے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا شیوہ تھا تاکہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں۔

بند ۲: قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز — لے اُڑا بلبل بے پر کو مذاق پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز — تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کیلئے

حل لغت: عناں تاب ہے: اپنے گھوڑوں کی بھاگ موڑ لی ہے، سوئے حجاز: حجاز کی طرف۔ مذاق پرواز: اڑنے کا ذوق یا جذبہ، مضطرب: بے چین: بے قرار، غنچہ: کلی، تشنۂ مضراب: مضراب کا محتاج؛ مضراب: ستار بجانے کا آلہ۔ طور: وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰؑ خدا سے ہم کلام ہوئے تھے، مضطر: بے چین۔

تشریح: اے خدا! منتشر اور زوال پذیر مسلمان قوم نے اپنے گھوڑوں کی باگ موڑ لی ہے اور اپنا رخ حجاز کی طرف کر لیا ہے یعنی مسلمان قوم اپنی غلطی پر نادم ہے۔ وہ تلافیٔ مافات کرنا چاہتی ہے وہ تیری طرف جھک رہی ہے، یہ بلبل اگرچہ بے پر ہے لیکن پرواز کا جذبہ اسے لے اُڑا یعنی مسلمان قوم اگرچہ بے زر ہے لیکن اس میں پرواز یعنی ترقی کا جذبہ موجود ہے۔ باغ میں ہر غنچہ کی نیاز کی خوشبو بے چین و بے قرار ہے۔ یعنی قوم کے ہر فرد کے دل میں جذبۂ عشق کارفرما ہے۔ اس ساز کو اگر مضراب سے چھیڑ دیا جائے تو اس سے پھر نغمے نکل سکتے ہیں۔ یہ نغمے تاروں سے نکلنے کے لئے بے قرار ہیں۔ کوہ طور پھر اسی آگ میں جلنے کے لئے تیار ہے۔ جس نے اسے جلا کر راکھ کر دیا تھا یعنی جب حضرت موسیٰؑ کے تقاضے پر خدا نے اپنی تجلی پہاڑ پر پھینکی تو وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ یعنی مسلمان پھر تیری راہ میں سر کٹنے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ وہ پھر دنیا پر غالب آ سکتے ہیں۔ بس تیری اک نگاہ کرم کی دیر ہے پوری قوم (طور) تیری راہ میں سرفروشی کے لئے آمادہ ہے۔

بند ۳: بوئے گل لے گئی بیرون چمن رازِ چمن — کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمازِ چمن
عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن — اڑ گئے ڈالوں سے زمزمہ پردازِ چمن

اک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

حل لغت: بوئے گل: پھول کی خوشبو، غماز: چغل خور، زمزمہ پرداز چمن: باغ کے گیت گانے والے پرندے، تلاطم: پانی کے تھپیڑے، محو ترنم: گیت گانے میں مصروف۔

تشریح: پھول کی خوشبو باغ کی بیرونی اور اندرونی رونق بہار لے گئی۔ کیا قیامت ہے

کہ خود پھول باغ کی چغلی کھا رہے ہیں۔ بہار کا موسم ختم ہوا اور چمن کا ساز ٹوٹ گیا اور نغمے ختم ہو گئے۔ باغ کی ڈالیوں سے گیت گانے والے پرندے اڑ گئے۔ یہ اشعار کے لغوی معنی ہیں اصل مراد یہ ہے کہ مسلمانوں نے خود غیروں کو قوم کی کمزوریوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ میر جعفر اور میر صادق نے مسلمان ہو کر اسلام اور ملت اسلامیہ کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ ان غداروں اور منافقوں کی بدولت چمن برباد ہو گیا، سلطنت ختم ہو گئی، قوم غلام بن گئی اور اسلام کے شیدائی (۱۸۵۷ء میں) ایک ایک کر کے قوم پر نثار ہو گئے۔ آخر میں کہتے ہیں کہ صرف ایک بلبل گیت گا رہا ہے اس کے سینے میں گیتوں کا سیلاب موجزن ہے۔ یہ لغوی معنی ہیں، مراد یہ ہے کہ صرف ایک شخص اقبال رہ گیا ہے جو قوم کو ابھار رہا ہے۔ اس کے سینے میں ابھی تک جذبات کی شدت موجود ہے۔ وہ اپنے دل میں قوم کا درد رکھتا ہے اور اسی درد کا اظہار کر رہا ہے۔

بند ۴: قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عریاں بھی ہوئیں
قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی

حل لغت: قمری: ایک پرندے کا نام: فاختہ۔ صنوبر: ایک قسم کا سرو جو نہایت سیدھا قد رکھتا ہے۔ گریزاں: گریز کرنے والا۔ دور بھاگنے والا۔ روش: طریقہ: انداز: وہ خوبصورت مگر تنگ راستہ جو باغ میں سیر کے لئے بنایا جاتا ہے۔ پیراہن برگ: پتوں کا لباس۔ عریاں: ننگی۔

تشریح: فاختائیں صنوبر کی شاخ سے دور بھاگ گئیں اور اس پھول کی پتیاں ایک ایک کر کے جھڑتی گئیں۔ باغ کے پرانے خوبصورت راستے ویران و برباد ہو گئے اور ڈالیوں سے پتے بالکل جھڑ گئے اور وہ برہنہ ہو گئیں۔ یہ ان اشعار کے لغوی معنی ہیں، اصل مراد یہ ہے کہ قوم کے اکثر رہنماؤں نے خدمت قوم کی بجائے "خدمت سرکار" کو اپنا شعار بنا لیا اور لیڈروں کی اس خود غرضی اور ضمیر فروشی کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم کے افراد تباہ ہو گئے اور مسلمانوں کی تہذیب اور معاشرت ختم ہو گئی۔ اسی طرح مسلمانوں کے ملی شعائر سب ختم ہو گئے اور رفتہ رفتہ مسلمان علوم و فنون سے بے بہرہ ہو گئے۔ آخر میں کہتے ہیں کہ لیکن اس بلبل کی طبیعت موسم کی پابندی سے آزاد رہی۔ کاش باغ میں کوئی اس کی فریاد سنتا اور سمجھتا۔ یہ بھی لغوی معنی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ان تمام حالات کے باوجود اقبال نے اپنی روش نہیں بدلی، وہ برابر قوم کو ترقی کا پیغام دیتا رہا۔ کاش قوم اس کے کلام کا مطالعہ کرتی اور اس کے کلام اور پیغام کو سمجھتی۔

بند ۵: چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں
عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

حل لغت: چاک: پھٹا ہوا۔ نوا: راگ، آواز۔ بانگِ درا، گھنٹی کی آواز۔ بادہ دیرینہ: پرانی شراب۔ عجمی: عرب کے لوگ اپنے علاوہ دوسری قوموں کو عجمی (گونگی) کہتے تھے: غیر عربی۔ خم: شراب کا مٹکا۔

تشریح

اے خدا! اس تنہا اور اکیلے بلبل کے راگ یا آواز سے لوگوں کے دل پھٹ جائیں یہ آواز قافلے کی گھنٹی کی آواز ثابت ہو اور اس سے دل بیدار ہو جائیں۔ لوگ پھر سے وفاداری کا عہد کر لیں جس سے ان کے دل پھر سے زندہ ہو جائیں۔ ان دلوں میں پھر سے اسی پرانی شراب کی پیاس پیدا ہو جائے۔ یہ ان اشعار کے لغوی معنی ہیں۔ اصل مراد یہ ہے کہ شاعر خدا سے یہ دعا کرتا ہے کہ اے خدا! میرے کلام میں ایسی تاثیر پیدا کر دے کہ مسلمانوں کے دل اس کے مطالعہ سے متاثر ہو سکیں اور ان کے اندر پھر سے ابھرنے کا احساس پیدا ہو جائے تاکہ وہ تجھ سے دوبارہ پیمان وفا باندھ سکیں اور پھر اسلام اور قرآن کی محبت ان کے دلوں میں موجزن ہو جائے۔ آخر میں کہتے ہیں کہ میرا شراب کا مٹکا غیر عربی ہے تو کیا ہوا اس میں میری شراب تو حجازی ہے اور اگر میرا گیت ہندی ہے تو کیا ہوا، اس کا سُر تو حجازی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر میں نے اپنا پیغام شعر کی صورت میں پیش کیا ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ پیغام کی روح تو قرآن سے ماخوذ ہے اور اگر میں نے اردو زبان میں شاعری کی ہے تو کیا ہوا! مضامین اور خیالات تو اسلامی ہیں۔

خلاصہ

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

شاعر خدا سے شکوہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اغیار عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں لیکن مسلمان قوم بدحالی کا شکار ہے۔ ہم تیری نگاہ کرم کے منتظر ہیں اے خدا! ہم پر فضل نازل کر اور ہمارے دلوں میں پھر اپنی محبت کی آگ روشن کر دے۔ مسلمان قوم اپنی غلطی پر نادم ہو کر پھر تیری طرف جھک رہی ہے۔ اگر یہ بے زر ہے لیکن اس میں ترقی کرنے کا جذبہ موجود ہے قوم کے ہر فرد کے دل میں عشق رسولؐ کا جذبہ کارفرما ہے۔ بس تیری اک نگاہ کرم کی دیر ہے مسلمان پھر دنیا میں غالب آسکتے ہیں۔

افسوس! مسلمانوں نے خود غیروں کو قوم کی کمزوری سے آگاہ کر دیا۔ سازشوں اور غداریوں نے اسلام کو نقصان پہنچایا۔ ان غداروں اور منافقوں کی بدولت چمن برباد ہو گیا۔ سلطنت ختم ہو گئی۔ قوم غلام بن گئی اور اسلام کے شیدائی ایک ایک کر کے قوم پر نثار ہو گئے۔ بس سارے باغ میں ایک بلبل (اقبال کی ذات) رہ گئی ہے جو نغمہ پردازی کر رہی ہے (قوم کو ابھار رہی ہے)

قوم کے اکثر رہنماؤں نے خدمت قوم کی بجائے "خدمت سرکار" کو اپنا شعار بنا لیا۔ لیڈروں کی اس خود غرضی اور ضمیر فروشی سے قوم تباہ حال ہو گئی۔ مسلمانوں کی تہذیب اور معاشرت سب ختم ہو گئی۔ صرف اقبال برابر قوم کو ترقی کا پیغام دیتا رہا۔

اے خدا! میرے کلام میں ایسی تاثیر پیدا کر دے کہ مسلمانوں کے دل اس سے متاثر ہو سکیں۔ اور ان کے اندر دوبارہ اُبھرنے کا احساس پیدا ہو جائے۔ اگر میں نے اپنا پیغام شعر کی صورت میں پیش کیا ہے تو کیا ہوا! پیغام کی روح تو قرآن سے ماخوذ ہے اور اگر میں نے اُردو زبان میں شاعری کی ہے تو کیا ہوا! مضامین اور خیالات تو اسلامی ہیں۔

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے میری
نغمۂ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے میری

مرکزی خیال اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مسلمان دنیا میں کیوں ذلیل و رسوا ہیں۔ شاعر خدا کی نگاہ کرم کا محتاج ہے تاکہ مسلمان پھر سے ابھریں اور راہ ترقی پر گامزن ہو سکیں۔ سازشوں اور غداریوں کی وجہ سے قوم غلام بن گئی ہے۔ لیکن اقبال قوم کو دوبارہ ابھارنے کی کوشش کر رہا ہے اور اسے ترقی کا پیغام دے رہا ہے وہ خدا سے دعاگو ہے کہ اس کا کلام مسلمانوں کو متاثر کر سکے تاکہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں۔

جوابِ شکوہ سے اقتباس

علامہ محمد اقبال

بند ۱: تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصرِ نو رات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

حل لغت: نشۂ مے: شراب کا نشہ۔ پیمانہ: جامِ شراب: گلاس: ناپنے کا آلہ۔ عیاں: ظاہر۔ یورش: حملہ: دھاوا۔ تاتار: ترک و مغل نسل کی ایک قوم جس میں چنگیز و ہلاکو ہوئے ہیں اور انہوں نے بڑی تباہی پھیلائی۔ پاسبان: محافظ۔ صنم خانہ: بت خانہ۔ عصرِ نو: جدید زمانہ

تشریح شاعر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اگر بالفرض ایران ختم ہو جائے تو تیرا وجود ختم نہیں ہو جائے گا کیونکہ تیرا وجود دنیا کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے

شراب کے نشہ کا پیمانہ سے کوئی تعلق نہیں ہے یعنی نشہ شراب میں ہوتا ہے نہ کہ پیمانہ میں۔ اسی طرح مسلمان تو ساری دنیا کے قیام کا باعث ہے۔ اسلام کا وجود ایران (پیمانہ) پر منحصر نہیں ہے۔ تاتاریوں کی چڑھائی اور دھاوے کے افسانے سے واضح ہے کہ خانہ کعبہ کو اپنے محافظ بت خانے سے مل

گئے یعنی تاتاریوں یا ترکوں نے عالم اسلام میں بڑی تباہی مچائی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے سلطنت عباسیہ کا چراغ گل کیا تھا۔ وہی ترک مسلمان ہو کر اسلام کے محافظ بن گئے۔ اے مسلمان! تو زمانے میں حق یعنی اسلام کی کشتی کا پاسبان ہے۔ جدید دور گویا ایک رات ہے اور اس اندھیری رات میں تیرا وجود ایک دھندلا سا تارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو اسلام کی کشتی کا محافظ و پاسبان ہے اس لئے موجودہ زمانے کی اقوام بھی تجھ ہی سے روشنی حاصل کریں گی۔

بند ۲: ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا | غافلوں کے لئے پیغام ہے بیداری کا

تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزادی کا | امتحاں ہے ترے ایثار کا خودداری کا

کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے

نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے

حل لغت: بپا: برپا۔ یورشِ بلغاری: بلقان کا حملہ۔ دل آزادی: دل کو تکلیف پہنچانا۔ ایثار: قربانی۔ خودداری: عزت نفس۔ ہراساں: پریشان۔ صہیل: گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز۔ فرسِ اعدا: دشمنوں کا گھوڑا۔ نفسِ اعدا: دشمنوں کی پھونک۔

تشریح: یہ جو ترکی پر بلقان کے حملے اور دھاوے کا شور برپا ہے اس میں غافلوں کے لئے بیداری کا پیغام ہے یعنی اگر آج (۱۹۱۲-۱۳ء) ریاستہائے بلقان نے ترکی پر چاروں طرف سے بھرپور حملہ کر دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ترک ختم ہو جائیں گے یا مسلمان دنیا سے مٹ جائیں گے۔ تو خیال کرتا ہے کہ یہ بات تمہارے دل کو دکھ اور تکلیف پہنچانے والی ہے لیکن اصل یہ تیرے جذبے ایثار و قربانی اور عزت نفس کا امتحان ہے۔ مشیت ایزدی اس وقت تیرے ایثار اور حوصلہ کا امتحان لینا چاہتی ہے تو دشمنوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے سے پریشان کیوں ہے؟ یعنی دشمنوں کی کثرت تعداد سے کیوں خوفزدہ ہے؟ یقین رکھ کہ وہ اسلام کو فنا نہیں کر سکتے۔ دشمنوں کی پھونک سے حق یعنی اسلام کا نور ہرگز نہیں بجھ سکتا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ "وہ یعنی (کافر) ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن اللہ تعالےٰ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا۔ خواہ یہ کفار کو کتنا ہی ناگوار ہو۔" مولانا ظفر علی خاں نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے۔ ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن | پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے | اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیمؑ و خلیلؑ

بند ۳: مثلِ بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا | رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہو جا

ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہو جا | نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

حل لغت: مثل بو: خوشبو کی طرح۔ غنچہ: کلی۔ پریشان ہو جا: یعنی دنیا میں پھیل جا۔ رخت: اسباب، اثاثہ۔ بردوش ہوائے چمنستان: باغ کی ہوا کے کندھے پر۔ تنک مایہ: حقیر۔ بیابان: صحرا، ریگستان۔ نغمۂ موج: موجوں کا گیت۔ پست: نیچا۔ بالا: اوپر، بلند۔ دہر: زمانہ۔ اجالا: روشنی۔

تشریح: تو خوشبو کی طرح غنچے کی کلی میں قید ہے۔ اس سے نکل کر پھیل جا اور اپنا اسباب یا سامان باغ کی ہوا کے کندھے پر رکھ کر سفر کے لئے نکل کھڑے ہو تو اگرچہ ایک حقیر سا ذرہ ہے لیکن ریگستان یا صحرا کی راہ اختیار کر لے۔ موجوں کے ٹکرانے سے جو نغمہ پیدا ہوتا ہے اس سے طوفان کا ہنگامہ پیدا کر دے۔ یہ ان اشعار کا لغوی معنی ہے۔ اصل مراد یہ ہے کہ اے مسلمانو! گھروں سے نکلو اور اسلام کا پیغام لے کر دنیا میں پھیل جاؤ۔ اسلام میں یہ خوبی اور خصوصیت ہے کہ تمہاری کمزوری طاقت میں اور تمہاری قلت کثرت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ آخر میں کہتے ہیں کہ تم جناب رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں فنا ہو جاؤ اور اس عشق کی اس قوت سے ہر پستی کو بلندی سے بدل دو اور اس زمانے یعنی دنیا میں رسولِ اکرمؐ کے نام سے روشنی کر دو۔ جہان کو منور کر دو۔ یقین رکھو کہ اس عشق کی بدولت تمہارے اندر یہ طاقت پیدا ہو جائے گی کہ تم ساری دنیا میں سرکارِ دو عالمؐ کا نام بلند کر دو گے اور پوری دنیا میں اسلام پھیل جائے گا۔

بند ۴

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

حل لغت: ترنم: گانا، گنگنانا۔ چمن دہر: دنیا کا باغ۔ تبسم: مسکراہٹ۔ ساقی: پلانے والا، محبوب۔ مے: شراب۔ خم: شراب کا مٹکا۔ بزم توحید: توحید کی محفل۔ افلاک: فلک کی جمع: آسمان۔ استادہ: کھڑا، قائم۔ نبض ہستی: زندگی کی نبض۔ تپش آمادہ: گرمی یا حرارت پر آمادہ و تیار۔

تشریح: اگر یہ پھول نہ ہو تو بلبل کے گیت بھی ختم ہو جائیں اور زمانے (یا دنیا) کے باغ میں کلیاں بھی نہ مسکرائیں اگر یہ محبوب شراب پلانے والا نہ ہو تو شراب بھی نہ ہو اور شراب کا مٹکا بھی نہ ہو۔ دنیا میں توحید کی مجلس بھی قائم نہ ہو اور تمہارا وجود بھی نہ ہو یہ ان اشعار کے لغوی معنی ہیں۔ اصل مراد یہ ہے کہ اے مسلمانو! یاد رکھو کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس نہ ہو تو دنیا تیرہ و تار ہو جائے۔ دنیا کی ساری رونق آپ ہی کے دم سے

ہے۔ بقول ظفر علی خاں ؎

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو

یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

اگر آپ نہ ہوں تو پھر دنیا میں کوئی توحید کا نام لینے والا رہے نہ توحید رہے اور نہ ہم باقی رہیں۔ آخر میں کہتے ہیں کہ آسمان کا خیمہ اسی نام نامی سے قائم ہے اور زندگی کی نبض اسی نام سے حرارت رکھتی ہے یعنی بلاشبہ یہ کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام کی برکت سے قائم ہے اور ہستی یا زندگی کی نبض میں آپ ہی کی بدولت حرکت اور زندگی نظر آتی ہے۔

بند ۵: دشت میں دامن کہسار میں، میدان میں ہے — بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے

چین کے شہر مراقش کے بیابان میں ہے — اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعت شان رفعنالک ذکرک دیکھے

حل لغت: دشت: جنگل۔ دامن کوہسار: پہاڑ کا دامن۔ بحر: سمندر۔ آغوش: گود۔ بیابان: ریگستان: صحرا۔ چشم اقوام: قوموں کی آنکھ۔ ابد تک: ہمیشہ کے لئے۔ رفعت: بلندی۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ قرآن مجید کی آیت ہے جس کے معنی ہیں "اے نبیؐ! ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا"۔

تشریح: یہ نام نامی اور اسم گرامی جنگل میں پہاڑ کے دامن میں میدان میں سمندر میں موج کی گود میں اور طوفان میں رچا بسا ہے یہی نام نامی چین کے شہر مراقش کے ریگستان میں ہے اور مسلمان کے ایمان میں یہی نام نامی پوشیدہ ہے۔ یہ اشعار کے لغوی معنی ہیں۔ اصل مراد یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی جنگلوں، پہاڑوں، میدانوں، شہروں اور گاؤں میں غرضیکہ ہر جگہ لوگوں کی زبان پر ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر مسلمان کے دل میں پوشیدہ ہے حفیظ جالندھری فرماتے ہیں ؎

محمدؐ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے — اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے

آخر میں کہتے ہیں کہ انشاء اللہ آپ کا نام نامی اسم گرامی قیامت تک اسی طرح سربلند رہے گا کیونکہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ "اے رسولؐ! ہم نے آپ کا نام ساری دنیا میں بلند کر دیا ہے"۔

بند ۶: مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا — وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا

گرمیٔ مہر کی پروردہ ہلالی دنیا — عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح

غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

حل لغت: مردم چشم زمیں: زمین کی آنکھ کی پتلی (جو سیاہ ہوتی ہے)، کالی دنیا: ملک حبشہ

مراد ہے۔ شہدا پالنے والی: اشارہ ہے ابتدائی دور کے مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کی طرف۔ گرمیٔ مہر: سورج کی گرمی پروردہ: پالی ہوئی؛ مطلب یہ ہے کہ وہاں گرمی بہت شدید ہوتی ہے۔ بلالی دنیا: اس سے اشارہ ہے اس طرف کہ حضرت بلالؓ کا اصلی وطن حبشہ تھا۔ تپش اندوز: گرمی یا حرارت دینا یا لینا۔

تشریح زمین وہ پتلی جسے کالی دنیا کہتے ہیں وہ تمہارے شہیدوں کو پالنے والی دنیا سورج کی حرارت اور گرمی کی پالی ہوئی وہ ہلالی دنیا، جسے عشق والے بلالی دنیا کہتے ہیں۔ اسے پارے کی طرح اسی نام سے حرارت پہنچ رہی ہے اور وہ آنکھ کے تارے کی طرح نور یا روشنی میں غوطہ لگائے ہوئے ہے یہ ان اشعار کے لغوی معنی ہیں۔ اصل مراد یہ ہے کہ براعظم افریقہ جہاں سیاہ فام لوگ بستے ہیں، جسے وہاں کے باشندوں کی سیاہ رنگت کی بنا پر چشم زمین کی پتلی سے تعبیر کر سکتے ہیں جس براعظم میں نجاشی والیٔ ملک حبشہ نے ابتدائی دور کے مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دی تھی، جہاں شدید گرمی پڑتی ہے۔ وہاں مصر سے لے کر مراقش تک مسلمان ہی مسلمان آباد ہیں۔ یاد رہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ اسلامی ممالک براعظم افریقہ ہی میں ہیں جسے محبانِ اسلام حضرت بلال کی دنیا بھی کہتے ہیں (کیونکہ وہ حبشی الاصل تھے) یہ سرزمین تبلیغ اسلام کی بدولت روز بروز نورِ اسلام سے منور ہوتی جاتی ہے اور اس تاریک براعظم کے دور دراز گوشوں میں سرکار دو عالمؐ کا نام مساجد کے میناروں سے بلند ہو رہا ہے۔

بند ۷: عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تیری — مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تیری
ماسوا اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تیری — تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تیری

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

حل لغت: سپر: ڈھال۔ جہانگیر: دنیا کو فتح کرنے والی۔ ماسوا اللہ: اللہ کے سوا جو کچھ ہے۔ لوح و قلم: مراد ساری کائنات۔

تشریح اس بند میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے یوں خطاب فرماتے ہیں کہ اے مسلمان! ہم نے تجھے دونوں خوبیاں عطا کی ہیں تیرے پاس عشق کی طاقت بھی ہے اور عقل کی دولت بھی ہے تو عشق کو اپنی تلوار بنا لے یعنی میرے محبوب کا نام دنیا میں بلند کر اور اس راہ میں جو مشکلات آئیں۔ ان کو اپنی عقل کی مدد سے دور کر یعنی عقل سے ڈھال کا کام لے۔ اے مرد درویش! اس صورت میں تمہاری خلافت اور حکومت تمام دنیا پر قائم ہو جائے گی کیونکہ ہمارا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ ہم انہیں منصب خلافت ارضی پر فائز کریں گے۔ اللہ کے سوا جو کچھ ہے باطل ہے اس کے لئے تیری تکبیر آگ کا درجہ رکھتی ہے جو اسے جلا کر خاکستر کر دے گی بقول علامہ اقبال ؎

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو — خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

اگر تو سچے معنی میں مسلمان ہو جائے یعنی ہمارا مطیع ہو جائے تو پھر تیری تدبیر ہماری مشیت (تقدیر) سے ہم آہنگ ہو جائے گی یعنی ہم تیری ہر آرزو پوری کر دیں گے۔ بقول علامہ اقبال ؒ ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اگر تو ہمارے پیارے محبوبؐ اور آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا کرے گا یعنی آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا تو اس دنیا کی حقیقت ہی کیا ہے! ہم تجھے ساری کائنات کا مالک بنا دیں گے۔ حقیقت ہے کہ یہ شعر ضرب المثل بن چکا ہے اور اسے بلاشبہ علامہ اقبال کے پیغام کا نچوڑ اور حاصل کہا جا سکتا ہے۔

خلاصہ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

مسلمان کا وجود اس دنیا کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ تو مطمئن رہ کہ کسی ایک ملک (مثلاً ایران) کے مٹ جانے سے تو نہیں مٹ سکتا۔ جن ترکوں نے سلطنت عباسیہ کا چراغ گل کیا تھا وہی ترک مسلمان ہو کر اسلام کے محافظ بن گئے۔ موجودہ زمانے کی قومیں مسلمانوں ہی سے روشنی حاصل کریں گی۔ اگر بلقان نے ترکی پر بھرپور حملہ کر دیا ہے تو ترک ختم نہیں ہو جائیں گے یا مسلمان دنیا سے مٹ نہ جائیں گے۔ خدا تیرا امتحان لینا چاہتا ہے دشمن اسلام کو فنا نہیں کر سکتے۔

اے مسلمانو! گھروں سے نکلو اور اسلام کا پیغام لے کر دنیا میں پھیل جاؤ۔ تم رسول پاکؐ کے عشق میں فنا ہو جاؤ اس عشق کی بدولت تم ساری دنیا میں اسلام کو سربلند کر سکتے ہو۔

اگر حضور اکرمؐ کی ذات اقدس نہ ہو دنیا تیرہ و تار ہو جائے۔ یہ کائنات حضورؐ ہی کے نام کی برکت سے قائم ہے۔ حضورؐ کا نامی جنگلوں، پہاڑوں، میدانوں، شہروں اور گاؤں غرضیکہ ہر جگہ لوگوں کی زبان پر ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر مسلمان کے دل میں پوشیدہ ہے۔ حضور کا نام قیامت تک سربلند رہے گا۔ براعظم افریقہ میں اسلام خوب پھیلا اور وہاں ہر جگہ مسلمان ہی مسلمان آباد ہیں۔ یہ سرزمین تبلیغ اسلام کی بدولت روز بروز نورِ اسلام سے منور ہوتی جاتی ہے۔

آخر میں اللہ تعالےٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں دونوں خوبیاں عطا کر دی ہیں۔ تو عشق کو اپنی تلوار بنا لے یعنی ہمارے محبوب کا نام دنیا میں بلند کرو اور اس راہ میں جو مشکلات آئیں۔ ان کو اپنی عقل کی مدد سے دور کرو۔ اگر تم سچے معنی میں مسلمان ہو جاؤ تو تیری تدبیر ہماری تقدیر سے ہم آہنگ ہو جائے گی۔ اگر تم ہمارے محبوب سے وفا کرو گے یعنی آپؐ کی اطاعت کرو گے تو اس دنیا کی حقیقت ہی کیا ہے! ہم تمہیں ساری کائنات کا مالک بنا دیں گے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

مرکزی خیال اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مسلمان کا وجود اس دنیا کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔ دشمن اسلام کو کبھی فنا نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسلام کا پیغام لے کر دنیا میں پھیل جائیں اور عشقِ رسولؐ میں فنا ہو کر اسلام کو سربلند کریں یہ کائنات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے نام کی برکت سے قائم ہے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی نہ ہوتی تو یہ دنیا تیرہ و تار ہو جائے۔ عشق کو اپنی تلوار اور عقل کو ڈھال بناؤ۔ اگر تم ہمارے محبوب سے وفا کرو گے یعنی آپ کی اطاعت کرو گے تو ساری کائنات کے مالک بن جاؤ گے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

شاعر
علامہ محمد اقبال

شعر۱: جوئے سرود آفریں آتی ہے کوہسار سے
پی کے شراب لالہ گوں میکدہ بہار سے

حل لغت جوئے سرود آفریں: وہ ندی جس کی روانی سے نغمہ پیدا ہو۔ کوہسار: پہاڑی مقام لالہ گوں: سرخ رنگ کی۔ میکدہ: شراب خانہ۔ میکدہ بہار: یعنی مارچ اور اپریل میں جب پہاڑوں پر بارش ہوتی ہے تو مئی میں پہاڑی ندیاں شور کرتی ہوئیں وادیوں کو شاداب کر دیتی ہیں۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ پہاڑ یا پہاڑی مقام سے گیت گاتی ہوئی ندی آتی ہے اس کی روانی سے دلفریب نغمہ پیدا ہوتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہار کے شراب خانے سے سرخ رنگ کی شراب پی ہوئی ہے جس کے نشے میں وہ جھوم رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مارچ اور اپریل میں جب پہاڑوں پر بارش ہوتی ہے تو مئی میں پہاڑی ندیاں شور کرتی ہوئی وادیوں کو سرسبز و شاداب کر دیتی ہیں۔
علامہ اقبال ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی، لچکتی، تھمکتی ہوئی

شعر۲: مست مئے خرام کا سن تو ذرا پیام تو
زندہ وہی ہے کام کچھ جس کو نہیں قرار سے

حل لغت: مستِ مئے خرام: شراب کے نشے میں مست، مراد ہے پہاڑی ندی۔ قرار: ٹھہراؤ۔

تشریح تو پہاڑی ندی کا پیغام سن جو گویا شراب کے نشے میں مست بہتی چلی جاتی ہے وہ پیغام یہ ہے کہ وہی شخص (یا چیز) زندہ رہنے کا اہل ہے جس کو ٹھہراؤ سے کچھ کام یا تعلق نہیں ہے یعنی زندگی کا دارومدار حرکت پر ہے۔ جمود موت ہے۔ بقول علامہ اقبال

سر ملنے والے نکل گئے ہیں جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

شعر ۳: پھرتی ہے وادیوں میں کیا دختر خوش خرام ابر کرتی ہے عشق بازیاں سبزۂ مرغزار سے

حل لغت: دختر خوش خرام ابر: جھومتے ہوئے بادل کی بیٹی مراد پہاڑی ندی: عشق بازی: محبت آمیز طرزِ عمل، مرغزار، وہ جگہ جہاں گھاس بہت اگی ہو: سبزہ زار

تشریح: جھومتے لہراتے ہوئے بادل کی بیٹی یعنی ندی کس طرح وادیوں میں اچھلتی اور بل کھاتی جا رہی ہے۔ وہ سبزے سے ہری بھری گھاس اور سبزے سے اظہار محبت کرتی جا رہی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب ندی میدان میں آتی ہے تو اس کے فیض (عشق بازی) سے سبزہ لہلہانے لگتا ہے آخری مصرعہ میں تغزل کا رنگ پایا جاتا ہے۔

شعر ۴: جام شراب کوہ کے خم کدے سے اڑاتی ہے پست و بلند کر کے طے کھیتوں کو جا پلاتی ہے

حل لغت: جام: پیالہ۔ کوہ: پہاڑ۔ خمکدہ: شراب خانہ۔ پست: نیچا۔

تشریح: یہ پہاڑی ندی پہاڑ کے شراب خانے سے جام بھر بھر کر پیتی ہے اور پھر ہر نشیب و فراز (اونچی نیچی جگہ) کو طے کر کے یہ شراب جا کر کھیتوں کو پلاتی ہے۔ کوہ کے خمکدے سے وہ بارش مراد ہے جو موسم بہار میں پہاڑوں پر ہوتی ہے۔ کھیتوں کو پلاتی ہے یعنی پہاڑی ندی کھیتوں کو سیراب کرتی ہے۔ یہ تمام مناظر ہر اس شخص کے مشاہدے میں آئے ہوں گے جس نے پہاڑوں کی سیر کی ہے۔

شعر ۵: شاعر دل نواز بھی بات اگر کہے کھری ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرع زندگی ہری

حل لغت: دل نواز: دل پر اثر کرنے والا۔ مزرع: کھیتی۔

تشریح: اگر دردمند شاعر سچی، حقیقی اور کھری بات کہے جو دل پر اثر انداز ہو تو اس کی برکت سے زندگی کی کھیتی ہری بھری ہو جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ پر درد شاعری قوموں کو زندگی کا پیغام دیتی ہے اور اس پیغام سے زندگی ترقی کرتی ہے۔ بقول مولانا حالی ؎

اے شعر! دلفریب نہ ہو تو تو غم نہیں پر حیف تجھ پہ ہے جو نہ ہو دلگداز تو

شعر ۶: شان خلیل ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شعار آزری

حل لغت: خلیل: خلیل اللہ: اللہ کا دوست یعنی حضرت ابراہیمؑ کا لقب۔ عیاں: ظاہر۔ شعار: طریقہ آزر: حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام جو مشہور بت پرست اور بت تراش تھا۔ شانِ خلیل: بت شکنی کا رنگ آزری: بت پرستی۔

تشریح: شاعر کی یہ شان ہوتی ہے کہ جب اس کی قوم آزر بت تراش کا طریقہ اختیار کر لیتی ہے تو اس کے کلام سے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی شان ظاہر ہوتی

ہے یعنی بت شکنی کا فریضہ سرانجام پاتا ہے تو وہ اسے خالص توحید کا پیغام دیتا ہے اور اس طرح اس قوم کی کایا پلٹ دیتا ہے۔

شعر۷ : اہلِ زمین کو نسخۂ زندگی دوام ہے　　خونِ جگر سے تربیت پائی ہے جو سخن وری

حل لغت : زندگی دوام ، ہمیشہ کی زندگی ۔ خونِ جگر : یہ اقبال کی خاص اصطلاح ہے جس سے مراد ہے شاعر کا خلوص یا اس کے دل کا سوز و گداز یا صداقت آمیز طریقِ زندگی ۔ سخن وری : شاعری ۔

تشریح جس شاعر کی شاعری میں اس کے دل کا سوز و گداز و خلوص و صداقت بھی شامل ہو ان کی شاعری زمین پر بسنے والوں کے لئے ہمیشہ کی زندگی کا نسخہ ہے علامہ اقبال کہتے ہیں کہ شاعری، شاعری کے لئے مت کرو بلکہ قوم کی اصلاح کے لئے کرو اور شعر اس وقت کہو جب طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل ہو اور جب شعر کہو تو صداقت کو مدنظر رکھو ۔ جھوٹ خوشامد اور نفسانی خواہشات کو پاس نہ آنے دو ۔ نیز اس وقت شعر کہو جب دل و دماغ اس واقعہ سے پوری طرح متاثر ہو چکے ہوں جس کو نظم کرنا چاہتے ہو ۔ ایسی شاعری قوموں کی زندگی ہے ۔

شعر۸ : گلشنِ دہر میں اگر جوئے مئے سخن نہ ہو　　پھول نہ ہو، کلی نہ ہو، سبزہ نہ ہو، چمن نہ ہو

حل لغت : گلشن دہر : زمانے یا دنیا کا باغ ۔ جوئے مئے سخن : شاعری کی شراب کی ندی ۔

تشریح شاعر زمانے یا دنیا کو ایک باغ سے تشبیہ دیتا ہے کہتے ہیں کہ اگر دنیا کے اس باغ میں شاعری کی شراب کی ندی نہ بہتی ہو تو پھول ، کلی ، سبزہ اور چمن کچھ بھی نہ ہو ، مطلب یہ ہے کہ جس طرح ندی کا پانی باغ کو سرسبز و شاداب کرتا ہے اسی طرح ایک دردمند کی شاعری سے زندگی کا باغ لہلہاتا ہے ۔ یہ شاعری انسان کو حیاتِ نو کا پیغام دیتی ہے بقول علامہ اقبالؒ

محفلِ نظمِ حکومت چہرۂ زیبائے قوم　　شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم

خلاصہ نظم و مرکزی خیال

شاعرِ دلنواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری

اس نظم میں علامہ اقبال نے شاعری کا صحیح مقام واضح کیا ہے کہتے ہیں کہ کوہسار سے جو ندی نغمہ سرائی کرتی ہوئی وادیوں میں آتی ہے وہ زبانِ حال سے انسان کو یہ پیغام دیتی ہے کہ دنیا میں زندہ رہنے کا حق اسی شخص کو ہے جو ہر وقت مصروفِ عمل رہتا ہے ۔

اسی طرح شاعر کے کلام سے زندگی ترقی کرتی ہے جب قوم غلط راستہ اختیار کر لیتی ہے تو شاعر اس کی اصلاح کرتا ہے اور اپنے کلام سے مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے ۔

لیکن یہ کام صرف وہ شاعر انجام دے سکتا ہے جس کی شاعری میں اس کے دل کا سوز و گداز (خونِ جگر) بھی شامل ہو جس کی شاعری خلوص اور صداقت پر مبنی ہو اگر دنیا میں سچی یعنی قوموں کو اُبھارنے والی

والی شاعری کا وجود باقی نہ رہے تو دنیا کی ساری رونق اور دلچسپی ختم ہو جائے۔

طلوعِ اسلام

علامہ محمد اقبال

شعر۱: خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تُو زباں تُو ہے — یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

حل لغت: خدائے لم یزل: وہ خدا جسے کبھی زوال نہیں۔

تشریح: اے مسلمان! تو ہمیشہ رہنے والے خدا کا دوست ہے اور زبان ہے یعنی تو اللہ کی قدرت کا نشان ہے وہ تیرے ذریعے سے دنیا والوں سے ہمکلام ہونا چاہتا ہے یعنی اس نے تجھے اپنے کلام کا امین اور مبلغ بنایا ہے، تیرے پاس وہ ضابطہ حیات (قرآن مجید) موجود ہے جو اللہ کی مشیت کا ترجمان ہے پس تو اللہ کی ہستی پر یقین کامل پیدا کرے اور شکوک و شبہات میں نہ پڑ۔ اگر تو اپنے اندر یقین پیدا کرلے تو تو زبردست قوت کا مالک بن سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ — غالب و کار آفریں کارکشا د کارساز

شعر۲: پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی — ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

حل لغت: چرخ نیلی فام: نیلے رنگ کا آسمان

تشریح: اے مسلمان! تیری منزل نیلگوں آسمان سے بھی پرے ہے تو ایک ایسا کاروان ہے جس کی گرد ستارے ہیں۔ یعنی تیر النصب العین اس قدر بلند ہے کہ آسمان کی بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے تو اس کارواں سے مشابہ ہے جس کی منزل مقصود کی رفعت ستاروں کو بھی شرماتی ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک بندہ مومن کا مقام بہت بلند ہے اور اس کے ارادے بہت ارفع و اعلیٰ ہیں بقول علامہ اقبال ؎

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

شعر۳: مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا — خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے

حل لغت: مکیں: رہنے والا یعنی انسان۔ آنی: آن سے نکلا ہے، آن، وقت کا سب سے چھوٹا حصہ۔ ازل: ماضی کی ہمیشگی جس کی کوئی ابتدا حد نہ ہو۔ ابد: آئندہ کی ہمیشگی جس کی کوئی حد نہ ہو۔ جاوداں: ہمیشہ۔

تشریح: یاد رکھو یہ دنیا فانی ہے اور اس میں تیرا قیام یعنی انسانی زندگی عارضی ہے لیکن تو اپنی ذات کے اعتبار سے غیر فانی ہے اور تیرے بعد کوئی قوم پیدا نہیں

ہو گی ازل تیرا ہے، یہ شاعرانہ انداز بیان ہے ورنہ علامہ اقبال انسان کو ازلی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ بات انسان کی تعلیمات کے خلاف ہے چونکہ قرآن مجید اللہ کا آخری پیغام ہے اور تو اس کا حامل ہے۔ اس لئے تو بھی قرآن حکیم کے رابطہ قلبی کی بنا پہ جاودانی ہے۔ اللہ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے اس لئے تو بھی اس کے ذریعے باقی و قائم رہے گا۔ اور دشمن دنیا سے تیرا وجود ختم نہیں کر سکتے۔

شعر۴: حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا   تری نسبت براہیمی ہے معمار جہاں تو ہے

حل لغت: حنا بند: آراستہ کرنے والا۔ عروس لالہ: گل لالہ کی دلہن۔

تشریح: اے مسلمان! تیرے اندر عشق رسول کا جو وصف (خون جگر) پایا جاتا ہے اس کی بدولت تیری ذات اس کائنات کی رونق کا سبب بن گئی ہے۔ پہلا مصرع بہت بلیغ ہے۔ علامہ اقبال نے اس مصرع کو بال جبریل میں یوں باندھا ہے۔ ؎

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دلنوازی کا

عروس لالہ سے وہ افراد اور اشیاء مراد ہیں جن میں ترقی کی صلاحیت پائی جاتی ہے یا جن کا وجود دنیا کے لئے زیب و زینت کا موجب ہے تجھے حضرت ابراہیمؑ سے خصوصی نسبت حاصل ہے اس لئے تو بھی اس دنیا کا معمار ہے۔ جس طرح انہوں نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا تو بھی نئی (اسلامی) دنیا تعمیر کر۔ اس طرح تجھ پر ایک بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

شعر۵: تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی   جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

حل لغت: امین: امانتدار: حامل۔ ممکنات زندگانی: انسانی ترقی کی تمام ممکن صورتیں۔ جوہر مضمر: کائنات کے پوشیدہ اسرار۔

تشریح: اے مسلمان! اللہ تعالےٰ نے تیری فطرت میں ترقی کی غیر محدود صلاحیتیں ودیعت فرمادی ہیں۔ اس لئے تو اپنی اہمیت کا صحیح شعور پیدا کر۔ اگر تو نے اپنی صلاحیتوں کو کچھ برباد کر دیا تو یہ کائنات گویا امتحان میں فیل ہو جائے گی اللہ تعالےٰ نے اس کائنات میں بہت سی قوتیں مخفی کر دی ہیں اگر تو ان کو مسخر نہیں کرے گا تو اس کائنات کی تخلیق کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ بقول علامہ اقبال۔ ؎

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا   خودی کا راز داں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

شعر۶: سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا   لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

حل لغت: صداقت: سچائی۔ عدالت: عدل و انصاف۔ شجاعت: بہادری۔ امامت: رہنمائی: سرداری۔

تشریح: ۱۔ اے مسلمان! تو اپنے اندر سچائی، عدل و انصاف اور بہادری کے اوصاف پیدا

کرے تاکہ اللہ تعالیٰ تجھ کو دنیا کی قوموں کا سردار بنا دے۔ یعنی تو ان خوبیوں کی بدولت دنیا پر حکومت کر سکتا ہے اس شعر میں علامہ اقبال نے قرآن مجید کی اس آیت کا مفہوم واضح کیا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ "یعنی اے مسلمانو! تم بہترین امت ہو اور تم لوگوں کی اصلاح کے لئے پیدا کئے گئے ہو" یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے مسلمانوں کو اپنے اندر یہ تین اوصاف پیدا کرنے کا مشورہ دیا ہے کیونکہ ان کے بغیر کوئی قوم امامت کی اہل نہیں ہو سکتی۔

شعر ۷: یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

حل لغت: رمزِ مسلمانی: اسلام کی حقیقت۔ اخوت: بھائی چارہ۔ جہانگیری: حکومت: راج۔ فراوانی: کثرت: بہتات۔

تشریح

فطرت کا مقصد اور اسلامی تعلیمات کی روح یہ ہے کہ دنیا میں اخوت کا راج ہو اور محبت کی بہتات ہو یعنی ہر شخص دوسروں کو اپنا بھائی سمجھے اور بھائیوں کی طرح ان سے محبت کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ "یعنی بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔" حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "تمام مسلمان ایک دیوار یا عمارت کی مانند ہیں جس میں ایک اینٹ دوسری اینٹ کی تقویت کا باعث ہوتی ہے۔" ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "تمام مسلمان ایک جسم واحد کی طرح ہیں۔ اگر جسم کے کسی ایک حصہ میں تکلیف ہو تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔"

شعر ۸: بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

حل لغت: بتان: بت کی جمع۔ رنگ و خون: رنگت و نسبت یا خاندان۔ تورانی: قدیم ایرانی۔

تشریح

اے مسلمان! تو ذات پات، نسل خاندان اور قبیلہ کے امتیازات کو مٹا دے اور اپنے آپ کو افغانی، ایرانی، تورانی اور پاکستانی کہنے کی بجائے ملت اسلامیہ کا فرد قرار دے۔ یعنی اپنے آپ کو کسی ملک یا نسل سے منسوب مت کر قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم نے قبیلے اور برادریاں اس لئے بنائی ہیں کہ آپس میں تعارف ہو سکے، بیشک تم سے سب سے معزز شخص وہ ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔ حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔" بقول علامہ اقبال ؎

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لئے

شعر ۹: میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کب تک ترے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

حل لغت: میانِ شاخساراں: شاخوں اور پتوں کے درمیان۔ مرغِ چمن: باغ کا پرندہ (بلبل) شاہین: سفید رنگ کا شکاری پرندہ۔ یہ علامہ اقبال کی مخصوص و پسندیدہ اصطلاح ہے۔ قہستانی: پہاڑی:

قہستان خراسان: ایک خطہ یا ضلع ہے۔

تشریح تو باغ میں شاخوں اور بنوں میں بُلبُل کی صحبت میں کب تک بیٹھا رہے گا تیرے بازوؤں میں پہاڑی شاہین کی سی پرواز ہے اس لئے تجھے بلندیوں پر اڑنا چاہیئے مطلب یہ ہے کہ جب تو دنیا کی بلند ترین فضا (ملت) میں پرواز کر سکتا ہے تو پھر کسی باغ کے درخت کی ڈالی (قبیلہ) پر بیٹھ کر بلبلوں (افراد) سے رسم وراہ کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ جب تو ساری دنیا کو فتح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو پھر کسی خاص خطہ ارضی پر کیوں قناعت کرتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا — تیرے سامنے آسمان اور بھی ہیں

شعر ۱۰۔ گماں آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا — بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

حل لغت: گماں آباد ہستی: وہم وگمان اور خیالات کی دنیا یعنی دنیا۔ بیابان: صحرا۔ شب تاریک اندھیری رات۔ قندیل رہبانی: وہ چراغ جو کسی راہب کی جھونپڑی میں جل رہا ہو۔

تشریح وہم وگمان اور تصورات کی اس دنیا میں مومن کے یقین کی مثال ایسی ہے جیسے صحرا کی اندھیری رات میں کسی درویش کا چراغ۔ یعنی اس دنیا میں ایمان کا مرتبہ وہی ہے جو صحرا میں کسی درویش کی جھونپڑی میں چراغ کا ہو سکتا ہے جس طرح وہ چراغ بھولے بھٹکے مسافروں کو راہ دکھا سکتا ہے یا پناہ دے سکتا ہے۔ اسی طرح مسلمان اس دنیا میں گمراہ انسانیت کو راہ راست دکھا سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیر ملت ہے — یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیر ملت ہے

شعر ۱۱: مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے — وہ کیا تھا، زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ

حل لغت: قیصر: روم کے بادشاہ کا خطاب۔ کسریٰ: ایران کے بادشاہ کا خطاب۔ استبداد: ظلم و ستم۔ فقر: درویشی۔ صدق: سچائی: صداقت۔

تشریح اے مسلمانو! اس نکتہ پر غور کرو کہ تمہارے اسلاف نے اگر دنیا سے ملوکیت کی لعنت کو مٹایا تو اس لئے کہ انہوں نے اپنے اندر مناسب حال صفات پیدا کر لی تھیں۔ اگر تم اپنے زمانہ میں ملوکیت کو مٹا کر اسلامی مساوات قائم کرنا چاہتے ہو تو اپنے اندر حضرت علیؓ کی قوت و بہادری، حضرت ابوذر غفاریؓ کی درویشی اور حضرت سلمان فارسیؓ کی صداقت وسچائی پیدا کرو۔ یعنی صحابہؓ کرام نے انہی اعلیٰ اوصاف کے بل بوتے پر قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کو الٹ دیا تھا۔ بقول علامہ اقبال ؎

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے — وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

شعر ۱۲۔ جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا — تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

حل لغت: انگارۂ خاکی: مراد انسان۔ روح الامین: حضرت جبرائیلؑ۔

تشریح جب انسان میں یقین (ایمان) کی صفت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ حضرت جبرائیل کیطرح قدسی الاصل اور مقرب بارگاہ خداوندی ہو جاتا ہے یعنی اس میں ملکوتی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ سرکار دو عالم حضرت محمد اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے اندر پہلے ایمان پیدا کیا پھر اللہ نے ان کو جنگِ بدر میں کامیاب کیا۔ بقولِ اکبر الہ آبادی ؎

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

خلاصہ نظم

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

علامہ اقبال نے یہ نظم مصطفےٰ کمال پاشا ترک کی فتوحات کے موقع پر لکھی تھی۔

کہتے ہیں، اے مسلمان! تو اللہ کی قدرت کا نشان ہے اور تیرے ذریعہ سے وہ دنیا والوں سے ہمکلام ہونا چاہتا ہے پس تو اللہ کی ہستی پر یقین کامل پیدا کرلے۔ تیر النصب العین اس قدر بلند ہے کہ آسمان کی بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں یہ دنیا فانی ہے اور اس میں انسانی زندگی عارضی ہے لیکن تُو اپنی ذات کے اعتبار سے غیر فانی ہے۔ قرآن مجید اللہ کا آخری پیغام ہے اور تو اس کا حامل ہے، تیرے اندر عشقِ رسولؐ کا جو وصف (خون جگر) پایا جاتا ہے، اس کی بدولت تیری ذات اس کائنات کی رونق کا سبب بن گئی۔ تجھے حضرت ابراہیمؑ سے خاص نسبت ہے۔ اس لئے تو بھی اس دنیا کا معمار ہے، اللہ نے تجھے غیر محدود صلاحیتیں بخشی ہیں، اگر تو ان کو مسخر نہیں کرے گا تو اس کائنات کی تخلیق کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ تو صداقت، عدالت اور شجاعت سے اس دنیا کی امامت کرسکتا ہے۔ ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

فطرت کا مقصد اور اسلامی تعلیمات کی روح یہ ہے کہ دنیا میں اخوت کا راج ہو اور محبت کی بہتات ہو۔ اے مسلمان! تو ذات پات، نسل، خاندان اور قبیلہ کے امتیازات مٹا دے اور اپنے آپ کو افغانی ایرانی اور تورانی کہنے کی بجائے ملت اسلامیہ کا فرد قرار دے۔ اس دنیا میں ایمان کا مرتبہ وہی ہے جو صحرا میں کسی درویش کی جھونپڑی میں چراغ کا ہو سکتا ہے، اگر تم ملوکیت کو مٹا کر اسلامی مساوات قائم کرنا چاہتے ہو تو اپنے اندر صحابہ کرامؓ کے اوصاف پیدا کرو جب انسان میں ایمان کی صفت پیدا ہوتی ہے تو اس میں ملکوتی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔

مرکزی خیال مسلمان اللہ کی قدرت کی نشانی ہے، اس کا نصب العین آسمان سے بھی بلند ہے، عشقِ رسولؐ سے رونق کائنات ہے۔ صداقت، عدالت اور شجاعت سے تو دنیا کا امام بن سکتا ہے دنیا میں اخوت و محبت کا راج ہونا چاہیئے اور ذات پات نسل اور خاندان کی تفریق ختم

کردینی چاہیئے، مومن کا ایمان اس دنیا میں مینارہ روشنی ہے۔ ملوکیت کو مٹانے اور اسلامی مساوات قائم کرنے کے لئے اپنے اندر صحابہؓ کے اوصاف پیدا کرو۔ ایمان سے انسان کی ملکوتی صفت پیدا ہوتی ہے۔

بڈھے بلوچ کی نصیحت

علامہ محمد اقبال

شعرا: ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا — اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بخارا

حل لغت: بیاباں: صحرا، گوارا: پسندیدہ: مرغوب۔ دشت: جنگل

تشریح بڈھا بلوچ اپنے نوجوان بیٹے کو نصیحت کرتا ہے کہ تیرا رہنا سہنا صحرا میں ہے تو یہیں پیدا ہوا اور یہیں پروان چڑھا اس لئے تجھے یہی صحرا پسندیدہ و مرغوب ہونا چاہیئے، تجھے اسی سے رغبت اور لگاؤ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ دنیا میں دلی اور بخارا کے شہروں کی بڑی شہرت ہے لیکن یہ شہر اس جنگل سے بہتر نہیں ہیں جہاں تیرا بسیرا ہے تو اسی آب و ہوا میں پروان چڑھا ہے۔ تو نے اسی صحرا اور جنگل سے سخت کوشی کا درس لیا ہے اسی ماحول سے تجھ میں اعلیٰ اوصاف پیدا ہوئے ہیں تیری اپنی مخصوص روایات اور قدریں ہیں۔ تجھے ان کی پاسداری کرنی ہے اور اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کرنی ہے بقول علامہ اقبال ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی — یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی

شعر۲: جس سمت میں چاہے صفتِ سیلِ رواں چل — وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا

حل لغت: سمت: طرف، صفتِ سیلِ رواں: بہتے ہوئے سیلاب کی طرح۔

تشریح تجھے یہ آزاد اور وسیع و عریض ماحول میسر ہے تو جس طرف چاہے بہتے ہوئے سیلاب کی طرح چل پھر، تیرے راستے میں کوئی روک نہیں ہے تو آزادی سے گھوم پھر سکتا ہے اور جہاں چاہے جا سکتا ہے، یہ سرسبز و شاداب وادی بھی ہمارے قبضے و اختیار میں ہے اور وہ صحرا بھی ہمارے تصرف میں ہے ہم اسے جس طرح چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔

شعر۳: غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں — پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

حل لغت: تگ و دو: بھاگ دوڑ: جدوجہد و سعی و کوشش۔ دارا: ایران کا بادشاہ

تشریح اس جدوجہد اور سعی و کوشش کی دنیا میں غیرت اور عزت نفس کی بڑی اہمیت ہے یہ انسانیت کا شرف و جوہر ہے۔ اس کی بدولت ایک درویش خود کو یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اس کے سر پر ایران کے بادشاہ دارا کا تاج رکھا ہوا ہے، یعنی وہ اپنے آپ کو بادشاہ محسوس کرتا ہے

کی عزتِ نفس اور قناعت پسندی اسے یہ شرف و افتخار بخشتی ہے۔ علامہ اقبال نے عزت کا لفظ قریب قریب اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے جس مفہوم میں خودی کا لفظ استعمال کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے — جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

شعر ۴: افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر — ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

حل لغت: افراد: فرد کی جمع۔ اقوام: قوم کی جمع۔ مقدر: قسمت، تقدیر

تشریح: یہ شعر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ قوم کی تقدیر افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ یعنی افراد ہی کسی قوم کو ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔ یہ افراد اگر احساسِ ذمہ داری محنت اور لگن سے کام کریں تو قوم کی حالت بدل سکتی ہے اس سلسلے میں قوم کے ایک ایک فرد پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہر شخص ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔ ہر فرد قوم کی قسمت کا ستارا ہے۔ یعنی قوم کا مستقبل ان افراد قوم ہی کے ہاتھوں روشن ہو سکتا ہے کسی ملک و قوم کی دولت نہیں بلکہ افرادِ قوم ہی عظیم، مضبوط اور خوش حال بنا سکتے ہیں۔ یہ افرادِ قوم مسلسل محنت و مشقت سے ملک و قوم کو اعلیٰ و ارفع مقام دلا سکتے ہیں۔

شعر ۵: دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت — ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

حل لغت: خسارا: نقصان

تشریح: اگرچہ آزادی کی بڑی اہمیت و قدر و منزلت ہے۔ انسان اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہے لیکن دین کی اہمیت اور قدر و منزلت آزادی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر دین کو ہاتھ سے گنوا کر ملت کو آزادی حاصل ہو تو ایسی تجارت میں مسلمان کا سراسر نقصان ہے۔ یہ گھاٹے کا سودا مسلمان کبھی گوارا نہیں کر سکتا جو قوم اپنے دینی عقائد و نظریات پر قائم نہیں رہتی وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہو کر رہتی ہے۔

شعر ۶: دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش — تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

حل لغت: معرکہ: لڑائی، جنگ۔ تہذیب: یعنی مغربی تہذیب۔

تشریح: جب سے یہ دنیا معرضِ وجود میں آئی ہے اور انسان نے اس کرۂ ارضی پر قدم رکھا ہے، روح و بدن کی جنگ جاری ہے۔ یعنی ایک طرف روحانیت ہے اور دوسری طرف مادہ پرستی۔ دونوں ہمیشہ سے برسرِ پیکار ہیں۔ اب یہی جنگ پھر سے نہایت زور و شور سے جاری ہے۔ روحانیت کی بنیاد دین و مذہب پر ہے جبکہ مادہ پرستی میں خدا اور مذہب کا کوئی تصور نہیں ہے۔ گویا انسان محض حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔ مغربی تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا ہے کہ وہ دین مذہب اور اخلاق پر یلغار کر دیں۔ اہلِ مغرب نے مادہ پرستی کے نئے نئے اصول اپنی اغراض کے لئے وضع

کئے ہیں۔ مغربی تہذیب کی بنیادیں غلط اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ اصول انسانیت کے لئے تباہی کا باعث ہیں۔ روح و بدن کا موازنہ کرتے ہوئے علامہ اقبال ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ ؎

چھوڑ یورپ کے لئے رقصِ بدن کے خم و پیچ　　روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیم اللّٰہی

شعر ۷: اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا　　ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

حل لغت: پامردی: ہمت، استقلال۔ ابلیس: شیطان

تشریح

اللہ تعالےٰ کو مومن کی ہمت اور استقلال پر بھروسہ اور اعتماد ہے کہ وہ اس کے دین کو دنیا بھر میں پھیلانے اور غالب کرنے کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ مومن کی زندگی سراپا جہاد ہوتی ہے وہ کفر و شرک کو مٹانے اور حق کو غالب کرنے کے لئے ہر وقت مصروف عمل رہتا ہے۔ یہی اس کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں شیطان کو یورپ کی مشینوں پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مغرب کے اس مشینی دور نے روحانی و اخلاقی قدروں کو پامال کر کے رکھ دیا ہے اور انسانیت کو تباہی و بربادی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ گویا شیطان مغرب کی مشینوں کے ذریعے اپنے مقاصد کی تکمیل کر رہا ہے بقول علامہ اقبال ؎

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت　　احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

شعر ۸: اخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے　　شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

حل لغت: نیاگانِ کہن: قدیم یا پرانے بزرگ۔ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا: اگر بادشاہ گدا کو نوازیں تو تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔

تشریح

تو گزرے ہوئے بزرگوں سے خلوص عمل مانگ یعنی سیکھ۔ ان کی زندگی سراپا خلوص تھی تجھے بھی ان کی پیروی کرنی چاہیئے اور ان کے فیض سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ اگر بادشاہ گدا یا فقیر کو نوازیں تو تعجب نہیں کرنا چاہیئے یعنی بزرگانِ دین بھی اپنی دنیا کے بادشاہ ہیں۔ ان سے اچھی صفات سیکھ تاکہ تم میں بھی وہی صلاحیت پیدا ہو۔ بقول علامہ اقبال ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

خلاصہ نظم

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

بڈھا بلوچ اپنے نوجوان بیٹے کو نصیحت کرتا ہے کہ تجھے اسی بیابان سے لگاؤ ہونا چاہیئے کیونکہ اس سے دلی و بخارا بہتر نہیں ہے۔ یہ وادی بھی ہماری اور وہ صحرا بھی ہمارا ہے تو جس طرف چاہے گھوم پھر۔ غیرت اور عزت نفس کی بدولت درویش خود کو بادشاہ تصور کرتا ہے۔ قوموں کی قسمت کے معمار افراد ہیں۔ اگر دین ہاتھ سے

دے کر ملت آزاد ہو تو ایسی تجارت میں مسلمان کا گھاٹا ہے۔ دنیا میں روحانیت اور مادہ پرستی کی جنگ جاری ہے اللہ کو مومن کی استقامت و جرأت پر اعتماد ہے اور شیطان کو یورپ کی مشینوں کا سہارا ہے۔ یعنی مغربی تہذیب کی بنیاد مادہ پرستی ہے جو انسانیت کے لئے تباہی کا موجب ہے۔

مرکزی خیال اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ افراد ہی قوموں کی قسمت کے معمار ہیں غیرت کی بدولت درویش گویا بادشاہ ہے۔ دین گنوا کر ملت کی آزادی گھاٹے کا سودا ہے۔ دنیا میں روحانیت و مادہ پرستی کی جنگ جاری ہے اللہ کو مومن کی جرأت پر اور ابلیس کو یورپ کی مشینوں پر بھروسہ ہے۔ تم قدیم بزرگوں سے خلوص عمل سیکھو۔

حفیظ جالندھری: ابوالاثر حفیظ جالندھری ہمارے اہم قومی شاعروں میں شمار ہوتے ہیں انہوں نے پاکستان کا قومی ترانہ لکھا ہے۔ "شاہنامہ اسلام" ان کا عظیم شعری کارنامہ ہے گیت نگاری میں ان کا منفرد مقام ہے۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات نزاکت، لطافت، ترنم، نغمگی، موسیقیت، سلاست اثر آفرینی، لفظی سحر کاری اور حسن ادا ہیں

مرزا قطب الدین ایبک

نوٹ سلطان قطب الدین ایبک سلطان شہاب الدین محمد غوری کا ترکی غلام اور اس کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ جب سلطان شہاب الدین غوری نے دہلی فتح کی، تو ہندوستان کی حکومت قطب الدین کے حوالے کر دی۔ یہی وہ بہادر ہے جس نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی باقاعدہ بنیاد رکھی اور نہایت شجاعت اور جبروت کے ساتھ اطراف ہند کو علم اسلام کے زیر کیا۔ جب سلطان محمود غوری کا ۱۲۰۶ء میں انتقال ہو گیا تو قطب الدین ہندوستان کا فرمانروا تسلیم کیا گیا۔ اس طرح خاندانِ غلامان کی بنیاد پڑی۔ لاہور میں انارکلی بازار سے جو راستہ میو ہسپتال کو جاتا ہے۔ اس پر ہندوستان کے پہلے مسلمان کا مزار ہے۔ جب یہ نظم لکھی گئی اس وقت مزار تنگ و تاریک گلی میں خستہ حالت میں تھا۔ اب اسے خوبصورت مقبرہ بنا دیا گیا ہے۔

شعر ۱: وہ قطب الدین وہ مردِ مجاہد جس کی ہیبت سے
یہ دنیا از سرِ نو جاگ اٹھی تھی خواب غفلت سے

حل لغت: ہیبت: رعب داب۔ از سر نو: نئے سرے سے۔

تشریح قطب الدین ایبک بلاشبہ ایک ایسا مردِ مجاہد تھا جس کے رعب و دبدبہ سے دنیا نئے سرے سے خواب غفلت سے بیدار ہوئی۔ یہی وہ بہادر ہے جس نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی باقاعدہ بنیاد رکھی اور کئی معرکوں کے بعد وسیع علاقے کو علم اسلام کے زیر کر دیا۔ بلاشبہ اسے ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ کہلانے کا اعزاز حاصل ہے

شعر ۲: وہ جس کی تیغ ہیبت ناک سے سفاک ڈرتے تھے
وہ جس کے بازوؤں کی دھاک سے افلاک ڈرتے تھے

حل لغت: تیغ: تلوار۔ ہیبت ناک: خوفناک۔ سفاک: خونی، بے رحم۔ دھاک: رعب داب۔ دھوم: غلغلہ۔ افلاک: فلک کی جمع، آسمان۔

تشریح سلطان قطب الدین ایبک اس قدر بہادر اور شجاع تھا کہ اس کی خوفناک تلوار سے بڑے بڑے ظالم اور بے رحم ڈرتے تھے۔ کوئی اس کے روبرو دم نہیں مار سکتا تھا۔ اس نے ظالم دشمنوں کو زیر کیا۔ اس کے بازوؤں میں بڑی قوت و طاقت تھی اور ان کی دھوم ایسی تھی کہ اس سے آسمان بھی خوف کھاتے تھے۔ یعنی ان سے پوری دنیا خوف زدہ تھی۔

شعر ۳: یہاں لاہور میں سوتا ہے اک گمنام کوچے میں ۔۔۔ پڑی ہے یادگارِ دولتِ اسلام کوچے میں

حل لغت: گمنام کوچہ: نامعلوم گلی۔

تشریح وہ بہادر مسلمان بادشاہ یہاں لاہور میں ایک غیر معروف گلی میں آرام کر رہا ہے۔ لاہور میں انار کلی بازار سے جو راستہ میو ہسپتال کو جاتا ہے، وہاں اس کا مزار ہے یوں تو یہ گلی گمنام سی ہے لیکن یہاں ہندوستان کے اس پہلے مسلمان بادشاہ کی صورت میں دولتِ اسلام کی یادگار پڑی ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں ہندوستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔

شعر ۴: میں اکثر شہر کے پرشور ہنگاموں سے اکتا کر ۔۔۔ سکوں کی جستجو میں بیٹھ جاتا ہوں یہاں آکر

حل لغت: جستجو: تلاش

تشریح اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں شہر کے شور و غل اور ہنگاموں سے تنگ آجاتا ہوں اور سکون کی تلاش میں یہاں آکر بیٹھ جاتا ہوں۔ یہاں مجھے بے پناہ سکون میسر آتا ہے اور میں مسلمانوں کے شاندار ماضی میں کھو کر رہ جاتا ہوں۔

شعر ۵: تخیل مجھ کو لے جاتا ہے اک پرہول میداں میں ۔۔۔ جہاں باہم بپا ہوتی ہے جنگ انبوہ انساں میں

حل لغت: تخیل: خیال۔ پرہول: خوفناک۔ باہم: آپس میں۔ بپا ہونا: جاری ہونا۔ انبوہ: بھیڑ، مجمع

تشریح مجھے میرا تصور یا خیال ایک خوفناک میدانِ جنگ میں لے جاتا ہے جہاں انسانوں کے مجمع میں آپس میں جنگ ہو رہی ہے۔ ایک طرف قطب الدین ایبک کا لشکر جرار ہے اور دوسری طرف دشمن مدمقابل ہے۔ میں لشکرِ اسلام کو فتح یاب پا کر مسرت و شادمانی سے جھوم اٹھتا ہوں۔

شعر ۶: نظر آتا ہے لہراتا ہوا اسلام کا جھنڈا ۔۔۔ بہر سُو نور پھیلاتا ہوا اسلام کا جھنڈا

حل لغت: بہر سُو: ہر طرف۔

تشریح مجھے اسلام کا پرچم لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔ میں ہر طرف اس جھنڈے کو اسلام کی روشنی میں پھیلاتا ہوا دیکھتا ہوں۔ یہی وہ سنہری دور تھا جب فتح و کامرانی

ہر طرف مسلمانوں کے قدم چوم رہی تھی اور اس بتکدہ میں اسلام کا نور پھیل رہا تھا۔

شعر ۷: مقابل ہیں گھٹائیں دیکھتا ہوں فوجِ باطل کی — نظر آتی ہے فرعونی خدائی اوجِ باطل کی

حل لغت: اوج: بلندی؛ عروج۔

تشریح: میں تصور میں دیکھتا ہوں کہ ایک طرف سلطان ایک کا لشکر جرار ہے اور دوسری طرف باطل کی فوج گھٹا کی طرح چھائی ہوئی ہے لیکن سلطان کا لشکر فتح یاب ہوتا ہے جس طرح فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن وہ ذلیل و رسوا ہوا تھا، اسی طرح باطل اب بھی اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ لیکن یہاں بھی وہ ذلیل و رسوا ہوتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

شعر ۸: صدائیں نعرہ ہائے جنگ کی آتی ہیں کانوں میں — بلند آہنگ تکبیریں سماجاتی ہیں کانوں میں

حل لغت: صدائیں: آوازیں۔ بلند آہنگ: اونچی آواز والی۔

تشریح: میرے کانوں میں جنگ کے نعروں کی آوازیں آتی ہیں اور میرے کانوں میں اللہ اکبر کے اونچی آواز والے نعرے سماجاتے ہیں۔ گھمسان کی جنگ ہو رہی ہوتی ہے اور اللہ اکبر کے نعروں سے دشمن خوفزدہ اور ہراساں ہو رہا ہوتا ہے۔ ؎

اللہ کے شیروں کو مت چھیڑنا تم ورنہ — تکبیر کے نعروں سے دنیا کو ہلا دیں گے

شعر ۹: نظر آتا ہے مجھ کو سرخرو ہونا شہیدوں کا — وہ اطمینان و ہنستا ہوا چہرہ امیدوں کا

حل لغت: سرخرو: کامیاب؛ باعزت۔

تشریح: میں شہیدوں کو کامیاب و کامران دیکھتا ہوں۔ وہ اپنی جانیں قربان کر کے بہت بڑا اعزاز حاصل کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ "جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے" ان شہیدوں کے چہروں پر اطمینان و امید کی جھلک نظر آتی ہے۔ انہوں نے فلاح دارین حاصل کر لی ہے۔ ع

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

شعر ۱۰: علم کے سائے میں سلطان غازی کا بڑھے جانا — سرِ دشمن پہ افواجِ حجازی کا چڑھے جانا

حل لغت: علم: جھنڈا۔ غازی: کافروں سے لڑنے والا مسلمان فاتح۔ افواجِ حجازی: اسلامی فوجیں

تشریح: میں دیکھتا ہوں کہ جھنڈے کے سائے میں فاتح اور بہادر سلطان آگے بڑھتا جا رہا ہے اور اس کی رہنمائی میں اسلامی فوجیں دشمن پر پے در پے حملے کر رہی ہیں اور اسے شکست فاش دے کر پسپا کر رہی ہیں۔

شعر ۱۱: مجھے محسوس ہوتا ہے کہ غازی مرد ہوں میں بھی — پرانے لشکرِ اسلام کا اک فرد ہوں میں بھی

تشریح میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ میں بھی کافروں سے لڑنے والا فاتح مسلمان ہوں اور میں بھی اسلام کے پرانے لشکر کا ایک سپاہی ہوں اور میں حق و باطل کے معرکے میں برابر کا شریک ہوں. انہی لوگوں نے برصغیر میں اسلامی حکومت کی بنیادیں رکھیں. اس کار خیر میں میں بھی خود کو کار شریک سمجھتا ہوں ۔

شعر ۱۲: شہادت کے رجز پڑھتا ہوں میدانِ شہادت میں
رجز پڑھتا ہوا بڑھتا ہوں ارمان شہادت میں

حل لغت : رجز: وہ اشعار جو حریف کے سامنے میدانِ جنگ میں پڑھے جاتے ہیں. ارمان: خواہش، تمنا

تشریح میں تصور میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ میدانِ شہادت میں دشمن کے سامنے جنگی اشعار پڑھ کر اس پر اپنا رعب بٹھا رہا ہوں. میں یہ جنگی اشعار اس آرزو میں پڑھتا ہوں کہ مجھے شہادت کا اعزاز نصیب ہو. ایک مومن کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں شہید ہو جائے. بقول علامہ اقبال ؂

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

شعر ۱۳: عظیم الشان ہوتا ہے یہ منظر پاکبازی کا — شہیدوں کی خموشی، غلغلہ مردانِ غازی کا

حل لغت : عظیم الشان: شاندار. پاکبازی: ایمانداری، بے گناہی. غلغلہ: شور، دھوم دھام ۔

تشریح بے گناہی و ایمانداری کا یہ منظر نہایت شاندار ہوتا ہے. قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ "بیشک اللہ تعالٰے ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر یوں لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں" شہید خاموش و پرسکون میدانِ جنگ میں پڑے ہیں اور میدانِ جنگ مسلمان فاتح سپاہیوں کے نعروں سے گونج رہا ہے اور ہر طرف ان کی دھوم مچی ہوئی ہے. دشمن پر ان کا رعب و دبدبہ طاری ہے اور وہ جدھر بڑھتے ہیں فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی ہے ۔

شعر ۱۴: میرا جی چاہتا ہے اب نہ اپنے آپ میں آؤں — اسی آزاد دنیا کی فضا میں جذب ہو جاؤں

حل لغت : اپنے آپ میں آنا: ہوش میں آنا. فضا: زمین کی فراخی: کھلا ہوا میدان. جذب ہونا: سمانا

تشریح میں چاہتا ہوں کہ اسی تصور میں ہمیشہ کھویا رہوں. کبھی ہوش میں نہ آؤں. یہ تصور میرے لئے انتہائی سکون و اطمینان کا سبب ہے. مجھے اس سے ایک قسم کی راحت ہوتی ہے. میں چاہتا ہوں کہ اسی آزاد دنیا کی فراخی اور ماحول میں سما جاؤں. یہی فضا اور ماحول میری زندگی کا اصل مقصود ہے. میں اس کی رفاقت چاہتا ہوں ۔

خلاصہ نظم
وہ قطب الدین وہ مردِ مجاہد جس کی ہیبت سے
یہ دنیا از سرِ نو جاگ اٹھی خواب غفلت سے

شاعر قطب الدین ایبک کے مزار پر بیٹھا ہوا ہندوستان کے اس پہلے مسلمان بادشاہ کے حضور میں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قطب الدین ایبک وہ مردِ مجاہد تھا جس کے رعب و دبدبے سے دنیا خوابِ غفلت سے بیدار ہوئی جس کی خوفناک تلوار سے ظالم ڈرتے تھے اور جس کی دھاک زمانے میں بیٹھی ہوئی تھی وہ یہاں لاہور میں ایک گمنام کوچے میں محوِ آرام ہے۔ میں اکثر شہر کے ہنگاموں سے اکتا کر یہاں سکون کی تلاش میں آجاتا ہوں۔ میں تصور میں ایک پر خطر میدانِ جنگ میں پہنچ جاتا ہوں۔ میں اسلام کا جھنڈا لہراتا ہوا دیکھتا ہوں۔ حق و باطل کا معرکہ جاری ہے۔ جنگ کے نعرے اور تکبیریں کانوں میں آرہی ہیں۔ مجھے شہیدوں کا بامراد ہونا نظر آتا ہے۔ اسی میدانِ جنگ میں غازی سلطان برسرِ پیکار ہے ؎

علم کے سائے میں سلطان غازی کا بڑھے جانا — سرِ دشمن پہ افواج حجازی کا چڑھے جانا

مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں بھی غازی مرد ہوں اور لشکرِ اسلام کا ایک سپاہی ہوں۔ میں میدانِ شہادت میں جنگی اشعار پڑھ رہا ہوں۔ پاکبازی کا یہ منظر نہایت شاندار ہوتا ہے۔ شہید خاموش ہیں اور مردانِ غازی کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اس تصور میں کھویا رہوں اور اس آزاد دنیا کی فضا میں سما جاؤں۔

مرکزی خیال شاعر قطب الدین ایبک کے مزار پر بیٹھا ہوا ہندوستان کے اس پہلے مسلمان بادشاہ کی یاد میں تصور میں کھو جاتا ہے جو بہت بہادر و شجاع تھا اور جس نے اس خطے میں کئی معرکے لڑ کر اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اور یہاں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی شاعر تصور میں اپنے آپ کو لشکرِ اسلام کا سپاہی سمجھتا ہے اور شہادت کی آرزو رکھتا ہے وہ اس فضا میں سما جانا چاہتا ہے۔

جلوۂ سحر

(حفیظ جالندھری)

چلا ستارہ سحر — سنا کے صبح کی خبر
زمیں پہ نور چھا گیا — فلک پر رنگ آگیا
تمام زادگانِ شب — چمک چمک کے سو گئے
شرارِ آسمانِ شب — دمک دمک کے سو گئے
ستارے زرد ہو چکے — چراغ سرد ہو چکے
وہ ٹمٹما کے رہ گئے — یہ جھلملا کے رہ گئے
چلا ستارۂ سحر — سنا کے صبح کی خبر

حل لغت: سحر: صبح کا وقت، سویرا۔ فلک: آسمان۔ زادگانِ شب: رات کے پیدا کردہ مراد ستارے۔ شرارِ آسمان: آسمان کی چنگاریاں یعنی ستارے۔ دمک دمک کے: چمک چمک کے۔ ٹمٹمانا: کم کم

روشنی دینا: جھلملانا: کم کم چمکنا

تشریح صبح سویرے کا ستارہ صبح کی خبر دیتا ہوا غائب ہوا۔ پہلے زمین پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اب روشنی پھیل گئی، زمین پر ہر طرف نور پھیل گیا، روشنی ہی روشنی ہو گئی۔ آسمان پر بھی سفید رنگ آگیا یعنی روشنی چھا گئی۔ زمین و آسمان منور ہو گئے۔ رات کے تمام پیدا کئے ہوئے ستارے چمک چمک کر تھک کر سو گئے یعنی غروب ہو گئے۔ غائب ہو گئے۔ رات کے آسمان کی چنگاریاں یعنی ستارے چمک چمک کر سو گئے۔ یعنی ڈوب گئے۔ غائب ہو گئے۔ گویا آرام کرنے کے لئے چلے گئے۔ ستاروں کا رنگ پیلا پڑ گیا گویا آسمان پر جو چراغ جل رہے تھے وہ بجھ گئے۔ ستارے ٹمٹما کر اور چراغ جھلملا کر رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ ستارے کم کم چمکنے لگے۔ ان کی روشنی مدہم ہو گئی اور ماند پڑ گئی۔ اس طرح صبح سویرے کا ستارا صبح کی خبر دیتا ہوا غائب ہوا۔

بند ۲:

یکایک ایک نور کا — غبار مشرق سے اٹھا
جو رفتہ رفتہ بڑھ چلا — اور آسمان پر پھیل گیا
حسینۂ نمود نے — سیاہ نقاب اٹھا دیا
فسوں گر شہود نے — طلسم شب مٹا دیا
یکایک ایک تازگی — یکایک ایک روشنی
نگاہِ جان میں آگئی — حیات میں سما گئی
یکایک ایک نور کا — غبار مشرق سے اٹھا

حل لغت :۔ شرق: مشرق۔ رفتہ رفتہ: آہستہ آہستہ۔ نمود: عیاں ہونا: ظاہر ہونا: جلوہ سیاہ نقاب: کالا پردہ۔ فسوں گر: جادوگر۔ شہود: تمام موجودات میں حق ہی حق نظر آنا۔ یہاں بھی جلوہ مراد ہے۔ طلسم شب: رات کا جادو۔ حیات: زندگی۔

تشریح اچانک مشرق سے نور کا ایک غبار اٹھا یعنی کثرت سے روشنی پھیل گئی۔ یہ روشنی آہستہ آہستہ پورے آسمان پر چھا گئی اور ہر طرف روشنی ہی روشنی ہو گئی۔ جلوے کی حسینہ نے سیاہ نقاب یعنی کالا پردہ اوڑھا ہوا تھا۔ اب اس نے وہ پردہ اٹھا دیا یعنی پہلے رات تھی اور اندھیرا تھا۔ اب اس کی جگہ روشنی اور اجالے نے لے لی۔ جلوے یا نظارے کے جادوگر نے رات کے جادو کا توڑ کر دیا۔ یعنی روشنی نے رات کی تاریکی ختم کر دی۔ اچانک جان زندگی کی نگاہ میں ایک تازگی اور روشنی پیدا ہو گئی۔ یعنی ہر چیز میں جان آگئی اور زندگی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ ہر طرف رونق، گہما گہمی اور چہل پہل ہو گئی۔ اچانک مشرق سے نور کا ایک غبار اٹھا یعنی کثرت سے روشنی پھیل گئی۔

بند ٣:

عبادتوں کے در کھلے — سعادتوں کے گھر کھلے
درِ قبول وا ہوا — دعا کا وقت آ گیا
اذان کی صدا اٹھی — جگا دیا نماز کو
چلی ہے اُٹھ کے بندگی — لئے ہوئے نیاز کو
صنم کدہ بھی کھُل گیا — اٹھا ہے شور سنکھ کا
چلو نمازیو چلو — اُٹھو پجاریو اُٹھو
عبادتوں کے در کھلے — سعادتوں کے گھر کھلے

حل لغت: در: دروازہ۔ سعادت: بھلائی۔ نیک بختی۔ درِ قبول: قبولیت کا دروازہ وا ہوا: کھلا۔ صدا: آواز۔ نیاز: عاجزی۔ صنم کدہ: بت کدہ۔ سنکھ: ناقوس جسے ہندو دیوتاؤں کے سامنے بجاتے ہیں۔

تشریح: صبح ہوتے ہی عبادت گاہوں کے دروازے کھُل گئے۔ لوگوں نے اپنے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق عبادت شروع کر دی۔ اس طرح بھلائیوں کے گھر کھل گئے اور لوگ بھلائیوں کے حصول میں کوشش کرنے لگے۔ قبولیت کا دروازہ کھل گیا اور خدا سے دعا مانگنے کا وقت آگیا۔ مسجدوں سے اذان کی آواز بلند ہوئی اور مسلمانوں کو نماز کے لئے بیدار کر دیا لوگ گہری نیند میں تھے اور مؤذن پکار رہا تھا کہ نماز نیند سے بہتر ہے۔ خدا کے بندے اس کے سامنے عاجزی و انکساری کا اظہار کرنے کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ بت خانے کا دروازہ کھل گیا اور پوجا کے لئے ناقوس بجنے لگا۔ اب صبح ہو گئی ہے۔ نمازیو! مسجد میں نماز کے لئے چلو۔ اور اے پجاریو! پوجا کے لئے مندر میں پہنچ جاؤ۔ عبادت گاہوں کے دروازے اور بھلائیوں اور نیک بختیوں کے گھر کھل گئے ہر طرف خیر و برکت کا دور دورہ ہو گیا۔

بند ٤:

کِسان اٹھ کھڑے ہوئے — مویشیوں کو لے چلے
کہیں مزے میں آ گئے — تو کوئی تان اُڑا گئے
یہ سرد شبنمی ہوا — یہ صحت آفریں سماں
یہ فرش سبز گھاس کا — یہ دل فریب آسماں
بسے ہوئے ہیں پریت میں — ہیں محو ان کے گیت میں
کہاں ہیں شہر کے مکیں — وہ بے نصیب اٹھے نہیں
کسان اٹھ کھڑے ہوئے — مویشیوں کو لے چلے

حل لغت: تان: سُر۔ شبنمی: اوس والی۔ صحت آفریں: صحت بخشنے والا۔ سماں: منظر۔

پریت: پیار، محبت۔ محو: گم، مستغرق۔ مکیں: رہنے والے، باشندے۔

تشریح صبح ہوتے ہی کسان جاگ کر اٹھ کھڑے ہوتے۔ وہ اپنے مویشیوں کو لے کر کھیتوں کو روانہ ہوئے۔ وہ خوش و خرم ہیں۔ اور خوشی کی لہر میں آ کر کسی گیت کے سُر نکلنے لگتے ہیں اور یوں اپنا دل بہلاتے ہیں۔ اس وقت ٹھنڈی ٹھنڈی شبنم یا اوس میں بھیگی ہوئی ہوا چل رہی ہے اور یہ منظر بہت صحت بخش اور تر و تازہ کرنے والا ہے۔

یہ ہری ہری گھاس کا فرش کیسا بچھا ہوا ہے اور یہ آسمان کس قدر دلکش اور خوبصورت ہے۔ یہ سب پیار اور محبت میں رچے بسے ہوتے ہیں اور کسانوں کے گیت میں گم اور ڈوبے ہوئے ہیں۔ گویا وہ بھی مسرت و شادمانی کا اظہار کر رہے ہیں۔ شہر کے رہنے والے کہاں ہیں؟ وہ بے نصیب ہیں۔ ابھی تک بیدار نہیں ہوئے وہ صبح کے دلکش منظر کی قدر کیا جانیں؟ صبح ہوتے ہی کسان جاگ کر اٹھ کھڑے ہوتے وہ اپنے مویشیوں کو لے کر کھیتوں کو روانہ ہوئے۔

بند ۵:

اُٹھی حسینۂ سحر — پہن کے سر پہ تاجِ زر
لباس نور زیب بر — چڑھی فراز کوہ پر
وہ خندۂ نگاہ سے — پہاڑ طور بن گئے
وہ عکسِ جلوہ گاہ سے — سحاب نور بن گئے
نوائے جوبہار اُٹھی — صدائے آبشار اُٹھی
ہواؤں کے رُباب اٹھے — خوش آمدید کے لئے
اٹھی حسینۂ سحر — پہن کے سر پہ تاجِ زر

حل لغت: تاجِ زر: سونے کا تاج۔ زیب بر: جسم پر سجا ہوا۔ فرازِ کوہ: پہاڑی کی بلندی یا چوٹی۔ خندۂ نگاہ: نگاہ کی ہنسی۔ طور: وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ خدا سے ہمکلام ہوتے تھے۔ نوائے جوبہار: بڑی نہر کی آواز، صدا، آواز۔ آبشار: وہ جگہ جہاں پانی اوپر سے نیچے کو گرتا ہے۔ رُباب: ایک قسم کی سارنگی۔ سحاب: بادل۔

تشریح صبح کی حسینہ سونے کا تاج پہن کر اٹھی۔ اس نے اپنے جسم پر نور کا لباس سجایا ہوا ہے، وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھی۔ اس کی نگاہوں کی ہنسی سے پہاڑ گویا طور بن گئے، بہت عمدہ تشبیہ دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سورج کی سنہری کرنیں نمودار ہوئیں اور پہاڑ کی چوٹی پر روشنی پھیل گئی اور خوشنما منظر سے کوہ طور کا نورانی جلوہ ظاہر ہونے لگا۔ اس حسینہ کے جلوے کے پرتو سے بادل نُور بن گئے۔ یعنی روشنی سے بادل روشن و منور ہو گئے، نہر سے لہروں کی آواز بلند ہونے لگی اور پہاڑ سے گرتے ہوئے پانی سے نہایت خوبصورت منظر پیدا ہوا اور اس

کی آواز فضا میں لبن گئی، صبح کی حسینہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے ہواؤں کی سارنگی بجنے لگی۔ گویا ہوا صبح کا خیر مقدم کر رہی ہے۔ صبح کی حسینہ سونے کا یا سنہری تاج سر پر پہن کر اٹھی۔ یعنی صبح سے پورا ماحول اور فضا روشن و منور ہو گئی۔

لوٹ: پوری نظم میں بلا کی روانی، سلاست اور جامعیت پائی جاتی ہے۔ یہ حفیظ کا مخصوص رنگ ہے۔ چھوٹی بحروں میں اس طرح کے گیتوں اور نغموں میں انہیں کمال حاصل ہے گویا سحر کر دیا۔

خلاصہ نظم

چلا ستارۂ سحر ٭ سنا کے صبح کی خبر

صبح سویرے کا ستارہ صبح کی خبر دیتا ہوا غائب ہوا۔ زمین و آسمان پر روشنی پھیل گئی۔ رات کے ستارے چمک چمک کر سو گئے۔ اور وہ پیلے پڑ گئے۔ وہ کم کم چمکنے لگے۔ اچانک مشرق سے نور کا سیلاب اٹھا جو آہستہ آہستہ آسمان پر چھا گیا۔ صبح کے جلوے کی حسینہ نے سیاہ نقاب اٹھایا اور رات کی تاریکی کا جادو ٹوٹ گیا۔ اچانک زندگی کو ایک نئی تازگی اور روشنی مل گئی۔ عبادت گاہوں کے دروازے اور بھلائیوں کے گھر کھل گئے۔ قبولیت کا دروازہ کھل گیا اور دعا کا وقت آ گیا۔ اذان کی آواز نے نمازی کو جگا دیا۔ خدا کے بندے اس کے سامنے نیاز مندی کے لئے چلے۔ بت خانہ بھی کھل گیا۔ نمازیوں اور پجاریو! عبادت کے لئے چلو۔

عبادتوں کے در کھلے ٭ سعادتوں کے گھر کھلے

کسان مویشیوں کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور مزے میں گیت گانے لگے۔ یہ منظر کس قدر دلکش و دلفریب ہے۔ شہری لوگ کہاں ہیں؟ وہ بے نصیب ابھی تک نہیں اٹھے۔

حسینۂ سحر سر پر سنہری تاج پہن کر اٹھی۔ اس کے جسم پر نور کا لباس ہے۔ وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھی۔ اس کی نگاہ کی ہنسی سے پہاڑ طور بن گئے اور اس کے جلوے سے بادل روشن ہو گئے۔ نہر اور آبشار کا شور بلند ہوا۔ اسے خوش آمدید کہنے کے لئے ہواؤں کے ساز بجنے لگے۔

مرکزی خیال

صبح کا منظر کس قدر دلکش و دلفریب ہوتا ہے۔ ستارے ڈوب جاتے ہیں اور ہر طرف روشنی پھیل جاتی ہے۔ زندگی کو نئی تازگی ملی۔ عبادت گاہوں کے دروازے کھل گئے۔ لوگ خدا کی عبادت کے لئے۔ کسان مویشیوں کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ شہر کے لوگ ابھی تک سو رہے ہیں۔ حسینۂ سحر سنہری تاج پہنے اٹھی نہر آبشار اور ہوا کے ساز بجنے لگے۔

فیض احمد فیض

فیض جدید اردو شاعری میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ ترقی پسند شاعر ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ترقی پسندی، سماجی مساوات، معاشرتی و اقتصادی انصاف، لفظی پیکر تراشی اور منفرد غزل گوئی ہیں۔

تنہائی

شعر ۱: پھر کوئی آیا دل زار، نہیں کوئی نہیں — راہرو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا

حل لغت: دل زار: ضعیف و رنج و غم اٹھانے والا دل۔ راہرو: مسافر

تشریح شاعر اپنے محبوب کے ہجر و فراق میں تڑپ رہا ہے وہ سخت بے چین و بے قرار ہے اس کا دل صدمے اٹھاتے اٹھاتے کمزور و ناتواں ہو گیا ہے۔ اس کی حالت ناقابلِ بیان ہے۔ وہ اس انتظار میں ہے کہ اس کا محبوب اپنا جلوہ دکھائے تاکہ اس کے رنج و غم کا مداوا ہو اور اس کی حالت زار سنبھل جائے اس کے کان دروازے کی طرف لگے ہوئے ہیں۔ ذرا سی آہٹ ہوتی ہے تو اسے شبہ گزرتا ہے کہ شاید اس کا محبوب آگیا ہے لیکن یہ خیال خام ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ پھر سے بدستور مایوسی و ناامیدی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ شاید اس کا محبوب آیا ہے۔ لیکن پھر سوچتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ کوئی مسافر ہوگا۔ وہ کہیں اور اپنی منزل مقصود پر چلا جائے گا اور میں اس طرح انتظار کی سختیاں برداشت کرتا رہوں گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

تھک گئے ہم کرتے کرتے انتظار — اِک قیامت ان کا آنا ہوگا

شعر ۲ ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار — لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ

حل لغت: ایوان: محل، مکان۔ خوابیدہ: سوئے ہوئے۔

تشریح شاعر محبوب کے انتظار میں انتظار کی گھڑیاں گن رہا ہے۔ وہ تنہائی کی شدت کو بڑی طرح محسوس کر رہا ہے۔ رات کافی گذر چکی ہے، آسمان پر تاروں کا غبار بکھرنے لگا یعنی روشن تارے چمکنے لگے۔ اور محلوں یا شاندار مکانوں میں سوئے ہوئے چراغ بجھنے لگے یعنی چراغوں کی روشنی مدہم ہوتی جا رہی ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ رات کافی بیت چکی ہے لیکن شاعر بدستور سراپا انتظار بنا ہوا تنہائی کی تکالیف برداشت کر رہا ہے۔ اسے کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ اس کی تنہائی کا کوئی مداوا نہیں۔

شعر ۳: سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہگذر — اجنبی خاک نے دھندلا دیئے قدموں کے سراغ

حل لغت: راستہ تکنا: انتظار کرنا۔ راہگذر: راستہ، سڑک۔ دھندلانا: مٹانا: ماند کرنا: بے نور کرنا سراغ: کھوج۔

تشریح ہر راستہ انتظار کرتے کرتے سو گیا ہے۔ شاعر نے راستے کو ایک مجسم چیز فرض کر لیا ہے مطلب یہ ہے کہ شاعر خود انتظار میں ہے اور انتظار کی شدت میں برابر

اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ تھک ہار کر رہ جاتا ہے اور جس محبوب کا اسے انتظار ہے وہ اسے کہیں دور دور تک نظر نہیں آتا۔ اس خاک اور مٹی سے اجنبیت اور غیریت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس نے قدموں کے کھوج مٹا دیئے ہیں۔ یعنی راہ چلتے لوگوں کے قدموں کے نشانات بھی مٹتے جا رہے ہیں جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کوئی اس راہ سے گزرا ہے اس طرح اس کی مایوسی اور ناامیدی میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور تنہائی اسے کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ وہ اپنے محبوب کے تصور میں کھویا ہوا ہے اور یہ تصور تنہائی میں اور شدت اختیار کر لیتا ہے۔ بقول مومن ؎

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

شعر ۴: گل کرو شمعیں بڑھا دو مے و مینا و ایاغ　　اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا

حل لغت: گل کرنا: بجھانا۔ بڑھا دینا: ختم کرنا: بند کرنا: پرے ہٹانا۔ مے: شراب۔ مینا: شراب کی صراحی۔ ایاغ: پیالہ: کٹورا۔ مقفل: تالہ لگانا۔ کواڑ: دروازہ۔

تشریح: شاعر تنہائی میں بیٹھا ہوا اپنے محبوب کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا ہے۔ وہ مایوس و ناامید ہو چکا ہے۔ اب مزید انتظار کرنے کو وہ بے کار اور لاحاصل سمجھتا ہے۔ اس لئے انتہائی مایوسی کے عالم میں کہتا ہے کہ شمع بجھا دو اور شراب کی بساط لپیٹ دو۔ شراب کی صراحی اور پیالہ یہاں سے اٹھا دو۔ کیونکہ اب ان کا کچھ فائدہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب محبوب کا انتظار فضول ہے اور بے کار ہے اس لئے کسی اہتمام اور بندوبست کی ضرورت نہیں ہے۔ اب یہ محفل نہیں جم سکتی۔ مجھے اسی طرح تنہائی کی تکالیف برداشت کرنی ہوں گی۔ اس تنہائی کا کوئی مداوا نہیں۔ ان بے خواب کواڑوں کو اب تالا لگا دو۔ یہ بے خوابی کی انتہا ہے۔ جب کواڑوں کا یہ عالم ہے تو خود شاعر کا کیا حال ہو گا؟ یعنی اس کا بے خوابی سے برا حال ہے اور مسلسل جاگتے رہنے کی وجہ سے اس کا حال برا ہو رہا ہے۔ وہ مایوسی کے عالم میں پکارتا ہے کہ اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ میرا انتظار کرنا بے کار محض ہے۔ یہ تنہائی کا احساس مجھے بدستور اسی طرح ڈستا رہے گا۔ غم کی یہ رات میرے لئے جان لیوا ہے۔ بقول مرزا غالب ؎

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے! شب غم بری بلا ہے۔
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

خلاصہ و مرکزی خیال

پھر کوئی آیا دل زار، نہیں کوئی نہیں
راہرو ہو گا، کہیں اور چلا جائے گا

اس نظم میں شاعر محبوب کے انتظار میں تنہا اداس بیٹھا ہے۔ اس کی امید نہیں بر آتی رات ڈھل چکی ہے اور آسمان پر تارے چمکنے لگے ہیں۔ ایوانوں میں چراغ بجھنے لگے ہیں لیکن اس کے انتظار

کی گھڑیاں ختم نہیں ہوتیں۔ ہر راستہ سراپا انتظار ہے لیکن بے سود۔ خاک سے قدموں کے نشان مٹ چکے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ شمعیں بجھا دو اور مے نوشی کی بساط الٹ دو اور بے خواب کواڑوں کو تالا لگا دو اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔

مجید امجد: مجید امجد جدید دور کے اہم شاعر ہیں۔ انہوں نے نظمیں بھی لکھی ہیں، اور غزلیں بھی۔ لیکن انہیں نظموں میں کمال حاصل ہے۔ انہوں نے انسان کے ازلی اور آفاقی دکھوں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ان کی شاعری ڈھلتی شاموں اور اداس رتوں کی شاعری ہے۔

طلوع فرض

شعر۱: سحر کے وقت دفتر کو رواں ہوں — رواں ہوں ہم رہ صد کارواں ہوں

حل لغت: سحر: صبح۔ ہمرہ: ہمراہ: ساتھ۔ صد کارواں: سو کارواں یا قافلے مراد بے شمار قافلے۔

تشریح: شاعر کہتا ہے کہ میں صبح کے وقت اپنے دفتر کو چلا جا رہا ہوں۔ میرے ساتھ بے شمار کارواں قافلے ہیں۔ یعنی بے شمار لوگ اپنے اپنے کام پر جا رہے ہیں اور خوب رونق اور گہما گہمی ہے۔ زندگی بہت مصروف ہے گویا زندگی کا ایک سیلاب ہے جو بہا جا رہا ہے

بند۲: کوئی خاموش پنچھی اپنے دل میں

امیدوں کے سنہرے جال بن کے — چلا جاتا ہے چگنے دلنے دُنکے

فضائے زندگی کی آندھیوں سے

ہے ہر اک کو بچشمِ تر گزرنا — مجھے چل کر اسے اُڑ کر گزرنا

حل لغت: پنچھی: پرندہ۔ بچشم تر: بھیگی ہوئی یعنی روتی ہوئی آنکھ

تشریح: کوئی چپ چاپ پرندہ اپنے دل میں اُمیدوں کے سنہرے جال بن رہا ہے یعنی اپنے دل میں کئی امیدیں لئے ہوئے ہے وہ رزق کی تلاش میں نکلا ہے اور دلنے دنکے چگنے چلا جا رہا ہے۔ فضائے زندگی آندھیوں میں گھری ہوئی ہے۔ یعنی زندگی مشکلات سے گھری ہوئی ہے۔ ان آندھیوں یا مشکلات سے ہر ایک کو روتے ہوئے گذرنا ہے۔ مجھے چل کر اور پرندے کو اڑ کر یہ سفر یا فاصلہ طے کرنا ہے۔ اس معاملے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے شریک ہیں ہم دونوں کو مشکلات و مصائب کا سامنا کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود پر پہنچنا ہے۔

بند۳: وہ اک اندھی بھکارن لڑکھڑائی

کہ چوراہے کے کھمبے کو پکڑ لے — صدا سے راہگیروں کو جکڑ لے

یہ پھیلا پھیلا میلا میلا دامن

یہ کاسہ یہ گلوئے شور انگیز — مرا دفتر، مری مسلیں، میری میز

حل لغت: صدا: آواز۔ راہگیر: مسافر۔ کاسہ: پیالہ، کٹورا۔ گلوئے شور انگیز: شور پیدا

کرنے والا گلا مسلسل : روداد مقدمہ : مقدمہ کے کاغذات کی فائل ۔

تشریح میں نے ایک اندھی بھکارن کو لڑکھڑاتے اور گرتے پڑتے دیکھا وہ چوراہے کے کھمبے کو پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی وہ صدا لگا کر راہ چلتے مسافروں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ وہ ان سے بھیک مانگ رہی تھی۔ اس کا دامن پھیلا پھیلا اور میلا سا نظر آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیالہ پکڑا ہوا تھا اور وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر شور مچا رہی تھی۔ اور میں اپنے دفتر، فائلوں اور میز کے تصور میں گم چلا جا رہا تھا میں اپنے خیالوں میں محو تھا۔

بند ۴: چمکتی کار فراٹے سے گذری

غبارِ رہ نے کروٹ بدلی، جاگا　　　اٹھا اک دو قدم تک ساتھ بھاگا

پیاپے ٹھوکروں کا یہ تسلسل

یہی پرواز بھی افتادگی بھی　　　متاعِ زیست اس کی بھی مری بھی

حل لغت: فراٹے سے گذری : تیزی سے گذری۔ پیاپے : پے در پے : لگاتار۔ افتادگی : گرا پڑا ہونا، مصیبت۔ متاعِ زیست : زندگی کی پونجی یا سرمایہ۔

تشریح اتنے میں ایک چمکدار کار پاس سے تیزی سے گذری۔ جس سے راستے کے غبار نے کروٹ لی اور وہ جاگ کر ایک دو قدم کار کے ساتھ بھاگا۔ بہت خوبصورت انداز اختیار کیا ہے۔ گویا غبار ایک مجسم چیز ہے جو کار کے ساتھ بھاگ رہی تھی مطلب یہ ہے کہ کار کی تیز رفتاری سے گرد و غبار اٹھا اور کچھ دور تک ساتھ اڑتا رہا۔ اسے پے در پے اور مسلسل ٹھوکریں لگیں یہی پرواز اور گرنا پڑنا اس کی بھی اور میری بھی زندگی کا سرمایہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح غبار اُڑتا اور گرتا ہے۔ اسی طرح میری زندگی کی پرواز بھی ہے اور گراوٹ بھی یعنی اتار چڑھاؤ دونوں زندگی کے لازمی حصے ہیں۔

شعر ۵: گلستاں میں کہیں بھنورے نے چوسا

گلوں کا رس شرابوں سا نشیلا　　　کہیں پر گھونٹ اک کڑوا کسیلا

کسی سڑتے ہوئے جوہڑ کے اندر

پڑا اک رینگتے کیڑے کو پینا　　　مگر مقصد وہی دو سانس جینا

سحر کے وقت دفتر کو رواں ہوں

رواں ہوں ہمرہ صد کارواں ہوں

حل لغت: گلستان : باغ۔ بھنورا : سیاہ پر دار کیڑا جو کنول کے پھول کا عاشق سمجھا جاتا ہے نشیلا : نشہ آور۔ کسیلا : بدمزہ۔

تشریح باغ میں کہیں کسی بھونرے نے پھولوں کا رس چوسا، جس میں شراب کا ساتھ ہے اور کہیں کسی گلتے سڑتے ہوئے جوہڑ کے اندر ایک رینگتے ہوئے کیڑے کو کڑوا اور بدمزہ گھونٹ پینا پڑا۔ مگر دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی دو سانس جینا۔ یہ لغوی معنی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں کچھ لوگ تو عیش و عشرت کرتے ہیں اور کچھ لوگ خستہ حالی کی زندگی بسر کرتے ہیں میں صبح کو بے پناہ بھیڑ میں دفتر کو چلا جا رہا ہوں۔

خلاصہ شاعر کہتا ہے کہ میں صبح کے وقت زبردست بھیڑ میں دفتر کو رواں دواں ہوں کوئی خاموش پرندہ اپنے دل میں اُمیدیں باندھے دانے دُنکے چگنے چلا جا رہا ہے فضائے زندگی آندھیوں (مصائب) سے ہر ایک کو روتے ہوئے گزر تا ہے۔ میں چل رہا ہوں اور وہ اڑ رہا ہے۔ ایک اندھی بھکارن لڑکھڑائی تا کہ چورا ہے کے کھمبے کو پکڑ لے اور اپنی صدا سے راہگیروں کو اپنی طرف متوجہ کرے اس کا میلا دامن پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ میں پیالہ ہے اور میں اپنے دفتر کے خیال میں گم ہوں۔ ایک کار تیزی سے گزری۔ گرد و غبار اڑا، پرواز اور رگڑ نا پڑتا ہم دونوں کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ باغ میں کہیں بھونرا پھولوں کا رس چوس رہا ہے اور کہیں کسی سڑتے ہوئے جوہڑ کے اندر ایک کیڑا کڑوا کسیلا گھونٹ پی رہا ہے۔ دونوں کا مقصد جینا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی عیش کرتا ہے اور کوئی بدحال ہے۔

مرکزی خیال انسان کا فرض ہے کہ وہ غریب اور مستحق افراد کی دستگیری کرے۔ امراء کو غرباء کا خیال رکھنا چاہیئے۔ انسان کو زندگی میں مختلف مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انسانی زندگی غبار کی طرح اڑتی بھی ہے اور گرتی بھی ہے۔ اتار چڑھاؤ دونوں کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ دنیا میں کوئی شخص عیش کر رہا ہے اور کوئی بدحالی کا شکار ہے۔

ایک کوہستانی سفر کے دوران

مجید امجد

شعر ا: تنگ پگڈنڈی، سرِ کہسار بل کھاتی ہوئی — نیچے دونوں سمت گہرے غار منہ کھولے ہوئے

حل لغت: پگڈنڈی: پیدل چلنے کا راستہ۔ کوہسار: پہاڑی مقام یا پہاڑ

تشریح پہاڑ کی چوٹی پر پیدل چلنے کا راستہ بل کھاتے ہوئے چلا جا رہا تھا اور نیچے دونوں طرف گہرے غار اور کھڈ منہ کھولے ہوئے تھے۔ یہ کھڈ بڑے خطرناک تھے۔ ذرا سی بے احتیاطی اور غفلت ہلاکت کا سبب بن سکتی تھی۔

بند ۲: آگے ڈھلوانوں کے پار اک تیز موڑ اور اس جگہ — اک فرشتے کی طرح نورانی پر تولے ہوئے

جھک پڑا ہے آ کے رستے پر کوئی نخلِ بلند

حل لغت: نخل بلند: بلند درخت۔

تشریح پہاڑ پر آگے ڈھلوانوں کے پار ایک تیز اور خطرناک موڑ آتا ہے۔ اور اس جگہ ایک فرشتے کی طرح نورانی پر پھیلائے ہوئے کوئی بلند اور اونچا درخت راستے پر آکر جھکا پڑا ہے۔

شعر۳: تھام کر جس کو گزر جاتے ہیں آسانی کے ساتھ — موڑ پر سے ڈگمگاتے رہروؤں کے قافلے

حل لغت: راہرو: راہگیر، مسافر

تشریح اس جھکے ہوئے درخت کو تھام کر موڑ پر سے لڑکھڑاتے ہیں راہگیروں کے قافلے آسانی کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ یہ درخت انہیں گرنے نہیں دیتا اور ان کے لئے بڑا سہارا ہے۔

شعر۵: ایک بوسیدہ خمیدہ پیڑ کا کمزور ہاتھ — سینکڑوں گرتے ہوؤں کی دستگیری کا امیں

حل لغت: بوسیدہ: پرانا۔ خمیدہ: جھکا ہوا۔ دستگیری: مدد، تعاون۔ امین: امانت دار

تشریح اس طرح ایک پرانے جھکے ہوئے درخت کا کمزور ہاتھ (یعنی ٹہنی) سینکڑوں گرتے ہوئے راہگیروں کی مدد کا سہارا بنا ہوا ہے۔ یوں یہ بہت بڑی خدمت خلق سرانجام دے رہا ہے۔

شعر۵: آہ ان گردن فرازان جہاں کی زندگی — اک جھکی ٹہنی کا منصب بھی جنہیں حاصل نہیں

حل لغت: گردن فرازان: اونچی گردن والے مرد مغرور و متکبر لوگ۔ منصب: درجہ: مرتبہ۔

تشریح آہ! دنیا کی اونچی گردن والے یعنی مغرور و متکبر لوگوں کی زندگی کا یہ پہلو کس قدر افسوسناک ہے کہ انہیں ایک جھکی ہوئی ٹہنی کا درجہ بھی حاصل نہیں ہے یعنی ایک درخت کی ٹہنی لوگوں کی کسقدر دستگیری کر رہی ہے لیکن یہ مغرور لوگ کسی کے ذرا کام نہیں آتے۔

خلاصہ و مرکزی خیال پہاڑ کے ایک جگہ پر پل راستہ بل کھاتے ہوئے جا رہا ہے اور نیچے دونوں طرف گہرے غار تھے۔ آگے ڈھلوانوں کے پار ایک خطرناک موڑ آتا ہے اور اس جگہ ایک فرشتہ کی طرح نورانی پر پھیلائے ہوئے ایک بلند درخت کھڑا تھا جسے لڑکھڑاتے راہگیر تھام کر آسانی کے ساتھ گذر جاتے تھے۔ یوں ایک پرانے جھکے ہوئے درخت کا کمزور ہاتھ سینکڑوں گرتے ہوؤں کی دستگیری کا کرتا تھا۔ ان اونچی گردن والوں یعنی مغرور و متکبر لوگوں کی زندگی پر افسوس ہے کہ انہیں ایک جھکی ہوئی ٹہنی کا درجہ حاصل نہیں وہ کسی کے کام نہیں آتے۔

ژ

احسان دانش: احسان دانش مزدور شاعر کہلاتے ہیں، وہ جدید دور کے ایک ماہر فن اور پختہ کار شاعر ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات گہرائی فکر، پختگی وسعت نظر، لطافتِ جذبات، سادہ و موثر الفاظ و تراکیب اور متانت و سنجیدگی ہیں۔

قطعات

۱۔ پھر سنی کے کھیت پکے ڈالیاں بجنے لگیں — پھر گئے گنوں کے کھیتوں میں ہواؤں سے ستار
ہائے کیا دن تھے کہ تھا وحشت کو سامانِ سرور — شام پڑتے نہر کے پل پر کسی کا انتظار

حل لغت: وحشت: جنون۔ سامانِ سرور: خوشی و فرحت کا سامان

تشریح شاعر نے اس قطعہ میں دیہات کا منظر پیش کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ سنی کے کھیت پھر سے پک گئے اور ڈالیوں کے آپس میں ٹکرانے سے ایک نغمہ سا پیدا ہو گیا۔ گنوں کے کھیتوں میں ہواؤں کی سرسراہٹ سے ستار بجنے لگے۔ افسوس وہ بھی کیا زمانہ تھا کہ جنون کو خوشی و فرحت کا سامان میسر تھا۔ میرے جنون کا مداوا تھا۔ شام ہوتے ہی مجھے نہر کے پل پر کسی کی آمد کا انتظار ہوتا تھا۔ اس انتظار میں عجیب لذت ہوتی تھی۔

۔ تھک گئے ہم کرتے کرتے انتظار — اک قیامت ان کا آنا ہو گیا

۲۔ لے گئے ساتھ ساری زندگی کی رونقیں — گھر کا یہ عالم ہے ان کے روٹھ کر جانے کے بعد
جس طرح دیہات کے اسٹیشنوں پر دن ڈھلے — اک سکوتِ مضمحل گاڑی جانے کے بعد

حل لغت: عالم: حالت۔ سکونِ مضمحل: تھکی ہوئی سست خاموشی: اداس خاموشی

تشریح شاعر اپنے محبوب کے بارے میں کہتا ہے کہ ان کے روٹھ کر چلے جانے کے بعد گھر کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہ زندگی کی تمام رونقیں اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ ان کے بغیر گھر سونا سونا اور اداس نظر آتا ہے بقول مولانا حالی ؎

اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت — نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

دوسرے شعر میں شاعر نے ایک دیہاتی منظر کی بہت عمدہ تصویر پیش کی ہے کہتے ہیں کہ ہمارا گھر اس طرح اداس اور ویران ہے جس طرح دیہات کے اسٹیشنوں پر شام ہوتے ہی گاڑی گذر جانے کے بعد ہر طرف اداس اور تھکی ماندی خاموشی چھا جاتی ہے۔

۳۔ پھاوڑا کندھے پہ رکھے آ رہا ہے اک کسان — رنگ جس کے خون سے لیتے ہیں گلزاروں کے پھول
دل میں جینے کی تمنا ہیں فضا ناسازگار — آنکھ میں سرخی لبوں پر پپڑیاں نتھنوں میں دھول

حل لغت: گلزار: باغ۔ فضا: زمین کی فراخی: کھلا ہوا میدان۔ ناسازگار: ناموافق۔ پپڑی: سطح خشک ہونے سے تہہ جمنا۔ دھول: گرد: خاک۔

تشریح اس قطعہ میں شاعر نے ایک کسان کی پر مشقت زندگی کا نقشہ کھینچا ہے فی الواقع اس کا حق ادا کر دیا ہے کہتے ہیں کہ وہ دیکھو! کسان کندھے پر پھاوڑا رکھے آ رہا ہے۔ اسے محنت و مشقت سے کس قدر لگاؤ ہے۔ باغوں کے پھول اسی کے خون سے رنگ حاصل کرتے ہیں یعنی باغوں اور کھیتوں کی زیب و زینت اور شادابی کسان کی محنت کا نتیجہ ہے اس کے دل میں جینے کی آرزوئیں ہیں یعنی وہ اپنے دل میں جذبہ اور ولولہ رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کے لئے ماحول اور حالات ناموافق ہیں۔ لیکن وہ مصائب و تکالیف سے گھبراتا نہیں ہے۔ بلکہ مردانہ وار ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ آخری مصرعہ میں تو اس کی محنت و مشقت کی ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے اس کی آنکھ میں سرخی ہے۔ لب خشک ہو رہے ہیں اور نتھنوں میں گرد و غبار اٹا ہوا ہے۔ الغرض کسان کی محنت و مشقت ضرب المثل بن چکی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ایسا محنتی جیسا کسان

۴۔ لاکھ ناداری ہو میں ہوں شاعر وحدت پرست — نقش جو بھی سامنے آیا وہی رد ہو گیا
جب سوا اس کے کسی کا دل میں گزرے گا خیال — میں تو اے دانش یہ سمجھوں گا کہ مرتد ہو گیا

حل لغت: ناداری: غربت۔ وحدت پرست: ایک خدا پہ ایمان رکھنے والا، توحید پرست؛ مرتد: مذہبِ اسلام سے پھر ا ہوا، کافر

تشریح اس قطعہ میں شاعر نے اپنا عقیدہ اور مسلک بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ اگرچہ کتنی ہی غربت کیوں نہ ہو۔ میں ایک ایسا شاعر ہوں جو خدا کی توحید پر کامل یقین رکھتا ہے۔ میرے سامنے جو بھی نقش آتا ہے اسے میں ٹھکرا دیتا ہوں۔ یعنی میں ہر غیر اللہ کو ٹھکرا دیتا ہوں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جیسا کہ کلمہ طیبہ کی تعلیم ہے اور قرآن مجید میں توحید کا مضمون بار بار بیان ہوا ہے۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے کہ "جس نے شرک کیا گویا وہ آسمان کی بلندیوں سے گر پڑا۔" نیز "اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کر سکتا ہے لیکن شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔" اے دانش! جب اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کا خیال میرے دل میں آئے گا تو میں سمجھوں گا کہ اسلام سے پھر گیا اور کافر ہو گیا۔ بقول علامہ اقبال ؎

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ — خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ

نذیر احمد شیخ

منافع خوری

شعر ا: جہاں تک ان دکانوں پر نظر دوڑتی جاتی ہے
ضرورت کی ہر اک شے ان میں غائب پائی جاتی ہے

تشریح شاعر کہتا ہے کہ آپ بازار چلے جائیں تو جہاں تک دکانوں پر نظر پڑتی ہے، ضرورت کی کوئی چیز ہاتھ میں نہیں آتی۔ دکاندار جان بوجھ کر ذخیرہ اندوزی کر لیتے ہیں اور پھر چیزیں خوب مہنگے داموں بیچتے ہیں۔

شعر ۲: دساور سے یہاں تک جنس کو آتے تو دیکھا ہے — مگر آگے خدا جانے کہاں دفنائی جاتی ہے

حل لغت: دساور: پردیس۔

تشریح ہم نے پردیس یا بیرون ملک سے تو جنس کو بازار میں آتے دیکھا ہے لیکن آگے خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اسے کہاں دفن کر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے دکاندار ذخیرہ اندوزی کے لالچ میں اسے ذخیرہ کر لیتے ہیں۔

شعر ۳: دوا آب بقا ہے چشمۂ ظلمات میں پنہاں — جناب خضر آئیں تو بہم پہنچائی جاتی ہے

حل لغت: آب بقا: وہ پانی جس کے پینے سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ چشمۂ ظلمات: تاریکیوں کا وہ چشمہ جو سکندر کو آب حیات کی تلاش میں ملا تھا۔ پنہاں: پوشیدہ۔ خضر: ایک بزرگ کا نام جنہوں نے آب حیات پیا ہے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ خشکی اور تری میں بھولے بھٹکوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ بہم پہنچانا: مہیا کرنا۔

تشریح اگر آپ کو کسی بیماری کی وجہ سے دوا کی ضرورت ہے تو وہ ہرگز نہیں ملے گی کیونکہ دوا گویا ایک ایسا آب بقا ہے جو چشمۂ ظلمات میں پوشیدہ ہے جہاں سکندر خضر کی رہنمائی میں آب حیات کی تلاش میں پہنچا تھا۔ چنانچہ یہ دوا صرف حضرت خضر کے آنے پر ہی مہیا کی جاتی ہے۔

شعر ۴: دکانداروں کے گھر پر اب صدائیں دینی پڑتی ہیں — ہزاروں مرتبہ زنجیر در کھڑکائی جاتی ہے

تشریح ضرورت مند لوگوں کو دکانداروں کے گھر پر آوازیں دینی پڑتی ہیں۔ اور ہزاروں مرتبہ ان کے دروازوں کی زنجیر کو کھڑکایا جاتا ہے لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

شعر ۵: بڑی مشکل سے پہلے جنس گاہک کو دکھاتے ہیں — بتا کر نرخ بالا پھر قیامت ڈھائی جاتی ہے

حل لغت: نرخ بالا: بڑھا ہوا بھاؤ، اونچی قیمت۔ قیامت ڈھانا: غضب کرنا۔

تشریح دکاندار بڑی مشکل سے گاہک کو پہلے جنس دکھاتے ہیں اور پھر اس کی اونچی قیمت بتا کر بیچارے پر غضب ڈھایا جاتا ہے۔ اتنی قیمت سن کر گاہک پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔

شعر ۶: ادھر لالچ کے پلڑے میں نکما مال تلتا ہے — ادھر گاہک کے رخ پر مردنی سی چھائی جاتی ہے

تشریح ایک طرف دکاندار ہے جو لالچ کے باعث اندھا ہوا جا رہا ہے۔ وہ ترازو کے پلڑے میں بیکار اور ردی مال تولتا ہے۔ دوسری طرف گاہک کے منہ پر مردنی چھا جاتی ہے اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔

شعر ۷ : منافع خور راہ نیک و بد کب دیکھ سکتا ہے ملے دولت تو عقل و ہوش کی بینائی جاتی ہے

حل لغت : راہ نیک و بد: اچھی اور بُری راہ ۔ بینائی : دیکھنے کی صلاحیت ۔

تشریح منافع خور دکاندار لالچ کے باعث اندھا ہو چکا ہے ۔ وہ اچھی اور بُری راہ کو کیونکر دیکھ سکتا ہے ۔ اسے نہ خدا کا خوف ہے اور نہ لوگوں کی شرم ہے بس اسے تو دولت چاہیئے ۔ یہ دولت پا کر اس کی عقل و ہوش جاتی رہتی ہے ۔ وہ عقل ہوش سے کام نہیں لے سکتا ۔ اسے تو امیر سے امیر تر بننے کا جنون ہے ۔

شعر ۸ : اسی بازار کی اک اور بھی تصویر ملتی ہے جہاں ہر جنس کی خالی شباہت پائی جاتی ہے

حل لغت : شباہت : شکل و صورت میں ایک ہونا ۔

تشریح اسی بازار کی ایک اور تصویر بھی نظر آتی ہے یعنی ایک اور پہلو بھی ملتا ہے جہاں ہر جنس اپنی اصلی حالت میں نہیں ملتی بلکہ صرف اس کی مشابہت پائی جاتی ہے کوئی چیز خالص نہیں ملتی ۔

شعر ۹ : یہ مرچیں ہیں جنہیں گیرو نے اپنا رنگ بخشا ہے یہ ہلدی زرد مٹی ہے فقط پسوائی جاتی ہے

حل لغت : گیرو : ایک قسم کی لال مٹی ۔ فقط : صرف

تشریح یہ مرچیں صرف کہنے کو مرچیں ہیں اصل میں لال مٹی کا رنگ نظر آ رہا ہے اور یہ ہلدی اصل میں پیلی مٹی ہے صرف اتنا کیا گیا ہے کہ اسے پیس لیا گیا ہے ۔ غرض ہر چیز میں ملاوٹ ہے ۔

شعر ۱۰ : کہیں چاول کی کنکی پر چڑھا ہے قند کا شیرہ یہ چینی جو دنیا کے گلے چپکائی جاتی ہے

حل لغت : کنکی : ٹوٹے ہوئے چاول : ٹوٹا ۔ قند : کھانڈ ۔

تشریح کہیں ٹوٹے ہوئے چاول پر کھانڈ کا شیرہ چڑھا دیا گیا ہے اور اسے چینی کا نام دے کر لوگوں کا سر منڈھ دیا جاتا ہے ۔ غرض ہر چیز میں دھوکا ہے ۔

شعر ۱۱ : نہ چکنائی نہ بالائی یہ خالص دودھ ہے بھائی کہ جس کو دیکھ کر اب بھینس بھی شرمائی جاتی ہے

تشریح دیکھئے ! یہ خالص دودھ ہے اس میں چکنائی ہے نہ اس پر بلائی آتی ہے بس یہ کہنے کو دودھ ہے اسے دیکھ کر بھینس شرما رہی ہے یہ دودھ کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہے ۔

شعر ۱۲ : بُرادے سے کرے ہے نانبائی استفادہ جب تو کتوں پر نظر قصاب کی للچائی جاتی ہے

حل لغت : نانبائی : روٹی سالن بیچنے والا ۔ استفادہ کرنا : فائدہ اٹھانا

تشریح نانبائی یعنی روٹی سالن بیچنے والے کا یہ حال ہے کہ وہ آٹے کی جگہ برادہ استعمال کرتا ہے ۔ اور قصائی کتوں کو للچائی ہوئی نظر سے دیکھتا ہے وہ اپنی دکان پر کتوں کا گوشت

بیچ دیتا ہے۔

شعر ۱۳: کہیں آلو میں چربی کو رگڑ کر گھی بناتے ہیں — عجب حکمت سے روحِ کیمیا ٹڑپائی جاتی ہے

حل لغت: کیمیا: چیزوں کی خاصیت معلوم کرنے، ان کے اجزا کو ملاتے اور جدا کرنے کا علم۔

تشریح: گھی تیار کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ آلو میں چربی کو رگڑا جاتا ہے۔ اس طرح عجیب وغریب حکمت و تدبیر سے کیمیا کی روح کا خون کیا جاتا ہے۔ یہ ملاوٹ کے مختلف طریقے ہیں۔

شعر ۱۴: خس و خاشاک کی عطار پڑیا باندھ دیتا ہے — سڑک کی خاک بھی جس میں عطا فرمائی جاتی ہے

حل لغت: عطار: دوا فروش

تشریح: دوا فروش کے ہاں اصل دوا کہاں ملتی ہے۔ بس خس و خاشاک کی پڑیا باندھ کر گاہک کے حوالے کر دیتا ہے، جسے استعمال کر کے مریض کی بیماری میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس میں سڑک کی خاک کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

شعر ۱۵: بھنے تیتر سرِ بازار بکتے ہوں تو یہ سمجھو — پس پردہ کہیں کوؤں کی شامت لائی جاتی ہے

حل لغت: پس پردہ، در پردہ: چھپ کر۔

تشریح: جو دکاندار سرِ بازار بھنے ہوئے تیتر فروخت کرتا ہے، یہ بھی محض فریب ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ درپردہ چھپ کر کہیں کوؤں کا شکار کیا جاتا ہے۔

شعر ۱۶: غذا میں مل رہا ہے بے محابا تیل مٹی کا — ہماری خشک آنکھوں میں یہی چکنائی جاتی ہے

حل لغت: بے محابا: بے دھڑک۔

تشریح: ہماری خوراک میں بے دھڑک مٹی کا تیل ملایا جا رہا ہے۔ ہماری آنکھیں خشک ہوتی جا رہی ہیں۔ طنزاً کہا ہے کہ اس تیل کی چکنائی ہماری آنکھوں کو بینائی کی قوت بخشتی ہے۔

شعر ۱۷: مشینوں کو یہی روحِ رواں حرکت میں لاتی ہے — بشر پی لے تو آخر کیا قیامت آئی جاتی ہے

حل لغت: روحِ رواں: وہ شخص یا چیز جس پر کسی کام کا دارومدار ہو۔

تشریح: مشینوں کے چلنے کا دارومدار اسی مٹی کے تیل پر ہے۔ یہی انہیں چلاتا اور حرکت میں لاتا ہے۔ تو پھر اسے انسان پی لے تو کیا غضب ہوا جاتا ہے؟ کچھ نہیں بگڑتا۔

شعر ۱۸: اسی سے حضرتِ حجام ریزا تیز کرتے ہیں — اسی سے گاہکوں کی کھوپڑی سہلائی جاتی ہے

حل لغت: حجام: نائی۔ ریزا: اُسترا۔ سہلانا: آہستہ آہستہ رگڑنا۔

تشریح: اسی تیل سے نائی لوگ اپنے اُسترے تیز کرتے ہیں اور اسی سے وہ گاہکوں کی کھوپڑی آہستہ آہستہ رگڑتے ہیں، یعنی مالش کرتے ہیں۔

شعر ۱۹: اطبا کا یہ کہنا ہے کہ ایسا تیل پینے سے — توانائی تو آتی ہے مگر دانائی جاتی ہے

حل لغت: اطبا: طبیب کی جمع، حکیم لوگ۔

تشریح ڈاکٹروں اور حکیموں کا یہ کہنا ہے کہ ایسا تیل پینے سے جسم میں طاقت تو آتی ہے مگر عقل غائب ہو جاتی ہے۔ بہترین طنز کی ہے۔

خلاصہ

جہاں تک دکانوں پر نظر دوڑائی جاتی ہے
ضرورت کی ہر اک شے ان میں پائی جاتی ہے

بازار میں ضرورت کی چیزیں نہیں ملتیں۔ باہر سے مال آتا ہے پھر غائب ہو جاتا ہے۔ دوا گویا آبِ حیات ہے جو خضر کے آنے پر ملتا ہے۔ دکانداروں کو لوگ پکار پکار کر تھک جاتے ہیں۔ بڑی مشکل سے گاہک کو پہلے جنس دکھاتے ہیں اور پھر اونچے نرخ بتا کر قیامت ڈھاتے ہیں۔ دکاندار لالچ میں مبتلا ہیں۔ وہ گاہکوں کو نکما مال دیتے ہیں۔ گاہکوں کے چہرے زرد پڑ جاتے ہیں۔ منافع خور نیک و بد راہ نہیں دیکھ سکتا۔ وہ دولت کے لالچ میں عقل و ہوش کھو بیٹھتا ہے۔ بازار میں اصل کی صرف نقل ملتی ہے۔

اسی بازار کی اک اور بھی تصویر ملتی ہے جہاں ہر جنس کی خالی شباہت پائی جاتی ہے

ان مرچوں پر گیرو کا رنگ چڑھا ہے۔ یہ ہلدی اصل میں پسی ہوئی زرد مٹی ہے۔ چاول کی کنکی پر کھانڈ کا شیرہ چڑھا کر چینی بنائی جاتی ہے۔ دودھ میں چکنائی ہے نہ بالائی اسے دیکھ کر بھینس شرماتی ہے۔ نانبائی برادہ استعمال کرتا ہے۔ قصاب کتوں کا گوشت بیچتا ہے۔ آلو میں چربی ملا کر گھی بنایا جاتا ہے۔ دوا فروش خس و خاشاک اور خاک کی پڑیا باندھ دیتا ہے۔ بھنے ہوئے تیتروں کے پردے میں کوّے بیچے جاتے ہیں۔ غذا میں بے دھڑک تیل ملایا جاتا ہے۔ یہی ہماری آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔ مشینوں کو یہی تیل چلاتا ہے۔ اگر انسان پی لے تو قیامت آجائے گی۔ اسی سے حجام استرے تیز کرتے ہیں۔ حکیموں کا کہنا ہے کہ ایسا تیل پینے سے توانائی تو آتی ہے مگر عقل جاتی رہتی ہے۔

مرکزی خیال اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ بازار میں ضروریاتِ زندگی دستیاب نہیں ہوتیں اور ہر چیز میں ملاوٹ کی جاتی ہے۔ منافع خور ضرورت کی چیزیں ذخیرہ کر لیتا ہے اور پھر لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں مہنگے داموں بیچتا ہے۔ ملاوٹ کرنے والے دکاندار لوگوں کی صحت اور زندگی سے کھیلتے ہیں۔ انہیں نہ خدا کا خوف ہے نہ لوگوں کی شرم ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا یعنی جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

سیّد محمد جعفری

ابسٹریکیٹ آرٹ

شعر۱: ایبسٹریکیٹ آرٹ کی دیکھی تھی نمائش میں نے — کی تھی ازراہِ مروت بھی ستائش میں نے

حل لغت: مروت: رعایت، لحاظ۔ ستائش: تعریف۔ ایبسٹریکیٹ آرٹ: تجریدی یا خیالی آرٹ

تشریح: شاعر کہتا ہے کہ میں نے تجریدی یا خیالی آرٹ کی نمائش دیکھی تھی۔ یہ عجیب و غریب نمائش تھی۔ اس میں فن نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میں نے تو بس محبت و خلوص کے طور پر لحاظ اور رعایت سے اس کی تعریف کی تھی۔ ورنہ یہ تعریف کے قابل نہ تھی۔

شعر۲: آج تک دونوں گناہوں کی سزا پاتا ہوں — لوگ کہتے ہیں کہ کیا دیکھا تو شرماتا ہوں

تشریح: آج تک میں دونوں گناہوں کی سزا بھگت رہا ہوں۔ ایک گناہ تو نمائش کا دیکھنا تھا اور دوسرا گناہ اس کی تعریف کرنا تھا۔ جب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم نے اس نمائش میں کیا دیکھا تھا تو میں شرما جاتا ہوں کہ انہیں کیا بتاؤں۔

شعر۳: ایک تصویر کو دیکھا جو کمالِ فن تھی — بھینس کے جسم پر ایک اونٹ کی سی گردن تھی

تشریح: میں نے ایک تصویر دیکھی جو کمال فن کا نمونہ تھی۔ ایک بھینس کے جسم پر ایک اونٹ کی سی گردن بنی ہوئی تھی۔

شعر۴: ناک وہ ناک خطرناک جسے کہتے ہیں — ٹانگ کھینچی تھی کہ مسواک جسے کہتے ہیں

تشریح: اس تصویر میں جو جانور بنایا گیا ہے۔ اس کی ناک انتہائی خطرناک تھی اور ٹانگ یوں کھینچی ہوئی تھی کہ اسے مسواک کہہ سکتے ہیں۔

شعر۵: نقشِ محبوب مصور نے سجا رکھا تھا — مجھ سے پوچھو تو تپائی پہ گھڑا رکھا تھا

تشریح: ایک اور تصویر میں مصور نے محبوب کا خوبصورت نقش بنایا ہوا تھا۔ لیکن مجھ سے اس کے بارے میں پوچھو تو کہوں گا کہ تین پایوں کی چوکی پر گھڑا رکھا تھا۔

شعر۶: ایک تصویر کو دیکھا کہ یہ کیا رکھا ہے — ورقِ صاف پہ رنگوں کو گرا رکھا ہے

تشریح: میں نے ایک تصویر دیکھی اور سوچا کہ یہ کس کے بارے میں ہے تو معلوم ہوا کہ ایک صاف کاغذ پر مختلف رنگ گرائے ہوئے ہیں۔

شعر۷: ٹیڑھی ترچھی سی لکیریں تھیں وہاں جلوہ فگن — جیسے ٹوٹے ہوئے آئینے پر سورج کی کرن

حل لغت: جلوہ فگن تھیں: جلوہ دکھا رہی تھیں، موجود تھیں۔

تشریح میں نے وہاں ٹیڑھی ترچھی سی لکیریں موجود دیکھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ٹوٹے ہوئے آئینے پر سورج کی کرن پڑ رہی ہے۔

شعر ۸: ایک تصویر کو دیکھا تو یہ صورت نکلی — جس کو سمجھا تھا اناس وہ عورت نکلی

حل لغت: اناس: ایک مشہور پھل جو خربوزے سے چھوٹا، لمبوترا اور خوشبودار ہوتا ہے۔

تشریح میں نے ایک اور تصویر دیکھی تو یہ صورت سامنے آئی کہ جسے میں اناس کا پھل سمجھ رہا تھا وہ عورت نکلی۔ گویا یہ بھی فن کی خدمت کا ایک طریقہ ہے۔

شعر ۹: اس نمائش میں جو اطفال چلے آتے تھے — ڈر کے ماؤں کے کلیجوں سے لپٹ جاتے تھے

حل لغت: اطفال: طفل کی جمع، بچے

تشریح جو بچے یہ نمائش دیکھنے کے لئے چلے آرہے تھے وہ ڈر اور خوف کی وجہ سے اپنی ماؤں کے کلیجوں سے لپٹ جاتے تھے۔ یعنی خوف کے مارے ان کا برا حال تھا

شعر ۱۰: الغرض جائزہ لے کر یہ کیا ہے انصاف — آج تک کر نہ سکا اپنی خطا خود میں معاف

حل لغت: جائزہ: معائنہ، خطا: غلطی۔

تشریح قصہ مختصر یہ کہ میں نے اس کا معائنہ کر کے یہ انصاف اور فیصلہ کیا ہے کہ میں نے یہ نمائش دیکھ کر سخت غلطی کی ہے اور میں یہ غلطی اپنے آپ کو آج تک معاف نہیں کر سکا۔

شعر ۱۱: میں نے یہ کام کیا سخت سزا پانے کا — یہ نمائش نہ تھی اک خواب تھا دیوانے کا

تشریح میں نے نمائش دیکھ کر بہت بڑا قصور کیا۔ جس پر میں سخت سزا کا مستحق ہوں یہ نمائش کیا تھی؛ یہ سمجھ لیں کہ ایک پاگل اور دیوانے شخص کا خواب تھا۔

شعر ۱۲: کیسی تصویر بنائی میرے بہکانے کو — اب تو دیوانے بھی آنے لگے سمجھانے کو

تشریح مصور نے میرے گمراہ کرنے کے لئے یہ کیسی تصویر بنائی ہے جو سمجھ سے باہر ہے، اب تو دیوانے لوگ بھی ہمیں فن اور اس کے مطالب سمجھانے لگے۔

خلاصہ میں نے ایک تجریدی یا خیالی آرٹ کی نمائش دیکھی، اور صرف ازراہِ لحاظ اس کی تعریف کی تھی۔ آج تک ان گناہوں کی سزا پا رہا ہوں۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا دیکھا تو شرما جاتا ہوں۔ ایک تصویر میں یہ کمالِ فن دکھایا گیا تھا کہ بھینس کے جسم پر ایک اونٹ کی سی گردن تھی، ناک بڑی خطرناک اور ٹانگ مسواک کی طرح تھی۔ محبوب کا نقش یوں بنایا گیا تھا گویا تپائی پر گھڑا رکھا ہے۔ ایک تصویر میں صاف کاغذ پر مختلف رنگ گرا رکھے تھے، ٹیڑھی ترچھی لکیریں ایسی تھیں جیسے ٹوٹے ہوئے آئینے پر سورج کی کرن ہو۔ ایک تصویر ایسی تھی کہ جسے میں اناس سمجھا

وہ عورت نکلی۔ اس نمائش میں جو بچے آئے ہوئے تھے وہ خوف کے مارے ماؤں کے کلیجوں سے لپٹ رہے تھے۔ الغرض یوں سمجھ لیں کہ آج تک میں اپنی خطا معاف نہ کر سکا۔ میں اس پر سخت سزا کا مستحق ہوں۔ یہ نمائش کیا تھی۔ دیوانے کا ایک خواب تھا۔ گویا مجھے گمراہ کیا گیا۔ اب تو دیوانے بھی ہمیں فن کا مطلب سمجھا رہے ہیں۔

مرکزی خیال اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ تجریدی یا خیالی آرٹ محض دھوکہ اور فریب ہے یہ فن کے نام پر فن کو بدنام کرنے والی بات ہے۔ اور اس میں لوگوں کو سراسر بیوقوف بنایا جاتا ہے۔ گویا یہ فن کی خدمت ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے فن پارہ قرار دیا جائے۔ یہ آرٹ سراسر لغو اور بے معنی ہے۔

ژ

مرزا محمود سرحدی

قطعات

۱۔ بے خبر اب تو ہے دولت ہی شرافت کا نشاں / لوگ پہلے کبھی تحویل نسب کرتے تھے
اب تو شاگردوں کا استاد ادب کرتے ہیں / سنتے ہیں ہم۔ کبھی شاگرد ادب کرتے تھے

حل لغت: تحویل نسب: خاندان بدلنا۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ اے بے خبر انسان! اب تو اس زمانے میں صرف دولت ہی عزت و شرافت کا معیار بن کر رہ گیا ہے۔ پہلے زمانے کے لوگ خاندان اور حسب نسب کو عزت کا نشانہ سمجھتے ہیں اور اس عزت کی خاطر وہ خاندان تبدیل بھی کر لیتے تھے۔ لیکن اب زمانہ بدل چکا ہے۔ روحانی قدروں کی جگہ مادی قدروں نے لے لی ہے اور معیار شرافت بدل گیا ہے۔ اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ استاد شاگردوں کا ادب و لحاظ کرتے ہیں۔ ہم سنتے ہیں کہ کبھی ماضی میں ایسا ہوتا تھا کہ شاگرد استاد کا ادب کرتے تھے گویا معاملہ الٹ ہو گیا ہے۔ علامہ اقبال نے اس موضوع پر یوں اظہار خیال کیا ہے۔

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کے عوض / دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے!
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق / کہتا ہے ماسٹر سے کہ "بل" پیش کیجئے!

۲۔ تمام زر کے کرشمے ہیں آج دنیا میں / شریف کوئی نہیں ہے رذیل کوئی نہیں
جو اپنی آپ کفالت نہ کر سکے محمود / تو جان لیجئے اس کا کفیل کوئی نہیں

حل لغت: زر: دولت۔ کرشمہ: انوکھی بات، کرامت۔ رذیل: کمینہ، کم ذات۔ کفالت:

ذمہ داری: بار اٹھانا، کفیل ؛ ذمہ دار: بوجھ اٹھانے والا۔

تشریح شاعر نے موجودہ زمانے کا نقشہ کھینچا ہے۔ کہتے ہیں کہ اب قدریں بدل چکی ہیں روحانی قدروں کی جگہ مادی قدروں نے لے لی ہے۔ زمانے کا انداز اور طریقہ بدل چکا ہے۔ آج کوئی یہ بات نہیں دیکھتا کہ شریف کون ہے اور کمینہ اور کم ذات کون ہے؟ آج تو لوگ دولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ یہ تمام کمالات کرامتیں اور انوکھی باتیں دولت ہی کے باعث ہیں دولت ہو تو کم ذات بھی شریف ہے اور دولت نہ ہو تو شریف بھی ذلیل و خوار ہے۔ اے محمود! جو شخص اپنی ذمہ داری یا بوجھ اٹھائے گا۔ انسان کو اپنے کام خود سنوارنے ہوں گے۔ کوئی دوسرا آ کر اس کے کام نہیں سنوارے گا بقول مولانا حالی ؎

تمہیں درد کا اپنے درماں کرو گے ۔۔۔ تمہیں اپنی مشکل کو آساں کرو گے
کرو گے تمہیں کچھ اگر یاں کرو گے ۔۔۔ تمہیں اپنی منزل کو آساں کرو گے

چھپا دست ہمت میں زور قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

۳۔ نوکری کے لئے اخبار کے اعلان نہ پڑھو ۔۔۔ جان پہچان کی باتیں ہیں، کہا مان، نہ پڑھو
جن کو ملنی ہو انہیں پہلے ہی مل جاتی ہے ۔۔۔ بس دکھاوے ہی کے ہوتے ہیں یہ فرمان نہ پڑھو

حل لغت: فرمان: شاہی حکم

تشریح شاعر اس قطعہ میں بیروزگاری اور اقربا پروری کی خرابی کا ذکر کیا ہے کہتے ہیں کہ اگر تجھے ملازمت کی ضرورت ہے تو اخبار کے اعلان پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم اس طرح ملازمت حاصل نہیں کر سکتے یہ جان پہچان، واقفیت اور سمجھ کی باتیں ہیں۔ انہیں مان لے اور ان اشتہارات کو پڑھنے کی تکلیف گوارا نہ کر۔ کیونکہ اس سے تمہارا کام نہیں بنے گا۔ جنہیں ملازمت ملنی ہوتی ہے انہیں پہلے ہی خصوصی سفارش یا تعلق کی بنا پر مل جاتی ہے۔ اخبارات میں تو یہ اشتہارات صرف دکھاوے کے طور پر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے انہیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شاعر نے موجودہ دور کی ایک سنگین معاشرتی خرابی کی نشاندہی کی ہے اور حقیقت حال کی ترجمانی کی ہے۔

۴۔ قائم کچھ ایسے لوگوں کا دنیا میں ہے وقار ۔۔۔ دنیا کچھ ایسے لوگوں پہ کرتی ہے اعتبار
چوروں کو جو دکھائیں مقام نقب زنی ۔۔۔ اور مالک مکان سے کہہ دیں کہ ہوشیار

حل لغت: وقار: قدر و منزلت: جاہ و جلال: عزت۔ نقب زنی: دیوار توڑنا۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ دنیا کا کچھ عجیب طور طریق ہو گیا ہے۔ یہاں ایسے لوگوں کی عزت اور قدر و منزلت ہے اور دنیا ایسے لوگوں کی عزت اور اعتبار

کرتی ہے یعنی دوغلی پالیسی پر عمل پیرا ہوں اور منافقت سے کام لیں۔ چوروں کو یہ دکھائیں کہ دیوار کہاں سے توڑنی ہے اور مکان کے مالک سے یہ کہیں کہ باخبر و ہوشیار رہنا، تمہارے ہاں نقب لگ رہی ہے یعنی ایک طرف تو چور کو چوری پر آمادہ کریں اور دوسری طرف مالک مکان کو حفاظت کے لئے تاکید کریں۔

۵۔ جس کا بس چلتا نہیں بیوی پہ گھر میں آج کل — باہر آ کر کوستا ہے پہلے پاکستان کو
اسقدر ہو جائے جس کی پست ذہنیت تو پھر — فوقیت حاصل ہے اس انسان پر حیوان کو

حل لغت: کوسنا: بد دعا دینا۔ برا بھلا کہنا۔ پست: گھٹیا۔ فوقیت: برتری

تشریح شاعر کہتا ہے کہ جس شخص کا گھر میں آج کل اپنی بیوی پر زور اور حکم نہیں چلتا وہ گھر سے باہر آ کر پہلے پاکستان کو برا بھلا کہتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا اور سوچتا کہ ہمارا وطن عزیز کس قدر عظیم قربانی کے بعد حاصل کیا گیا اور یہ کہ یہ مملکت خداداد اس خطے میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی ضامن ہے۔ ہماری زندگی اسی سے وابستہ ہے۔ اگر ہم اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تو ہم پر حیف اور لعنت ہے جس شخص کا ذہن اور انداز فکر اتنا گھٹیا اور گرا ہوا ہو اس انسان پر حیوان اور جانور کو برتری حاصل ہے۔ ایسے انسان سے جانور بدرجہا بہتر ہے۔ جو اپنے گھر کا برا نہیں مانتا۔

ہم لائے ہیں طوفان سے کشتی نکال کے
اس ملک کو رکھنا میرے بچو! سنبھال کے

غزلیات

غزل کا مفہوم اور تشریح

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

غزل کے معنی ہیں، عشق و محبت کی باتیں کرنا، یا عورتوں سے باتیں کرنا۔ شکار کے وقت ہرن کے منہ سے جو فریاد نکلتی ہے، اُسے بھی غزل کہتے ہیں۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ محبت کا دائرہ بہت وسیع ہے انسان کو انسان سے اپنے ملک اور قوم سے اور سب سے بڑھ کر خدا سے محبت ہو سکتی ہے۔ اس لیے اسے صرف عورت کی ذات تک محدود نہیں کرنا چاہیے۔

اشعارِ غزل کی تشریح کیسے کریں:-

غزل کی تشریح نظم کی تشریح سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ نظم میں کوئی واقعہ یا منظر بیان کیا جاتا ہے، جب کہ غزل میں شاعر اپنے جذبات و احساسات کو پیش کرتا ہے اس لیے غزل کی تشریح کے لیے ضروری ہے کہ پہلے شاعر کے جذبات و احساسات کو سمجھا جائے تمام انسانوں کے جذبات تقریباً یکساں ہوتے ہیں اور ایک کامیاب شاعر انہی جذبات انسانی کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔ بقول مرزا غالبؔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

غزل کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے:-

(۱) شعر کے صرف ظاہری الفاظ کو نہ دیکھیں، بلکہ یہ دیکھیں کہ ان الفاظ کے پردے میں کیا جذبہ اور احساس پوشیدہ ہے۔ اس جذبے یا احساس کو سمجھ کر اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

(۲) شاعر اپنے جذبے کو دو مصرعوں میں بیان کرتا ہے۔ وہ اس پر مجبور ہے، لیکن آپ مجبور نہیں ہیں۔ آپ جتنی چاہیں تشریح کریں۔ ایک اچھا شاعر انسانی جذبات کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔ آپ ان جذبات کو سمجھیں اور پھر انہیں اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

(۳) پہلے شعر کے ظاہری معنی بیان کریں پھر دیکھیں کہ اس کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ دوسرے لفظوں میں پہلے مجازی (دنیاوی) معنی لیں اور پھر حقیقی معنی بیان کریں۔ مجازی معنی کے لیے لیلیٰ مجنوں کی مثال سامنے رکھیں اس سے مفہوم سمجھنے میں آسانی پیدا ہوگی اور پھر اس سے

حقیقی معنی مراد لیں مثلاً میر تقی میرؔ کا شعر ہے ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

آپ پہلے اس شعر کو مجنوں سے منسوب کریں۔ گویا مجنوں یہ بات کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اب میں نے اپنی جان کی بازی لگا کر اپنے اس عہد کو پورا کر دکھایا ہے۔ یہ مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی یہ ہوں گے کہ ایک بندۂ مومن بھی جس کے دل میں عشقِ الٰہی جاگزیں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی جدائی میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ بے دریغ اپنے محبوب حقیقی کا وصال حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے۔ بعض اشعار کے مجازی و حقیقی دونوں مراد ہو سکتے ہیں اور بعض کے صرف مجازی یا حقیقی۔

(۴) غزل کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے مہذب اور شائستہ الفاظ استعمال کریں مثلاً معشوق اور معشوقہ وغیرہ کی بجائے محبوب اور دوست وغیرہ کے الفاظ استعمال کریں اس کے علاوہ صیغہ مؤنث استعمال نہ کریں۔

(۵) ہر شعر کا مرکزی خیال سمجھنے کی کوشش کریں۔ جب آپ اسے سمجھ لیں گے تو پھر تشریح میں آسانی رہے گی۔

(۶) آپ کو اچھے اچھے شعر یاد ہونے چاہئیں تاکہ شعر کی تشریح میں ہم مضمون شعر لکھ سکیں۔

سوال :۔ مندرجہ ذیل کی تعریف کریں اور مثالیں دیں :
مطلع ، مقطع ، ردیف ، قافیہ۔

جواب :۔ **مطلع :** غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں مثلاً میرؔ کا شعر ہے ؎

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو، ہم دعا کر چلے

مقطع : غزل کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں، اس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے مثلاً میرؔ کا شعر ہے ؎

کہیں کوئی جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ :. جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

ردیف : شعر کے آخر میں بار بار جوں کے توں دہرائے جانے والے لفظ یا الفاظ کو ردیف کہتے ہیں، مثلاً میرؔ کی غزل ہے۔ ؎

فقیرانہ آئے صدا کر چلے ٭ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم ٭ سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی ٭ کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

ان اشعار میں "چلے" ردیف ہے۔

قافیہ:- شعر کے آخر میں اور ردیف سے پہلے آنے والے ہم آواز اور ہم وزن الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں مثلاً مندرجہ بالا غزل میں صدا، دعا، وفا اور دوا قافیے ہیں۔

"غزل کسی شاعر کے مختلف جذبات و احساسات کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔"
(مولانا حالی)

غزلیات

خواجہ میر درد: خواجہ میر درد اردو کے سب سے بڑے صوفی شاعر ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات سادگی، سلاست، دھیما پن، متانت اور تصوف (اصلاح باطن) ہیں۔

غزل نمبر ا

شعرا: باغ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں ۔۔۔ گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں

حل لغت: گل: پھول، خار: کانٹا۔ اغیار: غیر کی جمع

تشریح: شاعر کہتا ہے کہ ہم ہی اس باغ کے پھول ہیں اور ہم ہی کانٹے ہیں۔ اگر دوست ہیں تو ہم ہیں اور دشمن ہیں تو ہم ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کی جو زندگی پاہتی ہے اس کا انحصار انسان پر ہے اگر کہیں خیر یا بھلائی کا کام ہوتا ہے تو انسان کے ہاتھوں ہی سرانجام پاتا ہے اور اگر کہیں برائی یا ظلم کا ارتکاب ہوتا ہے تو وہ بھی انسان کے ہاتھوں ہی انجام کو پہنچتا ہے۔ یعنی انسان خیر اور شر کا مجموعہ ہے۔ اس میں رحمانی صفات بھی ہیں اور شیطانی اوصاف بھی! کہیں یہ ایک دوست اور خیر خواہ کے روپ میں منظر عام پر آتا ہے اور کہیں یہ دشمن بن کر سامنے آتا ہے۔ انسانی فطرت بڑی پیچیدہ ہے۔ اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ انسان اپنے اچھے اعمال سے اس دنیا کو رشکِ جنت بھی بنا سکتا ہے اور اپنی بداعمالیوں سے اسے جہنم بھی بنا سکتا ہے۔

شعر ۲: وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر ہے و گر قدر ۔۔۔ مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں

حل لغت: وابستہ، منسلک: بندھا ہوا، جبر: سختی، یہاں مراد تدبیر۔ قدر: تقدیر۔

تشریح: میر درد اردو کے سب سے بڑے صوفی شاعر ہیں۔ اس شعر کا مضمون بھی صوفیانہ ہے۔ اس میں مسئلہ تقدیر کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ تدبیر اور تقدیر انسان ہی سے وابستہ و متعلق ہے۔ ہم ایک لحاظ سے مجبور بھی ہیں اور ایک لحاظ سے مالک و مختار بھی ہیں، تقدیر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کائنات کا مالک حقیقی ہے۔ اس نے اس کا ایک خاص انداز مقرر کر دیا ہے۔ اسی کے مطابق جملہ کام سرانجام پاتے ہیں لیکن تقدیر کے ساتھ ساتھ انسان کے لئے تدبیر بھی ضروری ہے۔ انسان کو تقدیر پر بھی ایمان رکھنا چاہیئے اور تدبیر بھی اختیار کرنی چاہیئے۔ نہ انسان محض تقدیر کا تابع اور مجبور محض ہے اور نہ اسے مکمل اختیار حاصل ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث مبارک میں ارشاد ہوتا ہے:" ایمان تقدیر اور تدبیر کے درمیان ہے۔" علامہ اقبال نے اسی کی ترجمانی کی ہے۔۔۔

چنیں فرمودۂ سلطانِ بدراست — کہ ایماں درمیانِ جبر و قدر است

شعر ۳۔ الفاظِ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے — معنی کی طرح ربطِ گفتار ہیں تو ہم ہیں

حل لغت: خلق: تخلیق، پیدائش۔ ہم بن: ہمارے بغیر۔ مہملات: مہمل، بے معنی چیزیں
ربطِ گفتار: کلام کی بندش۔

تشریح تخلیقِ کائنات کے الفاظ ہمارے بغیر مہمل و بے معنی تھے۔ معنی کی طرح کلام کی بندش و ترتیب ہم سے ہے جس طرح لفظ یا کلام معنی کے بغیر مہمل اور بے معنی ہیں۔ اسی طرح ہمارے بغیر یہ کائنات مہمل تھی۔ مطلب یہ ہے کہ انسان وجہ تخلیق کائنات ہے۔ یہ کائنات انسان کے لئے ہی بنائی گئی ہے۔ انسان کے بغیر یہ کائنات مہمل تھی۔ اس کائنات کا ماحصل و مدعا انسان ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسے منصب خلافت کے بلند مرتبے پر فائز کیا ہے۔ اس خلافت کا بوجھ زمین و آسمان اٹھانے سے قاصر رہے۔ لیکن انسان نے یہ بوجھ اٹھالیا۔ اسی لئے اس کا مرتبہ سب مخلوقات سے بڑھ کر ہے اور یہ دنیا میں خدا کا نائب ہے غرض اس شعر میں انسان کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے۔

شعر ۴: تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موجزن ہے — تس پر بھی تشنہ کام دیدار ہیں تو ہم ہیں

حل لغت: ہر چند: اگرچہ۔ موجزن ہے: لہریں مار رہا ہے: موجود۔ جگ: دنیا، جہان
تشنہ کام: مقصد میں ناکام: محروم

تشریح یہ شعر صوفیانہ رنگ لئے ہوئے ہے کہتے ہیں کہ اگرچہ حسنِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا حسن اس جہان میں ہر جگہ اپنا جلوہ دکھا رہا ہے۔ لیکن اس پر بھی ہم اس کے دیدار سے محروم ہیں۔ اس کائنات میں اللہ تعالےٰ کا حسن ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ حقیقی وجود اللہ تعالےٰ ہی کا ہے۔ باقی چیزیں اس وجودِ حقیقی کا پرتو ہیں، چاہیئے تو یہ کہ جب اس کے حسن کا جلوہ ہر جگہ موجود ہے تو اس کے دیدار سے مشرف ہوں لیکن افسوس ہم اس شرف سے محروم ہیں دوسرے الفاظ میں شاعر حسنِ حقیقی کے دیدار کا متمنی ہے جیسا کہ علامہ اقبال نے اس خواہش کا یوں اظہار کیا ہے۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر! نظر آ لباس مجاز میں — کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

شعر ۵: اوروں سے تو گرانی یک لخت اٹھ گئی تھی — اے درد اپنے دل کے گر بار ہیں تو ہم ہیں

حل لغت: گرانی: بھاری پن ہونا: دل کو ناگوار ہونا۔ یک لخت: اچانک: فوراً۔ بار: بوجھ

تشریح شاعر اپنے بارے میں کہتا ہے کہ دوسروں سے تمہیں جو ناگواری یا ناراضگی تھی وہ جلد ہی ختم ہو گئی تھی۔ یہ بوجھ تو تمہارے دل سے جلد ہی اٹھ گیا تھا

ہم اپنے دل کے لئے مسلسل بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ اس کا کچھ مداوا نہیں ہو سکا۔ ہمارے دل کی گرانی دور ہونے کا نام نہیں لیتی۔ اس شعر کو مجاز اور حقیقت دونوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ دل کا روگ ختم ہونے والا نہیں ہے۔ شاعر اپنے دل کو لاکھ سمجھاتا ہے کہ اس کی گرانی کم ہو جائے اور یہ راہِ راست پر آجائے لیکن اسے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی اور وہ مسلسل اپنے دل کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے مرزا غالب فرماتے ہیں۔

دل ناداں! تجھے ہوا کیا ہے؟ آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

غزل نمبر ۲

۱۔ نہ ہاتھ اٹھائے فلک گو ہمارے کینے سے کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے

حل لغت: فلک: آسمان۔ کینہ: دشمنی: حسد: دماغ: تاب، برداشت۔ دربدر ہونا: سامنے ہونا

تشریح شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ آسمان ہماری دشمنی سے ہاتھ نہ اٹھائے یعنی باز نہ آئے۔ تاہم ہمیں تاب اور فرصت نہیں ہے کہ اس کمینے اور رذیل دشمن کے سامنے آئیں شعراء بالعموم مصائب و آلام کو آسمان سے منسوب کرتے ہیں۔ ان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آسمان سے نازل ہوئی ہے گویا آسمان کو ہمارے ساتھ پرانی دشمنی ہے۔ اسی لئے وہ ہم سے ہمیشہ دشمنی اور نفرت کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ ہماری زندگی مسلسل مصیبتوں میں گزری ہے ہمیں کسی وقت بھی ان سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا۔ ہم ان مصائب و آلام کو برداشت تو کر لیں گے لیکن ہمیں یہ گوارا نہیں کہ ہم آسمان کے سامنے آئیں اور اس سے جھگڑا کریں۔ اصل میں شاعر مسلسل مصائب و آلام پر آسمان سے شاکی ہے۔ بقول مرزا غالب ؎

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

شعر ۲: ترقی اور تنزل کو یاں کے کچھ عرصہ مثالِ ماہ زیادہ نہیں مہینے سے

حل لغت: تنزل: پستی: زوال۔ مثالِ ماہ: چاند کی طرح

تشریح کہتے ہیں کہ دنیا میں ترقی اور زوال کی وہی مثال ہے جو مہینے میں چاند کی ہوتی ہے جب چاند طلوع ہوتا ہے تو وہ بالکل باریک سا ہوتا ہے جسے ہلال کہتے ہیں پھر وہ رفتہ رفتہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ بدر یعنی ماہ کامل بن جاتا ہے اسی طرح چاند کا طلوع و غروب جاری رہتا ہے کبھی چاندنی ہر طرف پھیل جاتی ہے اور کبھی تاریکی ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ع

چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے

اسی طرح دنیا کبھی ایک حالت پر نہیں رہتی۔ زندگی میں انقلابات آتے رہتے ہیں۔ کبھی انسان ترقی و کمال سے ہمکنار ہوتا ہے اور کبھی وہ زوال و پستی کا شکار ہو جاتا ہے نہ ترقی کو دوام حاصل ہے اور نہ زوال ہمیشہ رہتا ہے اتار چڑھاؤ کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

شعر۳: مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے — کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

تشریح بہت مشہور شعر ہے اور ضرب المثل بن چکا ہے کہتے ہیں کہ زندگی دل کے جینے سے عبارت ہے یعنی زندگی کا دارو مدار اس بات پر ہے کہ دل زندہ و متحرک ہے۔ اگر دل مردہ ہو جائے تو زندگی کا خاتمہ سمجھو۔ دل کی مردنی گویا پیغام موت ہے۔ دل کو انسانی جسم میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ جذبات واحساسات کا مرکز ہے۔ وجدان اور روحانیت کا تعلق اسی دل سے ہے۔ دل کو عرشِ ربِ جلیل کہا گیا ہے جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ "مومن کا دل خدا کا گھر ہے" عقل و دماغ کی بھی اگرچہ بڑی اہمیت ہے لیکن دل کو عقل پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔ اس لئے دل انسانی زندگی میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ بقول شخصے ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے — مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

شعر۴: مآلِ کار سمجھایا قبور نے ہم کو — یہ نقد مال لگا ہاتھ اس دفینے سے

حل لغت: مآلِ کار: انجام۔ قبور: قبر کی جمع۔ دفینہ: زمین میں گڑا ہوا خزانہ

تشریح شاعر نے اس شعر میں دنیا کی بے ثباتی، انسانی زندگی کی ناپائیداری اور انسان کے انجام کا حال بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ قبروں نے ہمیں سمجھایا کہ انسان کا انجام کیا ہے؟ گویا زمین کے اندر گڑے ہوئے اس خزانے سے ہمیں نقد مال ہاتھ لگا۔ افسوس کہ انسان اپنی زندگی غفلت میں گزار دیتا ہے، وہ اپنے انجام کی خبر نہیں رکھتا۔ ہمیں اس دنیا میں بہت مختصر سی مہلت زندگی ملی ہے۔ ہمیں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیئے اور آخرت کی فکر کرنی چاہیئے۔ ایک حدیث کے مطابق انسان کے تین دوست ہیں، مال، رشتہ دار، اور اعمال۔ مال کا ساتھ تو موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے، رشتہ دار قبر تک چھوڑ آتے ہیں، اب اعمال ہی صرف اس کے ہمراہ جاتے ہیں، اچھے ہیں تو، برے ہیں تو۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ یعنی "لوگو! تم کو مال کی بہت سی طلب نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں"۔ اس طرح یہ خالص صوفیانہ شعر ہے۔

شعر۵: بسا ہے کون ترے دل میں گلبدن اے درد — کہ بو گلاب کی آئی تیرے پسینے سے

حل لغت: گلبدن: پھول کے جسم والا، خوبصورت: محبوب۔

تشریح: اے درد: تیرے دل میں کون خوبصورت محبوب بسا ہوا ہے کہ تیرے پسینے

ے گلاب کی خوشبو آرہی ہے اس شعر کو مجاز اور حقیقت دونوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ جب محبوب کی محبت والفت انسان کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو اس کے اثرات لامحالہ ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ محبت و الفت دل و دماغ پر چھا جاتی ہے اور انسان کا جسم اور روح خوشبوؤں میں بس جاتا ہے۔ جب محبوب حقیقی کی محبت دل میں بس جاتی ہے تو پھر جسم و روح ایک عجیب نشاط انگیز انقلاب سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ بہت خوبصورت تشبیہ دی ہے۔ گلبدن کی مناسبت سے گلاب لائے ہیں۔ زبان اور معنی کے لحاظ سے خوب شعر کہا ہے۔ شاعر کے عام انداز سے ہٹ کر شعر میں رنگینی اور چاشنی پائی جاتی ہے۔

غزل نمبر ۳

شعر ۱: کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں — جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں

تشریح

شاعر کہتا ہے کہ جو کام مردوں کے کرنے کے ہیں انہیں مرد ہی سرانجام دیتے ہیں بزدل اور کمزور آدمی یہ کام نہیں کر سکتے۔ مردوں سے یہاں بہادر اور بلند ہمت انسان مراد ہیں۔ وہ اپنی جان سے گزر جاتے ہیں۔ یعنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ کوئی مشکل یا رکاوٹ ان کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔ وہ اپنے عزم راسخ سے ہر مشکل کو آسان بنا لیتے ہیں۔ ان کے سامنے مشکلات راہ گرد بن کر اڑتی جاتی ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

شعر ۲: موت کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ہے — مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

تشریح

شاعر کہتا ہے کہ اے موت! تجھے آکر ہم فقیروں سے کیا لینا ہے۔ ہم لوگ تو موت سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ فقیروں سے درویش اور اللہ والے لوگ مراد ہیں۔ یہ لوگ اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں فنا کر دیتے ہیں۔ انہیں دنیا کے مال و دولت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ یہ مادہ پرستی، خودغرضی اور حرص و ہوا سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ گویا اپنی ہستی کو مٹا دیتے ہیں اس لئے وہ موت سے خوف نہیں کھاتے۔ وہ موت کے پیچھے بھاگتے ہیں اور موت آگے بھاگتی ہے جبکہ دنیادار لوگ موت سے خائف رہتے ہیں وہ موت سے ڈر کر بھاگتے ہیں اور موت ان کے پیچھے بھاگتی ہے۔ دنیا کے مال و دولت کا لالچ انہیں موت سے خوفزدہ رکھتا ہے لیکن فقیر لوگ موت کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس شعر میں ایک حدیث پاک کی ترجمانی کی گئی ہے جس میں کہا گیا ہے۔ "تم موت سے پہلے مر جاؤ"۔ یعنی اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں فنا کر دو۔

شعر ۳: ہم کسی راہ سے واقف نہیں جوں نورِ نظر — رہنما تو ہی تو ہوتا ہے جدھر جاتے ہیں

تشریح: شاعر کہتا ہے کہ ہم نورِ نظر کی طرح اور کسی راہ سے آگاہ نہیں ہیں۔ ہم تو جدھ

جاتے ہیں تو ہی رہنما ہوتا ہے۔ یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ انسان کی نگاہ اسی راہ پر چلتی ہے۔ جدھر نظر کی روشنی سفر کرتی ہے۔ گویا نگاہ اس نورِ نظر کا تعاقب کرتی ہے کہتے ہیں کہ اس طرح ہم بھی ادھر جاتے ہیں جدھر تو رہنمائی کرتا ہے تاہم جدھر بھی جاتے ہیں تو ہی رہبر و رہنما ہوتا ہے۔ ہم کسی اور راہ سے آگاہ و واقف نہیں ہیں کیونکہ صراطِ مستقیم صرف ایک ہی ہے۔ ایک ہی خط مستقیم منزل کو جاتا ہے۔ باقی جو بھی منحنی خطوط ہیں وہ غلط راہوں پر لے جاتے ہیں جو بھیانک انجام پر اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ یہ بھی خالص صوفیانہ شعر ہے۔ دوسرے الفاظ میں شاعر خدا سے راہ ہدایت کا متمنی ہے۔

شعر ۴: آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز — لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں

حل لغت: شب و روز: رات دن۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ افسوس! ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ لوگ رات دن ہمارا ساتھ چھوڑ کر کدھر چلے جاتے ہیں۔ یہ بھی خالص صوفیانہ شعر ہے۔ دوسرے الفاظ میں شاعر یہ بیان کرتا ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ انسان مرنے کے بعد کہاں چلا جاتا ہے؟ یعنی موت کی حقیقت کیا ہے؟ خواجہ میر درد نے اپنے کلام میں جا بجا زندگی اور موت کی حقیقت کے رُخ سے نقاب اٹھایا ہے مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں۔

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب — کس طرف سے آئے تھے کدھر چلے؟

یعنی یہ سوال کیا ہے کہ زندگی اور موت کی حقیقت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ موت زندگی کے اختتام کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے بعد حیاتِ ابدی کا آغاز ہوتا ہے جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی — ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔" یہ شعر سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہے یعنی اس سے آسان نہیں ہو سکتا۔

شعر ۵: تا قیامت نہیں مٹنے کا دلِ عالم سے — درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

حل لغت: عالم: دنیا، جہان۔ اپنے عوض: اپنے بدلے۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ دل ایک ایسی چیز ہے جو قیامت تک دنیا سے مٹ نہیں سکتا کیونکہ ہم مرنے کے بعد اپنے پیچھے ایسے اثرات چھوڑے جاتے ہیں جو کبھی زائل نہیں ہو سکتے۔ دل کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ یہ جذبات، احساسات، روحانیت اور وجدان کا مرکز ہے اسے عرشِ رب جلیل کہا گیا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "مومن کا دل خدا کا گھر ہے۔" دل کا تعلق روحانی دنیا سے ہے۔ اس لئے یہ مٹ نہیں سکتا۔ اس کے اثرات انسان کے مرنے کے بعد باقی و قائم رہتے ہیں اور دنیا ان سے فیض یاب ہوتی رہتی ہے اس طرح دل کی دولت لازوال ہے۔ بقول علامہ اقبال

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں — تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

میر محمد تقی میر :

میر تقی میر غزل کے بادشاہ کہلاتے ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات سادگی، سلاست اور درد و سوز ہیں۔ ان کا کلام آہ اور سودا کا کلام واہ ہے۔

غزل نمبر ۱

شعر ۱: غافل ہیں ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ — حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ

حل لغت : رفتنی : جانے والے : فانی

تشریح صوفیانہ رنگ میں شعر کہا ہے۔ کہتے ہیں کہ تعجب ہے کہ جہاں کے لوگ ایسے غافل پڑے سو رہے ہیں۔ حالانکہ قافلے کے سب لوگ یہاں سے کوچ کرنے والے ہیں یعنی لوگ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ یہ زندگی فانی اور عارضی ہے اور ہمیں ایک نہ ایک دن فرشتہ اجل کو لبیک کہنا ہے لیکن اس کے باوجود وہ خواب غفلت کا شکار ہیں۔ وہ خدا کے حقوق اور اپنے فرائض سے غافل ہیں۔ وہ اس عارضی زندگی کو ہی سب کچھ جانتے ہیں اور فکر آخرت سے آزاد ہیں۔ حالانکہ اخروی زندگی کی کامیابی کا سارا دارومدار اسی حیاتِ مستعار پر ہے۔ ایک حدیث کے مطابق "یہ دنیا گویا ایک قطرہ ہے اور آخرت سمندر"۔ انسان کی یہ کس قدر بدبختی ہے کہ وہ آخرت کے سمندر کو نظر انداز کر دے اور دنیا کے قطرے ہی پر اکتفا کر کے بیٹھ جائے۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو غفلت چھوڑ کر آخرت کی فکر کرنی چاہیئے۔

شعر ۲: فردوس کو بھی آنکھ اٹھا دیکھتے نہیں — کس درجہ سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ

حل لغت : فردوس : بہشت : جنت کا اعلیٰ درجہ۔ سیر چشم : صابر : قانع : مال و دولت سے بے پرواہ۔ کوئے بتاں : بتوں کی گلی : یعنی محبوب کی گلی۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ محبوب کی گلی کے لوگ کس قدر صابر و قانع ہیں کہ وہ جنت کے اعلیٰ طبقہ فردوس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ یعنی وہ جنت سے بھی بے نیازی ظاہر کرتے ہیں۔ محبوب کی گلی ان کی نظر میں جنت سے بڑھ کر ہے۔ اس شعر کو مجاز اور حقیقت دونوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ حقیقی معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے جلوے اور دیدار کے مقابلے میں فردوس کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ دیدارِ الٰہی کے شائقین کے لئے جنت کیا حیثیت و اہمیت رکھتی ہے؟ بقول مومن ؂

اس کی گلی کہاں ہے! یہ کچھ باغ خلد ہے — کس جائے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

شعر ۳: مرتے ہیں اس کے واسطے یوں تو بہت ولے — کم آشنا ہیں طور سے اس کام جاں کے لوگ

حل لغت : مرتے ہیں : چاہتے ہیں۔ ولے : لیکن۔ کامِ جاں : جان کا مقصود یا غرض مراد محبوب۔

تشریح کہتے ہیں یوں تو بہت سے لوگ اس محبوب پر جان دیتے ہیں اور اسے دل و جان سے چاہتے ہیں لیکن کم ہی لوگ اس مقصودِ جان محبوب کے طور طریقے سے آگاہ ہیں وہ نہیں جانتے کہ اس کا مزاج کیسا ہے؟ وہ کس ڈھب کا انسان ہے۔ گویا یہ لوگ آدابِ محبت سے بے بہرہ ہیں۔ وہ محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں۔ لیکن محبت کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے۔ محبت کرنے کے لئے آدابِ محبت کا جاننا ضروری ہے۔ اس کے کچھ طور طریقے ہیں۔ اگر حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو کہہ سکتے ہیں کہ یوں تو بہت سے لوگ خدا سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کم ہی اس محبت کے تقاضوں کو سمجھتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

خموش اے دل! بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

شعر ۴: مجنوں و کوہ کن نہ تلف عشق میں ہوئے
مرنے پہ جی ہی دیتے ہیں اس خاندان کے لوگ

حل لغت: کوہ کن: فرہاد۔ تلف ہونا: ضائع ہونا

تشریح مجنوں اور فرہاد مشہور عشاق ہو گذرے ہیں۔ انہوں نے راہ عشق و محبت اختیار کی اور عشق و محبت کی خاطر بڑی قربانیاں دیں اور صعوبتیں برداشت کیں وہ عشق میں ضائع نہ ہوئے یعنی ان کی قربانیاں رائیگاں نہ گئیں اور دنیا سے ان کا نام مٹا نہیں۔ بلکہ وہ عشق کی بدولت حیاتِ جاوداں یعنی ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا۔ عشق کے خاندان یا گروہ کے لوگ بھی عجیب و غریب ہیں کہ انہیں مرنے پر حیاتِ جاوداں یعنی ہمیشہ کی زندگی مل جاتی ہے۔ یہ مرتبہ و اعزاز انہیں اس لئے حاصل ہوا کہ انہوں نے جذبہ عشق سے سرشار ہو کر بے پناہ قربانیاں دیں اور اپنی ہستی محبوب کی ہستی میں فنا کر دی اور کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ بقول میر درد ؎

مجنوں، فرہاد و درد و وامق
ایسے یہ دو ہی چار ہیں ہم

شعر ۵: کیا سہل جی سے ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں ہائے
یہ عشق پیشگاں ہیں الٰہی کہاں کے لوگ

حل لغت: سہل: آسان۔ عشق پیشگان: عشق پیشہ لوگ۔

تشریح کہتے ہیں کہ یا الٰہی! یہ عشق پیشہ لوگ کہاں کے ہیں؟ کس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں؟ یہ کتنی آسانی کے ساتھ دل سے ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں۔ یعنی دل دنیا اور گنوانا ان کے لئے معمولی بات ہے۔ یہ ایسے جذبہ سے سرشار ہوتے ہیں جس کے تحت یہ محبت کی خاطر بڑی بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ یہ اس جذبہ کی خاطر تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اس راہ میں جو مشکلات اور خطرات آتے ہیں وہ ان سے بالکل ہراساں نہیں ہوتے۔ کوئی رکاوٹ ان کے راستے میں حائل نہیں ہوتی ایسا جذبہ رکھنے والے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ لوگ تو ان قربانیوں سے بھاگتے ہیں۔ اوپر والا میر درد کا شعر بھی اسی مفہوم کی ترجمانی کرتا ہے۔ اگرچہ حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو یوں کہہ سکتے

ہیں کہ ایک بندۂ مومن راہ حق میں پیش قدمی کرتے ہوئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ بقول علامہ اقبال

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

شعر ۶: بت پیر کیا کہ جس کو خدا مانتے ہیں سب　　　خوش اعتقاد کتنے ہیں ہندوستان کے لوگ

حل لغت: خوش اعتقاد: آسانی کے ساتھ یقین کر لینے والے۔

تشریح اس شعر میں ملک ہندوستان میں بت پرستی کی مذمت کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ کس قدر ضعیف الاعتقاد اور آسانی سے یقین و اعتقاد کر دینے والے لوگ ہیں کہ بتوں کو خدا مانتے ہیں۔ حالانکہ بتوں کی کچھ حقیقت اور حیثیت نہیں ہے۔ یہ لوگ خود انہیں اپنے ہاتھ سے تراشتے اور بناتے ہیں۔ یہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ نہ یہ بولتے ہیں نہ یہ سنتے ہیں۔ پھر بھلا یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس طرح اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو خدا سمجھنا اور ان کے سامنے سربسجود ہونا اور ان سے حاجتیں مانگنا انسانیت کی بڑی تذلیل ہے۔ یہ لوگ اسی جہالت و گمراہی میں مبتلا ہیں جس میں عرب زمانہ جاہلیت میں مبتلا تھے۔

شعر ۷: منہ تکتے ہی رہے ہیں سدا مجلسوں کے بیچ　　　گویا کہ میر محو ہیں میری زباں کے لوگ

حل لغت: سدا: ہمیشہ۔ محو: مٹا ہوا، گم، مستغرق

تشریح مقطع کے اس شعر میں میر صاحب اپنی زبان کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ یوں سمجھ لیں کہ لوگ اس میں ڈوبے ہوئے اور مستغرق ہیں۔ میری زبان اتنی معیاری، مستند اور ٹکسالی ہے کہ لوگ ہمیشہ ادبی محفلوں میں حیرت میں گم ہو کر میرا منہ تکتے رہتے ہیں۔ میر صاحب فی الواقع صحت زبان کا خاص خیال رکھتے ہیں وہ زباندانی اور فن شاعری میں بڑا کمال رکھتے ہیں ان کا کلام سادہ، سلیس اور رواں ہوتا ہے اور اس میں درد کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ میر صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا　　　مستند ہے میرا فرمایا ہوا

غزل نمبر ۲

شعر ۱: جنوں میں اب کی کام آئی نہ کچھ تدبیر بھی آخر　　　گئی کل ٹوٹ میرے پاؤں کی زنجیر بھی آخر

تشریح شاعر پر عشق و محبت کا جنون یعنی دیوانگی طاری ہے۔ اسے راہ راست پر لانے اور اس جنون سے باز رکھنے کی بڑی کوشش کی گئی لیکن کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی شاعر کسی قیمت پر اس جذبۂ عشق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ اسے قابو میں لانے کے لئے اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی گئی ہے تاکہ وہ قید میں رہے اور راہ فرار اختیار کرلے۔ کہتے ہیں کہ اس زنجیر کی وجہ سے

میرے جنون میں کچھ فرق نہیں آتا۔ کوئی کمی نہ آئی بلکہ جنون اور وحشت میں اور اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ یہ زنجیر آخر ٹوٹ کر رہ گئی۔ اب میں پھر آزاد ہو گیا تاکہ جنگلوں کی خاک چھانتا پھروں اور در بدر کی ٹھوکریں کھاؤں، اپنا گریبان پھاڑ لوں اور ایک ہنگامہ کھڑا کر دوں۔ میر صاحب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے　　دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

شعر۲: اگر ساکت ہیں ہم حیرت سے پر ہیں دیکھنے قابل
کہ اک عالم رکھے ہے عالمِ تصویر بھی آخر

حل لغت: ساکت: چپ: بے حس و حرکت، عالم: کیفیت: جہان۔

تشریح: شاعر کہتا ہے کہ جب سے ہم نے عشق و محبت کی وادی میں قدم رکھا ہے ہم حیرت سے چپ چاپ اور بے حس و حرکت پڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ہم کچھ اظہار مدعا نہیں کر سکتے لیکن ہماری حالت قابلِ دید ہے۔ ہم کچھ نہ کہتے ہوئے بھی زبان حال سے بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔ ہماری خاموشی بڑی معنی خیز ہے۔ ع

خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

دیکھنے والے ہمیں حیرت میں گم بیٹھے ہوئے سمجھ جاتے ہیں کہ ہم کس کیفیت سے دوچار ہیں ہم تصویر بنے بیٹھے ہیں اور ظاہر ہے کہ تصویری دنیا بھی ایک کیفیت رکھتی ہے اس کے بھی کچھ معنی و مطالب ہوتے ہیں یہی ہمارا حال ہے۔ ہماری خاموشی اور یوں چپ چاپ بیٹھے رہنا بے سبب و بے مدعا نہیں ہیں۔ ظاہر ہے ہم پر کچھ غیر معمولی کیفیات گزر رہی ہیں۔ ہماری یہ صورت حال گہرے جذبات و احساسات کی ترجمان ہے۔ گویا "صورت ببیں حال مپرس" یعنی میرا حال نہ پوچھو بلکہ صورت دیکھ لو۔

شعر۳: نہ دیکھی ایک وا شد اپنے دل کی اس گلستاں میں　　کھلے پائے ہزاروں غنچۂ دلگیر بھی آخر

حل لغت: وا شد: کھلنا۔ (وا: کھلا، شد: ہونا) گلستان: باغ، غنچۂ دلگیر: دل گرفتہ بند کلیاں۔

تشریح: کہتے ہیں کہ ہم نے اس باغ میں اپنے دل کی ایک کلی بھی کھلتے نہ دیکھی۔ اگرچہ ہزاروں دل گرفتہ و رنجیدہ بند کلیاں بھی آخر کھل اٹھیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس دنیا میں کبھی خوشی و مسرت کا لمحہ میسر نہ آیا۔ بلکہ ہم ہمیشہ دل گرفتہ رنجیدہ اور غم زدہ ہی رہے جبکہ اسی دنیا میں ہم نے ہزاروں اشخاص کے دلوں کو باغ باغ ہوتے دیکھا۔ انہیں ہر طرح کی مسرتیں اور خوشیاں حاصل ہیں جبکہ ہم ان سے سراسر محروم ہیں۔ یہ شعر میر صاحب کی زندگی کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ ان کی ساری زندگی رنج و غم میں گزری اور انہیں کوئی خوشی یا مسرت دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ اسی لئے ان کے کلام کو بجا طور پر "آہ" کہا گیا ہے۔ ان کا ایک اور شعر ہے ؎

میر اکثر عمر کے افسوس میں　　زیر لب بالائے لب ہے ہائے وائے

شعر ۴: سروکار آہ کب تک خامہ کاغذ سے یوں رکھیئے ۔۔۔ رکھے ہے انتہا احوال کی تحریر بھی آخر

حل لغت: سروکار: تعلق۔ خامہ: قلم۔ احوال: حال کی جمع

تشریح شاعر جذبۂ عشق و محبت میں سرشار ہے۔ وہ اپنے محبوب کو خط لکھ کر دل کا حال بیان کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اپنے دل کا مدعا بیان نہیں کر سکتا۔ اس کی داستان غم بہت طویل ہے۔ وہ دل کا مدعا لکھتے لکھتے تھک گیا ہے لیکن اس کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی تکمیل نہیں ہوتی۔ وہ کہتا ہے کہ افسوس! میں کب تک قلم و کاغذ سے اس طرح تعلق رکھوں۔ کیونکہ حالات کی تحریر کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ آخر میں کب تک اظہار مدعا کے لئے تحریر کا سہارا لوں۔ اصل میں شاعر یہ چاہتا ہے کہ اس کی محبوب سے بالمشافہ ملاقات ہو تاکہ وہ خود اس کے سامنے اپنے دل کا احوال بیان کر سکے۔ خط آخر نصف ملاقات ہے۔ پوری ملاقات میں ہی صحیح طور پر اظہار مدعا ہو سکتا ہے۔ کچھ تو میں زبانی احوال بیان کروں گا اور کچھ میری صورت سے میری کیفیات کی ترجمانی ہو جائے گی۔ ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری تمام تحریریں بے سود و بے معنی ثابت ہوئی ہیں اور مجھے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

شعر ۵: یکایک یوں نہیں ہوتے ہیں پیارے جان کے لاگو ۔۔۔ کبھی آدم سے ہو جاتی ہے تقصیر بھی آخر

حل لغت: جان کے لاگو: جان کے دشمن۔ تقصیر: خطا: قصور: گناہ

تشریح شاعر اپنے محبوب سے شکوہ کرتا ہے کہ وہ ذرا سی خطا پر اس کی جان کا دشمن بن گیا ہے۔ اگرچہ خطا کا نام نہیں لیا۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہ محبت کی خطا ہے جس پر اس کا محبوب اس سے بگڑ گیا ہے اور اس کا یہ قصور معاف کرنے کا نام نہیں لیتا۔ حالانکہ انسان سے بشری تقاضے کے تحت خطا ہو جاتی ہے۔ جس طرح ہمارے جد امجد حضرت آدمؑ سے بھول ہو گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا تھا لیکن حضرت آدمؑ بھول کر اس کا پھل کھا بیٹھے اور پھر اس کی پاداش میں انہیں جنت سے نکال دیا گیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔ شاعر دراصل محبوب کی توجہ اور محبت کا متمنی ہے۔ بقول حسرت موہانی ؎

میں ان سے عفوِ جرم کی درخواست کیا کروں ۔۔۔ معلوم بھی تو ہو کوئی اپنی خطا مجھے

شعر ۶: کلیجہ چھن گیا، پر جان سختی کش بدن میں ہے ۔۔۔ ہوئے اس شوخ کے ترکش کے سارے تیر بھی آخر

حل لغت: کلیجہ چھن جانا: دل خون ہو جانا: دل کا پارہ پارہ ہونا۔ سختی کش: سختی اٹھانے والا۔ ترکش: تیر رکھنے کا خول: تیردان۔

تشریح کہتے ہیں کہ اس شوخ محبوب نے ہم پر اپنے ترکش کے سارے تیر آزمائے اور ہمیں پوری طرح گھائل کر دیا۔ ہمارا دل خون ہو گیا۔ لیکن ابھی تک سختی

اٹھانے والی جان بدن میں باقی ہے مطلب یہ ہے کہ ہم محبوب کے تیر نگاہ کے گھائل ہیں۔ ہمارا دل ہمارے بس میں نہیں رہا۔ اس سے ہم محروم ہو چکے ہیں۔ یہ پارہ پارہ ہو چکا ہے اس نے ہم پر ظلم وستم کی انتہا کر دی ہے ہم بری طرح مجروح اور گھائل ہو چکے ہیں بس جان کا رشتہ ہے جو بدن سے ابھی تک قائم ہے ورنہ یہ سمجھو کہ ہم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ہم تباہ و برباد ہو چکے ہیں اور ہماری خستہ حالی مقام عبرت ہے۔ لیکن ایک سچے عاشق کی طرح ہمیں اس پر افسوس نہیں ہے۔ کوئی پچھتاوا نہیں ہے بلکہ اپنی اس حالت زار پر ہمیں اطمینان و مسرت ہے۔ بقول شخصے ؎

نیم بسمل ہی جو زخمی کو تڑپتے چھوڑا کیا تیرے ترکش میں تیر جفا اور نہ تھا

شعر ۷: پھرے ہے باؤلا سا پیچھے ان شہری غزالوں کے بیابان مرگ ہوگا اس چلن سے میرؔ بھی آخر

حل لغت: باؤلا: پاگل، خبطی، غزال: ہرن۔ بیابان مرگ: جنگل کی موت، چلن: روش، طریقہ۔

تشریح: کہتے ہیں کہ میر پاگلوں کی طرح ان شہری ہرنوں کے پیچھے پھر رہا ہے۔ اس کی اس روش سے اس کی موت آخر جنگل میں ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ میرؔ پاگل اور دیوانہ ہو گیا ہے وہ ان شہری محبوبوں کے پیچھے لگا ہوا ہے یعنی ان سے دل لگا رہا ہے اور اظہار محبت کر رہا ہے۔ یہ بات اس کے لئے سخت نقصان دہ اور ہلاکت آفریں ہے۔ اس کی اس روش کا انجام یہ ہوگا کہ وہ جنگلوں کی خاک چھانتا پھرے گا اور پھر جنگل ہی میں اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ کوئی اس کا پرسان حال نہ ہوگا۔ وہ بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں موت کی آغوش میں چلا جائے گا۔ لہٰذا ان شہری محبوبوں پر اعتبار نہ کرو کیونکہ یہ بے وفا ہوتے ہیں۔

غزل نمبر ۳

شعر ۱: جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

حل لغت: تاجوری: بادشاہ: صاحب تاج۔ نوحہ گری: رونا پیٹنا: ماتم

تشریح: ہم دیکھتے ہیں کہ آج ایک شخص بادشاہت کے ڈنکے بجا رہا ہے وہ دنیا پر اپنا سکہ بٹھا رہا ہے۔ شان و شوکت کا اظہار کر رہا ہے۔ اس کے پاس خزانہ، فوج اور بے پناہ طاقت ہے۔ اس کا بڑا رعب و دبدبہ قائم ہے۔ کوئی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ لیکن سب کچھ عارضی اور ناپائیدار ثابت ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کل یعنی بہت جلد اسے موت کا بلاوا آ جاتا ہے اور پھر اس کی میت پر رونا پیٹنا اور ماتم ہوتا ہے۔ یہ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا مظاہرہ ہے۔ یہاں کسی کو دوام حاصل نہیں ہے۔ دولت و اقتدار آنی جانی چیزیں ہیں۔ انسان کو ان پر فخر و غرور نہیں کرنا چاہیئے۔

اور نہ انہیں غفلت کا سامان بننے دینا چاہیئے۔ میر صاحب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

ے
کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا ۔۔۔ ہر چند استخواں وہ شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر ۔۔۔ میں بھی کبھی کسو کا سر پر غرور تھا

شعر ۲: آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت ۔۔۔ اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

حل لغت: آفاق: اُفق کی جمع: ساری دنیا: کائنات۔ منزل: سفر

تشریح کہتے ہیں کہ دنیا کے اس سفر سے کوئی شخص سلامت اپنی منزل پر نہیں پہنچا، بلکہ ہر مسافر کا مال اسباب راستے ہی میں لٹ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا یا زندگی کا سفر بڑا پر خطر ہے یہاں قدم قدم پر امتحان و آزمائش کے مرحلے آتے ہیں۔ شیطانی ترغیبات سے واسطہ پڑتا ہے اس لئے کوئی شخص یہاں سے اپنا ایمان سلامت بچا کر نہیں لے جا سکتا۔ بلکہ وہ اکثر اپنے ایمان کی پونجی لٹا بیٹھتا ہے اور پھر اسے خالی ہاتھ یہاں سے کوچ کرنا پڑتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ انسان کے تین دوست ہیں مال، رشتہ دار اور اعمال۔ مال تو مرنے کے ساتھ ہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ رشتہ دار اسے قبر تک پہنچا آتے ہیں۔ اب صرف اعمال اس کے ہمراہ رہتے ہیں اچھے ہیں تو، برے ہیں تو،

شعر ۳: زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی ۔۔۔ اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا

حل لغت: زنداں: قید خانہ۔ سنگ: پتھر۔ مداوا: چارہ: علاج۔ آشفتہ سری: دیوانہ پن

تشریح شاعر کہتا ہے کہ میں جنون عشق میں مبتلا ہوں۔ میرا یہ جنون کسی طور پر کم نہیں ہو سکتا۔ یار لوگوں نے میرا یہ جنون رفع کرنے کی خاطر مجھے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور میرے جنون کی شورش کم نہ ہوئی بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا۔ گویا

ع یہ وہ نشہ نہیں ہے جسے ترشی اتار دے

اب اس دیوانے پن یا دیوانگی کا یہی علاج ہے کہ پتھر سے سر پھوڑ کر زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے ورنہ اور کوئی صورت اصلاح احوال کی نہیں ہے۔ زبان اور معنی کے لحاظ سے عمدہ شعر کہا ہے اور ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ بقول مرزا غالب ے

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبال دوش ۔۔۔ صحرا میں اے خدا! کوئی دیوار بھی نہیں

شعر ۴: ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا ۔۔۔ انصاف طلب ہے تیری بیدادگری کا

حل لغت: داور محشر: قیامت کے روز انصاف کرنے والا یعنی خدا۔ بیدادگری: ظلم و ستم ڈھانا۔

تشریح محبوب نے شاعر پر بڑے ظلم و ستم ڈھائے ہیں۔ شاعر اس ظلم و ستم پر شکایت کرتا ہے وہ ان مظالم سے تنگ آ گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہمارا ہر زخم جگر خدا سے جو

قیامت کے روز انصاف کرنے والا ہے۔ محبوب کے ظلم وستم پر انصاف کا طلب گار ہے۔ ہم نے اس ستمگر کے ہاتھوں بڑے جبر کے سہے ہیں۔ بڑے دکھ اٹھائے ہیں۔ دنیا میں ہمارے ان دکھوں کا مداوا نہ ہو سکا۔ ہم مجبور و بے بس تھے۔ اب قیامت کے روز خدا سے انصاف طلب کریں گے۔ اللہ تعالیٰ بہترین منصف ہے۔ وہ پورا پورا انصاف فرمائے گا۔ دراصل شاعر کی یہ آرزو اور خواہش ہے کہ اس کا محبوب ظلم وستم سے باز آکر اُس پر لطف و مہربانی کرے۔ اس طرح شاعر محبوب کو احساس دلانا چاہتا ہے۔

شعر ۵: لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

حل لغت: آفاق: افق کی جمع: ساری دنیا، کائنات۔ کارگہ: کارخانہ: کام کرنے کی جگہ شیشہ گری: آئینہ بنانا: شیشے کے برتن بنانا۔

تشریح اس شعر میں شاعر نے دنیا یا کائنات کو شیشے کے برتن بنانے والے کارخانے سے تشبیہ دی ہے جس طرح شیشے کے کارخانے میں بہت محتاط ہو کر کام کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ذرا سی دھمک سے بھی شیشے کے برتن چکنا چور ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کائنات یا دنیا کا یہ کارخانہ بھی بہت نازک ہے۔ یہاں انسان کو بیحد احتیاط سے زندگی بسر کرنی ہوگی۔ اس کائنات کے راز اور بھید بہت نازک ہیں۔ ذرا سی بے احتیاطی سے انہیں ٹھیس پہنچ سکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو کائنات کی تخلیق اور اس کے نظام پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نظام کائنات ایک سوچے سمجھے وسیع تر منصوبے اور مقصد کے تحت بنایا ہے۔ ہمیں اس پر اعتراض یا نکتہ چینی کرنے کا کوئی حق نہیں۔

شعر ۶: ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے کیا یار بھروسہ ہے چراغ سحری کا

حل لغت: ٹک: تھوڑا سا، کچھ۔ جگر سوختہ: جلے ہوئے دل والا: دکھی انسان۔ چراغ سحری صبح کا چراغ جو بجھنے کے قریب ہوتا ہے۔

تشریح کہتے ہیں کہ میر کا جگر یا دل جل کر راکھ ہو چکا ہے، وہ بہت دکھی انسان ہے مصائب و آلام نے اس کی حالت ناگفتہ بہ بنا دی ہے۔ اس کی زندگی ختم ہونے والی ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں کہ کب چل بسے اس لئے اس کی خبر کو پہنچو، اگر کچھ مداوا کر سکتے ہو تو کرو۔ اس کے بچاؤ کی کوئی تدبیر کرو۔ صبح کے چراغ کا کیا بھروسہ ہوتا ہے وہ کسی وقت بھی بھڑک کر بجھ سکتا ہے۔ یہی حال میر کا ہے۔ اس کی زندگی کا چراغ کسی وقت بھی گل ہو سکتا ہے اس لئے اس کی کچھ فکر کرو۔ اسے بچاؤ، اسے سہارے، تسلی اور تشفی کی ضرورت ہے۔ یہ میر صاحب کا اصل رنگ ہے۔ اسی لئے ان کے کلام کو "آہ" کہا گیا ہے۔ شعر میں غایت درجہ کی سلاست، روانی اور سوز پایا جاتا ہے۔

غزل نمبر ۴

شعر ۱: تھا عشق مجھے طلب دیدار ہوا میں ۔۔۔ سو آئینہ سا صورت دیوار ہوا میں

حل لغت: طلب دیدار: دیدار یا دید کا طالب گار۔ آئینہ سا: آئینہ کی طرح

تشریح کہتے ہیں کہ میرے دل میں انتہائی جذبۂ عشق و محبت موجزن تھا۔ اس لئے میں محبوب کے دیدار کا طالب گار ہوا۔ میں محبوب کے جلوؤں کو مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے میں آئینے کی طرح صورت دیوار بن گیا جس طرح آئینہ محبوب کے جلوؤں کو جذب و منعکس کرتا ہے۔ اسی طرح میں بھی اس کے جلوؤں کو اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتا ہوں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شعراء بالعموم آئینے کو حیران باندھتے ہیں یعنی آئینہ محبوب کے جلوہ حسن کو دیکھ کر حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح میں بھی اس کے جلوؤں کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوں میں اس کے جلوؤں میں کھو کر رہ گیا ہوں۔ یہی میری زندگی کا حاصل ہے۔

شعر ۲: جب دور گیا قافلہ تب چشم ہوئی باز ۔۔۔ کیا پوچھتے ہو دیر خبردار ہوا میں

حل لغت: چشم: آنکھ۔ باز ہوئی: کھلی۔

تشریح جب قافلہ منزل سے بہت دور چلا گیا تب میری آنکھ کھلی۔ یعنی میں نیند سے بیدار ہوا۔ لیکن اب میرا بیدار ہونا بے سود تھا۔ کیونکہ قافلہ بہت دور جا چکا تھا اور میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اب مجھے کیا پوچھتے ہو۔ غلطی میری اپنی ہے۔ میں غفلت کی نیند سوتا رہا اور میں بہت دیر سے خبردار اور آگاہ ہوا۔ یہ مجازی معنی ہیں۔ اصل میں شاعر کی مراد یہ ہے کہ میرے ساتھی اور دوست جو ہوشیار اور خبردار تھے۔ زندگی کی دوڑ میں مجھ سے آگے نکل گئے لیکن میں خوابِ غفلت کا شکار اور غافل رہا۔ اس لئے اس دوڑ میں پیچھے رہ گیا۔ میرے ساتھی منزل پر پہنچ گئے اور انہوں نے اپنی مراد پالی لیکن میں منزل پر نہ پہنچ سکا اور اپنی مراد نہ پا سکا۔ میر صاحب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ ؎

چلتے ہوئے تسلی کو کچھ یار کہہ گئے ۔۔۔ اس قافلے میں ہم بھی تھے افسوس رہ گئے

بقول مولانا الطاف حسین حالی۔ ؎

یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا ۔۔۔ ہم محوِ نالۂ جرس کارواں رہے

شعر ۳: کیا جیتنے کا فائدہ جب شیب میں جیتا ۔۔۔ سونے کا سماں آیا تو بیدار ہوا میں

حل لغت: جیتنا، جاگنا، ہوشیار ہونا۔ شیب: بڑھاپا۔ سماں: وقت: زمانہ

تشریح کہتے ہیں کہ میں نے اپنی جوانی خواب غفلت میں گزار دی اور جب بڑھاپا

آیا تو جاگا اور ہوشیار ہوا۔ اس کا کیا فائدہ؟ بڑھاپا تو سونے اور آرام کرنے کا وقت ہوتا ہے لیکن میں اس وقت بیدار ہوا اور جوانی سو کر غفلت میں گذار دی۔ مطلب یہ ہے کہ جوانی کا زمانہ بہترین زمانہ ہوتا ہے۔ اسی زمانہ میں انسان چاہے تو بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دے سکتا ہے۔ لیکن افسوس میں نے جوانی کا زمانہ غفلت میں گزار دیا۔ اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور کوئی کام ایسا نہ کر سکا جس پر میں فخر کر سکوں۔ اب جب میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور ایک عضو معطل بن کر رہ گیا ہوں۔ اب مجھے ہوش آیا ہے اب مجھے احساس ہوا ہے کہ مجھے کچھ کرنا چاہیئے۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ بڑھاپے میں انسان کوئی قابلِ قدر اور قابلِ ذکر کام نہیں کر سکتا۔ اب سوائے پشیمانی اور پچھتاوے کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

شعر ۴: اب پست و بلند ایک ہیں جوں نقش قدم یاں ۔۔۔ پامال ہوا خوب تو ہموار ہوا میں

حل لغت: جوں نقش قدم: پاؤں کے نشان کی طرح۔ پامال: پیروں سے روندا ہوا۔

تشریح کہتے ہیں کہ اب نشیب و فراز یا پست و بلند پاؤں کے نشان کی طرح ایک یعنی برابر ہو گئے ہیں۔ کوئی اونچ نیچ نہیں رہ گئی۔ میں پیروں سے اچھی طرح روندا گیا تو پھر جا کے ہموار ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ مجھے پے در پے اس قدر مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ انہوں نے میرا کس بل نکال دیا ہے۔ اب میرے مزاج میں کبر و غرور کا ذرا شائبہ بھی نہیں بلکہ اس میں عاجزی و انکساری پیدا ہو گئی ہے۔ گویا یہ میرے لئے بہتر ہوا۔ اب مجھے اونچ نیچ کی پروا نہیں ہے۔ میری زندگی میں ایک انقلاب آ گیا ہے۔ یہ شعر بھی میر صاحب کی زندگی کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ ان کی ساری زندگی مسلسل رنج و غم میں گذری اور انہوں نے نہایت فقیرانہ زندگی بسر کی۔

شعر ۵: بازار وفا میں سر سودا تھا سبھوں کو ۔۔۔ پر بیچ کے جی ایک خریدار ہوا میں

حل لغت: سر سودا: دھن و خیال۔

تشریح کہتے ہیں کہ بازار وفا یعنی عشق و محبت کے بازار میں یوں تو سبھی دل و دماغ میں دھن سمائی ہوئی تھی۔ لیکن یہ محض خواہش و آرزو تک ہی محدود تھی۔ عملی طور پر محبت و وفا کے تقاضوں کی تکمیل کوئی نہ کر سکا۔ یہ اعزاز مجھ کو حاصل ہوا میں اس بازار محبت میں اپنا دل بیچ کر باقاعدہ خریدار بن گیا۔ یعنی میں دل کی بازی لگا کر عملی طور پر علم بردار محبت بن گیا۔ یعنی لوگ دعویٰ محبت تو کر لیتے ہیں۔ لیکن اس کے عملی تقاضوں پر پورے نہیں اترتے یہ اعزاز کم ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ راہ عشق و محبت نہایت پرخطر اور کٹھن ہے۔ اس راہ میں بڑی مشکلات ہیں۔ بے شمار قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ یہ بات ہر شخص کے بس میں نہیں ہے۔ ؎

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا ہی سمجھ لیجے ۔۔۔ اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

شعر ۶: ہشیار تھے سب دام میں آئے نہ ہم آواز — تھی رفتگی سی مجھ کو گرفتار ہوا میں

حل لغت: دام: جال۔ ہم آواز: ہم نوا: ساتھی۔ رفتگی: اپنے ہوش و حواس میں نہ ہونا

تشریح: کہتے ہیں کہ میرے ہمنوا اور ساتھی پرندے جال میں نہ پھنس سکے۔ کیونکہ وہ سب بہت ہوشیار تھے لیکن چونکہ میں اپنے ہوش و حواس میں نہ تھا، اس لئے پکڑا گیا۔ یہ لغوی معنی ہیں۔ اصل مراد یہ ہے کہ میرے ساتھی دوست بہت ہوشیار اور سخت جان تھے۔ وہ دامِ محبت کے فریب میں نہ آئے لیکن میں چونکہ کمزور اور حساس تھا اس لئے دامِ محبت میں گرفتار ہو گیا۔ میرے ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ میں نے اپنے دل پر ایسی چوٹ کھائی کہ اس دامِ الفت میں بری طرح پھنس گیا۔ اب میں اس قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے پڑا ہوا ہوں جبکہ میرے ساتھی ان مصیبتوں اور آزمائشوں سے نجات پا گئے۔ میر صاحب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

ہم دام بہت وحشی طبیعت تھے اٹھے سب — تھی چوٹ جو دل پر سو گرفتار ہوئے ہم

شعر ۷: رہتا ہوں سدا مرنے کے نزدیک ہی اب میر — اس جان کے دشمن سے بھلا یار ہوا میں

حل لغت: سدا: ہمیشہ۔ بھلا: اچھا۔

تشریح: اے میر! میں ہمیشہ مرنے کے قریب رہتا ہوں۔ میں نے اس دشمنِ جان محبوب سے اچھی دوستی پیدا کی۔ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے اس دشمنِ جان کو اپنا محبوب قرار دیا ہے، تب سے میری جان پر بن گئی ہے۔ میں اس قدر رنج و غم اور مصائب و آلام سے دوچار ہو گیا ہوں کہ مجھے جینے کے لالے پڑ گئے ہیں۔ ہر وقت کوئی نئی مصیبت درپیش ہوتی ہے کوئی نیا کٹھن مرحلہ سامنے آجاتا ہے۔ مجھے کسی نئی آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے اور امتحانوں اور آزمائشوں کا یہ سلسلہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ گویا میری زندگی حقیقت میں زندگی نہیں ہے۔ بلکہ موت کے قریب کے باعث موت ہی کا دوسرا نام ہے میں اس جینے سے تنگ آچکا ہوں۔ حسرت موہانی کا ایک شعر ہے ؎

عشق میں جان سے گزر جائیں — اب یہی جی میں ہے کہ مر جائیں

خواجہ حیدر علی آتش: آتش غزل گو شعراء میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انہیں لکھنوی طرز شاعری کا نمائندہ قرار دیا جاتا ہے۔ درویشی، سرمستی، نازک خیالی، شگفتگی اور بیان کی صفائی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

غزل نمبر ۱

شعر ۱: صدمے پہنچے ہیں ہمارے بازوؤں پر سینکڑوں — گم ہوئے ہیں اپنے یوسف سے برادر سینکڑوں

حل لغت: برادر: بھائی۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ ہمارے بازوؤں پر سینکڑوں صدمے اور غم پہنچے ہیں۔ یعنی ہم نے اپنی زندگی میں بے شمار رنج و غم اٹھائے ہیں۔ ہماری تمام زندگی مصائب و آلام سے پر رہی ہے۔ غم اور دکھ درد سے ہمیں کبھی چھٹکارا نصیب نہیں ہوا۔ دوسرے مصرع میں شاعر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال پیش کی ہے کہ ان کے بھائیوں نے انہیں ویران کنویں میں پھینک دیا تھا اور ان کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا تھا۔ بھائی ہو کر ان سے بے وفائی کی تھی۔ وہ ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ شاعر کہتا ہے کہ اسی طرح ہمارے ساتھ بھی ایسی بے وفائی اور ظالمانہ برتاؤ ہوا ہے۔ ہم لوگوں کے ستم رسیدہ اور ستائے ہوئے ہیں ہم نے ان کے ہاتھوں بہت دکھ سہے ہیں۔ بقول مولانا حالی۔ ؎

آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا   دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

شعر ۲: یہ سعادت لکھی ہے قسمت میں کس کی دیکھئے   خوں گرفتہ ایک میں ہوں اور خنجر سینکڑوں

حل لغت: سعادت: اقبال مندی: بھلائی: نیک بختی۔ خوں گرفتہ: اجل گرفتہ: اجل رسیدہ

تشریح شاعر کہتا ہے کہ دیکھئے یہ اقبال مندی اور نیک بختی کس کی قسمت میں لکھی ہے۔ میں ایک اجل رسیدہ ہوں اور خنجر سینکڑوں ہیں۔ یعنی سینکڑوں خنجر مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے موجود ہیں۔ اب دیکھئے یہ اقبال مندی یا بھلائی کس خنجر کے حصے میں آتی ہے کہ وہ میرا کام تمام کرے۔ مطلب یہ ہے کہ یوں تو بہت سے محبوب اپنی جلوہ آرائیوں کے ساتھ درپے آزاد ہیں۔ لیکن اب دیکھئے کہ یہ بھلائی کس محبوب کے حصے میں آتی ہے کہ ہم اس کے ہاتھوں گھائل ہو کر اپنی جان اس پر قربان کر دیں۔ شاعر جذبۂ عشق و محبت کی خاطر اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ و تیار ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اعزاز کس کے حصے میں آتا ہے۔

شعر ۳: فقر کے کوچہ میں قدر دولتِ دنیا نہیں   ٹھوکریں کھاتے ہیں یاں پارس سے پتھر سینکڑوں

حل لغت: فقر: درویشی۔ پارس: ایک خیالی پتھر جس کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر یہ پتھر لوہے سے چھو جائے تو اسے سونا بنا دے۔

تشریح کہتے ہیں کہ درویشی کے کوچے میں دنیا کی دولت کی کوئی قدر و منزلت نہیں یہاں سینکڑوں پتھر پارس سے ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ فقیر یا درویش کے کوچے میں پارس کی کوئی قدر و قیمت اور اہمیت نہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر وہ چاہے تو سینکڑوں پتھر پارس سے ٹکرا کر سونا بن سکتے ہیں۔ لیکن فقیر یا درویش اس سے بے نیاز ہے۔ اس کی نظروں میں دولتِ دنیا ہیچ ہے۔ دولت کے طلب گار تو دنیا دار لوگ ہوتے

ہیں۔ اللہ والے دولت سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ وہ تو صرف رضائے الٰہی کے تمنائی ہوتے ہیں۔ اس کے سوا ان کی زندگی کا مقصد کچھ نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔" بقول علامہ اقبال ؎

نگاہ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے؟ ‏ ‏ ‏ ‏ خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے؟

شعر ۴: روندتا ہوں سبزۂ رہ کی طرح وہ بوٹیاں ‏ ‏ ‏ ‏ ڈھونڈتے پھرتے ہیں جن کو کیمیا گر سینکڑوں

حل لغت: کیمیا: سونا بنانا۔ کیمیا گر: سونا بنانیوالا۔

تشریح

کہتے ہیں کہ میں ان بوٹیوں کو اپنے پاؤں میں راستے کے سبزہ کی طرح روند دیتا ہوں جن کو سینکڑوں کیمیا گر یعنی سونا بنانے والے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اس شعر کا مضمون بھی وہی ہے جو شعر نمبر ۳ میں بیان ہوا ہے یعنی میں ایک فقیر منش اور درویش انسان ہوں۔ مجھے دولت دنیا سے کوئی غرض نہیں ہے۔ دنیا کی دولت میرے سامنے ہیچ ہے۔ اس کی میرے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ کیمیا گر سونا بنانے کے لالچ میں جن بوٹیوں کی تلاش میں اپنی عمریں کھپا دیتے ہیں، وہ میرے پاؤں میں یوں پامال ہوتی ہیں جس طرح راستے میں اگی ہوئی گھاس پامال ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے دنیا اور اس کی دولت کا لالچ نہیں ہے۔ میں بے نیازی کی زندگی بسر کرتا ہوں اور اسی میں میری شان ہے۔

شعر ۵: چشم معنی آشنا میں ہے مقام ان کا وہی ‏ ‏ ‏ ‏ سہو کاتب سے مقدم ہوں موخر سینکڑوں

حل لغت

چشم معنی: معنی و مفہوم جاننے والی آنکھ۔ سہو کاتب: کاتب کی غلطی۔ مقدم: پہلے آنے والے۔ موخر: بعد میں آنے والے۔

تشریح

کہتے ہیں جو آنکھ معنی و مفہوم جانتی ہے۔ اس کے نزدیک محبوب کا مقام وہی ہے جو اسے حاصل ہونا چاہیئے۔ بے شک کاتب کی غلطی سے سینکڑوں دفعہ پہلے آنے والوں کا نام بعد میں آ جائے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ شاعر کسی تقریب میں مختلف لوگوں کو مدعو کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے محبوب کا نام سرفہرست آئے۔ لیکن کاتب کی غلطی کی وجہ سے اس کا نام بعد میں آ جاتا ہے، لیکن شاعر کے نزدیک اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ اصل مفہوم سمجھتا ہے اور اپنے محبوب کے مرتبہ و مقام کو سمجھتا ہے لہٰذا اس میں کوئی فرق نہیں آ سکتا جس شخص کی دل سے عزت و تکریم ہو، اس کے مقام میں کوئی فرق نہیں آ سکتا بے شک کاتب غلطی سے اس کا نام بعد میں لکھ دے۔

شعر ۶: جلوہ گر ہے حسن ہر جا عاشقوں کے واسطے ‏ ‏ ‏ ‏ خوبصورت رکھتے ہیں یہ ہفت کشور سینکڑوں

حل لغت: جلوہ گر ہونا: ظاہر ہونا۔ نمودار ہونا۔ ہفت کشور: سات ولائتیں (کل کرہ ارض

کے سات حصے ہیں)

تشریح کہتے ہیں کہ سچے عاشقوں کے واسطے ہر جگہ حسن ظاہر موجود ہے۔ یہ سینکڑوں خوبصورت ہفت کشور (سات ولائتیں) ان کے روبرو ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص سچی لگن، تڑپ اور جستجو رکھتا ہے۔ وہ ہر شے میں حسن کا جلوہ دیکھ لیتا ہے۔ آنکھ بینا ہو تو ہر جگہ جلوہ حسن موجود ہے۔ ایسے شخص کے روبرو سینکڑوں خوبصورت ہفت کشور ہوتے ہیں یعنی وہ ان جلوہ ہائے حسن میں وسیع معانی و مطالب پالیتا ہے۔ اس شعر کو حقیقی معنوں میں لیا جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ عاشق لوگ ہر طرف قدرت خداوندی کے جلوے پھیلے ہوئے دیکھتے ہیں۔ انہیں ہر شے میں شان خداوندی نظر آتی ہے وہ اس کی نشانیاں ہر طرف پھیلی ہوئی دیکھتے ہیں۔ بقول مرزا غالب ؎

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگان اٹھائیے　　　طاقت کہاں کہ دید کا احسان اٹھائیے

شعر۷: دل دیا چاہے تو آتش دلربا موجود ہے　　　خوب تر سے خوب تر بہتر سے بہتر سینکڑوں

حل لغت: دلربا: دل لے جانے والا: معشوق۔

تشریح کہتے ہیں کہ اے آتش! اگر تو دل دینا چاہے تو دل لے جانے والے معشوق بہت ہیں۔ ان میں سے سینکڑوں خوب سے خوب تر اور بہتر سے بہتر موجود ہیں۔ یعنی دنیا میں دلربا محبوبوں کی کمی نہیں ہے۔ یہاں ایک سے ایک بڑھ کر حسین موجود ہے۔ اب اس کا انحصار تمہاری اپنی ذات پر ہے کہ آیا تم میں دل دینے کی صلاحیت موجود ہے ہر شخص ان لطیف جذبات و احساساتِ محبت سے فیض یاب نہیں ہوتا اور نہ ہر شخص میں اس کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ بقول مولانا حالی ؎

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں　　　اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

غزل نمبر۲

شعر۱: ہوائے دورِ مئے خوشگوار راہ میں ہے　　　خزاں چمن سے ہے جاتی بہار راہ میں ہے

حل لغت: مئے: شراب۔

تشریح کہتے ہیں کہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے اور خوشگوار و پر لطف شراب راہ میں ہے خزاں باغ سے رخصت ہو رہی ہے اور بہار راہ میں ہے۔ یعنی موسم خزاں بیت چکا اب بہار کی آمد آمد ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے ہیں اور ساغر و مینا بھی موجود ہیں۔ گویا ہر طرح کا سامانِ طرب موجود ہے بہار سے لطف اندوز ہوتے

کا موقع ہے۔ غم و اندوہ کا دور رخصت ہوا۔ اب عیش و مسرت اور شادمانی کا دور دورہ ہے۔ اب غمگین و دل گرفتہ ہونے کی بجائے مسرور و شادماں ہونے کا موقع ہے۔ بقولِ مرزا غالب ؎

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج ۔۔۔ اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں ؎

بہار آئی کھلے گل زیب صحن گلستاں ہو کر ۔۔۔ عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر

شعر۲: عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ہستی میں ۔۔۔ نہ کوئی شہر نہ کوئی دیار راہ میں ہے

حل لغت: عدم: نہ ہونا، وجود کی ضد: مرنے کے بعد کا عالم: آخرت۔ کوچ: روانگی۔ ہستی: زندگی؛ دیار: ملک۔

تشریح کہتے ہیں کہ زندگی میں آخرت کی روانگی کی فکر ضروری ہے کیونکہ آخرت کے سفر میں کوئی ملک، شہر یا آبادی موجود نہیں ہے، جہاں انسان پڑاؤ کر سکے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں آخرت کی فکر کرنی چاہیئے۔ یہ زندگی چندروزہ اور عارضی ہے۔ اسے ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ اسے ایسے کاموں میں بسر کرنا چاہیئے جو منشائے الٰہی کیمطابق ہوں۔ ہمیں زندگی کا اصل مقصد پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ آخرت دائمی گھر ہے۔ وہ زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہوتا ہے کہ "آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں قطرہ" وہاں مال و دولت اور دوست رشتہ دار کام نہ آئیں گے۔ بلکہ صرف نیک اعمال ہی کام آئیں گے۔

شعر۳: نہ بدرقہ ہے نہ کوئی رفیق اپنے ساتھ ۔۔۔ فقط عنایت پروردگار راہ میں ہے

حل لغت: بدرقہ، رہبر، رفیق، ساتھی، فقط: صرف، عنایت پروردگار: خدا کی مہربانی۔

تشریح اس شعر کو شعر نمبر ۲ ہی کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں اشعار قطعہ بند ہیں۔ کہتے ہیں کہ آخرت کا سفر ہمیں تن تنہا ہی طے کرنا ہے۔ نہ تو کوئی راہ میں رہبر و رہنما ہے اور نہ ہی کوئی ساتھی ہمارے ساتھ ہے۔ صرف اللہ تعالٰے کی مہربانی اور رحمت ہمارے شریک حال ہے اور ظاہر ہے کہ جب خدا کی رحمت شامل حال ہو تو پھر کسی بات کا خطرہ نہیں ہے۔ اصل میں شاعر سفرِ آخرت میں رحمت خداوندی کا طلب گار و متمنی ہے۔ بقول مولانا حالی ؎

خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے ۔۔۔ کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

شعر۴: سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے ۔۔۔ ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

حل لغت: مسافر نواز: مسافروں کو نوازنے والے: مسافر کی دیکھ بھال کرنے والے۔

تشریح: کہتے ہیں کہ سفر کے لئے نکل کھڑے ہونا شرط ہے، راستے میں مسافر کی دیکھ

بھال کرنے والے اور اسے آرام پہنچانے والے بہت مل جاتے ہیں ۔مثلاً راستے میں ہزاروں سایہ دار درخت موجود ہیں ۔ جہاں وہ سستا سکتا ہے اور آرام کر سکتا ہے ۔ اس لئے اسے سفر سے گھبرانا نہیں چاہیئے ۔ بلکہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے سفر پر چل کھڑا ہونا چاہیئے ۔ راستے میں اُسے بہت سے ذرائع و وسائل اور اسباب میسر آجائیں گے جو اس کے سفر کو آسان و سہل بنا دیں گے ۔ انسان کا کام کوشش کرنا ہے ۔ وسائل اللہ تعالےٰ پیدا فرما دیتا ہے ۔ جب آدمی خدا پر توکل کر کے کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے سہولتیں اور آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں ۔

شعر ۵: مقام تک بھی ہم اپنے پہنچ ہی جائیں گے　　خدا تو دوست ہے دشمن ہزار راہ میں ہے

تشریح

شاعر کہتا ہے کہ ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچ ہی جائیں گے کیونکہ اگر ہزار دشمن راستے میں ہے تو ہمیں کوئی خوف اور پروا نہیں ہے ۔ خدا تو ہمارا دوست ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کا بھروسہ اللہ تعالےٰ پر ہو اور اس کا فضل و کرم شاملِ حال ہو تو پھر کسی دشمن کی پروا یا فکر نہیں ہے ۔ انسان اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا لہٰذا انسان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے ۔ بقول مولانا حالی ؎

خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے　　کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

شعر ۶: تھکیں جو پاؤں تو چل سر کے بل ، نہ ٹھہر آتش

گل مراد ہے منزل میں ، خار راہ میں ہے

تشریح

اے آتش ! اگر تمہارے پاؤں تھک جائیں تو سر کے بل چل اور راستے میں مت ٹھہر ۔ کیونکہ اگر راستے میں کانٹا ہے تو گل مراد منزل میں ہے یعنی انسان کو اپنا مقصد اور گوہر مراد حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے ۔ ہر تدبیر عمل میں لانی چاہیئے اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے ۔ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنی چاہیئے ۔ گوہر مراد انہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو مسلسل جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں اور راستے کی مشکلات کو خاطر میں نہیں لاتے ۔ اس کے مقابلے میں پست ہمت اور کاہل و بے کار لوگ کبھی اپنا مقصد حیات حاصل نہیں کر سکتے ۔ ؎

وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا　　ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

غزل نمبر ۳

شعر ۱: جگر کو باغ میں پابند لالہ کیا کرتا　　لبالب اپنے لہو کا پیالہ کیا کرتا

تشریح شعرا گل لالہ کو ایک ایسے پیالے سے تشبیہ دیتے ہیں جو خون سے لبالب بھرا ہوتا ہے۔ یعنی گل لالہ انتہائی سُرخ رنگت کا ہوتا ہے، گویا خون سے تر بتر ہے۔ کہتے ہیں کہ میں اپنے جگر یا دل کو گل لالہ کا پابند کیا کرتا یعنی دل کو گل لالہ کی مانند کیوں قرار دیتا تھا اور اس طرح میں اپنے لہو کا پیالہ (جگر) لبالب کیا کرتا۔ یعنی اگر میں ایسا کرتا تو میرا دل خون خون ہو جاتا، دوسرے لفظوں میں میرا جگر پاش پاش ہو جاتا۔ یا سراپا خون ہو جاتا۔ یعنی اس کی صورت وہی ہو جاتی جو گل لالہ کی ہے۔ اس سے مجھے کیا حاصل ہوتا؟ میرا اس میں کیا فائدہ تھا؟ مجھے اس سے سوائے رنج و غم اور دکھ درد کے کیا حاصل ہوتا؟ میری زندگی اجیرن بن کر رہ جاتی اور میرا دل ایسی صعوبتیں اٹھاتا جو اس کے لئے قابلِ برداشت ہیں۔ ان پریشانیوں اور مصیبتوں کے ہاتھوں میرا دل خون خون ہو جاتا۔

شعر ۲: سرو: ایک سیدھے مخروطی خوشنما درخت کا نام جس پر نہ خزاں اثر کرتی ہے نہ بہار۔ کلاہ کج: ٹیڑھی ٹوپی۔

تشریح کہتے ہیں کہ سرو بالکل راست اور سیدھا ہوتا ہے۔ اس میں جھکاؤ یعنی عجز و نیاز نہیں ہوتا۔ اس لئے اس پر پھل نہیں لگتا جبکہ گل لالہ ٹیڑھی ٹوپی اوڑھے ہوتا ہے اس لئے اس کی رنگت اس قدر سرخ ہوتی ہے اگر گل لالہ بھی سرو کی طرح سیدھا ہوتا تو اسے بھی یہ رنگت نصیب نہ ہوتی۔ جیسا کہ بالعموم ایسا کہا جاتا ہے کہ پھل دار ٹہنی جھک جاتی ہے دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ جو ٹہنی جھک جاتی ہے اسے پھل لگتا ہے اور جو ٹہنی سیدھی رہتی ہے اور جھکتی نہیں ہے اسے پھل نہیں لگتا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی عزت اور قدر و منزلت عجز و نیاز میں ہے۔ اکڑ اور غرور و تکبر اور فخر سے عزت جاتی رہتی ہے۔

شعر ۳: نہ کرتی اگر عقل ہفت آسمان کی سیر   کوئی یہ بات ورق کا رسالہ کیا کرتا

حل لغت: ہفت آسمان: سات آسمان

تشریح کہتے ہیں کہ اگر عقل سات آسمان کی سیر نہ کرتی تو یہ ورق کا رسالہ کوئی کیا بات کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عقل و تخیل ہی کا کرشمہ ہے کہ ان کے ذریعے انسان نئی نئی باتیں معلوم کرتا رہتا ہے۔ گویا اس کا تخیل انتہائی بلندیوں پر پرواز کرتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں نت نئے رموز و اسرار سامنے آتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رسالے میں کیا کمال تھا کہ ایسی باتیں منظر عام پر لاتا۔ اصل میں شاعر اپنے متعلق کہہ رہا ہے کہ میں یہ جو نئے نئے اسرار و رموز بیان کر رہا ہوں۔ یہ اس واسطے ہے کہ میرا تخیل نہایت بلند پرواز ہے ورنہ رسالے یا کتاب کا کیا کمال ہے۔ اس کا کمال جو کچھ ہے وہ بلند تخیل کا مرہون منت ہے۔

شعر ۴: کسی نے مول نہ پوچھا دل شکستہ تھا   کوئی خرید کے ٹوٹا ہوا پیالہ کیا کرتا

حل لغت: دل شکستہ: ٹوٹا ہوا دل: دکھی دل۔

تشریح کہتے ہیں کہ ٹوٹے ہوئے دل کا بھاؤ کسی سے نہ پوچھا۔ آخر کوئی ٹوٹا ہوا پیالہ خرید کر کیا کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے ٹوٹے ہوئے یعنی دکھی دل کا کوئی خریدار و طلب گار نہیں ہے۔ ہم رنج و غم اور مصائب و آلام میں گھرے ہوئے ہیں اور ہمیں پریشانیوں اور مصیبتوں سے کسی لمحے چھٹکارا نہیں لیکن کسی کو ہم سے ہمدردی نہیں ہے کسی کو ہمارا کوئی احساس نہیں ہے۔ حالانکہ دکھی اور ٹوٹے ہوئے دل کی بڑی قدر و قیمت ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ ٹوٹے ہوئے دل میں خدا بستا ہے لیکن ہمارا قدردان کوئی نہیں۔ کوئی ہم سے اظہار ہمدردی نہیں کرتا۔

بقول علامہ اقبال ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ   کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

شعر ۵: جریدہ میں رہ پر خونِ عشق سے گذرا   جرس سے قافلے میں بحثِ نالہ کیا کرتا

حل لغت: جریدہ: تنہا۔ جرس: گھنٹا۔

تشریح کہتے ہیں کہ میں رہ پر خونِ عشق سے اکیلا اور تن تنہا گزرا۔ میں قافلے میں گھنٹے سے نالہ و فریاد کی بحث کیا کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ عشق و محبت کی راہ خون سے پر ہے۔ اسے میں نے اکیلے ہی طے کیا۔ یعنی اس راہ میں جو مصیبتیں اور پریشانیاں پیش آئیں یا جو قربانیاں دینی پڑیں وہ سب مجھے اکیلے ہی برداشت کرنی پڑیں۔ یہ تمام مصائب و آلام مجھے تنہا ہی برداشت کرنے پڑے۔ قافلہ رواں دواں تھا اور اس کا گھنٹا مسلسل بج رہا تھا۔ میں اس سے نالہ و فریاد کی بحث کیا کرتا۔ یہ لاحاصل تھا۔ میری فریاد اس گھنٹے کی آواز میں گم ہو کر رہ گئی۔ اور کوئی میری دستگیری کو نہ آیا۔ بقول جگر مراد آبادی ؎

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا ہی سمجھ لیجئے   اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

شعر ۶: مہ دو ہفتہ بھی ہوتا تو لطف تھا آتش   اکیلے پی کے شراب دو سالہ کیا کرتا

حل لغت: مہ دو ہفتہ: دو ہفتہ کا چاند: چودھویں کا چاند۔ شراب دو سالہ: دو سال پرانی شراب

تشریح کہتے ہیں کہ اے آتش! میں اکیلے دو سالہ شراب پرانی پی کر کیا کرتا۔ اگر چودھویں رات کا چاند بھی چمک رہا ہوتا تو بڑا لطف آتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر چاندنی رات ہوتی تو شراب پینے کا لطف دوبالا ہو جاتا۔

غزل نمبر ۴

شعر ۱: یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے   ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے

تشریح شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میری یہ آرزو تھی کہ تجھے پھول کے سامنے لاتا اور پھر ہم اور بے قرار بلبل باہم گفتگو کرتے۔ بلبل پھول کی شیدائی ہے اور شاعر اپنے محبوب کا اس طرح دونوں میں بڑی مطابقت اور مماثلت پائی جاتی ہے بلبل اپنی آہ وفریاد کا اظہار کرتی اور ہم اپنے دلِ بے تاب کی بیقراری کا اظہار کرتے۔ دونوں ایک دوسرے کو دکھڑا سناتے اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے۔ بقول شخصے ؎

آ عندلیب! مل کے کریں آہ وزاریاں ۔۔۔ تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل

شعر۲: پیام بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا ۔۔۔ زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

حل لغت: پیام بر: قاصد۔ شرح آرزو: تمنا کی وضاحت

تشریح کہتے ہیں کہ ہم اپنے محبوب کو اپنی طرف سے کوئی پیغام بھیجنا چاہتے تھے لیکن اس مقصد کے لئے ہمیں کوئی قاصد میسر نہ آیا۔ ہمیں اس بات کا افسوس نہیں، بلکہ یہ اچھا ہوا۔ آخر ہم غیر کی زبان سے اپنی آرزو یا تمنا کی وضاحت کیا کرتے۔ یہ بات ہماری عزت نفس کے خلاف تھی۔ اس کے مقابلے میں ہم اپنا پیغام اپنے محبوب تک خود پہنچانا چاہتے ہیں تاکہ ہمارا رابطہ بغیر کسی ذریعہ اور واسطے کے ہو۔ ہم اس طرح زیادہ بہتر اور موزوں طریقے سے اپنے دل کا مدعا بیان کر سکتے ہیں۔ کسی دوسرے کی مداخلت ہمیں گوارا نہیں۔

شعر۳: مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ ۔۔۔ کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے

حل لغت: مہ و مہر: چاند اور سورج۔ حبیب: دوست: محبوب۔

تشریح کہتے ہیں کہ میری طرح سے چاند اور سورج بھی آوارہ ہیں یعنی مارے مارے پھر رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی میری طرح کسی محبوب کی جستجو و تلاش میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جذبۂ عشق و محبت ایک عالمگیر جذبہ ہے، کائنات کی کوئی شے اس جذبہ سے خالی یا محروم نہیں ہے۔ یہ جذبہ کائنات کے ذرے ذرے میں رچا بسا ہے۔ سورج چاند ستارے ہی قانونِ محبت کے اسیر ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

رہتے ہیں ستم کشِ سفر سب ۔۔۔ تارے، انسان، شجر، حجر، سب

مرزا رفیع الدین سودا نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ۔۔۔ تڑپے ہیں مرغ قبلہ نما آشیانے میں

شعر۴: ہمیشہ میں نے گریباں کو چاک چاک کیا ۔۔۔ تمام عمر رفوگر رہے رفو کرتے

حل لغت: چاک چاک کیا: ریزہ ریزہ کیا۔ رفو: پھٹے کپڑوں کو دھاگوں سے بھرنا۔ رفوگر: رفو کرنے والے۔

تشریح کہتے ہیں کہ اگرچہ تمام رفو کرنے والے میرے گریبان کو رفو کرتے رہے یعنی سیتے رہے لیکن میں نے ہمیشہ اسے ریزہ ریزہ کر دیا گریبان کو پھاڑنے کا مطلب جنون و وحشت اور دیوانگی ہے۔ جب شاعر اپنی دیوانگی کا دورہ پڑتا ہے تو وہ اپنے گریبان کو پھاڑ دیتا ہے اور دوسروں کے سمجھانے یا نصیحت کرنے کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کارگر نہیں ہوتی اور اس کے جنون و دیوانگی میں مسلسل اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ جذبہ عشق و محبت کا جنون ہے جس نے شاعر کا یہ حال زار کر دیا ہے۔ بقول میر تقی میر ؎

اب کے جنون میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے　　دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

شعر ۵:

حل لغت: عالم: حالت، کیفیت۔ اسیر: قیدی۔

تشریح شاعر محبوب کے بارے میں کہتا ہے کہ تیری زلف کی زنجیر کی حالت و کیفیت دیکھ کر آزاد بھی قیدی ہونے کی آرزو کرتے۔ یعنی ایک تو محبوب کا جلوہ حسن پہلے ہی کچھ کم نہیں ہے۔ اس پر زلفوں کی زنجیر نے ایک اور قیامت ڈھا دی ہے جس سے محبوب کا جلوہ حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ اب جو بھی زلفوں کی اس زنجیر کو دیکھتا ہے وہ اس کا اسیر ہو جاتا ہے۔ یعنی سب محبوب کے دام محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور اگرچہ آزادی ایک بڑی نعمت ہے لیکن ایسے میں آزاد لوگ بھی ان زلفوں کے اسیر ہونا پسند کرتے ہیں یعنی وہ بھی محبوب کے دام محبت میں گرفتار ہونا چاہتے ہیں ؎

کسی کی زلف برہم دیکھتے ہی　　ہوا ہے کام دل برہم ہمارا

شعر ۶: نہ پوچھ عالم برگشتہ طالعی آتش　　برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

حل لغت: عالم: حالت، کیفیت۔ برگشتہ طالعی: نصیبے کا بگڑا ہونا۔ باراں: مینہ: بارش۔

تشریح کہتے ہیں کہ اے آتش! تو ہمارے بگڑے ہوئے نصیبے کی حالت و کیفیت مت پوچھو اگر ہم بارش کی خواہش کرتے تو آگ برستی! شاعر اپنی بدنصیبی و بدقسمتی کا گلہ کرتا ہے کہ سوء اتفاق سے ہماری کوئی آرزو یا خواہش پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ ہم جس بات کی آرزو کرتے ہیں بالعموم اس کے الٹ ہوتا ہے۔ بارش کی آرزو کرتے ہیں تو آگ برستی ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی کی انتہا ہے کہ ہمارا ہر کام الٹ ہوتا ہے۔ ہر تدبیر الٹ ہوتی ہے۔

محمد ابراہیم ذوقؔ: ذوقؔ کو زبان و بیان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات الفاظ و تراکیب کی تراش خراش، محاورہ بندی، لطافت بیان، تازگی مضمون صفائی کلام، سلاست و روانی اور موسیقیت ہیں۔

غزل نمبر ۱

شعر ۱: موت ہی سے اب علاج دردِ فرقت ہو تو ہو — غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

حل لغت: دردِ فرقت: جدائی کا درد۔ غسل میت: مردے کو نہانا۔

تشریح: کہتے ہیں کہ ہمارا دردِ فرقت یعنی جدائی کا درد یا غم لاعلاج ہے۔ موت ہی سے اس کا علاج ہو سکتا ہے اور موت کے بعد جو غسل میت کو دیا جاتا ہے وہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو، ورنہ اس سے پہلے ہم صحت یاب نہیں ہو سکتے۔ شاعر عشق و محبت میں مبتلا ہے وہ اپنے محبوب سے جدائی کا غم میں کڑھتا ہے۔ وہ اتنی صعوبتیں اور تکلیفیں اٹھاتا ہے کہ ناگفتہ بہ کسی بھی طور اس کے اس غم اور درد کا مداوا نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درد لاعلاج ہے۔ موت ہی اس درد و غم کا خاتمہ کر سکتی ہے ورنہ زندگی میں تو ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ زندگی میں ہمیں غسلِ صحت نصیب نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ مرنے پر جو غسل میت کو دیا جاتا ہے وہ ہمارا غسل صحت ہو سکتا ہے۔ بقول میر تقی میرؔ ؎

کڑھتے جو رہے ہجر میں بیمار ہوئے ہم — بستر پہ گرے رہتے ہیں، ناچار ہوئے ہم

بقول مرزا غالبؔ ؎

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شبِ غم بری بلا ہے — مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

شعر ۲: ہو تو ہو آباد کیونکر یہ خراب آباد دل — عشقِ غارت گر اگر دنیا سے رخصت ہو تو ہو

حل لغت: خراب آباد: خرابہ: ویران مکان: کھنڈر۔ غارت گر: تباہ کرنے والا

تشریح: شاعر کہتا ہے کہ ہمارے دل کا ویرانہ یا کھنڈر کیونکر آباد ہو سکتا ہے ہاں اس کی ایک صورت ہے کہ عشق جیسی تباہ و برباد کرنے والی شے دنیا سے رخصت ہو جائے تو پھر دل کی بستی آباد ہو سکتی ہے عشق کے ہاتھوں ہمارا دل برباد ہو چکا ہے۔ اب اس کی آبادی ممکن نہیں ہے۔ جب تک دنیا میں عشق جیسی تباہ و برباد کر دینے والی چیز موجود اور باقی ہے ہمارے دل کی آبادی نہیں ہو سکتی۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

اے عشق! تو نے اکثر دنیا کو کھا کے چھوڑا — جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا

بقول میر تقی میرؔ

دل کی ویرانی کا کیا مذکورہ ہے — یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

ایک اور مقام پر میر صاحب فرماتے ہیں ؂

دیدنی ہے شکستگی دل کی ۔۔۔ کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

شعر ۳: دستِ ہمت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ ۔۔۔ پست ہمت یہ نہ ہوئے پست قامت ہو تو ہو

حل لغت: بالا: بلند۔ پست قامت: چھوٹے قد کا۔

تشریح: کہتے ہیں کہ ہمت کے ہاتھ یعنی ہمت سے آدمی کا مرتبہ بلند ہے اس لئے آدمی پست قد کا ہو تو کوئی حرج نہیں البتہ اسے پست ہمت نہیں ہونا چاہیئے۔ انسان جس قدر ہمت رکھتا ہے اس کے مطابق زندگی میں اسے بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ تاریخ عالم اس بات پر گواہ ہے کہ جن لوگوں نے ہمت و جرأت سے کام لیا وہ دنیا میں سرخرو و کامراں ہوئے اور ہر قدم پر فتح و کامرانی نے ان کے قدم چومے۔ اس کے مقابلے میں پست ہمت لوگ ناکام و نامراد ہوئے۔ لوگ بالعموم پست قد آدمی کو حقیر سمجھتے ہیں لیکن پست قد ہونا قدرتی امر ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں آدمی اگر پست ہمت ہو تو یہ بات ہرگز گوارہ نہیں ہو سکتی۔ فارسی کا ایک شعر ہے۔

ہمت بلند دار کہ نزدِ خدا و خلق ۔۔۔ باشد بقدرِ ہمت تو اعتبار تو

یعنی ہمت بلند رکھو، کیونکہ خدا و خلق کے نزدیک تجھے اتنی ہی قدر و منزلت حاصل ہوگی جس قدر تمہاری ہمت ہے۔

شعر ۴: اب زباں پر نہیں آتا کہیں الفت کا نام ۔۔۔ اگلے مکتوبوں میں کچھ اس سے کتابت ہو تو ہو

حل لغت: الفت: محبت۔ مکتوب: خط۔ کتابت: خط و کتابت۔

تشریح: کہتے ہیں کہ اب حالت یہ ہے کہ کبھی ہماری زبان پر بھی محبت کا نام نہیں آتا، ہاں سابقہ خطوط میں کچھ ان سے خط و کتابت ہو سکتی ہے مطلب یہ ہے کہ اب محبت ہمارے لئے بھولی بسری بات بن چکی ہے۔ ورنہ کبھی یہ نام وردِ زبان تھا۔ ہاں ماضی کے خطوط میں ضرور ان سے (یعنی محبوب سے) راہ و رسم تھی کچھ فرق کے ساتھ حسرت موہانی نے اس قسم کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ ؂

نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی ۔۔۔ مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

شعر ۵: آگ میں جل مرتا ہے پروانہ سا کرم ضعیف ۔۔۔ آدمی سے کیا نہ ہو؟ لیکن محبت ہو تو ہو

حل لغت: کرم ضعیف: کمزور کیڑا

تشریح: کہتے ہیں کہ پرواز ایک حقیر اور کمزور سا کیڑا ہے۔ وہ اس قدر ہمت رکھتا ہے کہ آگ میں جل مرتا ہے اور اس طرح اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔

ع پروانہ کر کے ہمت مردانہ جل گیا

اس کے مقابلے میں آدمی سے کیا نہیں ہو سکتا؛ وہ اور تو بہت کچھ کر سکتا ہے۔لیکن اگر وہ محبت کرے یعنی محبت کے جذبے سے سرشار ہو تو یہ بڑی بات ہے۔اگر محبت کا جذبہ نہیں ہے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔بقول علامہ اقبال ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

شعر ۶: تلخی کامی ہی میں گزری زندگانی عمر بھر
جانِ شیریں کے دیئے سے کچھ حلاوت ہو تو ہو

حل لغت: تلخی کامی: ناگواری: کڑواہٹ: بدمزگی جان شیریں: میٹھی جان، حلاوت: مٹھاس: لذت۔

تشریح کہتے ہیں کہ ہماری پوری زندگی بدمزگی اور ناگواری ہی میں گزری۔اب میٹھی جان دے کر یعنی مر کر ہی کچھ مٹھاس اور لذت حاصل ہو تو ہو مطلب یہ ہے کہ ہماری ساری زندگی بدمزگی اور بے لطفی میں بسر ہوئی۔ہم نے بڑے دکھ درد سہے،بڑی پریشانیاں اٹھائیں۔کبھی سکھ کا سانس لینا نصیب نہ ہوا۔ہماری پوری زندگی غموں کی عبارت تھی۔اب جان دے کر ہی کچھ لطف و مزہ اور راحت حاصل ہو تو ہو۔شعر میں خوبی یہ ہے کہ تلخ کامی کے مقابلے میں جان شیریں اور حلاوت کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے شعر کا لطف دوبالا ہو گیا ہے۔

شعر ۷: رات اک بگڑی ہوئی تھی میکدے میں رہن مے
ذوق! یہ تیری ہی دستارِ فضیلت ہو تو ہو

حل لغت: میکدہ: شراب خانہ، رہن مے: شراب کی گروی۔دستار فضیلت: فضیلت کی پگڑی: وہ پگڑی جو پڑھنے لکھنے کے بعد کامل ہو جانے پر بندھا کرتی تھی۔

تشریح کہتے ہیں کہ رات ہم نے دیکھا کہ شراب خانے میں کسی کی پگڑی شراب کے بدلے میں گروی رکھی ہوئی تھی۔یعنی کسی نے وہاں اپنی پگڑی گروی رکھ کر شراب حاصل کی تھی۔اے ذوق! کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ تیری ہی فضیلت و بزرگی کی پگڑی ہو! شاعر نے از رہِ انکسار اپنا نام لیا ہے،ورنہ مراد یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو اپنی پاک بازی کا بڑا زعم ہوتا ہے لیکن درپردہ اس سے کچھ ایسے افعال سرانجام پاجاتے ہیں جو پاک بازی کے سراسر خلاف ہوتے ہیں۔کچھ اسی قسم کے خیال کا اظہار مرزا غالب نے ان الفاظ میں کیا ہے۔؎

کہاں مے خانے کا دروازہ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

غزل نمبر ۲

شعر ۱: ہفتاد و دو فریق : حسد کے عدد سے ہیں — اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

حل لغت : ہفتاد و دو فریق : بہتر (۷۲) فرقے ۔

تشریح کہتے ہیں کہ بہتر (۷۲) فرقوں کا تعلق حسد کے عدد سے ہے ۔ یعنی حسد کے حروف ابجد کا میزان ۷۲ بنتا ہے ۔ مطلب یہ ہے بہتر فرقوں کی بنیاد نفرت و حسد پر ہے ۔ یہ انتشار و فساد کا ذریعہ ہیں لیکن اپنا یہ طریقہ ہے کہ ہم نفرت اور حسد کے جذبات و احساسات سے باہر ہیں ۔ یعنی ہمارا حسد سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ حسد ایک بہت بڑی برائی اور لعنت ہے ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے "حسد نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتا ہے ۔"

بقولِ مرزا غالب ؎

حسد سے دل اگر افسردہ ہو گرمِ تماشا ہو — کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارا سے وا ہو

علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

شعر ۲: خورشید وار ، دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ — روشن ضمیر ملتے ہر اک نیک و بد سے ہیں

حل لغت : خورشید وا : سورج کی طرح

تشریح کہتے ہیں کہ ہم سورج کی طرح سب کو آنکھ سے دیکھتے ہیں ۔ یعنی جس طرح سورج سب کو یکساں حرارت اور روشنی پہنچاتا ہے ۔ اس طرح ہمارا رویہ بھی سب کے ساتھ یکساں ہے ہم کسی سے امتیاز نہیں برتتے ۔ ہمارا ضمیر روشن ہے ۔ اس لئے ہم ہر نیک اور برے سے رابطہ رکھتے ہیں ۔ صاف دل اور روشن ضمیر لوگوں کا طریقہ یہی ہوتا ہے کہ وہ نیک و بد ہر ایک سے یکساں طور پر ملتے ہیں ۔ جس شخص کا اپنا ضمیر روشن اور دل صاف ہو وہ دوسروں کو بھی ویسا ہی تصور کرتا ہے اور جس شخص کا اپنا ضمیر گندا اور دل گدلا ہو اسے دوسرے بھی برے نظر آتے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم صلح کن آدمی ہیں ۔ ہمارا کسی سے کوئی تنازعہ یا جھگڑا نہیں ہے ہم سب سے یکساں برتاؤ کرتے ہیں ۔

شعر ۳ : جان دادگانِ عشق سے پوچھو فنا کی راہ — اس میں جنابِ خضر بھی نابلد سے ہیں

حل لغت : جان دادگانِ عشق : عشق کی خاطر جان دینے والے ۔ خضر : ایک بزرگ جنھوں نے آب حیات پیا اور ہمیشہ زندہ رہیں گے ۔ کسی نہ کسی صورت میں بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے ہیں ۔ نابلد : انجان : کسی بات سے ناواقف ۔

تشریح : کہتے ہیں کہ عشق کی خاطر جان دے دینے والے فنا کی راہ کو جانتے اور پہچانتے

ہیں .یعنی یہ لوگ اپنی ہستی کو عشق کی خاطر فنا کر دیتے ہیں اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے وہ اپنی جان ہتھیلی پر لئے ہوئے ہیں .جناب خضرؑ ابھی اس راستے سے بے خبر اور ناواقف ہیں .انہیں ہمیشہ کی زندگی تو حاصل ہے لیکن عشق کی خاطر وہ اپنے آپ کو فنا نہیں کر سکتے وہ اس طرح جان کی بازی نہیں لگا سکتے اور نہ ہی اتنی بڑی قربانی دے سکتے ہیں .بقول علامہ اقبال ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

شعر۴: جان لباسیوں کے نہ ظاہر لباس پر
عاری عبائے ہوش و قبائے خرد سے ہیں

حل لغت: لباسی: لباس پہنے ہوئے: خوش پوش .عاری: خالی .عبا: جبہ: چوغہ .قبا: ایک قسم کا کھلا ہوا جامہ .خرد: عقل: دانائی: سمجھ

تشریح کہتے ہیں ان خوش پوش لوگوں کے ظاہری لباس کو نہ دیکھو .ظاہر میں تو ان کے لباس کی بڑی آب و تاب ہے لیکن حقیقت میں یہ لوگ ہوش کے چوغے اور عقل و دانائی کے جامے سے عاری ہیں .یعنی یہ لوگ ہوش اور عقل و دانائی سے محروم ہیں .جب یہ صورت حال ہے تو ان لوگوں کی ظاہری خوش پوشی کس کام کی .انسان کا بہترین لباس تقویٰ ہے .اگر انسان تقویٰ و پرہیزگاری جیسے اعلیٰ اوصاف سے محروم ہے تو اس کی خوش پوشی بے کار ہے .اس لئے ان کی ظاہری شکل و صورت سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے .ان کا باطن ظاہر کے مطابق نہیں ہے ۔

شعر۵: دل کے ورق پہ ثبت ہیں صد مہرِ داغِ عشق
ہم کرتے ذوقِ عشق کا دعویٰ سند سے ہیں

حل لغت: ثبت: نقش کرنا .صد: سو .

تشریح کہتے ہیں کہ اے ذوقؔ! ہمارے دل کے ورق پر داغِ عشق کی سینکڑوں مہروں کے نشان لگے ہوئے ہیں گویا ہم عشق کا دعویٰ سند سے کرتے ہیں جس تحریر پر مہر لگا دی جائے وہ مستند ہو جاتی ہے .اسی طرح ہمارے دل پر بھی داغوں کی مہریں ہیں .اس طرح ہمارا عشق بھی مستند ہے .دل پر یہ داغ مسلسل اور پیہم رنج و غم کی وجہ سے پہنچے ہیں .یعنی ہمارا دل ان داغوں کی وجہ سے بری طرح داغدار ہو رہا ہے اور ہمیں کبھی خوشی و مسرت کا کوئی لمحہ میسر نہیں آتا .بقول داغؔ ؎

کوئی نام و نشاں پوچھے تو اے قاصد بتا دینا
تخلص داغؔ ہے اور عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

غزل نمبر ۳

شعر۱: لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

حل لغت: حیات: زندگی. قضا: موت۔

تشریح کہتے ہیں کہ زندگی ہمیں دنیا میں لائی تو ہم یہاں آگئے اور پھر موت ہمیں یہاں سے لے چلی تو ہم چل پڑے۔ گویا نہ دنیا میں آنا ہمارا خوشی سے تھا اور نہ جانا اپنی خوشی سے۔ شاعر نے اس شعر میں زندگی اور موت کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ انسان مجبورِ محض ہے۔ نہ اسے زندگی پر اختیار حاصل ہے اور نہ موت پر قابو ہے۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اسی کی منشا سے انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے اور اسی کی رضا و منشا سے انسان موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ انسان کو اس میں کچھ دخل حاصل نہیں ہے۔ خواجہ میر درد فرماتے ہیں۔ ؎

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

شعر ۲: کم ہوں گے اس بساط میں ہم جیسے بد قمار جو چال ہم چلے وہ نہایت بری چلے

حل لغت: بساط: فرش: شطرنج کھیلنے کی چوپڑ۔ بد قمار: بد نصیب۔

تشریح شاعر نے اس شعر میں دنیا کو شطرنج کھیلنے کی چوپڑ سے تشبیہ دی ہے، جس پر مختلف مہروں کے ذریعے چالیں چلی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس بساط پر ہم جیسے بدنصیب کم ہی ہوں گے۔ ہم جو چال چلے وہ نہایت بری چلے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہم جیسے کم ہی بدنصیب لوگ ہوں گے کہ ہماری ہر تدبیر الٹ پڑتی ہے۔ ہم جس مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ حاصل نہیں ہوتا جو کام کرنا چاہتے ہیں وہ سرانجام نہیں پاتا۔ الغرض ہم نامراد و محروم ہی رہ جاتے ہیں۔ گویا ع

وہی ہے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے

شعر ۳: ہو عمرِ خضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے

حل لغت: خضر: ایک بزرگ جنہیں ہمیشہ کی زندگی حاصل ہے اور بھولے بھٹکوں کی رہنمائی کرتے ہیں: لمبی عمر۔ بوقتِ مرگ: موت کے وقت۔

تشریح کہتے ہیں کہ یہ انسانی فطرت ہے۔ اگر ہمیں حضرت خضرؑ کی عمر دراز بھی حاصل ہو جائے تو ہم موت کے وقت یہی کہیں گے کہ ہم دنیا میں بہت کم عرصہ رہے گویا ابھی آئے تھے اور ابھی چل دیئے۔ انسان دنیا کی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں اس قدر مصروف و محو ہو جاتا ہے کہ اسے وقت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ وہ دنیا میں بہت کچھ کام کرنا چاہتا ہے۔ اس کے طول طویل پروگرام اور منصوبے ہوتے ہیں جنہیں وہ پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہے لیکن جب اچانک موت اس کے سامنے آجاتی ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے منصوبے اور پروگرام ادھورے رہے ہیں اور مجھے ان کی تکمیل کے لئے وقت اور موقع نہ مل سکا۔ اس وقت اسے احساس ہوتا ہے کہ گویا میں ابھی آیا تھا اور ابھی چل دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

واۓ نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا   خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

شعر۴: بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے   پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے

تشریح کہتے ہیں کہ بہتر اور مناسب بات تو یہی ہے کہ انسان دنیا سے دل نہ لگائے کیونکہ یہ غفلت کا گھر ہے اس کی وجہ سے انسان خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ اپنے فرائض سے غافل ہو جاتا ہے اسے جس مقصد کے تحت دنیا میں بھیجا گیا ہے اس کی تکمیل نہیں ہوتی اور اس کی زندگی بے کار اور بے مقصد کاموں میں بسر ہوتی ہے۔ انسان لالچ اور حرص و ہوا کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ضمیر کا سودا کرتا ہے اور خدا و خلق سے شرم نہیں کرتا۔ اسی قسم کی دنیا کے بارے میں ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔" دوسرے مصرع میں کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ دنیا سے بے دل لگی بھی کام نہیں چلتا۔ ہمیں بہرحال اس دنیا میں رہنا ہے اس کے امور و معاملات سر انجام دینے ہیں۔ کاروبارِ زندگی میں شریک ہونا ہے۔ اس لئے انسان دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں میں بھی بسیرا نہیں کر سکتا۔ اس طرح انسان ایک بھاری آزمائش میں پڑ جاتا ہے شعر میں غایت درجہ کی روانی اور سلاست ہے۔

شعر۵: دنیا نے کس کا راہِ فنا میں دیا ہے ساتھ   تم بھی چلے چلو یونہی جب تک چلی چلے

تشریح شاعر اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ دنیا نے راہِ فنا میں کس کا ساتھ دیا ہے؟ جب تک چلی چلے، تم بھی چلے چلو۔ مطلب یہ ہے کہ راہِ فنا میں دنیا نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ انسان کو تن تنہا یہ سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ انسان کے تین دوست ہیں مال، رشتہ دار اور اعمال، مال تو موت کے ساتھ ہی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ رشتہ دار اسے قبر تک پہنچا آتے ہیں۔ اب صرف اعمال اس کے ساتھ رہ جاتے ہیں۔ اچھے ہیں تو، برے ہیں تو! اس لئے انسان کو سوچ سمجھ کر زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ دوسرے مصرع میں کہتے ہیں کہ جب تک بس چلتا ہے اور جہاں تک تمہارا اختیار ہے۔ زندگی کی منزل طے کرتے رہو۔ معلوم نہیں کب یہاں سے رخصت ہونا پڑے۔ بقول خواجہ میر درد ؎

ساقیا! یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ   جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

شعر۶: جلتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے ذوقؔ   اپنی بلا سے بادِ صبا اب کبھی چلے

حل لغت: ہوائے شوق: شوق کی آرزو۔ بادِ صبا: پچھلی رات کی ہوا۔

تشریح کہتے ہیں کہ اے ذوقؔ! ہم اس چمن سے شوق کی آرزو میں جا رہے ہیں ہماری بلا سے۔ اب اس میں کبھی بادِ صبا چلے نہ چلے۔ شاعر نے اس دنیا کو چمن یا باغ سے تشبیہ دی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اب ہمیں اس سے کیا

کہ اس سے بسنے والے خوشیوں میں کھیلتے ہیں یا غم سہتے ہیں۔ ہم نے تو اپنی مہلت حیات پوری کر لی اور اب یہاں سے کوچ کر رہے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؂

رخصت اے بزم جہاں! سوئے وطن جاتا ہوں میں
آہ اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں

کسی کا ایک اور شعر ہے ؂

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم بسے یا ہما رہے

مرزا اسد اللہ خاں غالب: مرزا غالب اُردو کے نامور شاعر ہیں۔ ان کے سخن کی نمایاں خصوصیات منفرد انداز بیان، جدت پسندی، بلند تخیل، انسانی جذبات کی بہترین ترجمانی، فلسفیانہ رنگ، شوخی و ظرافت، مضمون آفرینی، ایجاز و اختصار اور پہلو داری ہیں۔

غزل نمبر ا

شعر ا: وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

حل لغت: وارستہ: آزاد۔ عداوت: دشمنی

تشریح: کہتے ہیں کہ ہم آپ سے یہ نہیں کہتے کہ آپ ہمارے ساتھ محبت ہی کریں بلکہ صرف اتنا چاہتے ہیں کہ غیر سے کوئی رابطہ نہ رکھیے۔ اپنی توجہ نہ صرف ہم پر مبذول کیجئے۔ اب اگر آپ ہم سے محبت کرنا نہیں چاہتے تو نہ سہی۔ عداوت کیجئے اور بڑے شوق سے کیجئے ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔ کیونکہ دشمنی میں بھی ایک طرح کا تعلق ہوتا ہے اور پھر یہ دشمنی کسی نہ کسی وقت محبت میں بدل سکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رابطہ کی دو ہی صورتیں ہیں۔ محبت یا عداوت۔ آپ ان دونوں کے لئے صرف ہم کو منتخب فرمائیں۔ گویا محبوب کے خصوصی تعلق کی آرزو کی گئی ہے ؂

کیجئے نہ قطع تعلق ہم سے
گر نہیں الفت نفرت ہی سہی

شعر ۲: ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

حل لغت: تذکرۂ غیر: غیر کا ذکر۔ گلہ: شکوہ: شکایت۔ ہر چند: اگرچہ۔ بر سبیل شکایت: شکایت کے طور پر۔

تشریح: کہتے ہیں کہ اگرچہ تو نے رقیب کا ذکر مجھ سے شکایت کے رنگ میں کیا ہے یعنی اس کی برائی بیان کی ہے۔ مگر اس کے باوجود مجھے تجھ سے گلہ ہے کہ اس کا ذکر کیا ہی کیوں؟ اس کا نام تیری زبان پر آیا ہی کیوں؟ میں یہ بات ہرگز برداشت نہیں کر سکتا گویا شدید جذبۂ رقابت کا اظہار کیا ہے۔ ایک سچا عاشق کسی طرح یہ بات گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کا

محبوب غیر کا ذکر کرے اس کی زبان پر سوائے اس کے کسی کا نام نہیں آنا چاہیئے۔

شعر ۳: پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا — یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو

حل لغت: چارہ: علاج: تدبیر۔ غمِ الفت: محبت کا غم۔

تشریح اس شعر کا بنیادی تصور یہ ہے کہ غمِ الفت کا کوئی علاج نہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر درد کی دوا پیدا ہوئی ہے غلط ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو غمِ محبت کا بھی کوئی علاج ہوتا۔ محبت کا غم ایک ایسا مرض ہے جو لا علاج ہے۔ یہ غم انسان کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح کھاجاتا ہے۔ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ بقول میر تقی میر؂

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا — دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

مرزا غالب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں؂

دردِ منت کشِ دوا نہ ہوا — میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

شعر ۴: مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کہیں — عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

حل لغت: فوت: مراد ضائع ہونا۔ فرصتِ ہستی: مدتِ عمر یا عرصۂ حیات۔

تشریح کہتے ہیں کہ ہم اپنی عمر عبادت ہی میں کیوں نہ صرف کر دیں۔ پھر بھی ہمیں مرتے وقت یہ رنج یا افسوس ضرور لاحق ہوگا کہ ہم نے اپنی فرصتِ ہستی یعنی عمر کو ضائع کر دیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو اس کو اس سے بہتر کاموں مثلاً عاشقی یا خدمتِ خلق میں صرف کر سکتے ہیں۔ اس شعر میں زہد و عبادت پر طنز کی گئی ہے کہ اگر انسان اپنی تمام عمر عبادت ہی میں ہی کیوں نہ گزار دے پھر بھی اسے اس بات کا افسوس رہتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا وہ مقصد حاصل نہ کیا جو کرنا چاہیئے تھا۔ یعنی اسے اپنی عمر کے ضائع ہونے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔

شعر ۵: ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال — ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

حل لغت: محشر: ہنگامہ: قیامت کے دن لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ۔ انجمن: محفل: خلوت: تنہائی۔

تشریح اس شعر میں مرزا غالب نے ایک اہم نفسیاتی نکتہ بیان کیا ہے یعنی اگر انسان بظاہر تنہائی میں بیٹھا ہو تو بھی تنہا نہیں ہوتا کیونکہ اس کے دماغ میں تصورات و خیالات کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے اور اس دنیا میں ہر وقت ایک ہنگامہ (محشر) برپا رہتا ہے۔ محشرِ خیال کی ترکیب بہت عمدہ اور برجستہ ہے۔ شاعر نے افکارِ ذہنی کے ہنگامہ کو محشرِ خیال سے تعبیر کر کے شعر میں بڑی دلکشی پیدا کر دی ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ انسان ایک قیامتِ صغریٰ ہے۔ یعنی یہ جگہ ایک چھوٹی قیامت ہے۔ انسان کے ذہن میں لاتعداد تصورات و خیالات گردش کرتے رہتے ہیں اور اس طرح ذہن کی دنیا

ہیں ایک ہنگامہ برپا رہتا ہے۔

شعر ۶: ڈالا نہ بےکسی نے کسی سے معاملہ — اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

حل لغت: خجالت کھینچنا: شرمندہ ہونا۔

تشریح: کہتے ہیں کہ میں بےکسی کا ممنون اور احسان مند ہوں کہ اس نے مجھے دوسروں کا احسان اٹھانے کی زحمت سے بچا لیا۔ چنانچہ اب یہ صورت ہے کہ اگر مجھے شرمندگی بھی ہے تو اپنے ہی آپ سے ہے۔ کسی غیر سے نہیں ہے۔ اس طرح میں حقیقی شرمندگی سے بچ گیا ظاہر ہے جو شرمندگی مجھے غیر کے سامنے اٹھانی پڑتی وہ میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی۔ اس لئے میں اس رسوائی اور ذلت سے بچ گیا۔ خجالت کھینچنا اصل میں فارسی محاورہ کا اردو ترجمہ ہے۔ اس لئے غیر مانوس اور غیر وسیع ہے۔

شعر ۷: اس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہیں اسدؔ — اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

تشریح: مرزا غالب پہلے اسدؔ تخلص کرتے تھے۔ بعد میں اسے بدل کر غالبؔ تخلص اختیار کر لیا۔ کہتے ہیں کہ اے اسدؔ! خواہ ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ گزر جائے (قیامت کے دن ہر شخص اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوگا) مگر ہم درِ جاناں سے اٹھنے والے نہیں ہیں۔ ہم پر کتنی ہی مشکلات و مصائب کیوں نہ آجائیں ہم اپنے محبوب کے دروازے کو ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ یہ ہمارا اصل مقصد حیات ہے ہم اس سے کسی قیمت پر روگردانی نہیں کر سکتے۔

مرزا غالب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے — آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

غزل نمبر ۲

شعر ۱: ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور — کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور

تشریح: کہتے ہیں کہ چونکہ ان کے ہر طرزِ عمل (اشارے) میں کوئی نہ کوئی مقصد پوشیدہ ہوتا ہے جس کا ان کے طرزِ عمل سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے جب وہ مجھ سے اظہارِ محبت کرتے ہیں تو فوراً میرے دل میں گمان پیدا ہوتا ہے کہ ضرور اس میں بھی کوئی مقصد (فریب) پوشیدہ ہے۔ ورنہ وہ اور مجھ سے اظہارِ محبت کریں گے۔

این خیال است و محال است و جنون

گویا محبوب کے اظہارِ الفت پر عدمِ اعتماد کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان کی محبت کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

اس میں بھی خلوص نہیں بلکہ اس کے پردے میں ان کا کوئی اور مقصد پوشیدہ ہے۔

شعر ۲: لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکہ — ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور

حل لغت: خورشید جہاں تاب: دنیا کو روشن کرنے والا سورج۔ داغ نہاں: پوشیدہ یا چھپا ہوا داغ۔

تشریح کہتے ہیں کہ میں ہر روز لوگوں کو ایک نیا داغ جگر دکھاتا ہوں۔ میرے جگر کے داغوں پر لوگوں کو ایک خورشید عالم تاب کا دھوکا ہوتا ہے! یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ آفتاب ہے جو ہر روز طلوع ہوتا ہے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ پیہم اور مسلسل مصائب و آلام کی وجہ سے میرے جگر پر بے کار داغ بن گئے ہیں اور وہ داغ گویا سورج کی طرح چمک رہے ہیں اس شعر کا بنیادی تصور یہ ہے کہ میں انتہائی رنج و غم میں ڈوبا ہوا ہوں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے — اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

شعر ۳: یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات — دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

تشریح کہتے ہیں کہ اے خدا! چونکہ وہ میری گفتگو سے میرا دلی مقصد نہیں سمجھ سکتے اس لئے اگر تو مجھے ایسی زبان یعنی قوت بیان عطا نہیں کرنا چاہتا جو انہیں دلی مطلب سے آگاہ کر سکے تو انہیں ایسا دل عطا کر دے جو میری بات سمجھ سکے۔ مولانا حالیؔ "یادگار غالب" میں لکھتے ہیں کہ "یہ شعر بظاہر معشوق کے حق میں معلوم ہوتا ہے مگر اس میں درپردہ ان لوگوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو مرزا کے کلام کو بے معنی یا بعید الفہم کہتے تھے"۔ بنیادی تصور یہ ہے کہ لوگ میرے مقصدِ دلی کو سمجھ سکیں۔

شعر ۴: ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں — ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور

حل لغت: ہر چند: اگرچہ۔ سبکِ دست: پھرتیلا ہاتھ۔ بت شکنی: بت توڑنا۔ سنگِ گراں: بھاری پتھر۔

تشریح مولانا حالیؔ "یادگارِ غالب" میں لکھتے ہیں کہ "اس شعر میں سارا زور "ہم" کے لفظ پر ہے۔ یعنی جب تک ہماری ہستی باقی ہے اس وقت تک راہ معرفت الٰہی اور ایک اور بھاری پتھر سدِ راہ (رکاوٹ) ہے پس اگر ہم نے بت توڑنے میں مشاقی (سبکدستی) حاصل کی ہے تو کیا فائدہ؟ یہ بڑا بھاری بت یعنی ہماری ہستی تو ابھی موجود ہے"۔ گویا اس شعر میں وحدت الوجود کی تلقین کی گئی ہے کہ جب تک انسان ماسوائے اپنی ہستی کو بھی نہ مٹا دے اس وقت تک حقیقی معرفتِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی

شعر ۵: پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے — رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

تشریح شعر کی نثر یوں ہو گی "جس طرح جب نالے راہ نہیں پاتے تو اور چڑھ جاتے ہیں اسی طرح جب میری طبیعت رکتی ہے تو اور رواں ہو جاتی ہے مولانا حالی یادگار غالب میں لکھتے ہیں کہ "نالے یعنی ندی نالے نہ کہ آہ و نالے۔ یہ مثال (جب راہ نہیں پاتے تو ندی نالے چڑھ جاتے ہیں۔ یعنی پانی کناروں سے باہر نکل آتا ہے) کس قدر ممثل لہ (جس سے مثال دی گئی ہے) کے مطابق ہے اور مضمون کتنا مطابق واقعہ کے ہے۔ فی الحقیقت مصیبت اور رنج و غم کے سبب جوں جوں شاعر کی طبیعت رکتی ہے۔ اسی قدر زیادہ رواں ہوتی ہے خصوصاً جو مضمون وہ اس وقت اپنے حسب حال لکھتا ہے۔ نہایت موثر اور درد انگیز ہے۔ بنیادی تصور یہ ہے کہ رکاوٹ دور ہونے کے بعد کلام میں زیادہ روانی پیدا ہو جاتی ہے۔

شعر ۶: تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے ۔۔۔ لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

تشریح کہتے ہیں کہ چونکہ تمہارے حسن نے قیامت برپا کر رکھی ہے یعنی جو شخص تمہیں دیکھ لیتا ہے۔ اپنے دل و جان سے تنگ آ جاتا ہے۔ زندگی اس کے لئے دوبھر ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے دل و جان کے ہاتھ سے چلے جاتے رہنے کا کوئی غم نہیں ہے۔ جس وقت ضرورت ہو گی۔ بازار سے سستے داموں خرید لیں گے۔ بیچنے والے ہر قدم پر موجود ہیں اس شعر میں حسن محبوب کی شہر آشوبی کا بیان ہے۔

شعر ۷: ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے ۔۔۔ کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

حل لغت: سخنور، شاعر و ادیب۔ انداز بیاں اور: لکھنے کا طریقہ اور ہے۔

تشریح کہتے ہیں کہ اگرچہ دنیا میں میرے علاوہ اور بھی بڑے بڑے شاعر اور ادیب موجود ہیں لیکن سبھی کی یہی رائے ہے کہ غالبؔ کا انداز بیاں سب سے الگ اور نرالا ہے۔ فی الواقع مرزا غالبؔ کا انداز بیان ایک منفرد اور یگانہ حیثیت رکھتا ہے مضمون پرانا ہو یا نیا وہ اس کے اظہار کے لئے ایسا اسلوب اور انداز اختیار کرتے ہیں کہ اس میں ایک شان اور جدت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے اسی انداز بیان پر دنیا مٹی جاری ہے وہ اپنے انداز بیان پر جس قدر فخر کرتے ہیں، بالکل بجا ہے۔ یہ شعر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

غزل نمبر ۳

شعر ۱: ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟ ۔۔۔ تمہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

تشریح "تو کیا ہے؟" یہ استفہام تحقیر کے لئے ہے یعنی میری نگاہ میں تیری کوئی عزت یا وقعت نہیں۔ کہتے ہیں کہ تم میری ہر بات پر یہ کہتے ہو کہ میرے سامنے تیری کیا حقیقت ہے؟ یعنی تو بہت ذلیل ہے، تم خود ہی انصاف کرو کہ یہ انداز گفتگو تہذیب سے کس قدر گرا ہوا ہے۔ گویا اس شعر میں محبوب کا فخر و غرور بیان کیا گیا ہے۔ شعر میں بڑی روانی سلاست اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ یہ مرزا غالب کا تیسرے دور کا کلام ہے جبکہ انہوں نے میر تقی میر کے رنگ میں طبع آزمائی شروع کر دی تھی۔ سادگی کے ساتھ ساتھ اندازِ بیان کی خوبی اپنی جگہ پر بدستور قائم ہے

شعر۲: چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے؟

حل لغت: پیراہن: لباس۔ جیب: گریبان۔ حاجت رفو: سینے کی ضرورت

تشریح چونکہ ہمارا بدن لہو لہان ہو رہا ہے اور اس کی وجہ سے ہمارا لباس بدن سے چپک گیا ہے۔ اس لئے اب ہمیں گریبان کو سینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری دیوانگی حد سے بڑھ چکی ہے۔ اب اس کا مداوا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیا جائے۔

شعر۳: جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے؟

تشریح کہتے ہیں کہ آتش فراق سے میرا سارے کا سارا بدن جل کر خاک ہو چکا ہے اس لئے دل بھی اس کے ساتھ جل گیا ہوگا لہٰذا تم جو اب راکھ کرید رہے ہو تو تمہیں کیا ہاتھ آسکتا ہے۔ اگر تمہیں میرا دل ایسا ہی عزیز تھا تو جلنے سے پہلے اسے بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔

طباطبائی نے کریدنے کے لفظ پر اعتراض کیا ہے کہ محبوب کیا مرغی ہے جو راکھ کریدتی ہے؟ پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں کہ "ان کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ کریدنے کا لفظ مرغی اور آدمی دونوں کے لئے بولا جاتا ہے میری رائے میں تو یہ شعر بیت الغزل ہے۔ بلکہ غالب کے نشتروں میں سے ہے اس میں جو سوز و گداز مخفی ہے اس کا بیان لفظوں کے ذریعے ناممکن ہے۔"

شعر۴: رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے؟

تشریح کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ خون رگوں میں گردش کرتا رہے۔ مزا تو جب ہے کہ یہ آنکھ سے ٹپکے۔ بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی "شعر کی خوبی اس کے اندازِ بیان میں مضمر ہے اور یہ انداز بیان ہی کلام غالب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ دراصل وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عاشقی کی معراج یہ ہے کہ عاشق کے دل میں سوز و گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہو جائے کہ اس کا خون آنسو بن کر آنکھ کی راہ سے بہہ جائے۔ لیکن اس بات کو اس انداز سے کہا

ہے تو اس خون کی ہماری نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں جو محض رگوں میں دوڑتا پھرے۔ کیونکہ اس صورت میں انسان اور حیوان کی زندگی میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ بات تو جب ہے کہ وہ خون آنکھوں سے ٹپکے۔ گویا غمِ دوستی کا کمال ظاہر کیا ہے بہت عمدہ شعر کہا ہے۔ بقول حفیظ جالندھری ؎

آنکھوں سے گر رہے ہیں ٹکڑے مری فغاں کے ۔۔۔ غمّاز بن گئے ہیں آنسو غمِ نہاں کے

شعر ۵: یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے ۔۔۔ وگرنہ خوفِ بد آموزیٔ عدو کیا ہے

حل لغت: رشک: غیرت: یہ خواہش کہ جو چیز دوسرے کے پاس ہے ہمیں بھی مل جائے ہم سخن: ہم کلام۔ بد آموزیٔ عدو: دشمن کی بدگمانی۔

تشریح: کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات پر رشک اور غیرت ہے کہ رقیب تم سے ہم کلام ہوتا ہے۔ ہم یہ بات گوارا نہیں کر سکتے۔ ورنہ ہمیں اس بات کا کیا خوف ہے کہ دشمن ہمارے بارے میں بدگمان کر دے گا یعنی اگر میں تم کو ملاقاتِ رقیب سے منع کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مجھے یہ خوف ہے کہ وہ تمہیں میری طرف سے بدگمان کر دے گا۔ بلکہ اس لئے کہ مجھے اس بات پر رشک آتا ہے یعنی یہ بات گوارا نہیں ہے کہ وہ تم سے ہم کلام ہونے کی عزت حاصل کرے۔ ایک اور مقام پر مرزا غالب کہتے ہیں ؎

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں ۔۔۔ ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں؟

شعر ۶: رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی ۔۔۔ تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

حل لغت: طاقتِ گفتار: بولنے کی طاقت۔

تشریح: کہتے ہیں کہ اول تو ہمارے اندر اظہارِ آرزو کی طاقت ہی باقی نہیں رہی ہے لیکن اگر طاقت حاصل ہو بھی جائے تو ہمیں امید نہیں ہے کہ محبوب ہماری آرزو پوری کر دے گا اس لئے خاموشی ہی مناسب ہے گویا عالمِ مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ مرزا غالب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب ۔۔۔ کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

شعر ۷: ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا ۔۔۔ وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے؟

حل لغت: مصاحب: ساتھی: خالص دوست۔ اترانا: فخر و غرور کرنا۔ آبرو: عزت۔

تشریح: کہتے ہیں غالب بادشاہ کا ساتھی اور دوست بنا ہوا ہے۔ اس لئے فخر کرتا پھرتا ہے ورنہ شہر میں اسے کون پوچھتا ہے اور اس کی کیا عزت ہے؟ لطفِ زبان اور اندازِ بیان میں طنز کا رنگ جھلکتا ہے۔ دونوں باتیں قابلِ داد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دراصل غالب کی شہر میں کوئی عزت نہیں ہے۔ مگر جب سے وہ بادشاہ کا مصاحب بنا ہے۔ اس وقت سے اتراتا

پھرتا ہے۔ یعنی اس کو جو کچھ عزت حاصل ہے وہ بادشاہ کی مصاحبت کی وجہ سے ہے۔ اس طرح اظہار خاکساری کیا ہے۔ استاد ذوقؔ پر بھی چوٹ کا پہلو نکلتا ہے۔ کیونکہ وہ بہادر شاہ ظفر کا درباری شاعر تھا۔

مولانا الطاف حسین حالیؔ: مولانا حالی کو قومی شاعری کا بانی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے شاعری کو اصلاحی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات، سادگی و سلاست، صداقت، سوز و گداز، دھیما پن، اصلاحی رنگ، ملی درد اور خلوص و سچائی ہیں۔

غزل نمبر ۱

شعر ۱: کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر　　ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر

حل لغت: جلوہ گر کرنا: ظاہر کرنا۔

تشریح: یہ غزل تغزل کی بجائے اصلاحی رنگ میں کہی گئی ہے کہتے ہیں کہ اگر ہم میں ایک ہنر بالخوبی ہوتی ہے تو ہم سو سو طرح سے اس کا اظہار کرتے ہیں ہم ریاکاری اور دکھاوے سے کام لیتے ہیں ہونا تو یہ چاہیے کہ اس ہنر کو خاموشی کے ساتھ بروئے کار لائیں۔ تاکہ اس سے ملک و قوم اور انسانیت کو فائدہ پہنچے۔ ہم یہ کام تو کرنے سے رہے اس کے مقابلے میں یہ کرتے ہیں کہ اس ہنر کا خوب ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور جا بجا اس کا اظہار کرتے ہیں اور یوں پھولے نہیں سماتے یہ بہت بڑی اخلاقی برائی ہے۔

شعر ۲: جانتے ہیں آپ کو پرہیز گار　　عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر

تشریح: کہتے ہیں کہ اگر ہم کوئی عیب نہیں کر سکتے تو اپنے آپ کو نیک، پارسا اور پرہیز گار سمجھتے ہیں۔ اصل پرہیز گاری اور پارسائی تو یہ ہے کہ انسان گناہ اور عیب کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر ان سے بچ کر رہے لیکن یہ کوئی بہادری نہیں ہے کہ ایک شخص میں گناہ یا عیب کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو اور پھر وہ پرہیز گاری کا دعویٰ کرے مثلاً جوانی کی توبہ کی بڑی قدر و قیمت ہے لیکن بڑھاپے میں توبہ کرنا تو کوئی بہادری کا شیوہ نہیں ہے کیونکہ اس عمر میں انسان ویسے ہی بے کار اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہی مثال ہوئی کہ عصمت بی بی از بے چادری۔ فارسی کا ایک شعر ہے

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری　　وقت پیری گرگ ظالم مے شود پرہیز گار

یعنی جوانی میں توبہ کرنا پیغمبری شیوہ ہے۔ بڑھاپے میں بھیڑیا پرہیز گار بن جاتا ہے۔

شعر ۳: کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب　　کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر

حل لغت: مدح: تعریف۔

تشریح کہتے ہیں کہ بالعموم دیکھنے میں آتا ہے کہ جب کسی شخص کی تعریف کرنی پڑتی ہے تو اکثر ہم مختصر تقریر کرتے ہیں۔ لیکن جب اپنی تعریف کرنے پر آتے ہیں تو سلسلہ تقریر رکتا ہی نہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ دوسروں کی بھی جائز تعریف کرے اور ان کی خدمات اور صلاحیتوں کا اعتراف کرے۔ یہ انسان کی عالی ظرفی ہے اس سلسلے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیئے بلکہ جو خوبی کسی میں واقعی موجود ہو اس کی مناسب تعریف ضروری ہے۔ خوشامد یا بیجا تعریف تو بُری چیز ہے۔ لیکن جائز و مناسب تعریف اور حوصلہ افزائی ضروری ہے۔

شعر ۴: گر کسی کا عیب سُن پاتے ہیں ہم   کرتے ہیں رسوا اُسے دل کھول کر

تشریح اس شعر میں مولانا حالی نے ایک اور اخلاقی برائی کی نشاندہی کی ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر ہم کسی کا کوئی عیب سن پاتے ہیں تو اسے خوب دل کھول کر ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔ یہ کوئی پسندیدہ اور مستحسن بات نہیں ہے۔ ہمیں کسی کے عیبوں کو اُچھالنا نہیں چاہیئے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "جو شخص کسی کا عیب چھپاتا ہے قیامت کے روز خدا اس کا عیب چھپائے گا" غلطی ہر ایک سے ہو سکتی ہے۔ آدمی کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

شعر ۵: کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی   شکر کے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر

حل لغت: خواہاں: خواہشمند

تشریح اس شعر میں مولانا حالی نے ایک اور اخلاقی بُرائی بیان کی ہے کہتے ہیں کہ ہمارا شیوہ یہ ہے کہ اگر ہم نے کسی سے کوئی بدی کی ہے تو عمر بھر اس سے شکر گزار رہنے کے خواہش مند رہتے ہیں حالانکہ اس کے ساتھ برائی نہ کر کے ہم نے کوئی احسان نہیں کیا۔ کوئی تیر نہیں مارا۔ یہ کوئی بڑا کمال نہیں ہے بلکہ یہ تو ہمارا اخلاقی فرض ہے کسی سے برائی نہ کریں یہ کم ظرفی اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے کہ ہم کسی سے برائی نہ کرنے کے بدلے میں اس کی شکر گزاری کے متمنی ہوں۔

شعر ۶: ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب   ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احسان اگر

حل لغت: رنجش: ناراضگی۔

تشریح اس شعر میں یہ اخلاقی بُرائی بیان کی گئی ہے کہ اگر ہم پر کسی کے لاکھ احسان ہوں تو ہم ایک ہی ناراضگی میں ان سب احسانوں کو بھلا دیتے ہیں احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے ناکہ ناچاقی! بسا اوقات معمولی رنجش ہو جاتی ہے لیکن اس کی بناء پر سب کئے دھرے پر پانی نہیں پھیر دینا چاہیئے۔ انسان کو حوصلے، تحمل اور بردباری سے کام لینا چاہیئے۔

بقول مرزا داغ

ذرا سی بات پر اے داغ تم ان سے بگڑ بیٹھے
اسی کا نام الفت ہے؟ محبت ایسی ہوتی ہے

شعر۷: خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں — کھینچ کر لاتے ہیں اس کو سوئے شر

حل لغت: خیر: بھلائی۔ ظن: گمان۔ سوئے شر: برائی کی طرف

تشریح

اس شعر میں ایک اور اخلاقی برائی بیان ہوئی ہے کہتے ہیں کہ ہمارا یہ وطیرہ ہے جہاں بھلائی کا گمان غالب ہوتا ہے۔ ہم اسے کھینچ تان کر برائی کی طرف لے آتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ جہاں تک ہوسکے حسن ظن سے کام لے اور بے جا بدگمانی سے بچے جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ "بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔"

شعر۸: بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو — عیب ان کا ظاہر اور اپنا ہنر

حل لغت: ناصح: نصیحت کرنے والا۔

تشریح

اس شعر میں یہ اخلاقی برائی بیان کی گئی ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو بہت نصیحت کرتے ہیں تاکہ ان کا عیب اور اپنی خوبی ظاہر ہو۔ دوسروں کی خیر خواہی اصل نصیحت ہے۔ نصیحت خلوص پر مبنی ہونی چاہیئے اور پھر اس کے لئے مناسب وقت ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم ہر وقت دوسروں کو اس غرض سے نصیحت کرتے رہیں کہ ان کے عیب اور ہماری خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ انسان کو اپنی نیکی پر اترانا نہیں چاہیئے اور دوسروں کی بُرائی کو اچھالنا نہیں چاہیئے۔

شعر۹: دوست اِک عالم کے پرمطلب کے دوست — ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

حل لغت: عالم: جہان: دنیا۔ حذر: پرہیز: انکار

تشریح

اس شعر میں اخلاقی برائی یہ بیان کی گئی ہے کہ بعض لوگوں کا یہ شیوہ ہوتا ہے کہ وہ پورے جہان کو دوست رکھتے ہیں۔ لیکن ان کی دوستی مطلب کی دوستی ہوتی ہے۔ اس میں خلوص نہیں ہوتا۔ ایسے دوستوں سے خدا بچائے۔ ان سے پرہیز بہتر ہے حقیقی دوستی یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر خلوص ہو۔ ان میں کوئی مطلب یا غرض مضمر نہ ہو۔ جیساکہ ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔ اَلحبُّ لِلّٰہِ وَالبُغضُ لِلّٰہِ یعنی محبت بھی اللہ کے لئے اور دشمنی بھی اللہ کے لئے (یعنی اللہ کی خاطر)

غزل نمبر ۲

شعر۱: درد اور درد کی ہے سب کے دوا ایک ہی شخص یاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

حل لغت: جلاد: قاتل: بے رحم: ظالم۔ مسیحا: حضرت علیٰؑ کا لقب: مراد وہ شخص جو کسی مرتے ہوئے انسان کو جلادے۔ بخدا: خدا کی قسم۔

تشریح کہتے ہیں کہ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ جو شخص درد دینے والا ہے وہی اس درد کی دوا ہے یعنی جو شخص دکھ پہنچانے والا ہے وہی اس کا مداوا کرنے والا ہے۔ خدا کی قسم! یہاں قاتل اور مسیحا ایک ہی شخص ہے یعنی ایک طرف تو وہ نہایت بے رحمی اور بے دردی سے قتل کرتا ہے اور پھر مسیحائی کرنے والا بھی وہی ہے۔ ایک شخص بیک وقت جب دو متضاد اوصاف کا حامل ہو تو پھر انسان کیا کرے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی انصاف پسندی کا تقاضا نہیں ہے کہ جو شخص ظلم و ستم کا ارتکاب کر رہا ہے وہی اس کا مداوا کرنے پر مامور ہو۔

شعر۲: قافلے گزریں وہاں کیونکر سلامت واعظ ہو جہاں راہزن و رہنما ایک ہی شخص

حل لغت: واعظ: وعظ کرنے والا۔ راہزن: ڈاکو۔

تشریح کہتے ہیں کہ اے واعظ! وہاں سے قافلے کس طرح صحیح سلامت گزر سکتے ہیں جہاں ڈاکو اور رہنما (رہبر) ایک ہی شخص ہو۔ یعنی رہبر کا کام تو قافلے کی رہنمائی کرتا ہے لیکن جب رہبر ہی ڈاکو لٹیرا بن جائے تو قافلے کس طرح حفاظت سے منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ اگر قوم کے رہبر و رہنما ہی قوم کو لوٹنا شروع کر دیں تو پھر قوم کا اللہ ہی حافظ و نگہبان ہے۔

شعر۳: قیس سا پھر نہ اٹھا کوئی بنی عامر میں فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

حل لغت: قیس: مجنوں۔ بنی عامر: مجنوں کا خاندان۔ سدا: ہمیشہ۔

تشریح کہتے ہیں کہ مجنوں جیسا پھر کوئی سچا عاشق بنی عامر میں پیدا نہ ہوا۔ ہمیشہ ایک ہی شخص خاندان کے لئے باعث فخر ہوتا ہے۔ یہ قیس (مجنوں) ہی تھا جس نے عشق کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ دیا جو در بدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا اور جنگلوں کی خاک چھانتا رہا۔ انہی قربانیوں کے باعث اسے دنیائے محبت میں وہ ناموری حاصل ہوئی جو کسی کے حصے میں نہیں آسکی آج بھی اس کا نام عشق کی دنیا میں بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔

شعر۴: بھگتے دیکھے ہیں جن لوگوں کے ان آنکھوں نے آج ویسا کوئی دے ہم کو دکھا ایک ہی شخص

تشریح: مولانا حالیؔ فرماتے ہیں کہ ہماری آنکھوں نے جن لوگوں کے ہجوم دیکھے ہیں آج ویسا

ہیں کوئی ایک ہی شخص دکھادے۔ مطلب یہ ہے کہ آج یہاں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو پچھلے بڑے لوگوں کی طرح لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ لوگ اس کے گرد ہجوم کئے ہوں اور وہ ایک عالم کو فیض پہنچاتا ہو۔

شعر۵: گھر میں برکت ہے مگر فیض ہے جاری شب و روز
کچھ بھی، شیخ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص

حل لغت: بخدا: خدا کی قسم۔

تشریح

کہتے ہیں کہ شیخ صاحب کے گھر میں بڑی خیر و برکت ہے۔ دولت اور مال و اسباب دنیا کی ریل پیل ہے کسی چیز کی کمی نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ رات دن ان کا فیض بھی جاری ہے یعنی ان کی پیری مریدی کا سلسلہ بھی بہت وسیع ہے دور دور تک ان کی شہرت پہنچی ہوئی ہے لوگ ان کے بڑے ارادتمند و عقیدت مند ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الگ الگ شخص ہیں لیکن کچھ بھی ہو خدا کی قسم شیخ ایک ہی شخص ہے یہ سب اسی کے کرشمے ہیں۔ یہاں شیخ پر بھر طنز کی ہے بقول علامہ اقبال ؎

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
اور ہم کو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی

شعر۶: اعتراضوں کا زمانے کے ہے حالی یہ نچوڑ
شاعر اب ساری خدائی میں ہے کیا ایک ہی شخص

حل لغت: خدائی: دنیا۔

تشریح

کہتے ہیں کہ اے حالی! زمانے کے تمام اعتراضات کا نچوڑ یہ ہے کہ کیا اب ساری دنیا میں ایک ہی شخص ہے شاعر، اور وہ حالی ہے؛ یاد رہے کہ مولانا حالی نے عام روش سے ہٹ کر اصلاحی قسم کی شاعری کی۔ اور شاعری کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ ان کے ہم عصروں نے ان پر بڑے بڑے اعتراضات کئے ان اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا اب دنیا میں حالی ہی ایک شاعر رہ گیا ہے جس کا سکہ رواں ہے۔ اس شعر میں مولانا حالی نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے آپ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں ؎

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکان سب سے الگ

غزل نمبر ۳

شعر۱: ان کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

تشریح

کہتے ہیں کہ محبوب کے چلے جانے کے بعد گھر کی صورت عجیب ہو گئی ہے گھر ویران و ویران دکھائی دیتا ہے، ہر چیز پر اداسی چھائی ہوئی ہے گویا

درو دیوار کی صورت ہی تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔ ان کی موجودگی میں گھر آباد تھا۔ یہاں رونق اور چہل پہل تھی۔ زندگی کے آثار تھے۔ لیکن اس گھر کے درو دیوار سے اداسی ٹپکتی ہے۔ انہوں نے چلے جانے سے گھر سونا کر دیا ہے۔ اس کی رونق اور چہل پہل رخصت ہو گئی ہے اور آبادی کی جگہ ویرانی نے لے لی ہے۔ بہت عمدگی کے ساتھ محبوب کے بغیر گھر کا نقشہ پورا پورا کھینچ لیا ہے۔

شعر ۲: کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل ۔۔۔ کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت

حل لغت: پیمانِ وفا: وفاداری کا معاہدہ۔ گلِ تر: تر و تازہ پھول۔

تشریح کہتے ہیں کہ اے بلبل! تو کس سے وفاداری کا معاہدہ کر رہی ہے کیا تو اس معاہدے پر پوری اترے گی۔ اس کا امکان کم ہی نظر آتا ہے۔ تیرا یہ پیمانِ وفا عارضی ہے۔ آج تو اس پھول پر بیٹھی ہے کل کسی اور پھول پر جا بیٹھے گی تو باغ چھوڑ کر چلی جائے گی اور پھر صورت یہ ہو گی کہ تو اس تر و تازہ پھول کو پہچان نہ سکے گی جس سے تو پیمانِ وفا باندھ رہی ہے۔ بلبل پھول کی شیدائی ہوتی ہے۔ گویا بلبل عاشق ہے اور پھول محبوب۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیمانِ وفا پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکے گی۔ کیونکہ بلبل کسی ایک پھول پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ وہ بیک وقت کئی پھولوں کو چاہتی ہے۔

شعر ۳: دیکھئے شیخ مصور سے کھنچے یا نہ کھنچے ۔۔۔ صورت اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

تشریح کہتے ہیں کہ اے شیخ صاحب! دیکھئے مصور سے آپ جیسے بے عیب انسان کی تصویر کھنچ سکتی ہے یا نہیں۔ یہ کام مشکل ہی نظر آتا ہے کیونکہ ایسے عیب شخص کی تصویر کون کھینچ سکتا ہے؛ اس شعر میں شیخ پر طنز کی گئی ہے۔ وہ بظاہر بہت پارسا، متقی اور پرہیزگار انسان بنتا ہے۔ اسے اپنی نیکی پر بڑا غرور ہے اور وہ دوسروں کی عیب چینی کرتا ہے اور انہیں حقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت ۔۔۔ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

شعر ۴: واعظو! آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے ۔۔۔ یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

تشریح کہتے ہیں کہ اے واعظو! تم نے لوگوں کو دوزخ کی آگ سے ایسا ڈرایا ہے کہ خود ڈر اور خوف کی تصویر بن کر رہ گئے ہو۔ یہاں پھر واعظوں پر طنز کی ہے۔ وہ ہر وقت لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈراتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ جہنم کی وعیدوں اور سزاؤں کا حال سناتے رہتے ہیں۔ جس سے بندے بیچارے سہم جاتے ہیں۔ واعظوں کو چاہیئے کہ وہ رحمتِ خداوندی کا حال بھی لوگوں کو بتائیں۔ تاکہ اس کے بندے اس کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے کہ "میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے۔" مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو محض عذابِ دوزخ ہی سے ڈراتے نہیں رہنا چاہیئے بلکہ اس کی رحمت و بخشش کا

حال بھی بیان ہونا چاہیئے۔

شعر۵: ہیں بچا تیرِ حوادث سے نشانہ بن کر ... آڑے آئی مرے تسلیم، سپر کی صورت

حل لغت: تیر حوادث، مصائب کے تیر۔ تسلیم، مان لینا۔ سپر، ڈھال۔

تشریح: کہتے ہیں کہ میں مصائب کے تیر سے اس کا نشانہ بن کر بچا۔ اس طرح میرا مان لینے کا جذبہ ڈھال کی صورت میں کام آیا۔ مطلب یہ ہے کہ مصائب سے بچنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ان سے اپنا دامن بچاتا رہے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مصائب کا سامنا کرے اور ان کا مقابلہ کرے۔ اس طرح مصائب خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ گویا تسلیم کرنے کی عادت ایک ڈھال ہے جو ہمیں مصائب و آلام سے بچا لیتی ہے۔ مرزا غالب نے اسی قسم کے خیال کی ترجمانی یوں کی ہے۔ ؎

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج ... مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

شعر۶: حملہ اپنے پہ بھی اک بعدِ ہزیمت ہے ضرور ... رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت

حل لغت: ہزیمت: شکست۔ فتح و ظفر: فتح و کامیابی

تشریح: کہتے ہیں کہ شکست و ناکامی کے بعد اپنے پر بھی ایک حملہ ضروری ہے۔ یہی فتح و کامیابی کی ایک صورت باقی رہ گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کی بھی اصلاح کرے۔ کیونکہ اس کے بغیر کامیابی کا حصول ناممکن ہے۔ انسان کو اپنے نفس پر فتح حاصل کرنی چاہیئے۔ یہی کامیابی کی صورت ہے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ ایک جنگ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف جا رہے ہیں"۔ صحابہ کرامؓ کے دریافت کرنے پر حضورؐ نے فرمایا کہ "نفس کا جہاد، جہادِ اکبر ہے"۔

شعر۷: یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار ... پہ ڈراتی ہے بہت آج بھنور کی صورت

حل لغت: بھنور: گرداب: پانی کا چکر۔

تشریح: کہتے ہیں ویسے تو یہ بیڑا کئی بار تباہی میں آیا ہے لیکن آج جو گرداب کی صورت ہے اس سے خوف آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یوں تو مسلمان قوم کو کئی مرتبہ تباہی و بربادی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ لیکن وہ آج کل جس خطرے سے دوچار ہے، اس سے بڑا خوف آتا ہے۔ یاد رہے کہ مولانا حالی کے زمانے میں مسلمان قوم انگریزوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور یہ مسلمان قوم کے لئے ایک بہت بڑا عذاب تھا۔

شعر۸: ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہمان ... دیکھنا آپ کی، اور آپ کے گھر کی صورت

تشریح: کہتے ہیں کہ حالی بھی اپنے محبوبوں کو اپنے گھر میں بلا رہے ہیں، ذرا آپ

کی اور آپ کے گھر کی صورت دیکھیے، شاعر نے اپنے بارے میں کسرِ نفسی کا اظہار کیا ہے۔ اس کے نزدیک وہ اور اس کا گھر اس قابل نہیں ہے کہ اس کا محبوب وہاں آسکے۔ کہاں محبوب کی اعلیٰ ہستی اور کہاں میری حقیر ہستی اور میرا خستہ گھر! بقول مرزا غالب ؎

ہے خبر گرم ان کے آنے کی　　آج ہی گھر میں بوریہ نہ ہوا

ایک اور موقعہ پر مرزا غالب فرماتے ہیں ؎

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد　　آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے

مولانا حسرت موہانی:۔ مولانا حسرت موہانی رئیس المتغزلین کہلاتے ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات شگفتگیٔ بیان، خیال کی جولانی، رنگینیٔ عشق، حسن کی رعنائی، سوز و گداز، حسن بندش، جدتِ تخیل اور درد و اثر ہیں۔

غزل نمبرا

شعرا: رسمِ جفا کامیاب دیکھیے کب تک رہے　　حبِ وطن مستِ خواب دیکھیے کب تک رہے

حل لغت: رسمِ جفا: ظلم کی رسم۔

تشریح یہ غزل اصلاحی اور سیاسی رنگ میں کہی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ دیکھیے کب تک ظلم و ستم کی رسم باقی رہتی ہے اور حبِ وطن کب تک مستِ خواب رہے یاد رہے کہ یہ غزل اس دور میں کہی گئی تھی جب یہاں انگریزوں کے ظلم و استبداد کا دور دورہ تھا اور یہ قوم غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ظلم و استبداد کا یہ دور کب تک باقی رہے اور کب تک ظالم حکمران اس ظالمانہ پالیسی پر گامزن رہیں۔ ادھر ہماری قوم کا یہ حال ہے کہ وہ خوابِ غفلت کا شکار ہے وہ جذبۂ حب الوطنی سے محروم ہے۔ دیکھیے یہ سلسلہ کب تک جاری رہتا ہے۔

شعر۲: دل پہ رہا مدتوں غلبہ یاس و ہراس　　قبضۂ حزم و حجاب دیکھیے کب تک رہے

حل لغت: یاس و ہراس: مایوسی و خوف۔ حزم و حجاب: احتیاط و شرم و حیا: احتیاط و حیا۔

تشریح کہتے ہیں کہ یہ قوم عرصہ دراز تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑی رہی۔ اس کے دل پہ مایوسی و خوف کا غلبہ مدتوں رہا۔ یہ آزادی کی نعمت سے مسلسل محروم رہی۔ اب دیکھیے یہ قوم کب تک احتیاط و حیا اور لحاظ کے زیرِ اثر رہتی ہے۔ شاعر کا اصل مطلب یہ ہے کہ قوم خوابِ غفلت سے بیدار ہو۔ یہ احتیاط و حجاب کی پالیسی ترک کر دے اور حصولِ آزادی کے لئے جد و جہد کرے۔

شعر۳۔ تا بہ کجا ہوں دراز سلسلہ ہائے فریب　　ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھیے کب تک رہے

حل لغت: تا بہ کجا: کب تک۔ فریب: دھوکہ

تشریح
حکمران طبقہ مسلسل اس قوم کو دھوکہ دے رہا ہے۔ دھوکے اور فریب کا یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا۔ دیکھئے لوگوں میں ضبط و برداشت کی قوت کب تک رہتی ہے لیکن ضبط کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ آخر پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا ہے اور پھر حکمران طبقے کا فریب اور ظلم ختم ہو کر رہتا ہے۔

شعر ۴: پردۂ اصلاح میں کوششِ تخریب کا   خلقِ خدا پر عذاب دیکھئے کب تک رہے

حل لغت: تخریب: خراب کرنا، برباد کرنا۔

تشریح
دیکھئے اصلاح کے پردے میں خراب اور برباد کرنے کی کوشش کا عذاب خدا کے بندوں پر کب تک رہے۔ مطلب یہ ہے انگریز حکمران طبقے نے اصلاحات کے نام پر یہاں کے باشندوں کے مذہب، روایات اور تہذیب و تمدن کو مٹانے کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ دیکھئے وہ کب تک رہے۔ یہ عذاب معلوم نہیں کب تک رہے گا۔

شعر ۵: نام سے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم   جبر بزیرِ نقاب دیکھئے کب تک رہے

حل لغت: ستم: ظلم۔ جبر: زبردستی: ظلم۔ بزیرِ نقاب: پردے کے نیچے

تشریح
حکمران طبقے کی طرف سے نت نئے نئے قوانین بنائے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو خوب جکڑ لیا جائے۔ اور اس طرح قانون کے نام پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ تعزیرات اور آرڈیننس نافذ کئے جاتے ہیں اور لوگوں کی آزادی سلب کی جاتی ہے۔ یہ پس پردہ ظلم و زیادتی دیکھئے کب تک رہے۔

شعر ٦: دولتِ ہندوستان قبضۂ اغیار میں   بے حد و بے حساب دیکھئے کب تک رہے

حل لغت: قبضۂ اغیار: غیروں کا قبضہ

تشریح
ملک ہندوستان کی دولت اور اس کے وسائل غیروں کے قبضے میں ہیں۔ یعنی انگریزوں نے اس ملک کی دولت اور وسائل کو خوب لوٹا ہے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس کا کوئی حساب و شمار نہیں۔ دیکھئے یہ لوٹ کھسوٹ کب تک باقی رہتی ہے اس شعر میں شاعر نے اپنے دلی مدعا کا کھل کر اظہار کر دیا ہے۔

شعر ۷۔ ہے تو کچھ اکھڑا ہوا بزمِ حریفاں کا رنگ   اب یہ شراب و کباب دیکھئے کب تک رہے

حل لغت: بزمِ حریفاں: دشمنوں کی محفل۔

تشریح
اب دشمنوں کی محفل کا رنگ کچھ اکھڑا ہوا ہے، یعنی ان کی محفل درہم برہم ہو رہی ہے۔ یہ شراب و کباب دیکھئے کب تک رہے۔ مطلب یہ ہے کہ

حکمران طبقے کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں۔ اس کی گرفت کمزور ہو رہی ہے دیکھئے یہ عیاشی کب تک رہے۔ آخر یہ عیش و نشاط کا یہ سلسلہ ختم ہو کر رہے گا اور لوگ ان مظالم سے نجات پائیں گے۔

شعر ۸: حسرتِ آزاد پہ جورِ غلامانِ وقت — ازرہ بغض و عتاب دیکھئے کب تک رہے

حل لغت: جورِ غلامانِ وقت: وقت کے غلاموں کا ظلم۔ بغض و عتاب: دشمنی و غصہ۔

تشریح کہتے ہیں کہ دیکھئے حسرت آزاد پر ان ابن الوقت غلامان وقت کا ظلم و ستم کب تک رہے جو انہوں نے دشمنی، عداوت اور غضب و غصے کے طور پر روا رکھا ہے۔ انہیں اس ملک کے دشمنوں سے دشمنی اور عداوت ہے۔ وہ غصے اور غضب میں دیوانے ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ یعنی زمانے کے اندھے غلام ہیں۔ ان کے اپنے مفادات ہیں۔ یہ ان مفادات کی خاطر لوگوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ دیکھئے یہ سلسلہ کب تک رہتا ہے آخر ایک نہ ایک دن یہ سلسلہ ختم ہو کر رہے گا۔ بقول علامہ اقبال ؔ

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں — جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

غزل نمبر ۲

شعر ۱: نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے — وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

حل لغت: آشنائے راز: راز سے واقف: محرم راز۔ ناز: فخر۔

تشریح کہتے ہیں کہ جس شخص کو محبوب کی نگاہ محرم راز بنائے وہ اپنی خوش قسمتی پر کیوں نہ فخر کرے۔ جسے محبوب کی توجہ اور التفات حاصل ہو جائے اور وہ اسے اپنا ہمراز بنائے تو پھر اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔ محبوب کے اس التفات اور توجہ کی تو دنیا طلب گار ہوتی ہے۔ اسی کو لوگ مقصد حیات سمجھتے ہیں۔ یہاں مجازی اور حقیقی دونوں معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ حقیقی معنی یہ ہوں گے کہ جس شخص کو اللہ تعالےٰ کا التفات حاصل ہو جائے۔ اس کی خوش بختی کا کیا کہنا۔ ایک بندۂ مومن کا مقصد حیات یہی ہے۔ یہی اس کے لئے سب سے بڑا انعام ہے۔
بقولِ مرزا غالبؔ

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیئے — وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

شعر ۲: دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد — ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

تشریح شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ خدا ترے جنون کا سلسلہ طویل کرے۔ یہ بدستور قائم رہے کیونکہ اس جنون نے مجھے دونوں

جہان کی فکر سے چھوٹ گیا ہوں ۔ اس لئے مجھے اس جنون کا ممنون احسان ہونا چاہیئے ۔ مجھے اس جنون نے ہر قسم کی پریشانی اور فکرمندی سے آزاد کر دیا ہے اور یہ کچھ کم انعام نہیں ہے کہ جب انسان کو کسی سے انتہائی لگن ہو جائے تو پھر وہ اسی میں محو رہتا ہے اور باقی تمام باتوں کو بھول جاتا ہے ۔

جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا ‏ ‏ ‏ آلام روزگار کو آسان بنا دیا

شعر ۳ خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد ‏ ‏ ‏ جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

حل لغت : خرد : عقل ؛ دانائی ۔ کرشمہ : انوکھی بات : شعبدہ

تشریح شاعر محبوب کے بارے میں کہتا ہے کہ آپ کا حُسن بہت شعبدہ باز ہے ۔ اس سے انوکھی انوکھی باتیں ظہور میں آتی ہیں ۔ اسے اختیار ہے کہ جو چاہے کرے ۔ مثلاً یہ بھی کر سکتا ہے کہ عقل و دانائی کا نام جنون یا پاگل پن رکھ دے اور پاگل پن کو عقل و دانائی قرار دے دے ۔ گویا محبوب کا برائی اور بھلائی کا اپنا ہی معیار ہے جو دنیا کے معیار سے یکسر مختلف اور نرالا ہے ۔ یہ شعر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جو اکثر علمی محلسوں میں پڑھا جاتا ہے اس میں بہت روانی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے ۔

شعر ۴ : ترے ستم سے میں خوش ہوں کہ غالباً یوں بھی ‏ ‏ ‏ مجھے وہ شامل ارباب امتیاز کرے

حل لغت : ستم : ظلم ۔ ارباب امتیاز : امتیاز والے : خاص اور ممتاز لوگ ۔

تشریح شاعر محبوب کے بارے میں کہتا ہے کہ میں تیرے ظلم و ستم سے خوش ہوں مجھے امید ہے کہ شاید اسی بہانے مجھے خاص گروہ میں شامل کر لیا جائے چونکہ شاعر محبوب کو دل و جان سے چاہتا ہے اس لئے اسے اس کا ظلم و ستم بھی گوارا ہے کیونکہ اس ظلم و ستم میں بھی ایک طرح کا تعلق پایا جاتا ہے ۔ اس طرح مجھے وہ خاص ، ممتاز اور نمایاں لوگوں میں شامل کرے گا کہ اسے تختۂ مشق بناتا ہے ۔ یہ بات میرے لئے غنیمت ہے اور میری یہ دلی آرزو ہے اصل میں شاعر اپنے محبوب کے التفات کا متمنی ہے خواہ وہ ظلم کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو ۔

شعر ۵ : امیدوار ہیں ہر سمت عاشقوں کے گروہ ‏ ‏ ‏ تری نگاہ کو اللہ دلنواز کرے

حل لغت : ہر سمت : ہر طرف ۔ دل نواز : دل کو نوازنے والی یا دل کو خوش کرنے والی

تشریح شاعر محبوب کے بارے میں کہتا ہے کہ ہر طرف عاشقوں کے گروہ امیدوار کھڑے ہیں ۔ اللہ تیری نگاہ کو دلوں کو نوازنے اور خوش کرنے والی بنائے ۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے عاشق تمہارے طلب گار ہیں وہ تمہیں دل و جان سے چاہتے ہیں تم پر اپنی جان فدا کرتے ہیں ۔ اپنے دلوں میں تمہاری محبت بساتے ہیں ۔ اب ان کی محبت کا جواب محبت سے مل جائے ۔ تم ان کو اپنے التفات اور توجہ سے محروم نہ کرو ۔ تمہاری نگاہ میں غصہ اور غضب نہیں

ہونا چاہیئے بلکہ اس میں دلوں کو موہ لینے والی تاثیر ہونی چاہیئے۔ اسے دلوں کو متاثر کرنا چاہیئے۔

شعر ۶: ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت — اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

حل لغت: کرم: بخشش، عنایت۔ سزاوار: مستحق۔ سرفراز کرنا: بلند مرتبہ کرنا۔

تشریح: شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میں تیری عنایت اور لطف و کرم کا مستحق تو نہیں۔ اب آگے تیری خوشی ہے جو مجھے یہ اعزاز بخشے۔ حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اے خدا! میں تیری بخشش اور عنایت کا حق دار تو نہیں، میں بہت گناہ گار ہوں۔ اب یہ تیری مرضی اور خوشی پہ کہ مجھے یہ اعزاز اور مرتبہ عطا فرمائے۔ اگر تو مجھے یہ عزت بخشے تو یہ تیری شان کریمی ہے، ورنہ میرے اعمال اس قابل نہیں ہیں کہ مجھے یہ اعزاز یا شرف بخشا جائے۔ دراصل شاعر اللہ تعالےٰ سے اس کی رحمت و بخشش کا طلب گار ہے۔ یہی اس کے لئے اصل سہارا ہے۔

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا — پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر — لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

غزل نمبر ۳

شعر ۱: تاثیرِ برقِ حسن جو ان کے سخن میں تھی — اک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی

حل لغت: تاثیرِ برقِ حسن: حسن کی بجلی کا اثر۔ سخن: کلام۔ لرزشِ خفی: پوشیدہ تھر،، ہلکی سی کپکپاہٹ۔

تشریح: شاعر کہتا ہے کہ محبوب کے کلام میں برقِ حسن کا اثر ہے۔ یعنی جس طرح ان کا حسن و جمال بجلی کی سی کیفیت رکھتا ہے۔ اسی طرح ان کی باتو ں میں بھی بجلی کی سی کیفیت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے میرے پورے بدن میں ایک پوشیدہ سی تھرتھراہٹ پیدا ہو گئی۔ میرے پورے جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کا حسن و جما... تو اپنے اندر بے پناہ قوت و تاثیر رکھتا ہے لیکن اس کا اندازِ گفتگو بھی ہوش ربا ہے۔ اس گفتگو سے ... آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ اندازِ گفتگو اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔

شعر ۲: واں سے نکل کر پھر نہ فراغت ہوئی نصیب — آسودگی ... جان تری انجمن میں تھی

حل لغت: فراغت: فرصت۔ آسودگی: آرام، چین۔ انجمن: مجلس، محفل۔

تشریح: شاعر محبوب کے بارے ... میں کہتا ہے کہ تمہاری مجلس یا محفل سے جدا سے ہو

کہ مجھے پھر فراغت و فرصت میسر نہ آسکی۔ تمہاری محفل میں مجھے بے پناہ آرام اور چین حاصل تھا۔ میں اس کیفیت کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ مجھے تمہاری صحبت میں سکون و اطمینان میسر تھا لیکن اس محفل سے بچھڑ کر اب میرا یہ سکون و اطمینان رخصت ہو گیا ہے اور بے قراری و بے چینی مجھ پر مسلط ہو گئی ہے۔ اول تو آسودگی کا لفظ ہی نہایت جامع و موزوں ہے لیکن آسودگی کی جان سے مزید جامعیت و موزونیت پیدا ہو گئی ہے مطلب یہ ہے کہ تمہاری محفل میرے لئے بے حد آرام و چین اور سکون کا سبب تھی۔

شعر ۳: اک رنگ التفات بھی اس بے رُخی میں تھا اک سادگی بھی اس نگہ سحر فن میں تھی

حل لغت: التفات: توجہ، دھیان۔ سحر فن: جادو کا فن یا اثر رکھنے والی

تشریح

شاعر کہتا ہے کہ میرا محبوب مجھ سے بے رخی اور بے توجہی برت رہا تھا لیکن اس بے رخی میں بھی ایک قسم کی توجہ پائی جاتی تھی۔ اس سے بھی میری طرف میلان ظاہر تھا اور یہ بات میرے لئے غایت درجہ وجہ اطمینان ہے کہ مجھے اس قابل سمجھا کہ میری طرف دھیان اور توجہ دی جائے اسی طرح اس کی سادگی میں بھی ایک قسم کا جادو تھا یعنی بے پناہ اثر تھا۔ محبوب کی یہ سادگی ممکنہ بناؤ سنگار اور زیب و زینت سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ یہ سادگی مجھے قتل کئے دے رہی تھی۔ ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

مرزا غالب فرماتے ہیں۔ ؎

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

شعر ۴: کچھ دل ہی بجھ گیا ہے مرا ورنہ آج کل کیفیت بہار کی شدت چمن میں تھی

تشریح

کہتے ہیں کہ میرا دل ہی بجھ گیا ہے یعنی یہ اداس اداس رہتا ہے۔ کسی چیز میں میرا دل نہیں لگتا۔ یہ اکتایا اکتایا ہوا سا ہے۔ میں دل کی یہ کیفیت سمجھنے سے قاصر ہوں۔ حالانکہ آج کل چمن میں بہار اپنے جوبن پر تھی۔ ہر طرف خوشیوں اور مسرتوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے اور بظاہر غمی یا اداسی کی کوئی بات نہ تھی۔ اگرچہ اصل سبب کی وضاحت نہیں کی لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہی سبب سوائے محبت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار دل بیاباں کیا ہوا عالم بیاباں ہو گیا

بقول علامہ اقبال ؎

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شعر ۵: غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی جو روشنی کہ شام سوادِ وطن میں تھی

حل لغت: غربت: مسافرت۔ سوادِ وطن: وطن کا آس پاس۔

تشریح شاعر کہتا ہے کہ مسافرت اور پردیس کی صبح میں بھی وہ روشنی اور آب و تاب نہ تھی جو روشنی اور آب و تاب کہ وطن کے قرب و جوار اور آس پاس کی شام میں تھی۔ مطلب یہ ہے کہ پردیس یا مسافرت کی صبح سے وطن کی شام بہتر ہے۔ انسان کو جو سکون و راحت اور چین و آرام وطن میں حاصل ہوتا ہے وہ پردیس میں دور دور تک نظر نہیں آتا اسی لئے کہا گیا ہے کہ "جو آرام چھجو کے چوبارے، وہ نہ بلخ نہ بخارے"۔ وطن کا قرب و جوار انسان کے لئے فی الواقع ایک نعمت عظمیٰ اور پردیس کی تکالیف اور مصائب و آلام اس کی برداشت سے باہر ہیں۔ وطن میں اگر تکلیف بھی ہو تو وہ پردیس کے آرام سے بہتر ہے۔

حُبِ وطن از ملک سلیمان خوشتر   خارِ وطن از سنبل و ریحان خوشتر

شعر ۶: اچھا ہوا کہ خاطرِ حسرت سے مٹ گئی   ہیبت سی اک جو خطرۂ دار و رسن میں تھی

حل لغت: خاطر: طبیعت، مزاج۔ ہیبت: خوف، دہشت۔ دار و رسن: پھانسی و رسی۔

تشریح کہتے ہیں کہ اچھا ہوا کہ حسرت کے مزاج اور دل سے وہ خوف اور دہشت دور ہو گئی۔ جو تختۂ دار یعنی پھانسی کے تختے میں تھی۔ بالعموم تختۂ دار کا دل پر بڑا خوف سا چھایا ہوتا ہے لیکن جب انسان سچ مچ تختہ دار تک پہنچ جائے تو پھر اس کے دل سے اس کا خوف مٹ جاتا ہے کیونکہ جب انسان اپنے آپ کو جان کی بازی لگانے پر آمادہ و تیار کرے تو پھر جان جانے کا خوف لاحق نہیں رہتا بلکہ اس موقع پر اس کا دل بے خوف ہو جاتا ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا   ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

علامہ محمد اقبالؒ:- دنیائے شعر و ادب میں علامہ اقبال ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتے ہیں انہوں نے اپنی شاعری کو ایک عظیم مقصد اور پیغام کا ذریعہ بنایا ہے۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات منفرد لب و لہجہ، دعوت فکر و عمل، جد و جہد، فلسفیانہ انداز، اثر آفرینی احساس خودی، ملی درد اور عظمت رفتہ کا احساس ہیں۔

غزل نمبر ۱

شعر ۱ کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد   مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

حل لغت: اہلِ نظر: آنکھوں والے، صاحب عقل و ہوش۔ سوئے کوفہ: کوفہ کی طرف۔

تشریح علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ صاحبانِ عقل و ہوش نئے شہر آباد کریں گے کیونکہ میری نگاہ کوفہ و بغداد کی طرف نہیں۔ یاد رہے کہ کوفہ و بغداد خاص شہروں کے نام ہیں، جن سے محدود مقامی رنگ جھلکتا ہے۔ جبکہ علامہ آفاقیت اور عالم گیریت کے قائل ہیں وہ ایسی بستیاں آباد کرنا چاہتے ہیں جن میں عالمگیر اور آفاقی رنگ ہو۔ وہ محدود حد بندی کی بجائے وسعت

چاہتے ہیں، وہ تنگ آب جو بننا پسند نہیں کرتے بلکہ بحر ناپیدا کنار بننا چاہتے ہیں، علامہ اقبال ایک اور موقع پر فرماتے ہیں ؎

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک　　　ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لئے

شعر ۲: یہ مدرسہ یہ جواں یہ سرور و رعنائی　　　انہیں کے دم سے ہے میخانۂ فرنگ آباد

حل لغت: سرور: لطف انگیز نشہ، رعنائی: خود آرائی، دلربائی۔ میخانہ: شراب خانہ۔

تشریح علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ انگریزی شراب خانہ مدرسے، جوان، لطف انگیز نشے اور خود آرائی و دلربائی ان ہی سے آباد ہے، مطلب یہ ہے کہ انگریزی تہذیب انہی چیزوں سے عبارت ہے۔ سکول و کالج میں ان انگریزوں نے اپنا مخصوص مادہ پرستانہ نظام تعلیم رائج کر رکھا ہے نئی پود کو انہوں نے گمراہی اور بے دینی کے راستے پر ڈال رکھا ہے، یہ نوجوان مغربی تہذیب کے چلتے پھرتے نمونے ہیں، انہوں نے مغربی اقدار و روایات اپنا رکھی ہیں۔ انگریزی تہذیب کے دو اور اجزا لطف انگیز نشہ، موسیقی اور خود آرائی و دلربائی ہیں۔ رقص و سرور اور گانا بجانا اس تہذیب کے لازمی حصے ہیں اور پھر آرائش و زینت، میک اپ اور بناؤ سنگار کے بغیر تو یہ تہذیب مکمل نہیں ہوتی۔

شعر ۳: نہ فلسفی سے نہ ملّا سے ہے غرض مجھ کو　　　یہ دل کی موت وہ اندیشہ و نظر کا فساد

تشریح علامہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہ تو فلسفی سے غرض ہے اور نہ ملا سے، یہ دونوں میرے کام کے نہیں، دونوں غلط روش پر ہیں، جہاں تک فلسفی کا تعلق ہے وہ مادہ پرستی میں ڈوبا ہوا ہے اور روحانیت سے عاری ہے۔ وہ صرف عقل کا پرستار ہے اور دل کی دنیا سے بے خبر ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی ؎

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں　　　ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

جہاں تک ملا کا تعلق ہے تو اس کی ذات فکر و نظر کا فساد ہے۔ وہ تنگ نظر اور متعصب ہے وہ فتنہ و فساد کا موجب بنتا ہے وہ آفاقی اور عالمگیر نظریات و خیالات نہیں رکھتا بلکہ بری طرح تنگ نظری کا شکار ہے۔ بقول علامہ اقبال ع

دین ملّا فی سبیل اللہ فساد

شعر ۴: فقیہہ شہر کی تحقیر کیا مجال مری　　　مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد

حل لغت: فقیہہ: علم دین جاننے والا۔ تحقیر: حقیر جاننا: تذلیل۔ مجال: طاقت: حوصلہ۔ کشاد: کشادگی: وسعت۔

تشریح کہتے ہیں کہ میری کیا طاقت یا حوصلہ ہے کہ میں شہر کے عالم کی تذلیل کروں، میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ عالم دین کا علم رکھتا

ہے اور اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ مگر میں تو دل کی فراخی اور وسعت ڈھونڈتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ فقیہہ تنگ دل اور تنگ نظر ہے جبکہ میں چاہتا ہوں کہ وہ فراخدل اور وسیع النظر ہو۔ فقیہہ کو فراخ دلی اور وسعتِ نظری کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں اور ہدایت و رہنمائی حاصل کریں۔

شعر ۵: کئے ہیں فاش رموزِ قلندری میں نے
کہ فکر مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد

حل لغت: فاش کرنا: ظاہر کرنا۔ رموز: رمز کی جمع: نکتے۔ قلندری: درویشی: اپنے وجود اور دنیا سے بے خبر ہو کر ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہونا۔

تشریح کہتے ہیں کہ میں نے قلندری اور درویشی کے راز اور نکتے اس لئے ظاہر کئے ہیں کہ مدرسہ و خانقاہ کی سوچ آزاد ہو۔ قلندر اپنے وجود اور دنیا سے بے خبر ہو کر ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ دنیا اور اس کے مفادات سے کچھ غرض نہیں رکھتا لیکن ہمارے مدرسوں اور خانقاہوں کا اندازِ فکر صحیح نہیں ہے۔ یہ مقامات تنگ نظری اور تنگ دلی کا شکار ہیں۔ ان میں وسعت و کشادگی نہیں ہے۔ انہوں نے خود کو عجیب و غریب روایات کا پابند بنا رکھا ہے ان کے پاس وہ نسخہ نہیں ہے جو قوموں کو حیاتِ نو بخشتا ہے۔ الٹا یہ قوم کو غفلت کی نیند میں مدہوش کرتے ہیں

علامہ اقبال ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

شعر ۶: رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

حل لغت: رشی: سادھو، درویش۔ طلسم: جادو۔ عصا: لاٹھی۔

تشریح کہتے ہیں کہ سادھو کے فاقوں سے برہمن کے جادو کا توڑ نہیں ہو سکتا۔ اگر لاٹھی نہ ہو تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ محض نفس کشی، مجاہدے اور بھوک پیاس سے کفر اور باطل کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قوت و شوکت کی ضرورت ہے جس طرح اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰؑ کو یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ لاٹھی سانپ بن جاتی تھی اور اس سے بڑے بڑے کرشمے ظہور میں آتے تھے۔ اگر حضرت موسیٰؑ فرعون کے مقابلے میں اس قوت کا مظاہرہ نہ کرتے تو اپنے فریضہ میں ہرگز کامیاب نہ ہو سکتے۔ اس لئے کفر و باطل کی قوت کو مٹانے کے لئے قوت و اقتدار کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر محض وعظ و تلقین سے باطل قوتوں کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ علامہ اقبال کا یہ مصرعہ ضرب المثل بن چکا ہے اور فی الواقع یہ حقائق کا نچوڑ ہے۔ قوت و اقتدار کے بغیر دین نافذ نہیں ہو سکتا۔

غزل نمبر۲

شعر۱ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق — یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حل لغت: رفیق: ساتھی۔ ازل: ماضی کی ہمیشگی، جس کی کوئی ابتدا نہ ہو مراد ہمیشہ ہے۔ قلندر: وہ شخص جو اپنے وجود اور دنیا سے بے خبر ہو کر ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو۔ آزاد: درویش۔

تشریح علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہزار خوف ہو لیکن زبان کو ہر حالت میں دل کا ساتھ دینا چاہیئے۔ مومن مردوں درویشوں اور اللہ کے نیک بندوں کا شروع سے یہی طریقہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے قول وفعل میں مطابقت ہونی چاہیئے۔ اگر قول وفعل میں تضاد ہو تو اسے منافقت کہتے ہیں اور یہ انتہائی گھناؤنا اخلاقی جرم ہے۔ زبان کو دل کی ترجمان ہونا چاہیئے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے ”تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔“ اللہ کو یہ بات بہت ناگوار ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔“ انسان کو چاہیئے کہ وہ خطرات ومشکلات کی پروا کئے بغیر وہی حق بات کہے جو اس کا دل محسوس کرتا ہے اس کے دل میں کسی قسم کا خوف نہیں ہونا چاہیئے۔

شعر۲: علاجِ ضعفِ یقیں ان سے ہو نہیں سکتا — غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق

حل لغت: ضعف یقین: یقین کی کمزوری۔ غریب: عجیب: انوکھا۔ رازی: امام فخر الدین رازیؒ مشہور عالم حکیم ودانا۔ نکتہ ہائے دقیق: پیچیدہ اور مشکل نکتے اور باتیں۔

تشریح کہتے ہیں اگرچہ امام فخر الدین رازیؒ کے پیچیدہ اور مشکل رموز اور نکتے بڑے عجیب و غریب اور انوکھے ہیں۔ لیکن ان سے یقین وایمان کی کمزوری کا علاج ممکن نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محض حکیمانہ اور فلسفیانہ باتوں سے ایمان کی کمزوری کا علاج ناممکن ہے۔ ایمان کا تعلق دماغ سے نہیں بلکہ دل سے ہے۔ اس لئے اس کی ترویج وتقویت سے روحانیت ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ مولانا ظفر علی خاں فرماتے ہیں۔

یہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سپاروں میں

علامہ اقبال ایک ہی مقام پر فرماتے ہیں۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں — ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

علامہ اقبال کا ایک اور شعر ہے۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں — اس کی تقدیر میں حضور نہیں

شعر۳: اسی طلسمِ کہن میں اسیر ہے آدمی — بغل میں اس کی ہیں اب تک بتانِ عہدِ عتیق

حل لغت: طلسم کہن: پرانا جادو۔ اسیر: قیدی۔ بتانِ عہد عتیق: قدیم زمانے کے بت۔

تشریح کہتے ہیں کہ ابھی تک آدمی اسی پرانے طلسم یا جادو کا قیدی بنا ہوا ہے اور اس کی بغل میں اب تک پرانے زمانے کے بت رکھے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان ابھی تک قدیم جاہلانہ رسم و روایات کا پابند ہیں۔ اس کے خیالات و نظریات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ ابھی تک انہی توہمات کا شکار ہے۔ اس نے ابھی تک پرانے زمانے کی رسومات اور غلط عقائد و نظریات کے بت اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ زمین اپنے فرسودہ خیالات و نظریات کو پامال کر کے بہت آگے پیش قدمی کر چکا ہے لیکن آدمی ابھی تک انہی پرانی روایات و رسومات میں الجھا ہوا ہے۔ علامہ اقبال ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ ؎

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا | منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

شعر ۴: میرے لئے تو ہے اقرار باللساں بھی بہت | ہزار شکر کہ مُلّا ہیں صاحب تصدیق

حل لغت: اقرار باللسان: زبان کے ساتھ اقرار (ایمان کا)

تشریح علامہ اقبال نے اس شعر میں ایمان مجمل کے ان الفاظ سے مضمون اخذ کیا ہے کہ اقرارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ۔ یعنی "میں ایمان کا اقرار زبان کے ساتھ اور اس کی تصدیق دل کے ساتھ کرتا ہوں۔" کہتے ہیں کہ میرے لئے تو زبان کے ساتھ اقرار بھی بہت غنیمت ہے۔ یہ توفیق بھی کسی کسی کو حاصل ہوتی ہے۔ مقام شکر ہے کہ مُلّا ایک ایسے صاحب ہیں جو ایمان کی دل کے ساتھ تصدیق کرتے ہیں۔ یہ ایمان کا اعلیٰ و ارفع درجہ ہے۔ انہیں تو حاصل ہے لیکن ہم سے محروم ہیں۔ اصل میں مُلّا پر لطیف طنز کی گئی ہے کہ اسے اپنی پختگی ایمان کا بہت زعم اور دعویٰ ہے۔ حالانکہ دلوں کے بھید اللہ ہی جانتا ہے۔

شعر ۵: اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی | نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

حل لغت: زندیق: بے دین، ملحد، وہ شخص جو وحدت کا قائل نہ ہو۔

تشریح علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اگر عشق یعنی جذبۂ صادق اور انتہائی لگن ہو تو کفر بھی مسلمانی ہے لیکن اگر عشق نہ ہو تو مسلمان بھی گویا کافر و ملحد و بے دین ہے۔ یہ فتوے کی زبان نہیں بلکہ شاعرانہ انداز بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اصل چیز کسی کام اور مقصد میں انتہائی لگن اور سچا جذبہ ہے۔ اس کے بغیر کوئی مقصد یا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا اور نہ اس کے بغیر دنیا میں کارہائے نمایاں سرانجام پاتے ہیں۔ لیکن اگر سچا جذبہ، خلوص اور لگن ہو تو پھر انسان اپنے مقصد میں کامیابی و کامرانی حاصل کر لیتا ہے اور اسی جذبہ کی بدولت عظیم کارنامے سرانجام پاتے ہیں۔ عشق سے مراد انتہائی لگن، محویت، لگاؤ اور وابستگی ہے اور ظاہر ہے اس کے بغیر کوئی بڑا کام سرانجام نہیں پا سکتا۔ انسان جب

یک اپنی ہستی کو فنا نہ کر دے۔ اسے سرخروئی حاصل نہیں ہو سکتی۔ کچھ اسی قسم کا خیال مرزا غالب نے ظاہر کیا ہے ؎

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے — مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

غزل نمبر ۳

شعر ۱: دلِ بیداری فاروقی دلِ بیدار کراری — مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

حل لغت: فاروق، حق و باطل میں فرق کرنے والا، حضرت عمرؓ کا لقب۔ کرار: بار بار حملہ کرنے والا، حضرت علیؓ کا لقب۔ مس: تانبا جو مشہور دھات ہے۔ کیمیا، سونا بنانا۔

تشریح: علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ انسان کا دل بیدار ہونا چاہیئے اسے فعال و متحرک ہونا چاہیئے۔ اگر دل مردہ ہو جائے تو زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ دل اسی طرح بیدار ہونا چاہیئے جس طرح حضرت عمر فاروق کا دل بیدار تھا۔ آپ حق و باطل میں فرق کرنیوالے تھے۔ یہ دل اسی طرح بیدار و متحرک ہونا چاہیے جس طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کا دل بیدار تھا۔ آپ بہت شجاع اور بہادر تھے۔ اللہ کے شیر تھے۔ آدمی گویا کچا تانبا ہے۔ دل کی بیداری اس کے حق میں کیمیا ہے یعنی اسے سونا بنا دیتی ہے مطلب یہ ہے کہ دل کی بیداری ہی انسان کو صحیح معنوں میں انسان بناتی ہے اور اسے شرف انسانیت سے ہمکنار کرتی ہے۔ دل کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ جذبات، احساسات اور وجدان کا مرکز ہے اس کا تعلق براہ راست روحانیت سے ہے۔ ایک حدیث کے مطابق مومن کا دل خدا کا گھر ہے۔ بقول خواجہ میر درد ؎

مجھے ڈر ہے، دلِ زندہ، تو نہ مر جائے — کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

علامہ اقبال کا ایک شعر ہے ؎

دل مردہ دل نہیں اسے زندہ کر دوبارہ — کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

شعر ۲: دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک — نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

حل لغت: خوابیدہ: سویا ہوا۔ ضرب، چوٹ۔ کاری، پوری پوری: زبردست: باا ثر۔ کاری ضرب لگانا: سخت چوٹ لگانا۔

تشریح: علامہ فرماتے ہیں کہ دل بیدار پیدا کرو۔ کیونکہ جب تک دل بیدار نہیں ہوگا اور یہ خواب غفلت کا شکار رہے گا، تو نہ تیری ضرب، یا چوٹ مکمل یا موثر ہے اور نہ میری ضرب موثر ہے اگر دل سویا ہے تو انسان دنیا میں کوئی اہم کام یا کارنامہ سر انجام نہیں دے سکتا۔ اگر دل مردہ ہے۔ اس میں زندگی اور حرکت کے اثرات نہیں ہیں تو پھر کسی بڑے مقصد اور نصب العین کی تکمیل نہیں ہو سکتی اس شعر کو پہلے شعر کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیئے دونوں کا مضمون ایک ہی ہے۔ لہٰذا اس کے دہرانے کی

ضرورت نہیں۔

شعر ۳: مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

حل لغت: مشام، قوت شامہ، سونگھنے کی قوت۔ ظن و تخمیں: گمان اور قیاس: آہوئے تاتاری: تاتار کا ہرن۔

تشریح علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ تاتار کا ہرن (اعلیٰ قسم کا ہرن) محض گمان اور قیاس سے ہاتھ نہیں آتا۔ جنگل میں اسے شکار کرنے کے لئے بہترین قوت شامہ یعنی سونگھنے کی قوت کی ضرورت ہے۔ یہ لغوی معنی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو محض خواہش و گمان سے بلند مقصد اور نصب العین کے حصول میں سرخروئی نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے سخت محنت تگ و دو اور بہترین صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔ انسان کو گوہر مراد آسانی کے ساتھ نہیں مل سکتا۔ اس کے لئے بھرپور جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور بہترین دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ علامہ اقبال نے بڑی عمدہ مثال سے مضمون واضح کیا ہے۔

شعر ۴: خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

حل لغت: درویشی: فقیری۔ عیاری: فریب: دھوکا بازی

تشریح کہتے ہیں کہ اے خدا! یہ تیرے سیدھے سادھے بندے کہاں جائیں؟ کیا کریں؟ کیونکہ فقیری اور سلطانی دونوں فریب اور دھوکے بازی سے عبارت ہیں۔ دونوں میں سے کسی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ درویشی اور فقیری ایک ڈھونگ بن کر رہ گئی ہے لوگوں نے اسے کاروبار بنا لیا ہے۔ درویشوں اور فقیروں میں صحیح معنوں میں روحانیت نظر نہیں آتی۔ ان کا خدا سے کوئی لگاؤ نہیں ہے بلکہ وہ مادہ پرست ہو کر رہ گئے ہیں اور دنیا کے بندے بن کر رہ گئے ہیں۔ وہ لوگوں کو دھوکا اور فریب دیتے ہیں۔ اسی طرح حکمران کا طبقہ بھی خلوص وجذبۂ خدمت سے عاری ہے۔ ان کے دلوں میں بھی خوف خدا نہیں پایا جاتا۔ وہ لالچ اور ہوس کا شکار ہیں اور اپنے مفادات کا تحفظ چاہتے ہیں۔ وہ نفس کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں اور انہیں حقوق العباد کی قطعاً کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ جذبہ ہمدردی و ایثار سے عاری ہیں۔ الغرض سادہ دل بندوں کے لئے دونوں طبقے محض دھوکا اور فریب ہیں۔

شعر ۵: مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

تشریح علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ مجھے نئی مغربی تہذیب نے ایسی آزادی عطا کی ہے جو دیکھنے میں تو آزادی ہے لیکن دراصل وہ غلامی ہے۔ یعنی میرا جسم تو آزاد ہے لیکن روح غلام ہے۔ یہ ظاہری آزادی میرے لئے بے معنی ہیں کہ مجھے روح کی آزادی حاصل نہیں ہے۔

میرا ذہن غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے ۔ میرا ضمیر پابند ہے ۔ میں اپنا مافی الضمیر ظاہر نہیں کر سکتا ۔ اس آزادی کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پرندے کو ایک خوش نما پنجرے میں بند کر دیا جائے اور اسے طرح طرح کی کھانے پینے کی چیزیں دی جائیں ۔ لیکن یہ آزادی اس کے لئے خاک اہمیت نہیں رکھتی ۔ علامہ اقبال نے جا بجا مغربی تہذیب کی مذمت کی ہے ۔ مثلاً فرماتے ہیں ۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی ۔۔۔ یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

یا ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ ۔۔۔ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

شعر ۶ : تو اے مولائے یثرب ! آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی ، میرا ایمان ہے زناری

حل لغت : مولائے یثرب : مدینہ منورہ کے آقا مراد رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ چارہ سازی : کام بنانا اور درست کرنا ۔ دانش : عقل ؛ دانائی ۔ افرنگی : انگریزی : مغربی ، انگریزوں جیسی ۔ زنار : وہ دھاگہ جو ہندو آڑا ترچھا گلے میں ڈالے رہتے ہیں ۔ زناری : ہندوؤں جیسا ۔

تشریح اے آقائے مدینہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہی میرے کاموں کو بنائیں اور درست کریں ۔ آپ ہی میرے کام سنواریں میں بہت سی خرابیوں کا شکار ہو چکا ہوں ۔ میری عقل اور سوچ انگریزوں جیسی ہے اور میرا ایمان ہندوؤں جیسا ہے یعنی میرے خیالات ، نظریات اور افکار مغربی اور انگریزی ہیں ۔ یہی افکار و نظریات میرے دل و دماغ پر مسلط ہیں جب کہ میرے اعتقادات اور عقائد ہندوؤں جیسے ہیں ۔ میں نے ہندووانہ طور طریقے اپنا رکھے ہیں جیسا کہ علامہ اقبال جواب شکوہ میں فرماتے ہیں ۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود ۔۔۔ یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ محبوب خدا ہیں ۔ آپ امام الانبیاء ہیں ۔ خدا آپ کی بات مانتا ہے اس لئے میرے حق میں دعا فرمائیں کہ وہ مجھے اس پریشانی سے نجات دے ۔

بقول مولانا حالی ۔

اے خاصۂ خاصانِ رسلؐ وقت دعا ہے ۔۔۔ اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

ابوالاثر حفیظ جالندھری: حفیظ کی غزل میں قدیم و جدید روایات کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات سادگی، سلاست، حسنِ بیان، روانی، اثر آفرینی، ترنم و موسیقیت اور لطافت و نزاکت ہیں۔

غزل نمبر ۱

شعر ۱: جس کو مجھ میں بھی کوئی بات نظر آتی ہے
اے خدا ایک تری ذات نظر آتی ہے

تشریح شاعر کہتا ہے کہ لوگ تو مجھے نکما، نالائق اور حقیر سمجھتے ہیں۔ اس لئے انہیں میری ذات میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ بلکہ وہ میری ذات میں کیڑے نکالتے ہیں اور انہیں مجھ میں سوائے عیبوں اور خامیوں کے کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن میرا خدا تو خوب جانتا ہے کہ مجھ میں کیا خوبی یا خصوصیت ہے۔ وہ میری ظاہری اور پوشیدہ خامیوں اور خوبیوں سے خوب واقف ہے۔ اس لئے مجھے لوگوں سے کوئی شکوہ و شکایت نہیں کیونکہ مجھے اس پر اطمینان ہے کہ میرا خدا میری خوبیوں سے آگاہ و باخبر ہے۔ شعر میں بہت روانی اور سلاست پائی جاتی ہے اور ایک حقیقت کی ترجمانی کی گئی ہے۔

شعر ۲: نظر آتی ہی نہیں صورتِ حالات کوئی
اب یہی صورتِ حالات نظر آتی ہے

تشریح شاعر اس شعر میں مایوسی و ناامیدی کا اظہار کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میری مایوسی کا یہ عالم ہے کہ جن پریشانیوں اور مصائب و آلام سے میں دوچار ہوں، ان سے نکلنے اور بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ہر طرف مایوسی اور ناامیدی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ اب صورتِ حالات یہی ہے کہ میرے یہ حالات نازک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ میرے اُلجھے ہوئے مسائل کا کوئی حل نظر نہیں آتا اور میری پریشانی میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

بقول مرزا غالب ؎

کوئی اُمید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

شاعر نے بڑی سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ اپنی مایوسی و نااُمید کا اظہار کیا ہے۔

شعر ۳: یہ عجب مرحلۂ عمر ہے یارب کہ مجھے
ہر بری بات بری بات نظر آتی ہے

حلِ لغت: مرحلۂ عمر: عمر کا حصہ۔

تشریح کہتے ہیں کہ اے خدا! میری عمر کا یہ حصہ یعنی ادھیڑپن اور بڑھاپا بھی عجیب ہے کہ مجھے ہر بری بات بری بات نظر آتی ہے حالانکہ جوانی میں ایسا ہوتا ہے کہ بری بات بھی اچھی نظر آتی ہے اور برائی کا احساس نہیں ہوتا۔ لیکن عمر ڈھل جانے کے بعد انسان کے

اندر اچھائی اور برائی کا شعور ابھر آتا ہے وہ سمجھنے لگتا ہے کہ کون سی بات مفید اور اچھی ہے اور کون سی بات مضر نقصان دہ اور بُری ہے یہ شعور اور احساس بھی انسان کے لئے غنیمت ہے اور اس پر اسے خدا کا شکر بجا لانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بات بہت قابلِ نفریں ہے کہ انسان برائی کو برائی نہ سمجھے۔ جو شخص برائی کو برائی نہیں سمجھتا وہ گویا اس میں مبتلا ہو گیا۔

شعر۴: چلتے پھرتے مردوں سے ملاقاتیں ہیں زندگی کشف و کرامات نظر آتی ہے

حلِ لغت: کشف: وہ درجہ جس پر پہنچ کر اولیاء اور صوفیوں کو غیب کے اسرار خود بخود معلوم ہونے لگتے ہیں۔ کرامات: کرامت کی جمع ولی کی فوق العادت بات، تعجب انگیز بات، کشف و کرامات؛ معجزہ اور تصرف، غیب کا حال معلوم ہو جانا۔

تشریح کہتے ہیں کہ اب ہماری ملاقاتیں چلتے پھرتے مردوں سے ہوتی ہیں۔ ہم ان سے بالمشافہ بات چیت کرتے ہیں۔ ان کے احوال معلوم کرتے ہیں۔ گویا ہم پر غیب کا حال ظاہر ہو رہا ہے۔ ہمیں بزرگوں اور صوفیوں کی طرح بہت سی چھپی ہوئی باتیں معلوم ہو رہی ہیں۔ ہمیں کشف و کرامات کا اعزاز حاصل ہو گیا ہے۔ گویا ہم روحانی لحاظ سے اس قدر ترقی کر چکے ہیں۔ یہ شاعر کے خیال کی کار فرمائی ہے۔ گویا تخیل میں اسے غیر معمولی صفات حاصل ہوئی ہیں۔

شعر۵: جلوۂ صبح کا اندھوں میں تو ہے جوش و خروش آنکھ والوں کو وہی رات نظر آتی ہے

تشریح کہتے ہیں کہ صبح کا جلوہ اپنے اندر بے پناہ نشانیاں اور شانیں رکھتا ہے اس سے شانِ خداوندی کا اظہار ہوتا ہے۔ منظرِ صبح نہایت دلکش و دلفریب ہوتا ہے یہ منظر قدرت کے جلوؤں کی عکاسی کرتا ہے یہ حسنِ حقیقی کی تجلی کا پرتو ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ اندھے تو منظرِ صبح کی اس قدر اہمیت کو جانتے اور سمجھتے ہیں لیکن آنکھ والے اس روشن منظر سے بے بہرہ ہیں۔ انہیں بدستور رات نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بے بصیرت لوگ حقیقت کا کس طرح ادراک کر سکتے ہیں میر انیس نے منظرِ صبح کی بہترین عکاسی کی ہے۔

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور

شعر۶: زندگی میں تو کوئی چیز انوکھی نہ رہی موت ہی اب تو نئی بات نظر آتی ہے

تشریح اس شعر میں شاعر نے یاس و ناامیدی کا اظہار کیا ہے۔ وہ بیشمار مصائب و آلام اور پریشانیوں میں گھرا ہوا ہے اور ان سے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ زندگی اس کے لئے اجیرن اور وبالِ جان بن چکی ہے۔ وہ زندگی سے تنگ آ چکا ہے۔ اسے زندگی میں کوئی چیز انوکھی اور نرالی نظر نہیں آتی۔ ہاں موت ہی اس کے لئے واحد سہارا باقی رہ گیا ہے۔ وہی اس کے لئے ایک نئی بات ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ شاید اس کے مصائب و آلام کا خاتمہ کر دے۔ بقول مرزا غالب ؎

مختصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید — نا اُمیدی اس کی دیکھا چاہیئے

ابراہیم ذوقؔ نے اس نکتے کی یوں ترجمانی کی ہے ۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

شعر ۷: تیرے اترے ہوئے چہرے پہ بھی یاروں کو حفیظؔ — سرخیٔ شوخ و حکایات نظر آتی ہے

حل لغت: حرف و حکایات: طنز و مزاح: زندہ دلی و ظرافت ۔

تشریح

اے حفیظ! تیرا اترا ہوا چہرہ صاف صاف بتا رہا ہے کہ تو زبردست پریشانی میں مبتلا ہے لیکن یاروں کو اس بات کا یقین نہیں ہے ۔ وہ تیرے اترے ہوئے چہرے کو پڑھ نہیں سکتے ۔ انہیں تیرے چہرے پر زندہ دلی و ظرافت اور طنز و مزاح کی سرخی ہی نظر آتی ہے ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔ ان کا گمان صحیح نہیں ہے میں جن پریشانیوں اور الجھنوں سے دوچار ہوں انہیں میرا دل ہی خوب جانتا اور سمجھتا ہے ۔ اب میری طبیعت اور مزاج میں وہ پہلی سی زندہ دلی و ظرافت باقی نہیں رہی بلکہ مجھے مسلسل پریشانیوں اور مصائب و آلام نے افسردہ و غمگین بنا دیا ہے اور میرے چہرے کی مسکراہٹ قصۂ ماضی بن چکی ہے ۔

غزل نمبر ۲

شعر ۱: او دل توڑ کے جانے والے دل کی بات بتاتا جا

اب میں دل کو کیا سمجھاؤں مجھ کو بھی سمجھاتا جا

تشریح

شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تو نے میرا دل توڑ دیا ہے میرے جذبات کو پامال کر دیا ہے مجھے اپنی محبت کا جواب محبت سے نہیں ملا اب تو میرا دل توڑ کر رخصت ہو رہا ہے لیکن تو نے مجھے اپنے دل کی بات نہیں بتائی کہ تمہارے دل کی کیفیت اور حالت کیا ہے؟ اس میں کیا آرزو یا تمنا ہے؟ ہونا تو یہ چاہیئے کہ چونکہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے ۔ تجھے بھی مجھ سے محبت ہو، جس طرح میرے دل میں تمہاری محبت موجزن ہے لیکن ایسا نظر نہیں آ رہا ۔ اب تم رخصت ہو رہے ہو ۔ لیکن مجھے یہ بات سمجھا دو کہ میں اپنے دل کو کس طرح سمجھاؤں؟ میں اپنے دل سے تمہاری محبت و چاہت کو کیسے نکال دوں مجھے اس بات پر اختیار حاصل نہیں ہے میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں ۔ دراصل شاعر محبوب کی محبت اور لگاؤ کا طلب گار ہے ۔

وہ دل لے کے چپکے سے چلتے ہوئے — یہاں رہ گئے ہاتھ ملتے ہوئے

شعر ۲: ہاں میرے مجبور تبسم خشک لبوں تک آتا جا

پھول کی ہست و بود یہی ہے کھلتا جا مرجھاتا جا

حل لغت: مجروح تبسم: زخمی مسکراہٹ۔ مراد غمزدہ مسکراہٹ: ہست و بود: قیام و وجود۔

تشریح اے میری زخمی یعنی افسردہ مسکراہٹ تو میرے خشک لبوں تک آتی جا۔ پھول کی ہستی اور قیام و وجود ہی یہ ہے کہ وہ کھل کر مرجھا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ میں انتہائی دکھی، مصیبت زدہ، غمزدہ اور پریشان حال شخص ہوں۔ میرے لبوں پر مسکراہٹ نہیں کھیلتی، ہاں کبھی اداس اور افسردہ مسکراہٹ لبوں تک آجاتی ہے۔ یہ پھیکی اور افسردہ مسکراہٹ میری پریشان حالی کو ظاہر کر رہی ہے۔ اس مسکراہٹ کا وجود بھی بالکل عارضی ہوتا ہے۔ جس طرح پھول کی ہستی یہی ہے کہ وہ چند لمحوں کے لئے کھلتا ہے اور پھر مرجھا جاتا ہے۔ اسی طرح مجھے اول تو خوشی کا لمحہ میسر ہی نہیں ہوتا اور اگر کبھی میسر ہوتا ہے تو وہ بالکل عارضی ثابت ہوتا ہے۔ ؎

کہا میں نے گل کو ہے کتنا ثبات　　　کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

شعر۳: یہ دکھ درد کی برکھا بندے دین ہے تیرے داتا کی
شکر نعمت بھی کرتا جا، دامن بھی پھیلاتا جا

حل لغت: برکھا: آزمائش۔

تشریح کہتے ہیں کہ انسان پر جو دکھ درد کی آزمائش آتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ خدا اپنے بندوں کو اس آزمائش کے ذریعے آزماتا ہے۔ شکر گزار بندے اس آزمائش پر پورے اترتے ہیں۔ وہ خدا کی ناشکری نہیں کرتے بلکہ اس کا شکر بجا لاتے ہیں۔ جب کہ ناشکر گزار بندے خدا کی شکایت و ناشکری کرتے ہیں وہ ہمیشہ خدا کے شاکی رہتے ہیں۔ خدا ایسے لوگوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالے کی نعمت کا شکر بھی ادا کرتا رہے اور اس کے سامنے دامن بھی پھیلاتا رہے۔ یعنی اپنی ضروریات اور حاجات کے لئے اسی کی طرف رجوع کرتا رہے۔ اللہ تعالے کبھی اپنے بندوں کی دعاؤں کو رائیگاں نہیں کرتا۔ وہ اپنے مخلص بندوں کی دعائیں سنتا ہے اور شرف قبولیت بخشتا ہے۔

شعر۴: جینے کا ارمان کروں یا مرنے کا سامان کروں　　　عشق میں کیا ہوتا ہے ناصح عقل کی بات بتاتا جا

حل لغت: ارمان: تمنا، خواہش۔ ناصح: نصیحت کرنے والا: صلاح کار۔

تشریح کہتے ہیں کہ اے میرے صلاح کار اور نصیحت کرنے والے ساتھی! مجھے عقل، دانائی اور سمجھ کی بات بتاؤ کہ عشق میں کیا ہوتا ہے؟ یہ عشق کیسا جذبہ ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ اور اس کا مدعا اور کیا ہے؟ مجھے ذرا یہ بتاؤ کہ میں جینے کی خواہش و آرزو کروں یا مرنے کی تیاری کروں۔ یعنی کیا عشق زندگی کرنے کا نام ہے یا جان قربان کر دینے کو عشق کہتے ہیں۔ شاعر انجان بن کر ناصح سے سوال کر رہا ہے، حالانکہ وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ عشق، جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس میں بیشمار

قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ اور لاتعداد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ ؎

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا ہی سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

شعر ۵: دونوں سنگِ راہِ طلب ہیں راہنما بھی منزل بھی
ذوقِ طلب ہر ایک قدم پر دونوں کو ٹھکراتا جا

حل لغت: سنگِ راہِ طلب: راہِ عشق کے پتھر، ذوقِ طلب: جذبۂ عشق۔

تشریح

کہتے ہیں کہ رہنما اور منزل دونوں راہ عشق و محبت کے پتھر ہیں۔ اے جذبۂ عشق تو ہر ایک قدم پر دونوں کو ٹھکراتا جا۔ مطلب یہ ہے کہ راہنما راہ عشق میں ایک رکاوٹ ہے۔ اس پر اعتبار نہ کرو۔ اس کی بات پر کان نہ دھرو۔ اس کو ٹھکرا کر تم راہ محبت میں پیش قدمی کرتے رہو۔ یہ راہنما نہیں بلکہ رہزن ہے۔ اگر تم اس کے کہنے پر عمل کرو گے تو کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح راہ عشق و محبت میں منزل بھی ایک رکاوٹ ہے۔ یعنی اس راہ میں منزل کا تصور نہیں ہے۔ منزل کا مطلب یہ ہے کہ تم ایک مقام پر رک گئے اور ٹھہر گئے۔ جب کہ راہ محبت میں پیش قدمی مسلسل جاری رہتی ہے اور قیام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بقول علامہ اقبال ؎

اس راہ میں مقام بے محل ہے
پوشیدہ قرار میں اجل ہے

شعر ۶: نغمے سے جب پھول کھلیں گے چننے والے چن لیں گے۔
سننے والے سن لیں گے تو اپنی دھن میں گاتا جا

تشریح

شاعر اپنے بارے میں کہتا ہے کہ جب میرے نغمے یا گیت سے پھول کھلیں گے تو چننے والے خود بخود انہیں چن لیں گے۔ بس تو اپنی دھن اور اپنے سُر میں گاتا جا۔ سننے والے ضرور سن لیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا کلام جب پھول بکھیرے گا تو لوگ خود بخود ان سے اپنا دامن بھر لیں گے۔ یعنی میرے کلام سے استفادہ کر لیں گے اور اس سے لطف اندوز ہوں گے جو لوگ سننا چاہتے ہیں یا اس سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں وہ خود بخود سن کر فائدہ اٹھا لیں گے بس تیرا کام صرف اتنا ہے کہ اپنے انداز میں یہ کلام پیش کرتا رہ۔ جو لوگ اس کلام کے قدردان ہیں، وہ خود بخود اس سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ اس غزل میں ایک خاص نغمگی اور موسیقیت پائی جاتی ہے۔

ناصر کاظمی: ناصر کاظمی جدید اردو غزل میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات قدیم و جدید روایات کا حسین امتزاج، نکھار، تازگی، جدید طرز احساس، سوز و گداز، نرالہ اندازِ عشق اور تقسیم ملک کے حالات کا پرتو ہیں۔

غزل نمبر ۱

شعر ۱: کارواں سُست راہبر خاموش
کیسے گزرے گا یہ سفر خاموش

تشریح کہتے ہیں کہ قافلہ نہایت سست رفتاری سے منزل مقصود کی طرف جا رہا ہے یہی حالت و کیفیت رہی تو ہم منزل مقصود پر کیسے پہنچیں گے۔ اس کے آثار تو ہمیں نظر نہیں آتے۔ جن قافلوں کو اپنی منزل پر پہنچنا ہوتا ہے۔ وہ تیز قدم چلتے ہیں اور رواں دواں رہتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا رہبر و رہنما بھی خاموش ہے۔ وہ کوئی بات کہنا یا کرنا پسند نہیں کرتا۔ پھر یہ سفر خاموشی کے ساتھ کیسے گزرے گا۔ ہم تو اس خاموشی کے ہاتھوں بہت تنگ آچکے ہیں۔ راستے میں کوئی بات چیت ہونی چاہیئے۔ تاکہ دل بہل سکے اور سفر سہولت اور آسانی کے ساتھ طے ہو سکے۔

شعر ۲: مجھے کہنا ہے کچھ مگر خاموش — دیکھ اور دیکھ کر گزر خاموش

تشریح مجھے کچھ کہنا ہے۔ اظہار خیال کرنا ہے۔ اپنے دل کا مدعا بیان کرنا ہے مجھے اپنے جذبات کی ترجمانی کرنی ہے لیکن مجھے خاموش رہنا چاہیئے اسی میں مصلحت اور بہتری ہے۔ میری خاموشی بڑی معنی خیز ہے۔ یہ زبان حال سے اظہار مدعا کر رہی ہے۔ گویا ؏

خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری

تجھے اپنے گرد و پیش اور آس پاس کو دیکھنا چاہیئے اور دیکھ کر خاموشی کے ساتھ گزر جانا چاہیئے کچھ کہنے یا اظہار خیال کی ضرورت نہیں ہے۔

شعر ۳: یوں تیرے راستے میں بیٹھا ہوں — جیسے اک شمع رہگذر خاموش

حل لغت: راہگذر: راستہ۔

تشریح شاعر محبوب سے کہتا ہے کہ میں تیرے راستے میں اس طرح بیٹھا ہوں جس طرح ایک شمع راستے میں خاموش پڑی ہوتی ہے۔ شمع جل رہی ہوتی ہے لیکن کچھ اظہار مدعا نہیں کر سکتی جس طرح شمع خاموشی کے ساتھ جلتی رہتی ہے۔ اسی طرح میں بھی خاموشی کیساتھ رنج و غم اٹھا رہا ہوں۔ ؎

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح — ہم نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح

شعر ۴: اٹھ گئے کیسے کیسے پیارے لوگ — ہو گئے کیسے کیسے گھر خاموش۔

تشریح کہتے ہیں کہ کیسے کیسے پیارے اور عزیز لوگ جہان سے رخصت ہو گئے وہ ہمیں داغ مفارقت دے گئے اور کیسے کیسے گھر ویران و غیر آباد ہو گئے۔

شاعر نے اس شعر میں دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا ہے کہ کیسے کیسے قابل جوہر اور ہمارے محبوب لوگ دنیا سے رحلت کر گئے اور ان کی وجہ سے کیسے کیسے گھر ویران ہو کر رہ گئے۔ موت اور فنا نے ہم سے کیسی کیسی قیمتی جانیں چھین لیں۔ ہم ان کے غم میں سوگوار ہیں۔ بقول مرزا غالب ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم — تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے

شعر ۵: یہ زمیں کس کے انتظار میں ہے — کیا خبر کیوں ہے یہ نگر خاموش

حل لغت: نگر: بستی، شہر۔

تشریح: کہتے ہیں کہ یہ زمین یعنی دنیا کس کے انتظار میں ہے؟ کیا معلوم یہ شہر یا بستی خاموش کیوں ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا کسی اہل ہمت کی منتظر ہے۔ یہاں ایک انقلاب عظیم برپا ہو جائے۔ یہ خاموشی کسی بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ کوئی بڑا انقلاب آنے والا ہے جو اس دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دے۔ یہ دنیا ایک عرصہ دراز سے کسی ایسی عظیم ہستی کے انتظار میں ہے جو یہاں ایک بہت بڑا اور بنیادی انقلاب لے آئے۔ بقول علامہ اقبال ؎

دنیا کو ہے اک مہدیٔ برحق کی ضرورت — ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار

شعر ۶: شہر سوتا ہے رات جاگتی ہے — کوئی طوفان ہے پردہ در خاموش

حل لغت: پردہ در: پردہ میں۔

تشریح: کہتے ہیں کہ شہر اور اس کے لوگ گہری نیند سو رہے ہیں۔ لیکن رات جاگ رہی ہے یعنی مے خانہ آباد ہے اور اس میں بڑی گہما گہمی اور رونق ہے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے پردے میں کوئی طوفان خاموش ہے۔ یہ طوفان زبردست ہلچل ڈال دینے والا ہے لیکن شہر کے لوگ خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وہ اس طوفان اور اس کی بلاخیزی سے بے خبر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خاموش حالات کسی طوفان کا پیش خیمہ ہیں۔ کوئی بڑی تبدیلی آنے والی ہے۔

شعر ۷: ابھی وہ قافلے نہیں آئے — ابھی بیٹھیں نہ ہم سفر خاموش

تشریح: کہتے ہیں کہ ابھی وہ قافلے نہیں آئے جن کے ساتھ مل کر منزل مقصود کی طرف پیش قدمی کرنی ہے۔ اس لئے ابھی ہمسفر ساتھی خاموش نہ بیٹھیں وہ قیام نہ کریں بلکہ اپنا سفر جاری رکھیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مقصود حاصل کرنے کے لئے انسان کو مسلسل جدوجہد اور کوشش کرنی چاہیئے۔ بقول علامہ اقبال ؎

راز حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے — زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

غزل نمبر ۲

شعر ۱: وہ ساحلوں پہ گانے والے کیا ہوئے — وہ کشتیاں چلانے والے کیا ہوئے

تشریح: کہتے ہیں کہ وہ ساحلوں پر گانے والے کہاں گئے اور وہ دریا یا سمندر میں کشتیاں چلانے والے کہاں گئے۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی کی دوڑ میں سخت

جدوجہد اور تگ ودو کرنے والے لوگ کہاں چلے گئے؟ یہ لوگ بےخطر طوفانوں میں کود پڑتے تھے اور ان طوفانوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے تھے۔ شاعر ان بہادر اور جفاکش لوگوں کو یاد کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ان لوگوں کو بھی یاد کرتا ہے جو ان بہادر لوگوں کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ ساحلوں پر گیت گانے والے ملاحوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔

شعر ۲: وہ صبح آتے آتے رہ گئی کہاں　　جو قافلے تھے آنے والے کیا ہوئے

تشریح

شاعر کہتا ہے کہ وہ روشن صبح آتے آتے کہاں رہ گئی؟ ہم پر کب سے تاریک رات مسلط ہے۔ ہم عرصۂ دراز سے ایک روشن صبح یعنی روشن مستقبل کا انتظار کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں ہماری یہ انتظار کی گھڑیاں کب ختم ہوں گی اور کب ہم اس تاریکی سے نکل کر روشنی میں آئیں گے۔ جو قافلے آنے والے تھے وہ کہاں رہ گئے؟ ہمیں ان قافلوں کا انتظار ہے تاکہ ہم بھی ان کے ساتھ قدم ملا کر رواں دواں ہوں۔ یعنی ہم بھی راہ ترقی پر گامزن ہوں۔ شاعر اپنے حال سے مطمئن نہیں ہے۔ وہ ایک روشن مستقبل کے انتظار میں ہے۔ وہ ترقی و خوش حالی کا خواہاں ہے۔

شعر ۳: میں ان کی راہ دیکھتا ہوں رات بھر　　وہ روشنی دکھانے والے کیا ہوئے

تشریح

اس شعر کو دوسرے شعر سے ملا کر پڑھنا چاہیے۔ کہتے ہیں کہ وہ روشنی دکھانے والے یعنی امید دلانے اور روشن مستقبل دکھانے والے کہاں گئے۔ میں ان کا راستہ رات بھر دیکھتا ہوں۔ یہاں رات سے مراد حال کی بدحالی اور خستہ حالی ہے اور روشنی سے روشن مستقبل مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھئے، یہ تاریک رات کب ختم ہو، اور ہمیں روشن صبح دیکھنی کب نصیب ہو یعنی یہ حال کی بدحالی دیکھئے کب مستقبل کی خوش حالی میں بدلتی ہے۔

شعر ۴: یہ کون لوگ ہیں مرے اِدھر اُدھر　　وہ دوستی نبھانے والے کیا ہوئے؟

تشریح

شاعر کہتا ہے کہ میرے اِدھر اُدھر اور اردگرد یہ کون لوگ ہیں؟ یہ اجنبی سے لوگ ہیں۔ میں ان کو پہچانتا نہیں۔ مجھے ان پر اعتبار و اعتماد نہیں ہے۔ یہ بھروسے کے لوگ نہیں ہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ وہ دوستی نبھانے والے لوگ کہاں ہیں؟ مجھے ان پر بھروسا اور اعتماد تھا۔ مجھے ان کے بچھڑنے کا افسوس ہے۔ میں دھوکے باز لوگوں میں گھر کر رہ گیا ہوں اور مخلص دوستوں سے محروم ہو گیا ہوں۔ بقول مولانا حالی ؎

آ رہی ہے چاہ یوسفؑ سے صدا　　دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

شعر ۵: عمارتیں تو جل کے راکھ ہو گئیں　　عمارتیں بنانے والے کیا ہوتے؟

تشریح

شاعر دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا حال بیان کرتا ہے کہتے ہیں کہ عظیم الشان عمارتیں جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئیں اور کھنڈروں میں تبدیل

ہو گئیں، لیکن وہ عمارتیں بنانے والے کہاں گئے؟ آج ان کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا۔ دنیا سے ان عمارتوں اور ان کے بنانے والے دونوں کا نام ونشان مٹ چکا ہے۔ میر تقی میرؔ فرماتے ہیں ؎

کیا کیا مکاں شاہ نشین تھے وزیر کے — وہ اُٹھ گیا تو یہ بھی گرے، بیٹھے، ڈھے گئے

کسی اور شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا — زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے؟

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے — بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے؟

شعر۴: یہ آپ ہم تو بوجھ ہیں زمین کا — زمیں کا بوجھ اُٹھانے والے کیا ہوئے؟

تشریح شاعر کہتا ہے کہ آپ ہم تو زمین کا بوجھ بنے ہوئے ہیں، ہمارا ہونا نہ ہونا برابر ہے، ہمارے وجود اور ہستی کی کوئی افادیت اور قدر وقیمت نہیں ہے ہم کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے۔ جس سے ملک وقوم اور انسانیت کی بھلائی ہو ہم ناکارہ، نکمے اور نااہل ہیں وہ لوگ کہاں گئے جو زمین کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے؟ یعنی انہوں نے اپنے کندھوں پہ اہم اور گرانقدر ذمہ داریاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ ان کے وجود اور ہستی کی بڑی افادیت، اہمیت اور قدر وقیمت تھی۔ وہ قوم وملک اور انسانیت کی بھلائی کے لئے کام کرتے تھے۔ شاعر نے بڑی عمدگی سے مفہوم ادا کیا ہے۔ کجا ہم زمین پر بوجھ ہیں اور کجا بڑے لوگ زمین کا بوجھ اٹھاتے تھے۔

غزل نمبر۳

شعر۱: دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی — کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی

تشریح شاعر کہتا ہے کہ میرے دل میں ابھی ایک لہر سی اٹھی ہے۔ یعنی میرے دل میں ابھی خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ابھی کوئی تازہ ہوا چلی ہے یعنی آمدِ بہار ہے۔ پھول کھل اُٹھے ہیں، اداسی وغمی مسرت وشادمانی میں بدل گئی ہے، میرا دل پہلے افسردہ اور مغموم تھا، اب وہ مسرت وشادمانی سے معمور ہے، خارجی ماحول سازگار وخوشگوار ہو تو اس کا اثر دل پر بھی ضرور پڑتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ ودمن — مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن

شعر۲: شور برپا ہے خانۂ دل میں — کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

تشریح کہتے ہیں کہ میرے خانۂ دل میں ایک شور اور ہنگامہ سا مچا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ابھی خانۂ دل کی دیوار گری ہے یعنی مجھ پر کوئی تازہ غم اور مصیبت

نازل ہوئی ہے۔ پہلے ہی مجھ پر مصائب و آلام کیا کم تھے کہ کوئی اور غم وارد ہوا ہے۔ اور اس طرح میری پریشانیوں اور مصیبتوں میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ بقول میر تقی میرؔ ؎

دیدنی ہے شکستگی دل کی　　کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

شعر۳　بھری دنیا میں جی نہیں لگتا　　جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

تشریح

شاعر کہتا ہے کہ بھری اور پر رونق دنیا میں میرا دل نہیں لگتا۔ معلوم نہیں ابھی کس چیز کی کمی ہے۔ اس بھری دنیا میں شاعر احساس محرومی کا شکار ہے۔ اس کا دل اچاٹ سا ہے۔ کسی چیز میں اس کا دل نہیں لگتا۔ وہ دنیا کی دلچسپیوں اور رنگینیوں سے اکتا چکا ہے۔ اسے دنیا کے ہنگامے اچھے نہیں لگتے۔ بقول علامہ اقبالؔ ؎

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب　　کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

انشاء اللہ خاں انشاؔء کا ایک شعر ہے۔ ؎

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی　　تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

شعر۴: تو شریکِ سخن نہیں ہے تو کیا　　ہم سخن تیری خامشی ہے ابھی

حل لغت : خامشی : خاموشی۔ شریکِ سخن : بات چیت میں شامل۔

تشریح

شاعر اپنے دوست کے بارے میں کہتا ہے کہ اگر تو محفل میں بات چیت اور گفتگو میں شامل نہیں ہے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ تیری خاموشی گویا ہم سے ہمکلام ہے۔ تیری خاموشی زبان حال سے کہہ رہی ہے۔ ع

خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

مطلب یہ ہے کہ تو اگرچہ گفتگو میں شامل نہیں ہے لیکن تیری خاموشی واضح طور پر اظہار مدعا کر رہی ہے۔

شعر۵: سو گئے لوگ اس حویلی کے　　ایک کھڑکی مگر کھلی ہے ابھی

تشریح

کہتے ہیں کہ اس حویلی کے تمام لوگ سو چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک ایک کھڑکی کھلی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی دل جلا محو انتظار ہے وہ کسی کے انتظار میں جاگ رہا ہے۔ وہ ہجر و فراق کی گھڑیاں گن رہا ہے اور اس کی نظر کھڑکی کی طرف لگی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں، وہ کب تک محوِ انتظار رہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

تھک گئے ہم کرتے کرتے انتظار　　اک قیامت ان کا آنا ہو گیا

شعر۶: تم تو یارو ابھی سے اُٹھ بیٹھے　　شہر میں رات جاگتی ہے ابھی

تشریح

کہتے ہیں کہ اے دوستو! تم تو ابھی سے اٹھ بیٹھے ہو۔ جب کہ شہر میں ابھی رات جاگتی ہے۔ یعنی مے خانہ آباد ہے۔ وہاں بڑی رونق اور گہما گہمی ہے

گویا ابھی محفل جاری و ساری ہے جبکہ تم ابھی اس محفل کو خیرباد کہہ رہے ہو۔ ابھی اس محفل کو چھوڑ کر جا رہے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو اس مختصر مہلت زندگی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

شعر ۷: وقت اچھا بھی آئے گا ناصر غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

تشریح کہتے ہیں کہ اے ناصر! کبھی نہ کبھی اچھا وقت بھی ضرور آئے گا۔ تجھے غم نہیں کرنا چاہیئے۔ ابھی پوری زندگی پڑی ہے۔ ناامید اور مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر اب ہم پر بُرا وقت ہے تو کیا ہوا! کبھی اچھا وقت بھی آئے گا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل کے بارے میں ہمیں کیا معلوم؟ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے؟ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ انسان کو ہمیشہ روشن پہلو پر نظر رکھنی چاہیئے۔ بقول جگر مراد آبادی ؎

طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو

اصنافِ نثر

ا۔ ناول

مفہوم: ناول (NOVEL) بنیادی طور پر اطالوی زبان کا لفظ ہے جو انگریزی کے ذریعے اردو زبان میں داخل ہوا۔ ناول کے لفظی معنی گو "عجیب اور انوکھی" چیز کے ہیں لیکن اصطلاح میں افسانوں کی ایک خاص صنف کو ناول کا نام دیا گیا ہے۔ حقیقی دنیا میں انسانی زندگی سے متعلق آئے دن جو واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کی تمام جزئیات کا مکمل اور جامع بیان ناول کہلاتا ہے۔

ناول کا موضوع: ناول کا موضوع انسانی زندگی ہوتا ہے۔ ناول نگار انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مکمل اور گہرا مشاہدہ کر کے ایک خاص انداز کے ساتھ اپنے تجربات اور مشاہدات کو ایک مربوط کہانی کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ ناول کی بنیاد حقیقت نگاری پر مبنی ہوتی ہے یعنی داستان میں موجود خیالی اور مافوق الفطرت باتوں کو ناول میں شامل نہیں کیا جاتا۔

عناصرِ ترکیبی: ناول کے عناصرِ ترکیبی حسبِ ذیل ہیں:

ا۔ پلاٹ: پلاٹ ناول کی بنیادی اکائی ہے۔ پلاٹ ایک ایسا خاکہ ہوتا ہے جس کی مدد سے ناول کی پوری کہانی کا تانا بانا تیار کیا جاتا ہے۔ اور ناول کے ہر کردار کو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

(ii) کردار: ناول کے کردار انسان ہوتے ہیں۔ یہ اپنی حرکات و سکنات اور مکالموں کے ذریعے آگے بڑھاتے ہیں۔ کسی ناول کے کرداروں میں جتنی زیادہ (LIFE) ہوگی، ناول اتنا ہی زیادہ کامیاب ہوگا۔

(iii) مکالمہ: مکالمہ دراصل کرداروں کے جذبات و احساسات کی عکاسی کرتا ہے۔ اچھے مکالمے کی مدد سے کردار زیادہ جاندار نظر آتے ہیں جو ناول کے لیے انتہائی اہم بات ہے۔

(iv) تہذیب و تمدن: ناول اپنے زمانے کی ترجمانی اور تہذیب و تمدن کی عکاسی کرتا ہے اور ارد گرد کے ماحول کی منظر کشی کرتا ہے۔

(v) زمان و مکان: اچھے ناول میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ جس زمانے کا ذکر ہو اس زمانے کے ماحول اور معاشرہ کی بھرپور اور مکمل عکاسی کی جائے اور واقعہ

فطری ہو۔

(vi) **واقعاتی ترتیب:۔** اسے انگریزی میں (SETTING) کہتے ہیں ناول نگار جب کسی واقعہ کو بیان کرنے کے لیے مناسب حال، فضا اور ماحول اس طرح ترتیب دے کہ واقعہ قدرتی طور پر وقوع پذیر ہوتا ہوا معلوم ہو۔ اسے واقعاتی ترتیب کہتے ہیں۔

(vii) **تجسس:۔** ناول نگار واقعات میں تجسس ترتیب پیدا کر کے قاری کو اپنے ساتھ ساتھ لے کر چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ پڑھنے والا "آگے کیا ہوگا" سوچتا ہوا پوری توجہ سے ناول پڑھتا چلا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسے SUSPENSE کہتے ہیں۔

(viii) **نقطۂ نظر:۔** ناول میں فلسفہ حیات کے تحت انسانی جذبات و احساسات کی عکاسی کی جاتی ہے۔ وہ زندگی کے واقعات اس ترتیب سے پیش کرتا ہے کہ فلسفہ زندگی سمجھ میں آجاتا ہے۔

(ix) **مقصدیت:۔** سوائے اس کے کوئی ناول کسی مذہبی پہلو کے پلاٹ پر لکھا گیا ہو، وعظ و نصیحت کا انداز اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔

ناول کی اقسام

۱۔ اصلاحی ناول:۔ ایسے ناول جن سے کسی نہ کسی طرح معاشرتی اصلاح کا کام لیا جاتا ہے۔ ان ناولوں میں عموماً فنی تکنیکی کمی نظر آتی ہے اور ناول نگار فن کو اپنے اصلاحی مقصد پر قربان کر دیتا ہے۔ نذیر احمد کے ناول اس قبیل کے ناولوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۲۔ معاشرتی ناول:۔ معاشرتی ناولوں میں عموماً معاشرے کے معاملات و مسائل۔ ان کی پیچیدگیوں، گھریلو حالات، انسانوں کے باہمی تعلقات، صداقت، مکر و فریب غرضیکہ معاشرتی زندگی کا ہر مسئلہ ہمارے سامنے آتا ہے۔

۳۔ تاریخی ناول:۔ ان ناولوں کے موضوعات تاریخی واقعات ہوتے ہیں۔ ناول نگار عموماً واقعات کو افسانوی رنگ دے کر دلچسپ بناتا ہے۔ تاریخی ناول نگاری سخت مشکل ہے۔ کیونکہ ناول نگار کی ذراسی لغزش بھی تاریخی سرمائے کی حقیقتوں کو پامال کر سکتی ہے ہمارے ناول نگاروں میں عبدالحلیم شرر اور نسیم حجازی بہترین تاریخی ناول نگار مانے جاتے ہیں۔

۴۔ جاسوسی ناول:۔ ان کی بنیاد تحیر، تجسس اور اضطراب پر ہوتی ہے ان ہونے واقعات فوق العادت باتیں کی جاتی ہیں۔ گھناؤنے طریقوں سے ناول داستانی رنگ اختیار کر جاتا ہے

۵۔ رومانی ناول:۔ رومانی ناول عموماً محبت کی تلخ و شیریں کیفیات و واقعات کے گرد گھومتے ہیں۔ اردو میں اس قسم کے بے شمار ناول لکھے گئے ہیں۔

۶۔ نفسیاتی ناول:۔ ایسے ناولوں میں عموماً نفسیاتِ انسانی کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ اردو میں نفسیاتی ناولوں کی بے حد کمی ہے۔

اُردو ناول نگاری منزل بہ منزل

۱۔ ڈپٹی نذیر احمد کو اردو ناول نگاری کا بانی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے کہانی کو تخیل اور تصور کی بجائے حقیقت میں ڈھالا اور اسے معاشرتی زندگی کے مقاصد کا حامل بنایا۔ ان کے ناولوں میں ..... "مراۃ العروس"، "توبۃ النصوح" وغیرہ مقصدی اور اصلاحی ناول ہیں۔ ان کے ناولوں میں اسلامی تہذیب و تمدن کی بھرپور جھلک ملتی ہے۔ زندگی سے قریب ترین ہونے کے باعث آج بھی یہ ناول اسی ذوق شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

۲۔ نذیر احمد کے بعد پنڈت رتن ناتھ سرشار کا نام آتا ہے انھوں نے اپنے ناول "فسانہ آزاد" میں لکھنؤ کی تہذیب اور زبان و بیان کی تصویر کشی کی ہے۔ اس ناول میں بے جا طوالت اور غیر ضروری پھیلاؤ بڑا عجیب ہے۔

۳۔ عبدالحلیم شرر اُردو میں تاریخی ناول کے موجد ہیں "فردوس بریں" اور یوسف و نجمہ" وغیرہ ان کے معروف ناول ہیں۔ مرزا رسوا کے "امراؤ جان اَدا" میں لکھنوی تہذیب کے حوالے سے طوائفوں کے کردار اور ان کی نفسیات کی خوب عکاسی کی گئی ہے۔ تکنیکی اعتبار سے "امراؤ جان ادا" ایک اچھا ناول ہے۔

۴۔ راشد الخیری "مصورِ غم" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کے ناولوں کا موضوع عورت کی مظلومیت ہے۔ ان کی ناول نگاری کا مقصد بھی اخلاقی اور اصلاحی ہے۔

۵۔ منشی پریم چند نے اردو ناول کو بلندی، وسعت اور گہرائی عطا کر کے فن کا معیار قائم کیا انہوں نے "میدان عمل" "گئودان" اور "بازارِ حسن" وغیرہ کئی ناول لکھے۔ ان کے ناولوں میں فن اور مقصدیت کا حسین امتزاج ملتا ہے مرزا محمد سعید نے "یاسمین" اور "خوابِ ہستی" دو اچھے ناول لکھے۔ مرزا عظیم بیگ چغتائی نے ناول نگاری میں مزاحیہ انداز اپنایا اس کے بعد کرشن چندر کا "شکست" عصمت چغتائی کا "ٹیڑھی کھیر" اور ع۔ ی۔ احمد کے "گمریز" "ایسی بلندی ایسی پستی" وغیرہ شامل ہیں۔

۶۔ نسیم حجازی کے ناول تاریخ اسلام کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں "محمد بن قاسم" "انسان اور دیوتا" اور "خاک و خون" ان کے شاہکار ناول ہیں۔

۷۔ ایم۔ اسلم، قیسی رام پوری اور رئیس احمد جعفری نے بھی بہت سے ناول لکھے ہیں۔ ان کے مقاصد بھی اصلاحی ہیں۔ رئیس احمد جعفری کے ہاں لمحیت ہے۔ قیس رام پوری کے ناول بھی فنی اعتبار سے بلند پایہ نہیں ہیں۔

۸۔ بانو قدسیہ، قاسم محمود، علی اصغر چوہدری، جمیلہ ہاشمی، صالحہ عابد حسین، اے حمید، الطاف فاطمہ، اے آر خاتون، بلونت سنگھ اور رضیہ بٹ موجودہ دور کے معروف ناول نگار ہیں۔

۲۔ افسانہ

تعریف:۔ افسانہ انگریزی صنفِ ادب (SHORT STORY) کی اردو شکل کو کہتے ہیں

و ایڈگرایلن پو نے اس کی تعریف یوں کی ہے:۔

"افسانہ ایک نثری قصّہ ہوتا ہے جسے پڑھنے میں کم ازکم نصف گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے صرف ہوں۔"

و جے۔ اے ہمرٹن کہتا ہے:۔

"افسانہ نگاری بذاتِ خود ایک فن ہے، موضوع کی اس میں کوئی قید نہیں۔ البتہ اسے ایک ہی مختصر نشست میں ختم ہوجانا چاہیئے۔"

و ایک اور تعریف کی جاتی ہے:۔

"افسانہ ایک ایسی مختصر فکری داستان ہے جس میں کسی ایک شخص یا کردار کے کسی ایک پہلو یا اس کے ساتھ پیش آنے والے کسی واقعہ کا ذکر کیا گیا ہو۔ اس کا پلاٹ مربوط، بیان منظم اور تاثر متحد ہو۔"

افسانے کا موضوع:۔ افسانے کا تعلق انسانی زندگی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا حقیقی زندگی کے کردار و واقعات افسانے کا موضوع ہوتے ہیں۔

افسانے کے اجزاء

۱۔ **وحدتِ تاثر:** افسانے کی سب سے بڑی خوبی وحدتِ تاثر ہے چونکہ افسانہ ایک ہی نشست میں بیٹھ کر پڑھی جانے والی چیز ہے۔ اس لیے فنی اعتبار سے افسانے کا تاثر آغاز سے انجام تک قائم رہنا چاہیئے۔

۲۔ **ترتیب و تنظیم:** افسانہ بغیر پلاٹ کے ایک بے معنی چیز ہے۔ پلاٹ واقعات کا پلندہ ہے جب تک واقعات میں ایک ترتیب اور تنظیم پیدا نہ ہوگی افسانہ، افسانہ نہیں ہو سکتا، واقعات کی کڑیاں مسلسل مربوط اور منظم ہوں گی تو افسانے کی عمارت کھڑی ہو سکے گی۔

۳۔ **موضوع پر گرفت:** افسانے کی بنیاد موضوع ہے، افسانہ نگار ہوا میں محل تعمیر نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ افسانہ نگار کا موضوع کمزور ہو تو پلاٹ کی دلکشیوں اور وحدتِ تاثر کی نزاکتوں کے باوجود افسانہ بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

۴۔ **دلچسپی کا عنصر:۔** افسانہ نگار کا نقطۂ نظر نہ صرف اس پہ بلکہ قاری پہ واضح ہونا چاہیئے افسانہ کہنے اور لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قاری کو چند لمحوں کی خودفراموشی

نصیب ہو سکے۔ دلچسپی موضوع میں ہو یا پلاٹ میں یا محض اسلوبِ بیان میں اس کا فقدان افسانے کی ناکامی کی دلیل ہے۔

۵۔ **قوتِ مشاہدہ :۔** موضوع اور پلاٹ کی تلاش میں افسانہ نگار کی قوتِ مشاہدہ کام آتی ہے۔

۶۔ **اسلوبِ بیان :۔** سب سے آخر میں افسانہ نگار کا اسلوب بیان آتا ہے، اسلوب بیان افسانے کی جان ہے۔ اگر دو افسانہ نگار ایک ہی موضوع اور ایک ہی پلاٹ پر لکھیں تو اسلوبِ بیان کا اختلاف ہی دونوں تحریروں کو ایک دوسرے سے جدا کر سکے گا۔

افسانے کی قسمیں

i۔ **واقعاتی :۔** جس میں کہانی کے واقعات بنیادی اہمیت رکھتے ہوں۔

ii۔ **معاشرتی :۔** ایسا افسانہ جس میں کسی معاشرتی مسئلہ کا ذکر ہو۔

iii۔ **موضوعاتی :۔** جس میں کسی خاص موضوع کو واضح کیا گیا ہو۔

iv۔ **نفسیاتی :۔** جس میں کسی کردار کے کسی ایک نفسیاتی پہلو کا ذکر ہو۔

v۔ **کرداری :۔** ایسی کہانی جو کسی خاص کردار کے گرد گھومتی ہو۔

vi۔ **علامتی :۔** جس میں مقصد کو علامتوں کے ذریعے بیان کیا گیا ہو۔ ایسے افسانے میں پلاٹ واضح نہیں ہوتا جدید افسانہ نگار خاص مصلحتوں کے تحت ایسے افسانے لکھتے ہیں۔

آغاز اور ارتقاء

۱۔ افسانہ اردو ادب سے بیسویں صدی میں متعارف ہوا۔ سید سجاد حیدر یلدرم نے اردو کا پہلا افسانہ لکھا مگر تکنیک، موضوع اور مواد کے اعتبار سے پریم چند اردو افسانے کے امام ہیں۔ انہوں نے دیہاتی معاشرت پر قلم اٹھایا۔ ان کے ہاں سیاسی اور طبقاتی کش مکش بھی ہے۔ انہوں نے افسانے کو حقیقت پسندی اور واقعہ نگاری کے فن سے روشناس کرایا۔ کرشن چندر اور علی عباس حسینی نے انہی احساسات کو ترقی دی۔

۲۔ سلطان حیدر جوش نے مغربی تہذیب کے بعض کمزور پہلوؤں پر تنقید کی اور اپنے مقصد کے اظہار کے لئے طنز و مزاح کا سہارا لیا۔

۳۔ نیاز فتح پوری، سجاد حیدر یلدرم اور لطیف اکبر آبادی نے اردو ادب میں رومانیت کا آغاز کیا۔ بعد میں حجاب امتیاز علی اور قرۃ العین حیدر نے اس میں اضافہ کیا۔ خیالات اور رنگینی اور حسن آفرینی ان افسانوں کا طرہ امتیاز ہے۔

۴۔ اردو افسانے کو ترقی پسند تحریک نے بے حد متاثر کیا۔ تحریک کی ابتداء افسانوں کے اس مجموعے سے ہوتی ہے جو

"انگارے" کے نام سے طبع ہوا۔ اس میں پرانے خیالات اور نظریات سے بغاوت، مذہب اور سیاست پر کھلم کھلا تنقید کی گئی ہے۔ واقعہ نگاری میں ابتذال اور فحاشی کی حدود سے بھی تجاوز کیا گیا ہے۔ عصمت چغتائی اور سعادت حسن منٹو کے نام اس ضمن میں قابلِ ذکر ہیں۔

۵۔ جدید دور کا افسانہ مغرب سے بے حد متاثر ہوا ہے۔ دو موضوعات خاص طور پر افسانہ نگاروں کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ ایک فرائڈ کا "نظریۂ جنس" اور مارکس کا "نظریۂ معیشت"۔ آج کا نوجوان ان افسانوں کے مطالعہ سے عجیب سی ذہنی کشمکش محسوس کرتا ہے۔ بقول وقار عظیم "ان افسانوں میں سکون کم اور اضطراب و ہیجان زیادہ ہے۔"

۶۔ قیام پاکستان کے بعد ترقی پسند تحریک کا زور کم ہوا۔ قومی، اصلاحی اور پاکستانی ادب کے حوالے سے تعمیری افسانے لکھے گئے۔ نعیم صدیقی، لالہ صحرائی اور ابنِ فرید نے اس سلسلے میں نمایاں کام کیا۔ "علامتی افسانے" کا رجحان بھی ہوا۔ بہرحال جدید افسانے کے کئی موضوعات ہیں اور لکھنے والے بھی بے شمار ہیں۔

۷۔ جو نئے لکھنے والے افسانے کے افق پر ابھرے ہیں ان میں یہ نام نمایاں ہیں۔ الطاف فاطمہ، اے حمید اشفاق احمد، غلام الثقلین نقوی، ممتاز مفتی، راجندر سنگھ بیدی، ابراہیم جلیس، خدیجہ مستور، حاجرہ مسرور، احمد ندیم قاسمی انتظار حسین، بانو قدسیہ، رام لعل اور غلام عباس۔

ان افسانہ نگاروں میں سے ہر ایک کا مشاہدے کا اپنا اپنا میدان ہے۔

۳۔ ڈرامہ

مفہوم :- ڈرامہ یونانی لفظ "ڈراؤ" (DRAO) سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "کرنا" یا "کر کے دکھانا"۔ ڈرامے کے فن کی بنیاد حرکت اور گویائی پر ہے۔ ایک انگریزی نقاد ہڈسن نے کہا ہے: "ڈرامہ ایک نقالی ہے جو حرکت اور تقریر کے وسیلے سے کی جاتی ہے۔"

ڈرامے کو مختلف زبانوں میں تمثیل، سوانگ، ناٹک یا نقل کہتے ہیں۔ ڈرامہ درحقیقت زندگی کی عملی تصویر کی نقل ہوتی ہے۔

ڈرامہ کا موضوع :- ڈرامے کا موضوع زندگی ہے اور جس طرح زندگی کے بے شمار موضوعات اور پہلو ہیں اس طرح ڈرامے کے موضوعات بھی بے شمار ہیں۔ تاریخ، معاشرت، نفسیات زندگی، رومان، غرضیکہ زندگی کا ہر پہلو ڈرامے کا موضوع بن سکتا ہے۔

ڈرامہ کی قسمیں

۱۔ بلحاظ تاثر

۱۔ **طربیہ (کامیڈی)**: ہنسی مذاق کے ذریعے معاشرے کی خامیوں کی نشاندہی کر کے اصلاحی پہلو اجاگر کرنا۔ ایسے ڈرامے کا انجام طربیہ ہوتا ہے۔

۲۔ **المیہ (ٹریجیڈی)**: ڈرامے میں سوز و گداز اور درد و غم سے تعلق رکھنے والے ایسے واقعات دیکھ کر دیکھنے والے کا دل بھر آئے حتیٰ کہ بعض اوقات آنسو جاری ہو جائیں ایسے ڈراموں کا انجام دردناک ہوتا ہے۔

۳ **میلو ڈرامہ**: ایسے ڈرامے میں واقعات کی تفصیل، خلاف فطرت حالات و حادثات کی کش مکش طویل مکالمے، گانوں کی بھرمار اور غیر ضروری خود کلامی ہوتی ہے۔

۴۔ **فارس یا سوانگ**: اس کا مقصد صرف سستی تفریح ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کی مختصر مزاحیہ تمثیل ہوتی ہے جس میں عامیانہ مذاق، گھٹیا ظرافت اور احمقانہ واقعات دکھائے جاتے ہیں۔

۵۔ **برلسک BURLASQUE**: یہ نقل کی ایک قسم ہے جس میں کردار گھٹیا بہروپ میں اونچے درجہ کے لوگوں کی نقل اتار کر مزاح پیدا کرتے ہیں اور مصنوعی متانت سے مذاق اڑا کر ذہنی تفریح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۶۔ **اوپیرا (OPERA)**: یہ غنائیہ سے ملتا جلتا ڈرامہ ہوتا ہے جو المیہ یا طربیہ دونوں صورتوں میں جزوی یا کلی طور پر شعر و نغمہ سے بھرپور ہوتا ہے۔ سب کردار آپس میں شعروں میں گفتگو کرتے اور گیتوں میں گا گا کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔

۷۔ **ریڈیائی ڈرامہ**: ایسے ڈرامے صرف ریڈیو سے نشر ہو سکتے ہیں۔ ان میں کرداروں کے جذبات و احساسات اور واقعات کو صوتی اثرات کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔

۸ **ٹی۔ وی ڈرامہ**: تھیٹر کی طرح سیٹ لگا کر چھوٹی سکرین کے لئے فلمایا جانے والا یہ ڈرامہ مکمل یا بالاقساط پیش کیا جاتا ہے۔ ڈرامے کے تمام لوازمات پورے کئے جاتے ہیں فلم سے قریب ترین صنف ہے۔

۹۔ **فلم**: فلم ڈرامہ کی ہی مکمل شکل ہے اور تھیٹر کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ قدیم سٹیج ڈراموں کی طرح مکالموں کی بجائے گیتوں کے ذریعے کہانی آگے بڑھتی ہے۔ ٹی وی نے کسی حد تک اس کی افادیت کو کم کر دیا ہے۔

(ب) بلحاظ تکنیک

۱۔ **پانچ یا تین بابی ڈرامہ THREE ACT PLAY**: اس ڈرامے میں پانچ یا تین حصوں میں کہانی مکمل کی جاتی

ہے۔ ہر حصے کے بعد تھوڑی دیر کا وقفہ کیا جاتا ہے لیکن کہانی کو اتنی چابکدستی سے چلایا جاتا ہے کہ وحدت تاثر قائم رہتی ہے ایسا ڈرامہ تھیٹر اور اسٹیج سے وابستہ ہے۔

۲. ایک بابی ڈرامہ ONE ACT PLAY : یہ ڈرامہ مغربی ادب سے ۱۹۲۰ء میں برصغیر میں عروج پذیر ہوا۔ اس میں تھوڑے مواد کے ذریعے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس میں کسی واقعہ کا اچانک آغاز کر کے اسے نقطۂ عروج تک پہنچا کر اس کا اختتام کر دیا جاتا ہے۔ مجموعی تاثر کی گرفت بہت مضبوط رہتی ہے۔

ڈرامے کی خصوصیات :-

فنی اعتبار سے ڈرامے کے لئے حسب ذیل خصوصیات ضروری خیال کی جاتی ہیں۔

۱ ربط اور تسلسل :- ڈرامے کا ایک ایک حصے کا آپس میں گہرا ربط ہونا چاہیئے۔ اس کے بغیر دیکھنے والے متاثر نہیں ہو سکتے۔

۲. تذبذب : تذبذب سے انتظار کی کیفیت اور دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ لیکن یہ دلچسپی اور تجسس غیر فطری واقعات سے پیدا نہیں ہونا چاہتے۔

۳ کش مکش ٹکراؤ اور تصادم :- یہ ڈرامے کی بنیادی خصوصیت ہے جو مخالف کرداروں یا قوتوں کے آپس میں ٹکرانے سے ظاہر ہوتی ہے۔ واقعات کا نشیب و فراز اسی تصادم سے پیدا ہوتا ہے۔

۴ تھیٹر یا اسٹیج :- ڈرامہ اور تھیٹر لازم و ملزوم ہیں۔ ڈرامہ کر کے دکھانے کی چیز ہے اور تھیٹر کے بغیر ڈرامے کی قدر و قیمت کچھ باقی نہیں رہتی کیونکہ اسے عملی طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

۵ اداکار اور تماشائی : اسٹیج کے علاوہ اداکار اور تماشائی بھی ڈرامے کا لازمی جزو ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسٹیج کے بغیر ڈرامہ عمل میں نہیں لایا جا سکتا۔ اداکار کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں اور عروج و زوال سے گزرتے ہوئے انجام تک لے جاتے ہیں اور اگر تماشائی بغیر ڈرامہ دیکھنے والے موجود نہ ہوں تو بھی ڈرامے اور تھیٹر کا وجود مکمل نہیں ہوتا کیونکہ ڈرامہ کوئی ذاتی یا شخصی چیز نہیں ہوتا بلکہ یہ عام لوگوں کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتا ہے اور پھر ڈرامے کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار بھی دیکھنے والوں کی دلچسپی یا عدم دلچسپی پر ہوتا ہے۔

۶. اصاف ثلاثہ : ارسطو نے ڈرامے کے لئے احادِ ثلاثہ یعنی وحدت زمان و مکان اور وحدت عمل کو ضروری خیال کیا ہے۔ ٹی۔ ایس ایلیٹ نے کہا ہے کہ یہ تین وحدتیں تین علیحدہ

علیحدہ قانون نہیں ہیں بلکہ ایک ہی قانون کے تین مختلف پہلو ہیں اس کو وحدت تاثر کا نام دیا جاتا ہے اور یہ ہر فن پارے کے لئے ضروری ہے۔

۷۔ **کردار نگاری:** کردار نگاری ڈرامے کا سب سے بڑا جزو ہے۔ ہر ڈرامے کی کامیابی کرداروں کی دلکشی پر منحصر ہوتی ہے۔ یہ کردار ہی ہوتے ہیں جن کا اثر بعد میں بھی مدت تک قائم رہتا ہے۔

۸۔ **مکالمہ:** مکالمے کے بغیر ڈرامہ وجود میں نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ مختلف کرداروں کی حرکت و سکنات اور گفتگو کا مجموعہ ہوتا ہے کردار اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار مکالمے کے ذریعے ہی کرتے ہیں۔

۹۔ **ڈرامہ کے مدارج:** ایک ڈرامہ عموماً ابتدا سے انجام تک ان منزلوں سے گذرتا ہے۔
ا۔ ابتداء ۲۔ ارتقاء ۳۔ نقطہ عروج ۴۔ تنزل ۷۔ انجام۔

۱۰۔ **زبان:** ڈرامے کی زبان کسی حد تک روزمرہ کی زبان سے مختلف ہوتی ہے۔ کرداروں کو گفتگو میں اپنی روزمرہ کی زبان کی بجائے ایک خاص اسلوب اختیار کرنا پڑتا ہے۔ پُر زور خطیبانہ اور شاعرانہ اندازِ گفتگو عام ہوتی ہے۔ بعض لوگ گانے بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ لیکن یہ پابندی لازمی نہیں ہے۔

خود کلامی اور یک طرفہ گفتگو: یہ بھی ڈرامے میں عام نظر آتی ہے۔ اگرچہ یہ باتیں کسی حد تک حقیقت سے دور نظر آتی ہیں لیکن پھر بھی ڈرامے کی روایت میں شامل ہو چکی ہیں۔

اُردو ڈرامے کی تاریخ

ابتدائی دور: واجد علی شاہ اُردو کے پہلے ڈرامہ نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں اور پہلا ڈرامہ رادھا کنہیا کا قصّہ ہے۔ اسی دور میں امانت لکھنوی نے "اندر سبھا" لکھا جو راجہ اندر کے دربار کو، عیش و عشرت کی کہانی ہے، حسین و جمیل عورتوں کے ناچ گانوں اور انحطاط پذیر معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔

ڈرامہ نویسی کا کاروباری دور: ناٹک کمپنیوں کے ڈرامہ نویسوں میں حافظ عبداللہ، رونق بنارسی، ظریف اور مرزا نظیر بیگ بہت معروف ہیں احسن لکھنوی نے مروجہ ڈرامے کا معیار بلند کرنے کی کوشش کی۔ ان کے بیشتر ڈرامے انگریزی ڈراموں کی بنیاد پر ہیں اور کچھ طبع زاد بھی ہیں۔ ان میں حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ زبان کی سادگی بھی

نمایاں ہے۔ ناٹک کمپنیوں کا بنیادی مقصد روپیہ بٹورنا تھا چنانچہ ڈرامہ صرف رقص و سرور کا شکار ہو کر رہ گیا اور زندگی کی اعلیٰ اقدار کی عکاسی نہ کر سکا۔ طالب بنارسی اور بیتاب دہلوی نے اردو ڈرامے کو تصنع سے پاک کرنے کی کوشش کی۔

• **آغا حشر کے ڈرامے:** اردو ڈرامہ نگاری میں سب سے زیادہ شہرت آغا حشر کاشمیری کو ملی۔ ان کی قادر الکلامی اور خطابت کے رجحان نے ایسے پر جوش مکالمے تخلیق کئے کہ امتیاز علی تاج کے بقول" دنیا آغا حشر کا کلمہ پڑھنے لگی۔" ڈرامے کے مروجہ انداز میں انھوں نے جدت پیدا کی۔ ان کے ڈراموں میں اصلاحی مقصد نمایاں ہے۔ یہ ڈرامے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں "رستم و سہراب" "ترکی حور" "اسیر حرص" "شہید ناز" اور "یہودی کی لڑکی" اہم ہیں۔

جدید اردو ڈرامہ: اردو ڈرامے کے جدید دور میں احمد شجاع پاشا، عبدالماجد دریابادی پنڈت کیفی اور ڈاکٹر عابد حسین وغیرہ نے فن ڈرامہ نویسی کو مزید نکھارا اس دور میں پانچ ایکٹ اور تین ایکٹ کے ادبی، اصلاحی، سیاسی اور سماجی ڈرامے پیش کئے گئے۔ امتیاز علی تاج نے اپنا مشہور ڈرامہ "انار کلی" لکھ کر ڈرامہ نگاری کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔

ریڈیائی اور ٹی وی ڈرامے: ریڈیائی ڈراموں کے حوالے سے رفیع پیرزادہ، مرزا ادیب امتیاز علی تاج، عشرت رحمانی، انتظار حسین اور سجاد حیدر بہت شہرت حاصل کر چکے ہیں۔

آج کل ٹی وی ڈرامے بہت مقبول ہیں۔ اس ضمن میں اشفاق احمد، سلیم احمد، بانو قدسیہ، حسینہ معین فاطمہ ثریا بجیا، اطہر شاہ خان، حمید کاشمیری، انور سجاد، یونس جاوید، جمیل ملک، امجد اسلام امجد اور منو بھائی کے نام سرفہرست ہیں۔ اور ڈرامہ نویسی کے ارتقاء میں ریڈیو اور ٹی وی کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔

۴۔ مضمون

مفہوم: مضمون کے لغوی معنی، مطلب، بیان اور درمیان میں ڈالی ہوئی چیز کے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں قلم کی وساطت سے دلکش انداز میں جذبات، احساسات اور خیالات کے ادا کرنے کو مضمون نویسی کہا جاتا ہے۔

ابتداء: مضمون انگریزی لفظ (ESSAY) کا مترادف ہے۔ یہ فرانسیسی سے انگریزی میں آیا۔ فرانسیسی مصنف مونتین پہلا شخص ہے جس نے اپنے مضامین مطبوعہ (۱۵۸۰ء) کو ESSAY کا نام دیا۔ اس کے بعد بیکن نے یہ لفظ مستعار لیا۔ پھر انگلستان میں ٹیٹلر اور سپیکٹر رسالوں

مضمون ۔۔۔ کو وسیع کیا۔

مضمون کے موضوعات: مضمون کے لئے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ اس لئے ہر موضوع پر مضمون لکھا جا سکتا ہے اس لحاظ سے اس صنفِ نثر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

اقسام: چونکہ ہر موضوع پر مضامین لکھے جا سکتے ہیں اس لئے مضمون نویسی کی کئی قسمیں ہیں مثلاً۔۔

۱۔ ادبی مضامین: مثلاً حسرت کی شاعری۔ ادب اور تنقید، میر المحبوب شاعر

۲۔ سیاسی مضامین: مثلاً طلبہ اور سیاست، جمہوریت ایک طرزِ حکومت، نظریۂ پاکستان۔

۳۔ مجلسی مضامین: مثلاً رسم و رواج، جہیز کی رسم، عورتوں کے حقوق۔

۴۔ تعلیمی مضامین: مثلاً ہمارا نظامِ تعلیم، مخلوط تعلیم، تعلیمِ نسواں

۵۔ مذہبی و اخلاقی مضامین: مثلاً۔ اسلام اور مساوات، اسلام میں عورتوں کے حقوق۔

۶۔ تخیلی مضامین: مثلاً، ایک خواب، اگر میں شاعر ہوتا۔

۷۔ تنقیدی مضامین: مثلاً غالب کی انا پسندی، میر کا رنگِ تغزل، اقبال ایک مفکر۔

۸۔ تاریخی مضامین: مثلاً حضرت عمرؓ کا انتظامِ سلطنت۔ واقعہ کربلا کی حقیقت۔

خصوصیات: ۱۔ دنیا بھر کے موضوعات اور ہر قسم کے مسائل پر اظہارِ خیال کیا جا سکتا ہے لیکن ایک مضمون نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ بے جا طوالت سے گریز کرے اور اپنی معلومات کو اچھے انداز میں یکجا کر کے پیش کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو مضمون بوجھل اور پھسپھسا ہو جائے گا۔

۲۔ ایک ہی خیال کو بار بار دہرانا نہیں چاہیئے، مضمون لکھتے وقت ضروری مطالب کو ہی پیش نظر رکھا جائے اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ مواد میں تسلسل قائم رہے۔

۳۔ مضمون نویسی کے لئے سادگیٔ تحریر ایک خاص جوہر ہے، تحریر کا مغلق اور پیچیدہ ہونا سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے۔

۴۔ مضمون لکھتے وقت لفظوں کے انتخاب کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ لفظ جس قدر صاف، سادہ، سلیس اور برجستہ ہوں گے مضمون اتنا ہی قابلِ قدر اور وقیع ہو گا۔

۵۔ مضمون لکھتے وقت متانت اور سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہیئے، مضمون خواہ مزاحیہ ہی کیوں نہ ہو، زبان بازاری اور غیر سنجیدہ نہیں ہونی چاہیئے۔

۶۔ مضمون کی زبان دلکش اور اندازِ بیان دلنشین ہوتا ہے۔

۷۔ اس میں داخلی رنگ کی بجائے خارجی رنگ غالب رہتا ہے۔

مضمون، مقالہ اور انشائیہ کی حدود: مضمون کا لفظ اردو میں بہت وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے تحت مقالہ اور انشائیہ بھی آتا ہے۔ مقالہ میں چھان بین اور تحقیق و جستجو سے کام لے کر ٹھوس موضوعات پر بڑی تفصیل سے عالمانہ انداز میں بحث کی جاتی ہے۔ اور اس کا انداز بیاں بھی سنجیدہ ہوتا ہے۔

مضمون میں عنوان سے موضوع کو واضح کر دیا جاتا ہے۔ پھر الگ الگ حصے کر لئے جاتے ہیں جن میں ایک منطقی ترتیب ہوتی ہے۔ اس موضوع پر رسمی، سنجیدہ، غیر شخصی اور مربوط انداز سے روشنی ڈالی جاتی ہے اور مقالے کی طرح تفصیل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ الفاظ کا صحیح انتخاب، زبان کی فطری ساخت کے مطابق چھوٹے چھوٹے فقرے موثر ثابت ہوتے ہیں۔

انشائیہ میں داخلی رنگ پایا جاتا ہے لیکن مضمون میں خارجی رنگ غالب رہتا ہے۔

ارتقاء: ۱۔ اردو میں مضمون کی ابتداء سر سید احمد خاں نے کی۔ انہوں نے انگلستان کے رسالوں ٹیٹلر اور سپیکٹیٹر کی طرز پر ایک رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا اور اس میں اپنے مضامین شائع کرنے شروع کئے۔ سر سید احمد خاں نے ہر قسم کے موضوعات پر مضامین لکھے اور سادہ نویسی کی شاندار روایت قائم کی۔ ان کے رفقاء میں حالی، شبلی، محسن الملک، وقار الملک، نذیر احمد اور چراغ علی وغیرہ نے ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ جو مختلف النوع موضوعات پر مشتمل ہے۔

۲۔ ۱۸۷۷ء میں لکھنؤ سے "اودھ پنچ" جاری ہوا جس میں منشی سجاد حسین، رتن ناتھ سرشار، اور اکبر الہ آبادی وغیرہ کے مضامین شائع ہونے لگے۔

۳۔ "تہذیب الاخلاق" کے بعد جس رسالے نے مضمون کو ترقی دی میں اہم کام کیا وہ سر عبد القادر کا "مخزن" ہے جو لاہور سے جاری ہوا۔ مخزن میں حالی، شبلی، اکبر، حسرت موہانی، ابو الکلام آزاد، علامہ اقبال، خوشی محمد ناظر، مولوی ذکار اللہ اور حافظ محمود شیرانی کی نگارشات شائع ہوا کرتی تھیں۔

۴۔ بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں اردو مضمون نگاری کا سنہری دور شروع ہوا جب "ہمایوں" اور "نگار" جیسے رسالوں نے مضمون نگاری کی شاندار روایات قائم کیں اور ہر قسم کے علمی، فنی، سیاسی، اور سماجی مضامین کی اشاعت کی۔ خواجہ حسن نظامی، مولوی عبد الحق، سید سلیمان ندوی، نیاز فتح پوری، رشید احمد صدیقی سجاد حیدر یلدرم، پطرس بخاری اور مہدی افادی وغیرہ نے اہم علمی و تہذیبی موضوعات پر مضامین سپرد قلم کئے۔

۵۔ عصر جدید میں "فنون" "نقوش" "اوراق" "سیپ" اور "افکار" وغیرہ اردو مضمون نویسی کی ترقی و ترویج میں قابلِ قدر کام کر رہے ہیں۔ وزیر آغا، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر احسن فاروقی، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، آل احمد سرور اور جمیل جالبی وغیرہ جدید مسائل پر وقیع مضامین لکھ رہے ہیں۔

۵۔ خاکہ

تعریف: خاکہ (SKETCH) کے لغوی معنی "ڈھانچہ" یا "ابتدائی نقشہ" کے ہیں۔ لیکن ادبی اصطلاح میں خاکہ ایک ایسی مختصر سی تحریر ہوتی ہے جس میں کسی شخصیت کے خدوخال اور اس کے کردار کی نمایاں خوبیاں اس طرح بیان کی جائیں کہ قاری اس تحریر سے اس شخصیت کے بھرپور سوانح مکمل وضع قطع، کردار و گفتار اور نظریات و عقائد کی جامع تصویر اپنے ذہن و دل میں مرتب کر سکے۔

خصوصیات

۱۔ **تصویر کشی:** خاکہ نگاری بنیادی طور پر ایک مصور ہوتا ہے جو لفظوں کے ذریعے کسی شخصیت کی اس طرح تصویر کشی کرتا ہے کہ اس کی صورت و سیرت مکمل کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

۲۔ **اختصار:** خاکہ غیر ضروری تفصیلات اور جزئیات کا بیان نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں کسی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالی جاتی ہے بلکہ خاکہ نگار اپنے ہیرو کی زندگی کے کسی ایک پہلو کو ابھارتا ہے۔ وہ اس کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیوں کا ذکر بھی کرتا ہے مگر خامیوں کا تذکرہ ہیرو کی شخصیت کو دھندلانے کی بجائے چمکاتا ہے۔

۳۔ **نکتہ آفرینی:** خاکہ نگار سیدھے سادھے انداز سے اپنے ہیرو کی زندگی کا بیان نہیں کرتا بلکہ وہ تخیل کی رنگ آمیزی سے لطیف نکتے پیدا کرتا ہے۔

شگفتگی: مجموعی لحاظ سے خاکہ نگار کا اسلوب قدرے غیر رسمی اور شگفتہ ہوتا ہے۔ وہ سنجیدگی اور متانت کی فضا قائم نہیں کرتا بلکہ اپنی تحریر پر برجستہ شگفتگی کا رنگ پھیر دیتا ہے۔

چھیڑ چھاڑ کا انداز: خاکہ نگار اپنے ہیرو سے والہانہ محبت کرتا ہے۔ اس کے گن بھی گاتا ہے مگر چھیڑ چھاڑ سے باز نہیں آتا۔ اگر کبھی وہ اسے گدگداتا ہے تو کبھی اس کے چٹکیاں بھی لیتا ہے۔

خاکہ نگاری کی تاریخ

۱۔ اردو میں خاکہ نگاری کی ابتدا مولانا محمد حسین آزاد سے ہوئی۔ ان کی کتاب "آبِ حیات" میں بعض شعراء کے تذکرے خاکہ نگاری کے عمدہ نمونے کی صورت میں ملتے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی بھی ایک صاحبِ طرز خاکہ نگار تھے۔ لیکن مرزا فرحت اللہ بیگ اردو کے پہلے خاکہ نگار ہیں۔ جنہوں نے اس صنف کو فن کے طور پر استعمال کیا "نذیر احمد کی کہانی" "دلی کا یادگار مشاعرہ" اور "پھول والوں کی سیر" ان کے خوبصورت خاکے ہیں۔

۲۔ رشید احمد صدیقی کی "گنجہائے گرانمایہ" اور "ہم نفسان رفتہ" خاکہ نگاری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ان خاکوں میں رشید احمد صدیقی نے انسانیت اور شخصی عظمت کے پہلوؤں کو زیادہ اہمیت دے کر اپنی فنی عظمت اور انفرادیت کا ثبوت دیا ہے۔

۳۔ مولوی عبدالحق نے "چند ہم عصر" لکھ کر خاکہ نگاری کی تاریخ میں گرانقدر اضافہ کیا۔ چراغ حسن حسرت "مردم دیدہ" رئیس احمد جعفری کی "دید و شنید" شاہد احمد دہلوی کی "گنجینۂ گوہر" شورش کاشمیری کی "چہرے" اور سعادت حسن منٹو "گنجے فرشتے" اور "لاؤڈ سپیکر" میں خاکہ نگاری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ شوکت تھانوی، عاشق حسین بٹالوی اور عبدالمجید سالک نے بھی عمدہ خاکے لکھے ہیں۔

۴۔ نئے دور کے خاکہ نگاروں میں محمد طفیل نے بہت سے خاکے لکھے ہیں جن میں "صاحب" "آپ" "جناب" "محترم" "مکرم" اور "مجتبیٰ" شائع ہو چکے ہیں۔ مرزا ادیب، ڈاکٹر وزیر آغا، مرزا منور اور گلزار وفا چوہدری کے نام خاکہ نگاری کی تاریخ میں خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔

۵۔ ادبی مجلہ "نقوش" کے مدیر محمد طفیل نے خاکوں پر مشتمل ۱۹۵۵ء میں نقوش کا خاص نمبر "خاکہ نمبر" شائع کر کے اردو خاکہ نگاری کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا اور یہ خاص نمبر اردو میں خاکوں کا سب سے بڑا مجموعہ ہے۔

اصنافِ نظم

۱۔ نظم

مفہوم: ۱۔ نظم کے لفظی معنی ہیں "موتیوں کو لڑی میں پرونا" لیکن اصطلاح میں نظم اشعار کے ایسے مجموعے کا نام ہے جس میں ایک خیال اور موضوع کو بیان کیا گیا ہے اور اس میں تسلسل بھی پایا جائے۔

۲۔ ابتداء میں نظم کے تمام اشعار کا ہم وزن اور مروجہ بحروں میں سے کسی بحر میں ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا اور ان میں ردیف اور قافیئے کی پابندی کی جاتی تھی اس کو پابند نظم کہا جاتا ہے۔

۳۔ بعد ازاں ردیف اور قافیئے کی پابندی کو ضروری خیال نہ کیا گیا۔ لیکن روائتی بحر اور وزن کا خیال رکھا گیا۔ ایسی نظم کو نظم معرّیٰ "BLANK VERSE" کہتے ہیں۔

۴۔ پھر بعض شعراء نے قافیئے اور ردیف کے ساتھ ساتھ بحر کی پابندی سے بھی چھٹکارا حاصل کر لیا اور ایسی نظم کو آزاد نظم "FREE VERSE" کا نام دیا گیا ہے۔

مضامین: نظم کا میدان بہت وسیع ہے۔ اس میں ہر قسم کے مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔ اس میں مناظرِ فطرت اور مظاہرِ قدرت کا بیان بھی ہوتا ہے۔ اس میں وطن کی محبت سماجی روایات اور طنز و مزاح کے مضامین بھی بیان کیے جاتے ہیں۔

نظم کی اصناف

ا۔ **موضوع کے اعتبار سے:** موضوع کے لحاظ سے نظم کی اہم ترین صنف غزل ہے علاوہ ازیں قصیدہ اور مرثیہ بھی موضوع کے لحاظ سے اہم اصناف ہیں۔

(ب) **ہیئت کے لحاظ سے:** ہیئت کے لحاظ سے نظم کی اہم اصناف میں مثنوی، رباعی مخمس اور مسدس وغیرہ شامل ہیں۔

ارتقاء: ۱۔ اگرچہ دکنی دور میں کئی ایک موضوعاتی نظمیں لکھی گئیں لیکن صحیح معنوں میں اردو نظم کی ابتداء نظیر اکبر آبادی نے کی۔ نظیر ایک عوامی شاعر تھے۔ انہوں نے آدمی نامہ، انجام، برسات کی بہاریں وغیرہ نظمیں لکھ کر اردو ادب کی اس صنف میں بیش بہا اضافہ کیا۔

۲۔ انیسویں صدی کے آخری بیس سالوں میں سرسید کی ادبی تحریک کا آغاز ہوا جس کے زیرِ اثر مغربی ادب اور خیالات کے اثر و نفوذ نے نظم کی نئی راہیں کھولیں۔ محمد حسین آزاد نے انجمن پنجاب کی بنیاد رکھی۔ حالی نے آزاد کا بھرپور ساتھ اور انجمن پنجاب کے مشاعروں میں موضوعاتی نظمیں پڑھی جانے لگیں۔ حالی نے مسلمانوں کے عروج و زوال پر ایک طویل نظم "مد و جزرِ اسلام" کے نام سے لکھی۔ حالی کی نظم نگاری کی تحریک روز بروز زور پکڑتی گئی۔ شبلی اور اکبر الٰہ آبادی، اسماعیل میرٹھی وغیرہ جیسے شعراء نے سیاسی، تہذیبی اور معاشرتی مضامین پر نظمیں لکھ کر اردو نظم کے ذخیرے میں بے بہا اضافہ کیا۔

۳۔ مولانا ظفر علی خاں اور جوش ملیح آبادی نے اردو نظم کو مزید وسعت دی اور استحکام بخشا۔ سیاست معیشت، تہذیب، معاشرت اور سماج کے تمام پہلوؤں کو نظم میں بیان کیا جانے لگا۔ جوں جوں فرد کی سوچ کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، نظم کے موضوعات میں اضافہ ہوتا گیا۔

۵۔ جدید شعراء کے ایک گروہ جاں نثار اختر، علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، مجاز لکھنوی وغیرہ نے مجلسی یا معاشی ناہمواریوں کو نظم کا موضوع بنایا ہے مگر ان کی اکثر نظمیں پروپیگنڈے کے ذیل میں آتی ہیں تاوقتیکہ چند مرحوم نعیم صدیقی، احمد ندیم قاسمی، عبدالعزیز خالد، شورش کاشمیری وغیرہ نے تہذیبی، فکری اور سیاسی و سماجی موضوعات پر نظمیں لکھی ہیں۔

۲۔ آزاد نظم

آزاد نظم "FREE VERSE" جدید دور سے تعلق رکھتی ہے اور انگریزی ادب کے ذریعے اردو ادب میں آئی ہے۔ اس سے پہلے اس کا تجربہ اردو میں نہیں کیا گیا۔

ہیئت: ۱۔ اردو نظم میں ردیف اور قافیے کی پابندی نہیں کی جاتی۔ یوں اگر شاعر چاہے تو کہیں کہیں قافیے لے آتا ہے۔

ii۔ اس میں بحر اپنے روایتی انداز میں استعمال نہیں ہوتی بلکہ شاعر کو خیال اور مضمون کے اعتبار سے جتنے ارکان کی ضرورت ہوتی ہے، استعمال کرتا ہے۔ اسی وجہ سے نظم کا کوئی مصرعہ چھوٹا اور کوئی بڑا ہوتا ہے بعض مصرعے ایک یا دو لفظوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

خصوصیات: آزاد نظم کے حامی یہ کہتے ہیں کہ آزاد نظم کے ذریعے جذبات و احساسات کا اظہار نسبتاً زیادہ بے تکلفی اور روانی سے ہو سکتا ہے۔ ان کے خیال میں ردیف اور قافیہ براہ راست اظہار و ابلاغ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔

لیکن اس سے یہ تصور نہ کیا جائے کہ یہ اتنی آسان چیز ہے کہ ہر کس و ناکس اس کو اپنا ذریعہ اظہار بنا سکتا ہے بلکہ اس میں علامتی باتوں سے قطع نظر اپنے تاثرات کو بیان کرنے کے لئے بڑی ریاضت، مہارت اور چابکدستی کی ضرورت ہے۔

ارتقاء: ۱۔ میرا جی، ڈاکٹر تصدق حسین خالد اور ن۔ م راشد آزاد نظم کے بانیوں میں سے ہیں میرا جی نے آزاد نظم کو کھل کر استعمال کیا۔ وہ انگریزی شاعری سے بھی واقف تھے اور ہندو دیو مالا سے بھی آگاہ تھے۔ لہٰذا ان چیزوں کا ان کی شاعری پر اثر ہے۔ ڈاکٹر خالد کی شاعری صرف اسلوب کے تجربے تک محدود ہے۔ ن۔ م راشد کا مجموعہ کلام "ماورا" ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا۔ یہ اردو ادب میں پہلا باقاعدہ آزاد شاعری کی تخلیقات پر مشتمل تھا۔

۲۔ ان کے ساتھ ساتھ ترقی پسند تحریک کے شعراء فیض، فراق، علی سردار جعفری، مجاز، ساحر لدھیانوی احمد ندیم قاسمی، کیفی اعظمی، مخدوم محی الدین وغیرہ نے بھی اس صنف میں بھرپور حصہ لیا۔

۳۔ ان شعراء کے ساتھ ہی چند اور شعراء کی ایک نئی نسل ابھری جو کسی خاص تحریک سے وابستہ نہ تھے۔ ان میں یوسف ظفر، قیوم نظر، مجید امجد اور مختار صدیقی وغیرہ کے ہاں موضوع اور ہیئت کے تجربات ملتے ہیں۔

۴۔ آج کل شہرت بخاری، شہزاد احمد، پروین شاکر، ظفر اقبال، منیر نیازی وغیرہ اس صنف شاعری کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

مثالیں

۱۔ پروین شاکر : مشورہ
ننھی لڑکی
ساحل کے نزدیک
ریت سے اپنا گھر نہ بنا
کوئی سرکش موج آئی تو
تیرے گھر کی بُنیادیں تک بہہ جائیں گی
اور پھر ان کی یاد میں تو
ساری عمر اُداس رہے گی

۲۔ ن۔ م راشد : زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو، زندگی تو ہم بھی ہیں
آدمی سے ڈرتے ہو۔
آدمی تم بھی ہو، آدمی تو ہم بھی ہیں
آدمی زباں بھی ہے، آدمی بیاں بھی ہے اس سے تو نہیں ڈرتے
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے آہن سے آدمی سے وابستہ آدمی
کے دامن سے زندگی ہے وابستہ اس سے تم نہیں ڈرتے

۳، مرثیہ

مفہوم : مرثیہ لفظ "رثا" سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی "مرنے والے کی تعریف" کے ہیں لیکن اصطلاح میں مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی شخص کی موت پر دردناک اور دلگداز پیرائے میں رنج و غم کا اظہار کیا جائے اور اس کے محاسن بیان کئے جائیں۔

مرثیہ کی اقسام : مرثیے کے موضوع میں بڑی وسعت ہے اس وسعت کے اعتبار سے مرثیے کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ **رسمی مرثیہ :** ایسا مرثیہ جو کسی شخص خاص طور پر کسی قومی رہنما کی وفات پر لکھا جائے۔ مثلاً ہر سال یومِ قائدِ اعظمؒ اور یوم علامہ اقبال کے موقع پر لکھی جانے والی نظمیں رسمی مرثیہ کے ذیل میں آتی ہیں۔

۲۔ **شخصی مرثیہ :** اپنے کسی عزیز کا ماتم کرتے ہوئے مرثیہ کہنا جیسے غالب نے زین العابدین عارف کا اور علامہ اقبال نے اپنی "والدہ مرحومہ کی یاد میں" مرثیہ لکھا۔

۳۔ **مذہبی مرثیہ :** اس قسم کے مرثیے عموماً مذہبی رہنماؤں اور خصوصاً شہدائے کربلا سے متعلق ہوتے ہیں۔ میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیے اسی نوعیت کے ہیں۔

چونکہ شہدائے کے مرثیے دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھے گئے ہیں، اس لئے مرثیہ کا اطلاق صرف تعریف شہدائے کربلا اور بیان واقعاتِ شہادت پر ہونے لگا ہے۔

ہیئت: فنی اعتبار سے مرثیہ کی کوئی شکل متعین نہیں۔ مرثیہ نظم کی ہر ہیئت میں لکھا جا سکتا ہے، تاہم مسدس کی شکل میں مرثیہ لکھنے کا رواج ہے۔

اجزائے ترکیبی

۱۔ **چہرہ:** یہ مرثیہ کی تمہید ہوتی ہے۔ اس میں حمد، نعت اور منقبت کے مضامین بیان کئے جاتے ہیں۔ ماحول کو سمجھنے کے لئے کسی منظر کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔

۲۔ **سراپا:** اس حصے میں شاعر اپنے ھیرو کا ناک نقشہ بیان کرتا ہے۔ اس کی عادات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۳۔ **رُخصت:** اس میں ہیرو کی میدان جنگ کی طرف روانگی بیان کی جاتی ہے۔ اس کی سج دھج اور اسے الوداع کہنے والے عزیز و اقارب اور دوستوں کا ذکر ہوتا ہے۔

۴۔ **آمد:** اس حصہ میں ہیرو کے میدان جنگ میں آنے کا نقشہ کھینچا جاتا ہے اور ابتدائی تیاریوں کا منظر دکھایا جاتا ہے۔

۵۔ **رجز:** اس میں ہیرو اپنے مدمقابل کو اپنے حسب نسب سے آگاہ کرتا ہے، اپنا عزم ظاہر کرتا ہے۔ صلح کا پیغام دیتا ہے لیکن تشدد سے جواب دینے پر اعلان جنگ کرتا ہے۔

۶۔ **جنگ:** اس حصہ میں دشمنوں کے ساتھ جنگ کا منظر پیش کیا جاتا ہے۔ ہیرو کے جنگی کارنامے اور اس کے جوہروں کا ذکر ہوتا ہے۔ ہیرو کے ساتھ ساتھ اس کے گھوڑے تلوار اور دوسرے سامان حرب کی عظمت کا ذکر ہوتا ہے۔

۷۔ **شہادت:** یہ مرثیہ کا بڑا نازک حصہ ہوتا ہے اس میں ہیرو اور اس کے ساتھیوں کی شہادت کا منظر دکھایا جاتا ہے۔

۸۔ **بین:** اس حصہ میں ہیرو کی شہادت پر گریہ وزاری کا منظر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد سامعین کو رلانا ہوتا ہے۔

۹۔ **دعا:** اس میں شاعر اپنے سامعین اور دنیا والوں کے لئے دعا کرتا ہے اور اہل بیت کے صدقے اپنے گناہوں کی معافی کا طلب گار ہوتا ہے۔

مرثیہ کی خصوصیات

۱۔ مرثیہ اردو شاعری کی ایک بہت بڑی کمی رزمیہ (EPIC) کو پورا کرتا ہے۔

۲۔ مذہبی و غیر مذہبی واقعات و روایات کا ذکر اس میں موجود ہوتا ہے۔

۳۔ اخلاقی شاعری کا بیش بہا خزانہ بھی ملتا ہے ۔

۴۔ زبان کی صفائی، سلاست اور روانی کی طرف مرثیہ نگاروں نے کافی توجہ دی ہے ۔

۵۔ روزمرہ محاورہ، صنائع بدائع اور جدت طرز ادا کے نمونے بدرجہ اتم موجود ہیں ۔

۶۔ مناظرِ قدرت، جذبات فطرت اور واقعہ نگاری مرثیہ کی خصوصیات ہیں ۔

۷۔ کردار نگاری کے بہترین موقعے بھی ملتے ہیں ۔

ارتقاء :
• اردو مرثیہ کی ابتداء کن سے ہوئی۔ ابتدائی دکنی دور کے مرثیہ نگاروں میں روحی سیدن، ہاشم اور کاظم کے نام قابلِ ذکر ہیں ۔

• دہلی کے قدیم شاعروں میں مسکین اور فضلی وغیرہ خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ ان شعراء کے علاوہ سودا اور میر تقی میر کے مرثیے بھی عمدہ ہیں ۔

• مرثیہ کی ترقی کا اصل اور روشن دور میر ضمیر اور میر خلیق کے زمانے سے شروع ہوا۔ لیکن مرثیہ کے آسمان پر چمکنے والے اصل آفتاب و مہتاب میر انیس اور مرزا دبیر ہیں۔ ان دونوں باکمالوں نے مرثیہ گوئی کو اس قدر چمکایا کہ اس میدان میں ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ یہ دور مرثیہ کی تاریخ کا سنہری دور ہے ۔

• جدید دور میں بعض شعراء مرثیے لکھ رہے ہیں جن میں نفیس۔ عارف رشید، جوش ملیح آبادی اور ڈاکٹر صفدر کے نام قابلِ ذکر ہیں ۔

ختم شد

کتابت :۔ محمد ارشد نعیم چٹھہ، افضل محمود چٹھہ

وقت ۳ گھنٹے **ماڈل پرچہ آئینہ اردو لازمی (ل)** کل نمبر ۱۰۰

۱۔ مندرجہ ذیل اقتباسات میں سے صرف دو کی سیاق و سباق کے حوالے سے تشریح کیجیے ۔ ۱۲½ ، ۱۲½

ا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہے ہوں بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے ایک دو صبح کو، ایک دو شام کو، میری دل لگی ہو جاتی ہے دن ان کے پڑھنے اور خط کا جواب لکھنے میں گذر جاتا ہے ۔

ب ۔ "پنشن! اچھا؟" مجھے یہ بات نہ جانے کیوں اتنی عجیب معلوم دے رہی ہے ۔ چند لمحے خاموشی رہی ۔ بس ہری شاخوں میں قینچی کے درور کرنے کی آواز آتی رہی ۔ پھر مالی آپ ہی آپ ہنسا اور اس مرتبہ اس کی آواز میں افسوس کی بھی ایک کیفیت تھی ۔ اجنبی اچھا ہی ہوا کہ ان کی پنشن ہو گئی ۔ جب سے ان کا بیٹا مرا تھا ۔ ان کا دماغ چل بے چل ہو گیا تھا ۔

ج ۔ ہم میں سے جو شخص اپنی رسی لے کر پہاڑ پر جائے اور وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پشت پر لائے اور ان کو فروخت کرے تاکہ خدا تعالیٰ اس کی حاجت رفع کر دے ، یہ اس کے حق میں بہتر ہے ۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے پھر وہ اس کو کچھ دیں یا دھتکار دیں ۔

د ۔ ایک شہر میں چند بچے جھپٹ میں آ کر مر گئے ، حضور ؐ نے ان کا بڑا غم کیا ۔ کسی صحابی ؓ نے کہا ، وہ مشرکوں کے بچے تھے ۔ حضور ؐ نے فرمایا بچے مشرکوں کے بھی تم سے بہتر ہیں ۔ خبردار بچوں کو قتل مت کرنا ۔ خبردار بچوں کو قتل مت کرنا ۔ دو دفعہ فرمایا پھر کہا ہر بچہ اللہ کی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے ۔

۲۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک کا خلاصہ لکھیے ۔

ا) فراموشی (ب) قائداعظم اور اردو (ج) کلیدِ کامیابی ۔ (۱۵)

۳۔ مندرجہ ذیل میں سے صرف دو کے مختصر جواب لکھیے ۔

(ا) مصنف نے فیکے کو چراغ کے ساتھ سفارش کا کون سا انداز اختیار کیا تھا ؟

(ب) "اشتہارات کی ضرورت نہیں ہے" ۔ کے اس مضمون کے مصنف مزاحیہ انداز میں کیا کہنا چاہتا ہے ؟

(ج) ماما عظمت کی مکاریوں کا حال مختصر طور پر بیان کریں ۔

(د) پٹرولیم زمین کے اندر کیسے بنتا ہے ؟ اور اس کی کیا اہمیت ہے ؟

۴۔ مندرجہ ذیل کی تشریح کیجیے اور شاعر کا نام بھی لکھیے ؟

(ا) دل توڑ کے جانے والے دل کی بات بتاتا جا !! ۔۔ اب میں دل کو کیا سمجھاؤں مجھ کو بھی سمجھاتا جا
حال میرے مجروح تبسم خشک لبوں تک آتا جا ۔۔ پھول کی نہت و لبو دیتی ہے کھلتا جام چھاتا جا
یہ دکھ درد کی برکھا بندے دین ہے تیرے داتا کی ۔۔ شکر نعمت بھی کرتا جا دامن بھی پھیلاتا جا

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد ⁂ مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد
یہ مدرسہ یہ جواں یہ سرور و رعنائی ⁂ انہیں کے دم سے ہے میخانہ فرنگ آباد
نہ فلسفی سے نہ ملّا سے ہے غرض مجھ کو ⁂ یہ دل کی موت، وہ اندیشہ و نظر کا فساد

(ب) مندرجہ ذیل کی تشریح کیجیے، شاعر کا نام اور نظم کا عنوان بھی لکھیے؟

کہاں بندگان ذلیل اور کہاں وہ ⁂ بسر کرتے ہیں بے غم قوت و نان وہ
پہنتے نہیں جز سمور و کتان وہ ⁂ مکاں رکھتے ہیں رشک خلد جنان وہ
نہیں چلتے وہ بے سواری قدم بھر ⁂ نہیں رہتے بے نغمہ و ساز دم بھر

(یا)

شاعر دل نواز بھی بات اگر کہے کھری ⁂ ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرع زندگی ہری
شان خلیل ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں ⁂ کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شعار آزاری
اہل زمین کو نسخہ زندگی دوام ہے ⁂ خون جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری

۵۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظم کا خلاصہ لکھیے؟ (۱۵)

(ا) دنیا (ب) ایبسٹریکٹ آرٹ (ج) جواب شکوہ سے اقتباس۔

۶۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک صنف کی تعریف اور آغاز وارتقاء کا جائزہ پیش کیجیے:۔ (۱۰)

(ا) ناول (ب) خاکہ (ج) مرثیہ

اردو لازمی
وقت ۳ گھنٹے

ماڈل پرچہ آئینہ اردو لازمی (۱)

پرچہ الف
کل نمبر ۱۰۰

۱۔ مندرجہ ذیل عبارتوں میں سے صرف دو کی تشریح سیاق وسباق کے حوالے سے کیجیے۔

ا۔ کئی موقعوں پر ایسا ہوا کہ میں نے ایک مصرع پڑھا، انہوں نے برجستہ دوسرا مصرع کہہ دیا اور چند منٹوں میں غزل ہوگئی، ان کی غزلوں میں ایک خاص سرمستی اور جوش ہے جو اردو میں ان کے سوا کسی کے ہاں نظر نہیں آتا معلوم ہوتا ہے کہ غزل گوئی کا اثر ان کے ڈراموں پر بھی پڑا ہے یعنی جس طرح غزل میں ہر شعر مستقل حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح ان کے ڈراموں کے مختلف اجزاء تو اپنی اپنی جگہ خوب ہیں لیکن آپس میں مل کر وہ اپنا حسن کسی حد تک کھو بیٹھے ہیں۔

(ب) بہت بڑے بڑے واقعات دنیا میں گزرے ہیں جن کو پرانی تاریخیں یاد دلاتی ہیں اور جن کی یاد میں ایک عجیب اثر ہمارے دلوں میں ہوتا ہے وہ سب باہمی اتفاق کا نتیجہ ہے ایک ناچیز ریشہ گیاہ جو نہایت کمزور ہوتا ہے باہمی اتفاق سے ایسا قوی اور زبردست ہو جاتا ہے کہ بڑی سے بڑی قوت کا مقابلہ کرتا ہے اس وقت تعلیم یافتہ دنیا جو کچھ ترقی پر یا مہذب ملکوں میں جو کچھ طاقت ہے وہ سب اتفاق کی بدولت ہے۔

(ج) تم تو تنومند سرو ہو اس نہال کے جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشو و نما پائی ہے اور میں ہوا خواہ اور سایہ نشین اس

نہال کا رہا ہوں کیونکہ تم مجھ کو عزیز نہ ہو گے ؟ رہی دید وا دید، اس کی دو صورتیں ہیں! تم دلی میں آ جاؤ یا میں لوہارو آؤں، تم مجبور میں معذور خود کہتا ہوں کہ میرا عذر زنہار مسموع نہ ہو۔ جب تک نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور ماجرا کیا ہے۔

(د) ایک دن کی بات ہو تو چھپ چھپا جائے آئے دن اس پر شبہ ہوتا رہتا ہے مگر تھی چالاک، گرفت میں نہیں آتی تھی۔ کئی مرتبہ نکالی گئی جب موقوف ہوئی بنیئے، بزاز، سنار، قصائی، کنجڑے جن سے اس کی معرفت اُچاپا قرض اُٹھتی تھی تقاضے کو آموجود ہوئے۔ اسی ڈر کے مارے پھر بلائی جاتی تھی۔ یوں چوری اور سینہ زوری ماما عظمت کی تقدیر میں لکھی تھی جتا کر لیتی اور بتا کر چراتی، دکھا کر نکالتی اور لکھا کر مکر جاتی۔

۲۔ مندرجہ ذیل اسباق میں سے کسی ایک کی تلخیص کیجیے؟

(ا) سفارش (ب) بنتِ بہادر شاہ ظفر (ج) فراموش۔

۳۔ مندرجہ ذیل نصابی سوالات میں سے صرف دو کے مختصر جوابات تحریر کیجیے۔

(ا) گوندنی والے تکیئے کی روحِ رواں کون تھا؟ تعارف کرائیے۔

(ب) "کلیدِ کامیابی" میں "وہم" کا کیا علاج بتایا گیا ہے؟

(ج) دھاتوں کے متعلق جابر بن حیان کا نظریہ کیا تھا؟

(د) "گرگ آشتی" سے کیا مراد ہے؟

۴۔ (ا) مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے اور شاعر کا نام بھی لکھیں۔

غافل ہیں ایسے سوئے ہوئے ہیں گویا جہاں کے لوگ ⁂ حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ
فردوس کو بھی آنکھ اٹھا دیکھتے ہیں! ⁂ کس درجہ سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ
مرتے ہیں اس کے واسطے یوں تو بہت و ے ⁂ کم آشنا ہیں طور سے اس کام جاں کے لوگ
کیا سہل جی سے ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں ہائے ⁂ یہ عشق پیشگاں ہیں الٰہی کہاں کے لوگ

(یا)

رسمِ جفا کامیاب دیکھیے کب تک رہے ⁂ حبِ وطن مستِ خواب دیکھیے کب تک رہے
تابہ کجا ہوں دراز سلسلہ ہائے فریب ⁂ ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھیے کب تک رہے
پردۂ اصلاح میں کوششِ تخریب کا ⁂ خلقِ خدا پر عذاب دیکھیے کب تک رہے
نام سے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم ⁂ جبر بہ زیرِ نقاب دیکھیے کب تک رہے

(ب) مندرجہ ذیل اقتباس کی تشریح کیجیے شاعر کا نام اور نظم کا عنوان بھی لکھیے:-

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے تاب ⁂ لے اڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز ⁂ تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

(یا)

نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے ⁂ طور مضطرب اسی آگ میں جلنے کے لیے
گھٹا اک پہاڑوں سے بلکھا کے اٹھی ⁂ پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی

کڑک اور دمک دور دور تک اس کی پہنچی ⁂ جو ٹیکس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی ⁂ ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی۔

۵۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظم کا خلاصہ لکھیں:۔
کانفرنس طلوعِ فرض شاعر

۶۔ مندرجہ ذیل اصناف نظم و نثر میں سے کسی ایک کی تعریف، ہیئت، اور ارتقاء کا مختصر جائزہ قلم بند کیجیے۔
افسانہ خاکہ مرثیہ

انٹرمیڈیٹ سرگودھا بورڈ

اُردو لازمی — پرچہ الف
وقت ۳ گھنٹے — کل نمبر ۱۰۰

۱۔ ذیل کے اقتباسات میں سے دو کی تشریح سیاق و سباق اور حوالۂ متن کے ساتھ کیجیے:۔

(ا) ... یوں آپ کو اختیار ہے لیکن میرے نزدیک مہاجن سے ڈرنا کسی طرح ممکن نہیں ورنہ اس کو آئندہ کے واسطے دلیری ہو جائے گی اور آئے دن نالش کا ڈراوا دکھایا کرے گا سب سے بہتر یہی ہے کہ ادھر کا اشارہ نہ ہو اور باہر سے کوئی دباؤ اس پر نہ پڑ جائے کہ وہ نالش کی پیروی سے باز رہے......

(ب) ..... مکے پہنچے تو اللہ میاں نے ٹھہرنے کا ایک عجیب ٹھکانہ پیدا کر دیا۔ عبدالقادر نامی میرا ایک غلام تھا جسکو میں نے آزاد کر کے مکے بھیج دیا تھا یہاں اس نے بڑی دولت کمائی اور زمزم کا داروغہ ہو گیا۔ اس کو جو ہمارے آنے کی خبر ملی دوڑا ہوا آیا اور قدموں پر گر کر خوب رویا۔ اس کا مکان بہت اچھا اور آرام دہ تھا ہم سب وہیں ٹھہرے

(ج) کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی؟ اور اگر کسی طرح نہیں مانتے تو روٹھنے کی وجہ لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خط کے بھروسے جیتا ہوں یعنی جس کا خط آیا۔ میں نے جانا وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہے ہوتے ہوں، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو دو بار ہرکارہ خط لاتا ہے۔

(د) بھیک مانگنے کی جس قدر مذمت اسلام میں کی گئی ہے شاید ہی کسی مذہب میں اس کی اس قدر برائی کی گئی ہو سوال کے انسداد کو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مہتم بالشان تصور فرماتے تھے کہ جس طرح آپ توحید اور نماز پنجگانہ کی تعلیم کو ضروری سمجھتے تھے اسی طرح لوگوں کو سوال سے باز رکھنے میں ہمت عالی مصروف رکھتے تھے

۲۔ مندرجہ ذیل اسباق میں سے کسی ایک کی تلخیص کیجیے؟
لاہور کا جغرافیہ، ایران کے موسم، پیٹرولیم

۳۔ مندرجہ ذیل سوالات میں سے دو کے مختصر جواب لکھیے:۔

(ا) بنت بہادر شاہ کا اصل نام اور اس کا خاندانی پس منظر کیا تھا ؟
(ب) ماما عظمت کے کردار کی سب سے بڑی خامی کیا تھی اور وہ کس طرح بے نقاب ہوئی ؟
(ج) احمد شاہ بخاری نے اپنے مضمون میں لاہور کی پیداوار کی کیا تفصیل لکھی ہے ؟
(د) "سفارش" میں فیکے کو مصنف سے کس مقصد کے لیے سفارش کی ضرورت تھی اور کیا اس کی یہ خواہش پوری ہوئی ؟

۴۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جزو کے اشعار کی تشریح کیجیے نیز شاعر کا نام بھی لکھیے :۔

۱۔ کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں ∴ جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں۔
موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے ∴ مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں۔
ہم کسی راہ سے واقف نہیں جوں نور نظر ∴ رہنما تو ہی تو ہوتا ہے جدھر جاتے ہیں
آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز ∴ لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں

۲۔ نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے ∴ وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد ∴ ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد ∴ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(ب) مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جزو کے اشعار کی تشریح کیجیے، نیز نظم کا عنوان اور شاعر کا نام لکھیے:

۱۔ خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے،
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے۔

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی ۔
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا ،
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے ۔

۲۔ جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفلِ شیر خوار ∴ چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقارؓ ∴ اے خاکِ پاک احرمتِ مہمان نگاہ دار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علیؓ کی ہے ∴ دولت ہے فاطمہؓ کی امانت نبیؐ کی ہے

۵۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظم کا خلاصہ لکھیے :۔ (ا) شاعر (ب) شہادت (ج) منافع خوری ۔

۶۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک پر مختصر تعارفی نوٹ لکھیے :۔

(ا) افسانہ (ب) خاکہ (ج) مرثیہ (د) آزاد نظم ۔

وقت ۳ گھنٹے

اردو لازمی پرچہ ا۔ راولپنڈی بورڈ

کل نمبر: ۱۰۰

۱۔ مندرجہ ذیل اقتباسات میں سے کسی دو کی تشریح سیاق و سباق کے حوالے سے کیجیے ۱۲½، ۱۲½

(ا) بیوی نالش تو ہوئی دھری ہے مہینے بھر کے واسطے تمیز دار بہو اپنے کپڑے دے دیتیں تو بات رہ جاتی بالفعل ان کپڑوں کو گروی رکھ آدھے تہائی ہزاری مل کے بھگت جاتے مہینے بھر میں یا تو میاں خرچ بھیج دیتے یا میں کسی اور مہاجن سے لے آتی۔

(ب) ان ہموطن بھائیوں میں بھی دو حصے ہیں، ایک خدا کا اور ایک ابنائے جنس کا۔ خدا کا حصہ خدا کیلئے چھوڑو اور جو حصہ ان میں ابنائے جنس کا ہے اس سے غرض رکھو، تمام امور انسانیت میں جو تمدن و معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں ایک دوسرے کے مددگار رہو، آپس میں سچی محبت، سچی دوستی اور دوستانہ بردباری رکھو۔

(ج) ہال کی مدہم روشنیوں میں دھوئیں کے مرغولے بل کھا رہے ہیں۔ نیویارک کے باہر کی بو باس اندر بھی ہے سامنے پیلی پیلی روشنی کے گول گول ہالوں میں ساٹھ پیس کا آرکسٹرا بج رہا ہے جب کبھی دروازے کا اطلسی پردہ کھلتا ہے تو باہر کے بلند و بالا کاخ و کو نظر آ جاتے ہیں۔

(د) دوسری قسم جلالی طلبہ کی ہے ان کا شجرہ جلال الدین اکبر سے ملتا ہے اسلیے ہندوستان کا تخت و تاج ان کی ملکیت سمجھا جاتا ہے شام کے وقت چند مصاحبوں کو ساتھ لیے نکلتے ہیں اور جود و سخا کے خم لنڈھاتے پھرتے ہیں، کالج کی خوراک انہیں راس نہیں آتی اس لیے ہوسٹل میں فروکش نہیں ہوتا۔

۲۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک سبق کی تلخیص کیجیے:۔ (۱۵)

گونگی والا تکیہ، اسلام میں گداگری کی مذمت، علامہ اقبال۔

۳۔ مندرجہ ذیل نصابی سوالات میں سے کسی دو کے مختصر جوابات لکھیے: (۱۰)

(ا) لفظ فراموش سے مصنف کے ذہن میں کونسی باتیں اور یادیں وابستہ ہیں؟

(ب) "آرام و سکون" میں میاں کی بیماری کے اصل اسباب کیا تھے؟

(ج) کس واقعے نے سرسید احمد خاں کو یقین دلایا تھا کہ ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا محال ہے؟

(د) "کلید کامیابی" میں "بے خوابی سے نجات" کا کیا طریقہ بتایا گیا ہے؟

۴۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جز کے اشعار کی تشریح کیجیے، اور شاعر کا نام بھی لکھیے: ۱۲، ۱

ا۔ کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں ∴ جان سے اپنی جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں
موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے ∴ مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
ہم کسی راہ سے واقف نہیں جوں نور نظر ∴ رہنما ہی تو ہوتا ہے جدھر جاتے ہیں
آہ! معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز ∴ لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں۔

(ب) درد اور درد کی ہے سب کی دوا ایک ہی شخص ∴ یاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص
قافلے گزریں وہاں کیونکہ سلامت واعظ ∴ جو جہاں راہزن و راہنما ایک ہی شخص

قیس سا پھر نہ اٹھا کوئی بنی عامر میں :: فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص
جھمگٹے دیکھے ہیں جن لوگوں کے ان آنکھوں نے :: آج ویسا کوئی دے ہم کو دکھا ایک ہی شخص

۵۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک بند کی تشریح کیجیے، شاعر کا نام اور نظم کا عنوان بھی لکھیے: ۱۰،۹

(ا) گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد :: جاتی نہیں افسردگی خاطرِ ناشاد،
جب عالم تنہائی میں آتا ہے وطن یاد :: ہر گام پہ دل مثل جرس کرتا ہے فریاد
اِک آن رنج و غم سے فرصت نہیں ملتی :: منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ملتی۔

(ب) کسی قوم کا جب الٹتا ہے دفتر :: تو ہوتے ہیں مسخ ان میں پہلے تونگر
کمال ان میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر :: نہ عقل ان کی ہادی نہ دین ان کا رہبر۔
نہ دنیا میں عزت نہ ذلت کی پرواہ :: نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنت کی پرواہ

۶۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظم کا خلاصہ تحریر کیجیے؟ ۱۵۔
دُنیا کانفرنس شاعر

۷۔ درج ذیل میں سے کسی ایک صنف کی تعریف، ہیئت اور ارتقاء کا مختصر جائزہ پیش کیجیے: ۱۰
ناول آزاد نظم۔

پرچہ اردو لازمی انٹرمیڈیٹ گوجرانوالہ بورڈ الف

وقت ۳ گھنٹے ۱۹۸۹ء کل نمبر ۱۰۰

۱۔ مندرجہ ذیل اقتباسات میں سے کسی دو کی تشریح سیاق و سباق کے حوالے سے کیجیے۔ ۱/۲ ۱۲ + ۱/۲ ۱۲

ا۔ وہ وقت بڑی مایوسی کا تھا۔ ایک تو یہ خطرہ کہ پیچھے سے انگریزی فوج آتی ہوگی۔ اس پر بے سروسامانی کا یہ عالم کہ ہر شخص کی نگاہ پھری ہوئی تھی۔ وہ لوگ جو ہماری آنکھوں کے اشاروں پر چلتے اور ہر وقت دیکھتے رہتے تھے کہ ہم جو کچھ حکم دیں ذرا پورا کیا جائے۔ وہی آج ہماری صورت سے بیزار تھے۔

ب۔ تم تو ثمر لو رس ہو اس نہال کے جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشوونما پائی ہے اور میں ہوا خواہ اور شایہ نشین اور نہال کار رہا ہوں، کیونکہ تم مجھ کو عزیز نہ ہو گے، رہی دید و اد دید، اس کی دو صورتیں ہیں، تم دل میں آ ڈیا میں لو ہار و آؤں، تم مجبور میں معذور۔

ج۔ جو لوگ چبوتروں پر متمکن ہیں ان کی کچھ نہ پوچھو، ہر چبوترہ ایک پارلیمنٹ ہے اور ہر تبر ایک اجلاس دنیا بھر کی خبروں پر تنقیح ہو رہی ہے، دفتر کی کارروائیوں کی بحث ہو رہی ہے۔ افواہوں کے ذرائع اور ان کی تصدیق و تردید کی جا رہی ہے۔ سفارشیں ہو رہی ہیں، وعدے لئے جا رہے ہیں، غرض سب کچھ ہو رہا ہے، نہیں ہو رہا ہے تو وہ جو ہونا چاہیئے اور جس غرض سے ساتھ آئے ہیں۔

د ۔ چوتھی قسم خالی طلبہ کی ہے ، یہ طلبہ کی خاص ترین قسم ہے ان کا دامن کسی قسم کی آلائش سے تر ہونے نہیں پاتا۔ کتابیں امتحانات مطالعہ اور اسی قسم کے خدشے کبھی ان کی زندگی میں خلل انداز نہیں ہوتے جس معصومیت کو لے کر وہ کالج میں پہنچے تھے اسے آخر تک ملوث نہیں ہونے دیتے ۔

۲۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک کا خلاصہ لکھئے ۔ ۱۵

ا۔ سفارش ب ۔ اسلام میں گداگری کی مذمت ج ۔ آغا حشر

۳۔ مندرجہ ذیل میں سے صرف دو کے مختصر جواب لکھیئے ۔ ۱۰

ا۔ کلثوم زمانی بیگم کے مکہ معظمہ میں قیام کا حال لکھئے ۔

ب۔ رسولِ اکرم کے معمولات و عادات کے بارے میں دو واقعے لکھئے ۔

ج ۔ ایران میں گرمی کے موسم کا حال تحریر کیجئے ۔

د۔ تیل کے بارے میں غیر نامیاتی نظریہ لکھیئے ۔

۴۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظم کا خلاصہ لکھئے ۱۵

ا۔ جلوہ سحر ب ۔ طلوعِ فرض ج ۔ شکوہ سے اقتباس

۵ ۔ا ۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظم کا خلاصہ لکھئے ۔ ۱۳

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل — جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تجھ سے — وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عدو کیا ہے
رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس امید پہ کہیئے کہ آرزو کیا ہے — یا

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے — ہم اور بلبلِ بیتاب گفتگو کرتے
پیام بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا — زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے
مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ — کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے

(ب) عشق ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری — میرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوائے اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری — تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں — یا

ہر اک میکدے سے بھر آ جا کے ساغر — ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثلِ پروانہ ہر روشنی پر — گرہ میں لیا باندھ حکمِ پیمبر
کہ حکمت کو اک گمشدہ لال سمجھو — جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

۶۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک صنف ادب پر نوٹ لکھیئے ۔ ۱۰

ا۔ آزاد نظم ب ۔ مرثیہ ج ۔ مضمون

اردو لازمی انٹرمیڈیٹ لاہور بورڈ ۱۹۸۹ء پرچہ الف

وقت ۳ گھنٹے — کل نمبر ۱۰۰

۱۔ مندرجہ ذیل عبارتوں میں سے صرف دو کی تشریح سیاق و سباق کے حوالے سے کیجئے۔ ۱۲½ + ۱۲½

ا۔ زمین کو دیکھنے میں ٹھوس قسم کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کو اندر اور باہر کہیں بھی قرار نہیں ہے۔ اس کے اندرونی مادے میں اتھل پتھل مچی رہتی ہے۔ کبھی اس کی سطح دبتی رہتی ہے، کبھی اٹھ جاتی ہے۔ ان سطحی حرکات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی سمندر کی سطح بلند ہو کر خشک زمین بن جاتی ہے اور اس کا پانی بہہ کر کسی خشک زمین کو غرق کر کے سمندر بنا دیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج ہم خشک زمین پر کبھی سطح کے اوپر اور کبھی سطح کے نیچے پتھروں کی تہہ پر جمی ہوئی چٹانیں دیکھتے ہیں۔

ب: اصلی اور خالص گھوڑے لاہور میں خوراک کے کام آتے ہیں۔ قصابوں کی دو کانوں پر انہیں کا گوشت بکتا ہے، تانگوں میں ان کی بجائے بناسپتی گھوڑے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بناسپتی گھوڑا شکل و صورت میں دم دار ستارے سے ملتا ہے، کیونکہ اس گھوڑے کی ساخت میں دم زیادہ اور گھوڑا کم پایا جاتا ہے۔ حرکت کے وقت دم دبا لیتا ہے اور ضبط نفس سے اپنی رفتار میں ایک سنجیدہ اعتدال پیدا کرتا ہے تاکہ سڑک کا ہر تاریخی گڑھا اور تانگے کا ہر ہچکولہ اپنا نقش آپ پر ثبت کرتا جائے اور آپ کا ہر ایک مسام لطف اندوز ہو سکے۔

ج۔ ان میں بھروسہ کرنے کا عجیب مادہ تھا۔ میری کسی تجویز کو انہوں نے کبھی رد نہیں کیا اور گھر کے معاملات میں مطلق دخل نہیں دیا۔ وہ اپنے عزیزوں سے کہیں زیادہ میرا اعتبار کرتے تھے اور مجھے اس بات کا فخر تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے اکثر فرمایا کہ تمہارے ہونے سے مجھے گھر اور بچوں کی طرف سے ایسا اطمینان و آرام ہے جس میں بڑا متمنی تھا اور جس کی مجھے بڑی ضرورت تھی۔

د۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی رہی سہی عزت بھی خاک میں مل گئی، انگریزی حکومت سو سال سے ان کی وفات کے درپے تھی۔ بتدریج مسلمانوں کی زمینیں اور عہدے چھین لئے گئے، اسلامی تعلیم کے ذرائع ختم کر دیئے گئے۔ ۱۸۳۷ء میں فارسی زبان عدالتوں سے خارج کر دی گئی، ۱۸۵۷ء کے بعد ان پر عتاب اور دباؤ بڑھتا گیا۔ اسطرح مسلمان پسپا بھی ہوئے اور ان مظالم سے متاثر ہو کر نئی حکومت اور اس کے ارادوں سے بیزار بھی ہوتے گئے۔

۲۔ مندرجہ ذیل اسباق میں سے کسی ایک کی تلخیص کیجیے۔ ۱۵

ا۔ خوابوں کا جزیرہ ب۔ آغا حشر ج۔ مسلمانوں کا قدیم طرز تعلیم۔

۳۔ مندرجہ ذیل نصابی سوالات میں سے صرف دو کے مختصر جوابات لکھیئے۔ ۱۰

ا۔ "جگر گ آتشی" کا مطلب بیان کیجیئے؟

ب: "کلید کامیابی" میں دانشمندوں کے حوالے سے حافظہ تیز کرنے کے کیا طریقے بتلائے ہیں؟

ج۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے مزار اقبال دیکھ کر اس کے محلے و قوع کے بارے میں کیا محسوس کیا؟

د۔ "بنت بہادر شاہ" کے حوالے سے "میاں نظام الدین" کا تعارف کرائیے : ۱۲ + ۱

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا — کل اُس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت — اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی — اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام — آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

یا

تاثیر برق حسن جو ان کے سخن میں تھی — اک لرزش خفی مرے سارے بدن میں تھی
واں سے نکل کر پھر نہ فراغت ہوئی نصیب — آسودگی کی جان تری انجمن میں تھی
اک رنگ التفات بھی اس بے رخی میں تھی — اک سادگی بھی اس نگہ سحر فن میں تھی
کچھ دل ہی بجھ گیا ہے مرا ورنہ آج کل — کیفیت بہار کی شدت چمن میں تھی

ب: مندرجہ ذیل اقتباسات کی تشریح کیجئے، شاعر کا نام اور نظم کا عنوان بھی لکھیئے ۹ و ۱ و ۲

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش — تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا — ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

یا

اخلاص عمل مانگ نیاگان کہن سے — شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

جلتے ہیں جبرائیل کے پر جس مقام پر — اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہیں تو ہو
گرتے ہوئے کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے — اے تاجدار یثرب و بطحا تمہیں تو ہو
دنیا میں رحمت دو جہاں اور کون ہے — جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہیں تو ہو

۵۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظم کا مرکزی خیال تحریر کیجیے : ۱۵

انجام — غربت — ایبسٹریکٹ آرٹ۔

۶۔ مندرجہ ذیل اصناف نظم و نثر میں سے کسی ایک کی تعریف، ہیئت اور ارتقاء کا مختصر جائزہ قلمبند کیجئے۔ ۱۰

۱ مضمون ۲ نظم ۳ ناول ۔

اردو لازمی پرچہ ا، ملتان بورڈ

وقت ۳ گھنٹے
کل نمبر ۱۰۰

۱۔ درج ذیل اقتباسات میں کسی دو کی تشریح سیاق و سباق کے حوالے سے کیجیئے ۱۲½ و ۱۲½

(ا) یہ سب بندوبست کر کے ماما گھر واپس آئی اور مولوی صاحب کے خدمتگار نے پاؤں دبانے میں یہ سب حال مولوی سے بیان کیا اور محمد کامل کی ماں کے ذریعہ اصغری کو بھی معلوم ہوا۔ صبح ہوئی تو بزاز اور بزازی مل طلب ہوئے، حساب میں کچھ حجت ہونے لگی ماما چڑھ چڑھ کر بولتی تھی۔ بزاز نے کہا "تو بڑھیا ٹر ٹر کیوں کرتی ہے، اٹھا اپنی چوڑیاں تو تو پندرہ روپے بتاتی تھی، بازار میں نو روپے آ سکتے ہیں"۔

(ب) "جس قدر قوم میں بھیک مانگنے والوں کی کثرت زیادہ ہو جاتی ہے اسی قدر قوم کی دولت میں، محنت وجفاکشی میں غیرت وحمیت میں، ہمت واولوالعزمی میں گھاٹا ہو جاتا ہے مفلسوں کو کاہلی اور بے غیرتی کی ترغیب ہوتی ہے اور دولت مندوں کا بہت سا روپیہ ایسی جماعت بڑھانے اور تقویت دینے میں صرف ہوتا ہے جن کا وجود سوسائٹی کے حق میں سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔"

(ج) "علامہ مرحوم کی باتیں سنیئے بشرطیکہ وہ بات کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو فوراً محسوس ہوگا کہ ان کی باتیں صرف زبان سے نہیں ادا ہوتی تھیں اور وہ صرف اپنے الفاظ اور فقروں پر نہیں بھروسہ کرتے تھے بلکہ وہ باتیں کہیں دور سے اور بڑی گہرائی سے آتی تھیں ان کی گفتگو حشو وزوائد سے قطعاً پاک ہوتی تھی کہ وضاحت وجامعیت بجائے خود صنائع وبدائع معلوم ہونے لگتی تھیں۔ گفتگو کرنے میں ان کی آنکھیں نصف سے بھی کچھ کم کھلی رہتی تھیں، البتہ جب گفتگو میں گرمی اور روانی پیدا ہو جاتی تھی تو آنکھیں پوری کھل جاتی تھیں اور چہرے پر خون کی سرخی جھلکنے لگتی تھی۔"

ب۔ "بُروں کو بُرا کہنا ختی کہ منافقوں کو منافق کہنے میں حضورؐ کو تامل ہوتا تھا۔ بُرا کہہ دینے کی بے دھڑک جرأت حضورؐ کے نزدیک مستحسن نہیں تھی۔ کسی کی کوئی بات ناپسند ہوتی تھی تو اسے اول تو حضورؐ برداشت کر لیتے تھے یا چہرے پر اثر دیکھ ناپسندیدہ حرکت کرنے والا سمجھ جاتا تھا یا دوسرے اس کو سمجھا دیتے تھے یا بعض اوقات حضور دوسروں سے کہہ دیا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو سمجھا دو کہ ایسی حرکت نہ کیا کرے بعض اوقات خود بھی سمجھایا ہے مگر اس طرح کہ غلط کار کی ذلت نہیں ہوتی۔"

۲۔ کسی ایک سبق کا خلاصہ لکھئے۔ ۱۔ لاہور کا جغرافیہ ۲۔ مردہ بدست زندہ	۱۵

۳۔ صرف دو سوالوں کے جواب اختصار سے لکھئے؛	۱۰

۱۔ "تشکیل پاکستان" کے حوالے سے بتائیے کہ قیام پاکستان نے برصغیر کے مسلمانوں پر کیا اثر ڈالا؟

۲۔ پاکستان کے مسلمانوں کا نصب العین کیا ہے؟ (بحوالہ مضمون تشکیل پاکستان)

۳۔ غیر مستحق سائلوں کے لئے رسول اللہؐ کا فرمان کیا ہے؟ (بحوالہ مضمون اسلام میں گداگری کی مذمت)

۴۔ (ا) صرف ایک جز کی تشریح شاعر کے حوالے سے کیجئے۔	۱۲،۱

۱۔
لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
ہو عمر خضر بھی تو کہیں گے بوقت مرگ — ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے
بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے — پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے
دنیا نے کس کا راہ فنا میں دیا ہے ساتھ — تم بھی چلے چلو یونہی جب تک چلی چلے

۲۔
کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد — مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ وبغداد
یہ مدرسہ یہ جواں یہ سرور ورعنائی — انہیں کے دم سے ہے میخانۂ فرنگ آباد
فقیہہ شہر کی تحقیر کیا مجال مری — مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد
کئے ہیں فاش رموز قلندری میں نے — کہ فکر مدرسہ وخانقاہ ہو آزاد

ب: کسی ایک جُز کی تشریح شاعر اور نظم کے حوالے سے کیجئے۔ ۱، ۲، ۹

۱۔ پھر آیا کوئی دلِ زار، نہیں کوئی نہیں
راہ رو ہو گا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے اک راہ گذار
اجنبی خاک نے دھندلا دیئے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں، بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا

۲۔ ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفتِ سیلِ رواں چل
وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا
غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا
افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

۵۔ کسی ایک نظم کا خلاصہ تحریر کیجئے: ۱۵
خونِ جگر کی چند بوندیں ۔ جوابِ شکوہ ۔ اسلامی مساوات

۶۔ کسی ایک صنف پر نوٹ لکھئے۔ ۱۰
افسانہ ۔ مرثیہ ۔ آزاد نظم ۔

اُردو لازمی انٹرمیڈیٹ بہاولپور بورڈ ۱۹۸۹ء پرچہ الف

۱۔ مندرجہ ذیل اقتباسات میں سے کسی دو کی سیاق و سباق کے حوالے سے تشریح کیجئے! ۲۵

ا۔ مگر یہ قصبے والوں کو الزام نہیں دیتا۔ شاید وہ اس زمانے کی حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے اپنے فیصلے میں حق بجانب ہوں۔ ممکن ہے میں اس زمانے میں یہاں ہوتا تو انہی کا ساتھ دیتا۔ مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تکیہ غریب غربا، کاموں لنس اور سارے قصبے کی تفریح گاہ تھا جس سے وہ ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے۔

ب۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو درحقیقت یہ سب کام خود غرضی اور ذاتی منفعت کے ہیں نہ ابنائے جنس کی بھلائی اور قومی ہمدردی کے۔ جب تک کہ ہمارے دل میں یہ جوش نہ پیدا ہو کہ جو کام ہم کریں وہ قوم کے لئے کریں، نہ ثوابِ آخرت کے لئے، اس وقت تک قومی ہمدردی کا جوش پیدا نہیں ہو سکتا۔

ج۔ کام! وہ زور سے ہنسا اور پھر سرگوشی کے لہجے میں بولا، کام کرنا مجھے پسند نہیں۔ فضول واہیات۔ لائیے ایک عدد ڈائم عنایت فرمائیے۔ اس کے بعد میں نے اور کچھ پوچھنے کی جرأت ہی نہ کی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں اس سے کچھ اور پوچھتا تو وہ ایک خارشگاف چاقو میرے پیٹ میں اُتار کر کہتا، بکو اس ہی کے جاؤ گے

یا پھر دوگے بھی ۔

د۔ یہ اکثر روپ، اخلاق اور ادا گون اور جمہوریت پر با آوازِ بلند تبادلۂ خیالات کرتے پائے جاتے ہیں اور آفرینش کے متعلق نئے نئے نظریئے پیش کرتے رہتے ہیں۔ صحت جسمانی کو ارتقائے انسانی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اس لئے علی الصباح پانچ چھ ڈنٹر پیلتے ہیں اور شام کو ہوسٹل کی چھت پر گہرے سانس لیتے ہیں۔ گاتے ضرور ہیں لیکن بے سُرے ہوتے ہیں۔

۲۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک سبق کا خلاصہ تحریر کیجئے اور مصنف کا نام بھی تحریر کیجئے ۱۴ + ۱
آرام و سکون، تشکیل پاکستان۔ ایران کے موسم

۳۔ مندرجہ ذیل نصابی سوالات میں سے صرف دو کے مختصر جوابات تحریر کیجئے: ۵ + ۵

ا۔ "بنت بہادر شاہ" کے حوالے سے بتلائیے کہ کورالی گاؤں میں شاہی خاندان پر کیا بیتی؟

ب۔ "بنت بہادر شاہ" کے حوالے سے بتلائیے کہ قیام حیدر آباد کے دوران شاہی خاندان کا ذریعہ معاش کیا تھا؟

ج۔ "آغا حشر" کے حوالے سے بتائیے کہ آغا کس قسم کی کتابیں پڑھتے تھے؟

د۔ "آغا حشر" کے حوالے سے بتائیے کہ آغا اپنی تعریف کرنا پسند کرتے تھے؟ یا نہیں اور کیوں؟

۴۔ درج ذیل اشعار پر مشتمل حصہ ا۔ اور اا۔ میں سے کسی ایک کی تشریح کیجئے ۱۲ + ۱
اور شاعر کا نام بھی تحریر کیجئے

ا۔ وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
یوں ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیوں نہ ہو

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

اا۔ کارواں سست، راہبر خاموش
کیسے گذرے گا یہ سفر خاموش

تجھے کہنا ہے کچھ، مگر خاموش
دیکھ اور دیکھ کر گزر خاموش

اُٹھ گئے کیسے کیسے پیارے لوگ
ہو گئے کیسے کیسے گھر خاموش

ابھی وہ قافلے نہیں آئے
ابھی بیٹھیں نہ ہمسفر خاموش

۴۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک بند کی تشریح کیجیے ۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی لکھیں ۔ ۹، ۲، ۱

ا۔ ہر اک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
فلاحت میں بے مثل دیکتا ہوئے وہ سیاحت میں مشہور دنیا ہوئے وہ
ہر اک ملک میں ان کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے ان سے سیکھی تجارت

ii۔ کوئی خاموش پنچھی اپنے دل میں
امیدوں کے سنہری جال بن کے چلا جاتا ہے چگنے دانے دُنکے
فضائے زندگی کی آندھیوں سے
ہے ہر اک کو بچشم تر گزرنا مجھے چل کر اسے اُڑ کر گزرنا

۵۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظم کا خلاصہ تحریر کیجیے اور شاعر کا نام بھی تحریر کیجیے ! ۱۴+۱

i۔ غربت ii۔ طلوع اسلام سے اقتباس iii۔ ایبسٹریکٹ آرٹ

۶۔ مندرجہ ذیل اصناف پر مختصر نوٹ تحریر کیجیے ۔ ۵+۵

ا۔ ڈرامہ یا خاکہ ب۔ نظم یا مرثیہ ۔

